

اثمار الہدایہ

علی الہدایہ

ہدایہ ثانی
۱۱۵۳ھ - ۱۱۹۳ھ

ساتویں جلد

اس شرح میں ہر ہر مسئلے کے لئے تین تین حدیثیں ہیں

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

ناشر

مکتبہ ثمیر، مانچیسٹر، انگلینڈ

Mobile (0044)7459131157

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب-----اٹمار الہدایہ جلد ۷
 نام مؤلف-----مولانا ثمیر الدین قاسمی
 ناشر-----ملکتہ ثمیر، مانچیسٹر، انگلینڈ
 طباعت پہلی بار-----جون ۲۰۱۲ء

مؤلف کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi
 70 Stamford Street , Old trafford
 Manchester,England -M16 9LL
 E samiruddinqasmi@gmail.com
 Mobile (00 44) 07459131157
 website samiruddinbooks.co.uk

انڈیا کا پتہ

مولانا ساجد صاحب
 At Post. ghutti
 Via Mahagama Dist Godda
 Jharkhand-INDIA
 Pin 814154
 Mobile 0091 6202078366

ملنے کے پتے

مولانا مسلم صاحب دہلی۔ امام مسجد بادل بیگ

بازار سرکی والاں 5005

حوض قاضی، دہلی

Pin 110006

فون نمبر 0091 9717158837

ثاقب بک ڈپو

مقام، پوسٹ دیوبند ضلع سہارنپور

یوپی۔ انڈیا

پین کوڈ 247554

tel 0091 8937896482

﴿ خصوصیات اثمار الهدایہ ﴾

- (۱) ہدایہ کے ہر مسئلے کے لئے تین حدیث تین حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے
- (۲) پھر صاحب ہدایہ جو حدیث لائے ہیں وہ کس کتاب میں ہے اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ صاحب ہدایہ کی حدیث پر اشکال باقی نہ رہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے، یا قول صحابی، یا قول تابعی۔
- (۳) طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاورہ اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔
- (۴) کمال یہ ہے کہ عموماً ہر مسئلے کو چار مرتبہ سمجھایا ہے، تاکہ طلباء مسئلہ اور اسکی دلیل بھی آسانی سے سمجھ جائیں
- (۵) مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔
- (۶) وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔
- (۷) حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کر دی گئی ہے۔
- (۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی، کتاب الام، کے حوالے سے لکھا گیا اور حدیث کی دلیل بھی وہیں سے ذکر کی گئی ہے
- (۹) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔
- (۱۰) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔
- (۱۱) لفظی ابحاث اور اعتراض و جوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تاکہ طلباء کا ذہن پریشان نہ ہو۔
- (۱۲) جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے قول صحابی، یا قول تابعی لکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی، یا قول تابعی ہے۔
- (۱۳) حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر بیرونی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیرونی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تاکہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔
- (۱۴) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان بھی لکھ دئے گئے ہیں تاکہ دونوں اوزان میں باسانی موازنہ کیا جاسکے۔
- (۱۵) کتاب البیوع میں بہت سارے مسئلے اصول پر ہیں، میں نے ہر جگہ اصول لکھا ہے تاکہ اصول یاد ہو جائے اور مسئلہ سمجھنے میں بھی آسانی ہو۔

ہم اثمار الہدایہ ہی کو کیوں پڑھیں؟

(۱)	اس شرح میں ہر جگہ اصول لکھے گئے ہیں جن سے مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور اصول بھی یاد ہو جاتے ہیں
(۲)	اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔
(۳)	کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تاکہ حدیث مضبوط ہوں۔
(۴)	صاحب ہدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔
(۵)	ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔
(۶)	بلاوجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔
(۷)	سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔
(۸)	پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلاً گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔
(۹)	امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

فہرست مضامین اثنار الہدایہ جلد ۷

نمبر	عنوانات	کس مسئلہ نمبر سے	صفحہ نمبر	فائل نمبر
	فہرست		۶	۰
۱	بَابُ قَطْعِ الطَّرِيقِ	۲۲۱۱	۸	۱
۲	کتاب السیر	۲۲۳۱	۳۳	۱
۳	بَابُ كَيْفِيَّةِ الْقِتَالِ	۲۲۴۲	۴۶	۱
۴	بَابُ الْمَوَادَعَةِ وَمَنْ يَجُوزُ أَمَانُهُ	۲۲۵۹	۸۰	۱
۵	فَصْلٌ فِي أَحْكَامِ	۲۲۶۸	۹۷	۱
۶	بَابُ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا	۲۲۷۳	۱۰۴	۱
۷	فَصْلٌ فِي كَيْفِيَّةِ الْقِسْمَةِ.	۲۲۸۰	۱۱۵	۲
۸	فِي أَحْكَامِ الْخُمْسِ	۲۲۸۷	۱۲۲	۲
۹	فَصْلٌ فِي التَّنْفِيلِ	۲۳۱۵	۱۴۵	۲
۱۰	بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّارِ	۲۳۲۱	۱۵۲	۲
۱۱	بَابُ الْمُسْتَأْمَنِ	۲۳۳۵	۱۶۶	۲
۱۲	فَصْلٌ فِي حُكْمِ الْمُسْتَأْمَنِ	۲۳۴۵	۱۷۸	۲
۱۳	بَابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَجِ	۲۳۶۱	۱۸۸	۲
۱۴	بَابُ الْجَزْيَةِ	۲۳۷۴	۱۹۶	۲
۱۵	فَصْلٌ	۲۴۰۴	۲۱۸	۳
۱۶	بَابُ أَحْكَامِ الْمُؤْتَدِّينَ	۲۴۱۸	۲۲۸	۳
۱۷	بَابُ الْبُعَاةِ	۲۴۲۳	۲۳۳	۳

فہرست مضامین اٹمار الہدایہ جلد ۷

نمبر	عنوانات	کس مسئلہ نمبر سے	صفحہ نمبر	فائل نمبر
۱۸	کِتَابُ اللَّقِیْطِ	۲۴۵۳	۲۵۳	۳
۱۹	کِتَابُ اللَّقْطَةِ	۲۴۶۰	۲۵۹	۳
۲۰	کِتَابُ الْبَاقِ	۲۴۶۸	۲۶۴	۳
۲۱	کِتَابُ الْمَفْقُودِ	۲۴۷۴	۲۶۸	۳
۲۲	کِتَابُ الشَّرْکَةِ	۲۴۸۳	۲۷۳	۳
۲۳	فَصْلٌ	۲۴۹۰	۲۷۷	۳
۲۴	فَصْلٌ فِي الشَّرْکَةِ الْفَاسِدَةِ	۲۴۹۸	۲۹۰	۳
۲۵	فَصْلٌ	۲۵۲۲	۳۱۷	۳
۲۶	کِتَابُ الْوُقُوفِ	۲۵۴۳	۳۴۸	۴
۲۷	فَصْلٌ			

﴿بَابُ قَطْعِ الطَّرِيقِ﴾

(۲۷۱۷): قَالَ وَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُّتَمَنِّعِينَ أَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ عَلَى الْإِمْتِنَاعِ فَقَصَّدُوا قَطْعَ الطَّرِيقِ فَأَخَذُوا قَبْلَ أَنْ يَأْخُذُوا مَالًا وَيَقْتُلُوا أَنْفُسًا حَبَسَهُمُ الْإِمَامُ حَتَّى يُحْدِثُوا تَوْبَةً،

﴿بَابُ قَطْعِ الطَّرِيقِ﴾

ضروری نوٹ: ایک جماعت جو لوٹ مار کرے اور ڈاکہ زنی کرے اس کو عربی میں قطاع الطريق: راستہ کاٹنے والا، اور ڈاکہ زنی کہتے ہیں۔

وجہ: اس آیت میں ڈاکہ زنی کا ثبوت ہے۔ انما جزء والذین يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفو من الارض ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم (آیت ۳۳ سورۃ المائدہ ۵)

ترجمہ: (۲۷۱۷) اگر ایک جماعت راستہ روکنے والی نکلی یا ایک آدمی جو راستہ روکنے پر قدرت رکھتا ہو اور انہوں نے ڈاکہ زنی کا ارادہ کیا۔ پس وہ گرفتار کر لئے گئے مال لینے سے پہلے اور خون کرنے سے پہلے تو امام ان کو قید کرے گا یہاں تک کہ توبہ ظاہر کریں۔

تشریح: لوگوں کے مال لوٹنے کے لئے کوئی ایسی جماعت نکل پڑے جو واقعی ڈاکہ زنی کرنے پر اور لوگوں کے راستے روکنے پر قدرت رکھتی ہو۔ یا ایک ہی آدمی اتنا بہادر اور دلیر ہو کہ ڈاکہ زنی کرنے اور راستے روکنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کام کے لئے نکل پڑا لیکن ابھی اس نے نہ مال لوٹا تھا اور نہ قتل کیا تھا اس سے پہلے وہ گرفتار کر لیا گیا تو امام نہ اس کا ہاتھ کاٹے گا اور نہ اس کو قتل کرے گا۔ بلکہ اتنی مدت تک قید میں رکھے کہ توبہ کر لے اور حرکات و سکنات سے محسوس ہو کہ اس نے ڈاکہ زنی سے توبہ کر لی ہے۔

وجہ: (۱) ہاتھ پاؤں تو اس لئے نہیں کاٹے گا کہ ابھی مال نہیں لیا ہے اور قتل اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ ابھی کسی کا خون نہیں بہایا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کام سے پہلے وہ توبہ کر لیتا (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ ان عمر بن عبد العزيز كتب في سارق لا يقطع حتى يخرج بالمتاع من الدار لعله يعرض توبة قبل ان يخرج من الدار (مصنف ابن ابی شیبہ ۵ فی السارق یؤخذ قبل ان یخرج من البیت بالمتاع ج خامس ص ۷۷ نمبر ۲۸۱۱۴ مصنف عبدالرزاق، باب السارق یوجد فی البیت ولم یخرج، ج ۹ ص ۴۹۱ نمبر ۱۹۰۸۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مال چرا کر قبضہ کرے گا تب ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور چونکہ اس ڈاکہ زن نے ابھی مال لوٹا نہیں ہے اس لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا صرف قید کیا جائے گا (۳) آیت محاربہ

(۲۷۱۸) وَإِنْ أَخَذُوا مَالَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ، وَالْمَأْخُوذُ إِذَا قُسِمَ عَلَى جَمَاعَتِهِمْ أَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشْرَةَ ذَرَاهِمَ فَصَاعِدًا أَوْ مَا تَبْلُغُ قِيَمَتَهُ ذَلِكَ قَطَعَ الْإِمَامُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ،

میں اس کا اشارہ ہے۔ انما جزء والذین يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفو من الارض ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم (آیت ۳۳ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں چار قسم کی سزایان کی گئی ہیں کیونکہ چار قسم کی شرارتیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے آخری سزایہ ہے کہ ینفو من الارض شہر سے باہر کر دیا جائے یعنی قید کر دیا جائے۔ یہ سزا اس وقت ہے جب نہ چوری کی ہو اور نہ قتل کر سکا ہو۔

لغت: منقطع: روکنے والا یعنی راستہ روک کر ڈاکہ زنی کرنے والا۔ قطع الطريق: راستہ کاٹنا یعنی لوگوں کو راستے میں لوٹ لینا، ڈاکہ زنی کرنا، حبسہم: ان کو قید کر دے۔

ترجمہ: (۲۷۱۸) اگر انہوں نے مسلمان یا ذمی کا مال لوٹا اور لیا ہو مال ان کی جماعت پر تقسیم کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک کو دس درہم یا زیادہ پہنچے یا ایسی چیز لے جس کی قیمت دس درہم تک پہنچے تو امام ان کے ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹے۔

تشریح: اس جماعت نے ذمی کا مال یا مسلمان کا مال لوٹا اور اتنا مال لوٹا کہ جماعت کے ہر فرد کو دس درہم یا دس درہم سے زیادہ ملے گا۔ یا لوٹا ہو مال ہر ایک آدمی کو اتنا اتنا ملے گا کہ اس کی قیمت دس درہم ہوگی تو امام ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے گا۔

وجہ: (۱) ذمی یا مسلمان کا مال لوٹنے سے اس لئے کاٹا جائے گا کہ وہ مال محفوظ ہے۔ اور حربی کا مال لوٹا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔ اور ہر ایک کو دس درہم پہنچے تب کاٹا جائے گا اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے کہ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اور دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں دونوں کاٹے جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صرف چور نہیں ہیں بلکہ ڈاکہ زن ہیں۔ ایک مرتبہ ڈاکہ زنی ہو جائے تو پورا علاقہ خوف سے مہینوں نہیں سوتے ہیں۔ اور پورے علاقے میں بد امنی پھیل جاتی ہے۔ اس لئے اس کی سزا سخت رکھی گئی ہے کہ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے تاکہ دوبارہ ڈاکہ زنی نہ کر سکے (۲) مال لوٹنے کی سزا آیت میں گزری اور تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف (آیت ۳۳ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں ہے کہ ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹے جائیں (۳) حدیث میں ہے کہ قبیلہ عکمل اور قبیلہ عیینہ کے کچھ لوگ حضورؐ کے پاس آئے وہ مسلمان ہوئے اور مدینہ میں رہنے لگے۔ لیکن ان کو بیماری لگ گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ صدقہ کے اونٹ کا دودھ اور پیشاب پیو۔ وہ اس سے صحت یاب ہو گئے لیکن بعد میں مرتد ہو گئے اور اونٹ کے چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹ بھی لوٹ کر لے گئے۔ آپؐ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کو کٹوا یا اور آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی جس سے وہ مر گئے۔ لمبی حدیث یہ ہے۔ عن انسؓ قال قدم على النبي ﷺ نفر من

۱۔ وَإِنْ قَتَلْتُمْ وَلَمْ يَأْخُذُوا مَالًا قَتَلْتُمْ الْإِمَامَ حَدًّا ۲۔ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ الْآيَةُ. وَالْمُرَادُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ التَّوْزِيعُ عَلَى الْأَحْوَالِ وَهِيَ أَرْبَعَةٌ: هَذِهِ الثَّلَاثَةُ الْمَذْكُورَةُ، وَالرَّابِعَةُ نَذْكُرُهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَلِلَّانَّ الْجَنَائِيَّاتِ تَتَفَاوَتْ عَلَى الْأَحْوَالِ فَالْإِتِّقُ تَغْلُظُ الْحُكْمُ بِتَغْلُظِهَا.

عکل فاسلموا فاجتروا المدينة فامرهم ان يأتوا ابل الصدقة فيشربوا من ابوالها والبانها ففعلوا فصحوا فارتدوا وقلوا رعاتها واستاقوا الابل فبعث في آثارهم فاتى بهم فقطع ايديهم وارجلهم وسمل اعينهم ثم لم يحسمهم حتى ماتوا (بخاری شریف، باب کتاب المحاربين من اهل الکفر والردة ص ۱۰۰۵ نمبر ۶۸۰۲ مسلم شریف، باب حکم المحاربين والمتردين ص ۵۷ نمبر ۴۳۵۳/۱۶) اس حدیث میں محارب اور ڈاکہ زنوں کے ہاتھ اور پاؤں دونوں کاٹے ہیں کیونکہ انہوں نے اونٹ چرایا تھا۔ اور چرواہوں کو قتل کرنے کی وجہ سے آنکھوں میں سلائی پھیر دی تاکہ ٹپ ٹپ کر مرجائیں۔

ترجمہ: ۱۔ اور اگر انہوں نے آدمی قتل کیا اور مال نہیں لیا تو امام ان کو حد کے طور پر قتل کرے، [پس اگر اولیاء ان کو معاف کر دے تب بھی امام ان کی معافی کو نہ مانے]

تشریح: ڈاکوؤں نے مال تو نہیں لیا لیکن کسی کی جان ماردی تو قصاص کے طور پر امام ان کو قتل کریں گے اور مقتول کے ولی ڈاکہ زنوں کو معاف کر دے تب بھی امام معاف نہ کرے بلکہ قتل ہی کر دے۔

وجہ: (۱) جان کے بدلے جان کے لئے آیت گزر چکی ہے۔ وکتبتنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس والعین بالعين (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتا چلا کہ قتل کیا ہے تو اس کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ (۲) آیت محاربہ میں بھی او یقتلوا (آیت ۳۳، سورۃ المائدۃ ۵) تھا۔ یعنی ڈاکہ زنوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ولی کے معاف کرنے سے بھی قصاص ساقط نہیں ہوگا کیونکہ ان کی شرارت بہت زیادہ ہے (۳) قول تابعی میں ہے۔ عن الزہری قال عقوبة المحارب الى السلطان لا يجوز عفو ولي الدم، ذلك الى الامام (مصنف عبدالرزاق باب المحاربة ج ۱ ص ۴۳۳، نمبر ۱۸۸۷۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ اس کا معاملہ حاکم کے ذمے ہے ولی کو معاف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

لغت: يلتفت : توجہ دینا۔

ترجمہ: ۲۔ اور اس بارے میں اصل یہ آیت ہے۔ انما جزاء والذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایديہم وارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الآخرة عذاب عظیم (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے مراد اللہ علم اس میں چار

۳. أَمَّا الْحَبْسُ فِي الْأُولَى فَلِأَنَّهُ الْمَرَادُ بِالنَّفْيِ الْمَذْكُورِ لِأَنَّهُ نَفْيٌ عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ بِدَفْعِ شَرِّهِمْ عَنْ أَهْلِهَا، وَيُعْزَرُونَ أَيْضًا لِمُبَاشَرَتِهِمْ مُنْكَرَ الْإِخَافَةِ. ۴. وَشَرُطُ الْقُدْرَةِ عَلَى الْإِمْتِنَاعِ؛ لِأَنَّ الْمُحَارَبَةَ لَا تَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْمَنْعَةِ.

حالتوں پر سزا کی تقسیم ہے، یہ تین حالتیں اوپر ذکر کی گئی ہیں اور چوتھی حالت آگے ذکر کریں گے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف احوال میں جرم مختلف ہوتے ہیں تو اس کے مطابق حکم میں بھی شدت آتی ہے۔

تشریح: آیت میں چار قسم کی سزا کا ذکر ہے، کیونکہ جرم بھی چار قسم کے ہوتے ہیں۔

چار جرم کی تفصیل یہ ہے اور اس کی سزا کی تفصیل بھی یہ ہے، اس نقشے کو غور سے دیکھیں۔

نمبر	جرم	سزا
(۱)	صرف ڈرایا	توقید کیا جائے گا، یا شہر سے باہر کر دیا جائے گا۔
(۲)	صرف مال لوٹا	دائیں ہاتھ، اور بائیں پاؤں کاٹ دئے جائیں گے۔
(۳)	صرف قتل کیا	بدلے میں قتل کیا جائے گا۔
(۴)	مال بھی لوٹا اور قتل بھی کیا	ہاتھ پاؤں بھی کاٹے جائیں گے، اور قتل بھی کیا جائیگا یا صرف قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائیگا۔

ترجمہ: ۳. پہلی شکل [یعنی صرف ڈرایا ہو تو] قید کرنا ہے، اس لئے کہ آیت میں جو نفی یعنی شہر بدر ہے اس سے مراد قید کرنا ہے اس لئے کہ زمین سے نفی کرنا زمین والے سے اس کی شرارت کو دور کرنا ہے، اور ڈاکوں کو تعزیر کرنا ہے کیونکہ اس نے ڈرانے دھمکانے کا گھناؤنا کام کیا ہے۔

تشریح: اس لمبی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکو نے مال نہیں لیا اور قتل نہیں کیا ہے صرف ڈرایا ہے تو اس کو قید کر دیا جائے گا، آیت میں او ینفون من الارض (آیت ۳۳ سورۃ المائدہ ۵) سے یہی مراد ہے۔

لغت: نفی: یہاں نفی کا ترجمہ ہے مجرم کو شہر سے باہر نکال دینا، پچھلے زمانے میں قید خانہ نہیں تھا تو مجرم کو شہر سے باہر نکال دیتے تھے، ابھی اس کے بدلے میں قید خانہ میں رکھتے ہیں۔

ترجمہ: ۴. قدوری نے یہ شرط لگائی کہ روکنے پر قدرت ہو اس لئے کہ روکنے کی قدرت کے بغیر جنگ ممکن نہیں ہے۔

۵. وَالْحَالَةُ الثَّانِيَةُ كَمَا بَيَّنَّاهَا لِمَا تَلَوْنَاهُ. ۶. وَشَرَطُ أَنْ يَكُونَ الْمَأْخُودُ مَالٌ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّي لِتَكُونَ الْعِصْمَةُ مُؤَبَّدَةً، وَلِهَذَا لَوْ قَطَعَ الطَّرِيقَ عَلَى الْمُسْتَأْمَنِ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ. ۷. وَشَرَطُ كَمَالِ النَّصَابِ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ كَيْ لَا يُسْتَبَاحَ طَرَفُهُ إِلَّا بِتَنَاقُلِهِ مَالَهُ خَطَرٌ، ۸. وَالْمُرَادُ قَطْعُ الْيَدِ الْيُمْنَى وَالرَّجُلِ الْيُسْرَى كَيْ لَا يُؤَدَّى إِلَى تَقْوِيَةِ جَنْسِ الْمُنْفَعَةِ.

تشریح: متن میں ڈاکو کے لئے یہ شرط لگائی کہ اس کو روکنے کی قدرت ہو تب اس کو ڈاکو کہا جائے گا، فرماتے ہیں کہ اس قدرت کے بغیر لوگوں سے جنگ ناممکن ہے۔

لغت: منعتہ: ایسی قدرت جس سے لوگوں کو ڈرایا جاسکے اور اس کے مال کو زبردستی لے جائے، اس کو منعتہ، کہتے ہیں۔ محاربتہ: حرب سے مشتق ہے، جنگ۔

ترجمہ: ۵: دوسری حالت جیسا کہ ہم نے بیان کیا اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی۔

تشریح: متن میں دوسری حالت یہ بیان کی کہ ڈاکو نے مال لوٹا ہے، اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو اور بائیں پاؤں کو کاٹ دیا جائے گا، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۶: اور شرط یہ ہے کہ مسلمان کا مال لیا ہو یا ذمی کا مال لیا ہوتا کہ ہمیشہ اس کا محفوظ مال ہو، یہی وجہ ہے کہ اگر آرمین لینے والے کو لوٹا تو ڈاکو کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: متن میں یہ تھا کہ کسی مسلمان کے مال کو لیا ہو، یا ذمی کے مال کو لیا ہو تب ڈاکو کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کا مال اور ذمی کا مال محفوظ مال ہے، ڈاکو محفوظ مال لیگا تب ہی ہاتھ کاٹا جائے گا، چنانچہ اگر حربی کا مال لے لیا، یا وہ حربی جو امن لیکر دارالاسلام میں آیا ہے، اس کا مال وقتی طور پر محفوظ ہے، ورنہ حربی ہونے کی وجہ سے اس کا مال محفوظ نہیں ہے، ڈاکو نے اس کا مال لیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ترجمہ: ۷: شرط یہ ہے کہ ہر ڈاکو کو دس درہم ملے ہوں تاکہ اس کا عضو بغیر بڑا مال کے مباح نہ ہو۔

تشریح: یہ بھی شرط ہے کہ ہر ڈاکو کو دس درہم سے زیادہ ملے ہوں، تاکہ اس کا ہاتھ بغیر نصاب کے نہ کٹے۔

ترجمہ: ۸: آیت میں ہے کہ خلاف سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے جائیں، کیونکہ ایک ہی جانب سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں تو منفعہ ختم ہو جائے گی۔

تشریح: دائیں ہاتھ اور دائیں پاؤں کاٹ دئے جائیں تو آدمی نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ چل سکے گا، اس لئے آیت میں یہ کہا گیا کہ من خلاف، یعنی دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے جائیں تاکہ وہ کھڑا ہو سکے اور بیساکھی کے ذریعہ چل سکے۔

۹ وَالْحَالَةُ الثَّلَاثَةُ كَمَا بَيَّنَّاهَا لِمَا تَلَوْنَاهُ ۝ ۱۰ وَيُقْتَلُونَ حَدًّا، حَتَّى لَوْ عَفَا الْأَوْلِيَاءُ عَنْهُمْ لَا يُنْتَفَتِ إِلَى عَفْوِهِمْ لِأَنَّهُ حَقُّ الشَّرْعِ.

(۲۷۱۹) وَالرَّابِعَةُ إِذَا قُتِلُوا وَأَخَذُوا الْمَالَ فَلِإِمَامٍ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَقَتْلَهُمْ وَصَلَبَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ.

وجہ: آیت یہ ہے۔ او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵)

ترجمہ: ۹ اور تیسری حالت کو ہم نے بیان کیا ہے اس آیت کی وجہ سے جس کو ہم نے تلاوت کی۔

تشریح: تیسری حالت ہدایہ کی عبارت میں بیان کی کہ قتل کیا ہو اور مال نہ لیا ہو، تو آیت میں اس کی سزا بیان کی گئی ہے کہ اس کے بدلے میں ڈاکو قتل کر دیا جائے۔

وجہ: آیت یہ ہے۔ انما جزاء والذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵)

ترجمہ: ۹ اور حد کے طور پر ڈاکو قتل کر دیا جائے گا یہاں تک کہ ولی معاف بھی کر دے تو اس کی معافی کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ اس لئے کہ یہ شریعت کا حق ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۱۹) اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر قتل کیا اور مال بھی لیا تو امام کو اختیار ہے چاہے تو ہاتھ اور پاؤں خلاف سے کاٹے اور ان کو قتل کرے اور سولی دے اور چاہے تو صرف قتل کرے اور چاہے تو سولی دے۔

تشریح: مال بھی لیا اور قتل بھی کیا ہے اس لئے دو جرم ہوئے اس لئے دونوں کی سزا دے سکتا ہے۔ یعنی مال کے بدلے ہاتھ پاؤں کاٹنا اور قتل کے بدلے بعد میں قتل کرنا۔ اور مناسب سمجھے تو ہاتھ پاؤں نہ کاٹے بلکہ بڑی سزا قتل کرنا ہے وہ کرے اور چاہے تو اس سے بھی بڑی سزا سولی دے جس میں پیٹ پھاڑ کر مارنے کے علاوہ تین دن تک تختے پر لٹکانا بھی ہے۔

وجہ: (۱) اس آیت میں ان تینوں سزائیں تفصیل موجود ہے انما جزاء والذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ ۵) آیت میں او کے ذریعہ سے سزا بیان کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام کو تینوں سزاؤں میں ایک کو اختیار کرنے کا اختیار ہے (۲) اوپر کی حدیث میں اہل عربینہ کا ہاتھ پاؤں بھی کاٹا تھا اور سلائی پھیر کر قتل کے بدلے مارا بھی تھا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن انس ... فأتی بہم فقطع ایدیہم وارجلہم وسلم ثم لم یحسمہم حتی ماتوا (بخاری شریف، باب کتاب المحاربین من اہل

۱۔ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُقْتَلُ أَوْ يُصَلَّبُ وَلَا يُقَطَّعُ لِأَنَّهُ جَنَایَةٌ وَاحِدَةٌ فَلَا تُوجِبُ حَدَّيْنِ، وَلِأَنَّ مَا دُونَ النَّفْسِ يَدْخُلُ فِي النَّفْسِ فِي بَابِ الْحَدِّ كَحَدِّ السَّرِقَةِ وَالرَّجْمِ. ۲۔ وَلَهُمَا أَنْ هَذِهِ عُقُوبَةٌ وَاحِدَةٌ تَغْلُظُ لَتَغْلُظَ سَبَبُهَا، وَهُوَ تَفْوِیْثُ الْأَمْنِ عَلَى التَّنَاضُحِ بِالْقَتْلِ وَأَخْذِ الْمَالِ، وَلِهَذَا كَانَ قَطْعُ الْيَدِ وَالرَّجْلِ مَعَافِي الْكُبْرَى حَدًّا وَاحِدًا وَإِنْ كَانَا فِي الصُّغْرَى حَدَّيْنِ، ۳۔ وَالتَّدَاخُلُ فِي الْحُدُودِ لَا فِي حَدٍّ وَاحِدٍ.

الکفر والردہ ص ۱۰۰۵ نمبر ۶۸۰۲) اس حدیث میں ہاتھ پاؤں بھی کاٹا اور سلائی پھیر کر مارا بھی۔ (۳) اور امام کے لئے اختیار ہے کہ چھوٹی سزا چھوڑ کر ایک ہی مرتبہ بڑی سزا دیدے یعنی قتل کر دے یا سولی دیدے۔ اس کی دلیل اس قول تابعی میں ہے۔ قال عطاء ای ذلک شاء الامام حکم فیہم ان شاء قتلہم او صلیہم او قطع ایدیہم وارجلہم من خلاف ان شاء الامام فعل واحده منہن وترک ما بقی (مصنف عبدالرزاق باب المحاربة ج ۲ ص ۴۳۳ نمبر ۱۸۸۷) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ الگ الگ سزادے اور اس کا بھی اختیار ہے کہ بڑی سزادے اور چھوٹی سزا چھوڑ دے

ترجمہ: امام محمدؒ نے فرمایا کہ قتل کیا جائے گا یا سولی دی جائے گی، اور ہاتھ پاؤں نہیں کاٹے جائیں گے اسلئے کہ ایک ہی جرم ہے اسلئے دو حد واجب نہیں کرتا، اسلئے کہ جان سے کم درجہ جو سزا ہے وہ جان مارنے میں داخل ہو جائے گی، جیسے چوری رجم میں داخل ہو جاتی ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کی رائے ہے کہ جب ڈاکو کو جان سے مارنا ہی ہے تو اب اس کے ہاتھ پاؤں کو کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ **وجہ:** (۱) اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ڈاکہ زنی ایک ہی جرم ہے، جس میں مال بھی لیا ہے اور قتل بھی کیا ہے اس لئے قتل کر دینا اتنا ہی کافی ہے، ہاتھ پاؤں کاٹنے کی ضرورت نہیں ہے (۲) دوسری دلیل دیتے ہیں کہ چھوٹی حد بڑی حد میں داخل ہو جائے گی، جیسے ایک آدمی نے چوری کی اور اس کے ساتھ زنا بھی کیا تو صرف رجم کیا جائے گا، اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا جان مارنے میں ہی داخل ہو جائے گی، اسی طرح یہاں ہاتھ کاٹنا جان مارنے میں ہی داخل ہو جائے گا۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنا، پاؤں کاٹنا اور جان مارنا تینوں ایک ہی سزا ہے سبب کی شدت کی وجہ سے سزائیں شدت آتی ہے اور وہ ہے قتل کر کے اور مال لے کر لوگوں کے امن کو آخری درجے میں ختم کرنا، یہی وجہ ہے کہ ڈاکہ زنی میں ہاتھ کاٹنا اور پاؤں کاٹنا ایک ہی حد ہوتی ہے، جبکہ چوری میں یہ دو الگ الگ سزائیں

تشریح: شیخینؒ کی رائے یہ ہے کہ لوگوں کا مال بھی لیا ہے، اور قتل بھی کیا ہے، اور امن کو بھی آخری حد تک برباد کیا ہے اس لئے تینوں سزا [ہاتھ کاٹنا، پاؤں کاٹنا، اور قتل کرنا] ایک ہی سزا ہے اس لئے تینوں دئے جائیں گے۔

ترجمہ: دو حد ہو تو داخل ہوگی، ایک ہی حد میں داخل نہیں ہوگی۔

۴ ثُمَّ ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ التَّخْيِيرَ بَيْنَ الصَّلْبِ وَتَرْكِهِ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرَّوَايَةِ. ۵. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَتْرُكُهُ لِأَنَّهُ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ، وَالْمَقْصُودُ التَّشْهِيرُ لِيُعْتَبَرَ بِهِ غَيْرُهُ. وَنَحْنُ نَقُولُ أَصْلُ التَّشْهِيرِ بِالْقَتْلِ وَالْمَبَالِغَةِ بِالصَّلْبِ فَيُخَيَّرُ فِيهِ.

(۲۷۲۰) ثُمَّ قَالَ وَيُصَلَّبُ حَيًّا وَيُبْعَجُ بَطْنُهُ بِرُمَحٍ إِلَى أَنْ يَمُوتَ ۱. وَمِثْلُهُ عَنْ الْكَرْخِيِّ. وَعَنْ الطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ يُقْتَلُ ثُمَّ يُصَلَّبُ تَوْقِيًّا عَنْ الْمُثْلَةِ. وَجْهُ الْأَوَّلِ وَهُوَ الْأَصَحُّ أَنَّ الصَّلْبَ عَلَى هَذَا الْوُجْهِ أَبْلَغُ فِي الرَّدْعِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِهِ.

تشریح: یہ امام محمد کو جواب ہے، چوری کی حد الگ ہے، اور زنا کی حد رجم الگ ہے اس لئے یہاں چوری کی حد رجم میں داخل ہو جائے گی، لیکن ذکر زنی کی حد ایک ہی ہے اس لئے اس میں تین سزائیں ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوں گی۔

ترجمہ: پھر متن میں یہ ذکر کیا کہ سولی دینے اور اس کو چھوڑ دینے میں اختیار ہے، ظاہر روایت یہی ہے، اور امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ سولی دینا نہیں چھوڑے گا، اس لئے کہ وہ تو آیت میں موجود ہے، اور سولی دینے کا مقصد تشہیر کرنا ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑے، ہم کہتے ہیں کہ اصل تشہیر تو قتل سے ہوگی اور سولی دینے سے اس میں مبالغہ ہوگا اس لئے امام کو سولی دینے اور نہ دینے کا اختیار ہوگا۔

تشریح: متن میں یہ ہے کہ سولی دے یا نہ دے امام کو اس کا اختیار ہے، لیکن امام ابو یوسف کی روایت یہ ہے کہ چونکہ آیت میں سولی کا ذکر ہے اس لئے ضرور دینا چاہئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں کو عبرت ہوگی، مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ قتل کرنے سے ہی عبرت ہو جاتی ہے، البتہ سولی دینے سے عبرت میں مبالغہ ہوتا ہے، اس لئے امام کو اس کا اختیار ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۲۰) اور سولی دی جائے زندہ میں اور پھاڑا جائے پیٹ کو نیزے سے یہاں تک کہ مر جائے۔

تشریح: سولی دینے کا طریقہ بتا رہے ہیں کہ زندہ آدمی کو تختہ پر لٹکا دیا جائے پھر نیزے سے پیٹ پھاڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے، سولی دینے کا یہی طریقہ ہے۔

لغت: لُجَّ : نیزے سے پیٹ پھاڑنا، رُمَحٌ : نیزہ۔

ترجمہ: اسی طرح امام کرخی سے منقول ہے، اور امام طحاوی سے روایت ہے کہ پہلے قتل کیا جائے پھر سولی پر لٹکا دیا جائے مثلاً سے بچنے کے لئے، پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ جو صحیح ہے کہ اس طرح سولی دینا زیادہ خوفناک عبرت ہے اور اس سے مقصود بھی یہی ہے۔

تشریح: زندہ میں سولی پر لٹکا دیا جائے پھر پھاڑا جائے، یہ کرخی سے منقول ہے، لیکن امام طحاوی کی رائے یہ ہے کہ پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکا دیا جائے تاکہ مثلاً نہ ہو، لیکن پہلی پہلی صورت میں عبرت زیادہ ہے اس لئے پہلی صورت بہتر ہے۔ ردع: عبرت

(۲۷۲۱) قَالَ وَلَا يُصَلَّبُ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ لِأَنَّهُ يَتَغَيَّرُ بَعْدَهَا فَيَتَأَذَى النَّاسُ بِهِ ۚ ۲ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُتْرَكُ عَلَى خَشَبَةٍ حَتَّى يَنْقَطَعَ فَيُسْقَطَ لِيُعْتَبَرَ بِهِ غَيْرُهُ ۚ قُلْنَا: حَصَلَ الْإِعْتِبَارُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ وَالنَّهْيَةُ غَيْرُ مَطْلُوبَةٍ.

(۲۷۲۲) قَالَ وَإِذَا قُتِلَ الْقَاطِعُ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِي مَالٍ أَخَذَهُ ۚ ۱ اِعْتِبَارًا بِالسَّرِقَةِ الصَّغْرَى وَقَدْ بَيَّنَّاهُ (۲۷۲۳) فَإِنْ بَاشَرَ الْقَتْلَ أَحَدُهُمْ أُجْرَى الْحَدِّ عَلَيْهِمْ بِأَجْمَعِهِمْ ۚ

ترجمہ: (۲۷۲۱) اور سولی پر نہ رکھا جائے تین دن سے زیادہ۔

ترجمہ: ۲ اس لئے کہ تین دن کے بعد لاش میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے تو لوگوں کو اس سے اذیت ہوگی۔

تشریح: سولی پر لٹکانے اور پیٹ پھاڑنے کے بعد تین دن سے زیادہ لٹکا ہوا نہ رکھا جائے۔

وجہ: تین دن میں لوگوں کو عبرت ہو جائے گی اور زیادہ رکھنے میں لاش سڑے گی اور بدبو ہوگی اسلئے تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔

ترجمہ: ۱ امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ سولی دینے کے بعد اس لکڑی پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ گوشت کا ٹکڑا ٹکڑا ہو کر گر جائے تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑے، ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ عبرت اسی سے حاصل ہوگئی جو ہم نے ذکر کیا، یعنی سولی دینے سے، اور بہت زیادہ عبرت مطلوب نہیں ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لاش سے گوشت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اس وقت تک مجرم کو تختے پر لٹکا رکھیں تاکہ لوگوں کو زیادہ عبرت ہو۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ زیادہ عبرت ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۲۲) اگر ڈاکو قتل کر دیا گیا تو اب اس سے چوری کے مال کا ضمان نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱ چوری پر قیاس کرتے ہوئے، اور اس بات کو چوری کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: مثلاً ڈاکو نے چوری کی جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کٹا، اور چوری کا مال ڈاکو سے ہلاک ہو گیا تو اب اس مال کا ضمان اس پر نہیں ہے۔

وجہ: چوری کے بیان میں ذکر کیا کہ، چوری کی وجہ سے ہاتھ کٹا اور چور سے مال ضائع ہو گیا ہے تو اس پر اس مال کا ضمان نہیں ہے، بلکہ ہاتھ کٹنا ہی مال کا بدل بن گیا، اسی طرح ڈاکو نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کٹ گیا، اور مال ضائع ہو گیا تو اس پر بھی مال کا ضمان نہیں ہے۔

لغت: السرقة الصغریٰ: سے مراد چوری ہے، اور السرقة الکبریٰ: سے مراد ڈاکہ زنی ہے۔

ترجمہ: (۲۷۲۳) اگر ایک ڈاکو نے قتل کیا تو سب ڈاکوؤں پر حد لگے گی۔

۱۔ لِنَافَةِ جَزَاءِ الْمُحَارَبَةِ، وَهِيَ تَحَقُّقُ بَأْنِ يَكُونُ الْبَعْضُ رَدًّا لِلْبَعْضِ حَتَّى إِذَا زَلَّتْ أَقْدَامُهُمْ
انْحَاذُوا إِلَيْهِمْ، وَإِنَّمَا الشَّرْطُ الْقَتْلُ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَقَدْ تَحَقَّقَ.

(۲۷۲۴) قَالَ وَالْقَتْلُ وَإِنْ كَانَ بَعْضًا أَوْ بَحْرًا أَوْ بَسِيفٍ فَهُوَ سَوَاءٌ ۱۔ لِنَافَةِ يَقَعُ قَطْعًا لِلطَّرِيقِ بِقَطْعِ

النَّمَارَةِ (۲۷۲۵) وَإِنْ لَمْ يَقْتُلِ الْقَاطِعُ وَلَمْ يَأْخُذْ مَا لَا وَقَدْ جَرَحَ اقْتَصَصَ مِنْهُ فِيمَا فِيهِ الْقِصَاصُ، وَأَخَذَ

الْأَرْضَ مِنْهُ فِيمَا فِيهِ الْأَرْضُ وَذَلِكَ إِلَى الْأَوَّلِيَاءِ ۱۔ لِنَافَةِ لَا حَدَّ فِي هَذِهِ الْجَنَائَةِ فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ وَهُوَ مَا

ترجمہ: اس لئے کہ یہ جنگ کا بدلہ ہے اور یہ متحقق ہے اس طور پر کہ بعض دوسرے بعض کا مددگار ہے یہاں تک کہ اگر ایک کا
قدم اکھڑ گیا تو وہ مددگار کے پاس دوڑ کر جاتے ہیں، البتہ اس کی آدمی کو بھی قتل کرنا شرط ہے، اور وہ ہو گیا۔

اصول: ڈاکہ زنی میں ایک قتل کرے تو سب کی جانب سے شمار کیا جائے گا اور سب کو قتل کیا جائے گا۔

تشریح: مثلاً دس آدمیوں نے ڈاکہ زنی کی اور ایک آدمی نے قتل کیا اور باقی مدد میں شریک ہوئے تو ان دسوں آدمیوں کو قتل
کیا جائے گا۔

وجہ: چاہے ایک ہی آدمی نے قتل کیا لیکن شریک دسوں ہیں اس لئے دسوں کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ ڈاکہ زنی میں ایسا ہی ہوتا
ہے کہ ایک دو آدمی قتل کرنے اور مال لوٹنے میں مشغول ہوتے ہیں اور باقی آدمی اس کی مدد کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس آدمی
کا پاؤں اکھڑ جائے تو یہ لوگ باقی آدمی کے پاس مدد حاصل کرنے کے لئے چلے جاتے ہیں

اصول: قتل میں سب شریک ہیں تو سب کو قتل کیا جائے گا۔

لغت: ردء: مدد، حمایتی۔ انحاز: اس کے پاس جمع ہو جاتے ہیں محاربتہ: حرب سے مشتق ہے، جنگ۔

ترجمہ: (۲۷۲۴) ڈاکہ قتل کیا جائے گا، چاہے لٹھی سے مار کر کسی کو قتل کیا ہو، یا پتھر سے، یا تلوار سے تو یہ سب برابر ہیں اس
لئے کہ ان سب چیزوں سے ڈاکہ زنی ثابت ہوتی ہے۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی بھی چیز سے آدمی کی جان ماری ہو ان سبھی سے ڈاکہ زنی ثابت ہو جائے گی، اور اس
پر ڈاکہ زنی کی سزا دی جائے گی، قتل خطا نہیں ہوگی بلکہ قتل عمد ہی شمار کی جائے گی، مثلاً لٹھی سے مار کر ختم کیا، یا پتھر سے مار کر ختم
کیا یا تلوار سے مارا ہر صورت میں ڈاکہ زنی ثابت ہوگی، کیونکہ یہ تمام صورتیں ڈاکہ زنی کی ہیں۔

ترجمہ: (۲۷۲۵) اگر ڈاکہ کو قتل نہیں کیا اور نہ مال لیا لیکن آدمی کو زخمی کیا تو جس عضو میں قصاص ہے اس میں قصاص لیا
جائے گا، اور جس عضو میں ارش ہے اس میں ارش لی جائے گی، اور اس بارے میں ولی کو اختیار ہوگا۔

ترجمہ: اس لئے کہ ان جرم میں حد نہیں ہے تو ولیوں کا حق ظاہر ہو گیا اس لئے ولیوں کو لینے کا اختیار ہوگا۔

ذَكَرْنَاهُ فَيَسْتَوْفِيهِ الْوَلِيُّ. (۲۷۲۶) وَإِنْ أَخَذَ مَالًا ثُمَّ جَرَحَ قَطَعَتْ يَدُهُ وَرَجُلُهُ وَبَطَلَتْ الْجَرَاحَاتُ
لِأَنَّهُ لَمَّا وَجِبَ الْحَدُّ حَقًّا لِلَّهِ سَقَطَتْ عِصْمَةُ النَّفْسِ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا تَسْقُطُ عِصْمَةُ الْمَالِ
(۲۷۲۷) وَإِنْ أَخَذَ بَعْدَ مَا تَابَ وَقَدْ قُتِلَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْأُولِيَاءُ قَتَلُوهُ وَإِنْ شَاءَ وَاعْفُوا عَنْهُ لِأَنَّ
الْحَدَّ فِي هَذِهِ الْجَنَائِيَةِ لَا يُقَامُ بَعْدَ التَّوْبَةِ لِلاِسْتِثْنَاءِ الْمَذْكُورِ فِي النَّصِّ،

تشریح: ڈاکو نے صرف ایسا جرم کیا جس میں حد نہیں ہے، صرف قصاص ہے یا زخم کا تاوان ہے تو یہاں ولیوں کو حق ہوگا کہ وہ قصاص لے، یا جرم کا تاوان لے، یا معاف کر دے۔

وجہ: کیونکہ بڑا جرم کرتا تو شریعت اس کا بدلہ لیتی اور ولیوں کو اس میں معاف کرنے کا حق نہیں تھا، لیکن یہاں قصاص والا جرم کیا ہے، یا تاوان والا جرم کیا ہے اس لئے اب ولیوں کا حق ہو گیا، اس لئے اس کو لینے یا نہ لینے کا حق ہوگا۔ ارش: زخموں کا تاوان۔

ترجمہ: (۲۷۲۶) ڈاکو نے مال لیا پھر آدمی کو زخمی بھی کیا تو اس کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا اور زخم کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: اس لئے کہ جب اللہ کا حق واجب ہو گیا تو نفس کی حفاظت کیلئے بندے کا حق ختم ہو گیا، جیسے مال کی عصمت ختم ہو جاتی ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ شریعت کا حق نافذ کرنے کا ہو جائے تو بندے کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اور شریعت کا حق ساقط ہو جائے تو بندے کا حق لازم ہو جاتا ہے۔

تشریح: ڈاکوؤں نے مال بھی لیا اور گھر والے کو زخمی بھی کیا، تو مال لوٹنے کی وجہ سے شریعت کا حق غالب ہو گیا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں گے، اور اس کی وجہ سے زخم کا جو تاوان ہونا چاہئے وہ ساقط ہو جائے گا۔

وجہ: چوری میں چور کا ہاتھ کٹتا ہے تو مال کا تاوان لازم نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں ہاتھ پاؤں کٹے تو زخم کا تاوان ساقط ہو جائے گا، اسی کو نفس کی عصمت، کہتے ہیں جو ساقط ہو گئی۔

ترجمہ: (۲۷۲۷) اگر ڈاکو توبہ کرنے کے بعد پکڑے گئے، اور وہ قتل عمد کر چکے تھے تو ولی کو حق ہوگا کہ چاہے تو قتل کریں اور چاہے تو معاف کر دیں۔

ترجمہ: اس لئے کہ توبہ کے بعد اس جرم میں حد لازم نہیں ہوتی، کیونکہ آیت میں استثناء موجود ہے۔

تشریح: جس آیت میں ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اگر یہ لوگ پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لیں تو حد معاف ہو جاتی ہے، لیکن اس نے قتل کیا ہے اس لئے قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا، اور یہ مقتول کے ولیوں کا حق ہوگا، اس لئے مقتول کے ولیوں کو یہ بھی حق ہوگا کہ چاہے تو قصاص لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔

وجہ: پوری یہ ہے۔ انما جزء والذین يحاربون الله ورسوله ويسعون في الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا

۲ وَلَإِنَّ التَّوْبَةَ تَتَوَقَّفُ عَلَى رَدِّ الْمَالِ وَلَا قَطْعَ فِي مِثْلِهِ، فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ فِي النَّفْسِ وَالْمَالِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْوَلِيَّ الْقِصَاصَ أَوْ يَغْفُو، وَيَجِبُ الضَّمَانُ إِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ أَوْ اسْتَهْلَكَهُ.

(۲۷۲۸) وَإِنْ كَانَ مِنَ الْقُطَاعِ صَبًى أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنْ الْبَاقِينَ ۱ فَاَلْمَذْكُورُ فِي الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَزُفَرَ.

او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف او ینفرو من الارض ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الآخرة عذاب عظیم الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیہم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم (آیت ۳۴ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں الا الذین تابوا، سے ذکر کیا ہے کہ پکڑے جانے سے پہلے ڈاکو توبہ کر لے تو اللہ اس کی سزا کو معاف کر دیں گے۔
ترجمہ: ۲: اور اس لئے کہ مال کے لوٹانے پر توبہ موقوف ہے پھر تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ نفس اور مال کے بارے میں بندے کا حق ظاہر ہو گیا، اس لئے ولی قصاص لے گا یا معاف کر دے گا، اور ڈاکو مال ہلاک کر دے، یا خود ہلاک ہو جائے اس پر ضمان لازم ہوگا۔

تشریح: علماء نے توبہ کرنے کی صورتیں بیان کی ہیں [۱] توبہ کے ساتھ ڈاکو مال واپس کر دے تو توبہ سبھی جائیگی، اور مال واپس نہ کرے تو توبہ نہیں سبھی جائیگی [۲] بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ، کئے ہوئے پر شرمندہ ہو، اور آئندہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے تو توبہ ہوگی، مال واپس کرنا ضروری نہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مال واپس کرنے پر توبہ مکمل سبھی جائے گی، اور جب توبہ کر لی تو شریعت کی حد ختم ہوگی، اس لئے اب بندے کا حق ظاہر ہو گیا، اس لئے ولی کو اختیار ہوگا کہ قصاص لے یا معاف کر دے، اور اس صورت میں ڈاکو مال ہلاک کر دے یا مال ہلاک ہو جائے دونوں صورتوں میں اس پر ضمان لازم ہوگا، کیونکہ دونوں صورتوں میں بندے کا حق موجود رہتا ہے۔

ترجمہ: (۲۷۲۸) پس اگر ڈاکہ زنوں میں سے کوئی بچہ ہو یا مجنون ہو یا جس پر ڈاکہ ڈالا اس کا ذی رحم محرم ہو تو باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱: یہ جو ذکر ہے کہ باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام زفرؒ کا قول ہے۔

تشریح: جس جماعت نے ڈاکہ ڈالا اس میں سے کچھ بچہ تھا یا پاگل تھا۔ اب ظاہر ہے کہ بچہ اور پاگل پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ مرفوع القلم ہیں تو اس کی وجہ سے باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح ڈاکہ ڈالنے والے اس آدمی کا قریبی رشتہ دار تھے جس پر ڈاکہ ڈالا گیا تو باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ البتہ قتل کیا ہے تو قصاص قتل کیا جائے گا جس کا اختیار مقتول کے ورثہ کو ہوگا۔ چاہے وہ قتل کریں چاہے وہ معاف کر دیں۔

۲. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَوْ بَاشَرَ الْعُقَلَاءُ يُحَدِّثُ الْبَاقُونَ وَعَلَى هَذَا السَّرِقَةُ الصُّغْرَى. لَهُ أَنَّ الْمُبَاشِرَ أَصْلٌ، وَالرَّدُّ تَابِعٌ وَلَا خَلَلَ فِي مُبَاشَرَةِ الْعَاقِلِ وَلَا اغْتِبَارَ بِالْخَلَلِ فِي التَّبَعِ، وَفِي عَكْسِهِ يَنْعَكِسُ الْمَعْنَى وَالْحُكْمُ ۳. وَلَهُمَا أَنَّهُ جَنَائَةٌ وَاحِدَةٌ قَامَتْ بِالْكُلِّ، فَإِذَا لَمْ يَقَعْ فِعْلُ بَعْضِهِمْ مُوجِبًا كَانَ فِعْلُ الْبَاقِينَ بَعْضُ الْعِلَّةِ وَبِهِ لَا يَثْبُتُ الْحُكْمُ فَصَارَ كَالْخَاطِئِ مَعَ الْعَامِدِ.

وجہ: (۱) یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جب بعض سے ساقط ہو گئی تو باقی لوگوں میں بھی شبہ ہو گیا اس لئے ان سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ (۲) اور رشتہ دار کی وجہ سے حد ساقط ہوتی ہے اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ قال الثوري ويستحسن الا يقطع من سرق من ذى محرم، خاله او عمه او ذات محرم (مصنف عبدالرزاق، باب من سرق مالا يقطع فيه ج تاسع ص ۵۱۰ نمبر ۱۹۱۸) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم سے حد ساقط ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲: امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر عقل والوں نے ڈاکہ زنی کی تو بچے اور مجنون کو چھوڑ کر باقی لوگوں کو حد لگے گی، اور اسی اختلاف پر چھوٹی چوری بھی ہے، امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو ڈاکہ ڈالنے والے ہیں یہ اصل ہیں اور جو مدد کرنے والے ہیں یہ تابع ہیں اور عاقل آدمی کے ڈاکہ میں کوئی خلل نہیں ہے، اور تابع میں خلل ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ جو عاقل بالغ ہے اس پر حد جاری ہوگی، اور جو نابالغ اور مجنون ہے اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ڈاکہ ڈالنے والے اصل ہیں جو عاقل بالغ ہیں اور مدد کرنے والے تابع ہیں جو نابالغ اور مجنون ہیں، اور تابع کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے اصل پر حد جاری ہوگی۔

لغت: السرقة الصغرى: سے مراد چوری ہے، اور السرقة الكبرى سے مراد ڈاکہ زنی ہے۔

ترجمہ: ۳: اور اس کے لئے میں معنی بھی بدل جائے گا اور حکم بھی بدل جائے گا۔

تشریح: الٹے کی صورت یہ ہے کہ مجنون اور نابالغ نے مال لوٹا، اور عاقل بالغ نے مدد کی تو اصل لوٹنے والا نااہل ہے اس لئے اصل پر حد نہیں لگے گی، اس لئے اب تابع، یعنی عاقل بالغ سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ یہ عکس کی صورت ہے اور یہ عکس کا حکم ہے کہ کسی کو حد نہیں لگے گی۔

ترجمہ: ۳: اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پوری ڈاکہ زنی ایک جرم ہے جو تمام ڈاکوؤں سے انجام پاتی ہے، پس اگر بعض کا فعل حد سبب نہیں ہے تو باقی کا فعل بھی حد کی علت نہیں بنے گی اور حکم ثابت نہیں ہوگا، جیسے قتل کرنے میں جان کر قتل کرنے والا بھی ہو اور غلطی سے قتل کرنے والا بھی ہو تو [تو سب سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے]

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ پوری ڈاکہ زنی ایک جرم ہے اور سب ڈاکوؤں سے منعقد ہوتی ہے، پس اگر بعض کا

۴. وَأَمَّا ذُو الرِّجَمِ الْمَحْرَمِ فَقَدْ قِيلَ تَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ مُشْتَرَكًا بَيْنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِمْ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مُطْلَقٌ لِأَنَّ الْجَنَابَةَ وَاحِدَةً عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا مُتَنَاعَ فِي حَقِّ الْبَعْضِ يُوجِبُ الْإِمْتِنَاعَ فِي حَقِّ الْبَاقِينَ، ۵. بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيهِمْ مُسْتَأْمَنٌ؛ لِأَنَّ الْإِمْتِنَاعَ فِي حَقِّهِ لِحَلَالِ فِي الْعِصْمَةِ وَهُوَ يَخْصُهُ،

فعل حدثا بت نہیں کرتی تو باقی سے حد ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پوری ڈاکہ زنی ایک جرم ہے اور سب ڈاکوؤں سے مل کر منعقد ہوتی ہے، اس لئے اگر مجنون کے فعل سے حدثا بت نہیں ہوگی تو باقی سے بھی حد ساقط ہو جائے گی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلاً زید نے جان کر عمر کو تیر مارا جس سے قتل عمد ہوا، اس لئے اس پر قصاص ہونا چاہئے اور خالد نے شکار سمجھ کر عمر کو تیر مارا، جس سے قتل خطا ہوا، اور اس پر قصاص کے بجائے دیت لازم ہونی چاہئے تو یہاں خالد کے فعل کی وجہ سے نقص ہوگا اور زید سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور دونوں پر دیت ہی لازم ہوگی، پس جس طرح یہاں ایک کے نقص کی وجہ سے دونوں سے قصاص ساقط ہو گیا اسی طرح ڈاکہ زنی میں بھی بچے کے نقص کی وجہ سے بالغ سے بھی حد ساقط ہو جائے گی، تاکہ تعزیر ہوگی اور سخت قسم کی تعزیر ہوگی۔

لغت: خاطی مع العمد: خاطی سے مراد قتل خطا ہے، جس سے دیت لازم ہوتی ہے۔ اور عائد سے مراد قتل عمد ہے جس سے قصاص لازم ہوتا ہے۔ تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: بہر حال ذی رحم محرم تو کہا گیا کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ جن لوگوں پر ڈاکہ ڈالا ہے ان کا مال مشترک ہو، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مطلق ہے اس لئے کہ جرم ایک ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا، پس بعض کے حق منع ہونا باقی کے حق میں منع ہو جائے گا۔

تشریح: ذی رحم محرم کی دو صورتیں ہیں [۱] جن لوگوں کا مال لوٹا اس میں کچھ ڈاکہ زنی کرنے والے کا ذی رحم محرم ہے تو جس کا ذی رحم محرم ہے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تو باقی ڈاکو کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ جرم ایک ہے [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ ڈاکو کا مال اور جن لوگوں کا مال لوٹا اس کا مال مشترک ہے، اس لئے مشترک والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تو باقی ڈاکو کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، مصنف فرماتے ہیں کہ مطلق کی صورت زیادہ صحیح ہے۔

اصول: یہ اصول پہلے گزر چکا ہے کہ بعض کے حق میں حد نہیں لگے گی تو باقی کو بھی حد نہیں لگے گی، کیونکہ جرم ایک ہے۔

ترجمہ: ۵. بخلاف جبکہ اس میں سے کوئی آمن لینے والا ہو اس لئے کہ اس کے حق میں حد نہ لگنا حفاظت میں خلل ہونے کی وجہ سے ہے جو اس کے ساتھ خاص ہے۔

تشریح: جو جرمی امن لیکر دارالاسلام آیا اور ڈاکو نے اس کا مال لوٹ لیا تو ان ڈاکوؤں کا ہاتھ پاؤں نہیں کاٹا جائے گا۔

۲. أَمَّا هُنَا لِامْتِنَاعٍ لِّخَلَلٍ فِي الْحِرْزِ، وَالْقَافِلَةُ حِرْزٌ وَاحِدٌ.

(۲۷۲۹) وَإِذَا سَقَطَ الْحَدُّ صَارَ الْقَتْلُ إِلَى الْأُولَيَاءِ ۚ لِيُظْهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ [فَإِنْ شَاءَ

وَأَقْتُلُوا وَإِنْ شَاءَ وَاعْفُوا] (۲۷۳۰) وَإِذَا قَطَعَ بَعْضُ الْقَافِلَةِ الطَّرِيقَ عَلَى الْبَعْضِ لَمْ يَجِبْ الْحَدُّ ۚ

لِأَنَّ الْحِرْزَ وَاحِدٌ فَصَارَتْ الْقَافِلَةُ كَذَارٍ وَاحِدَةٍ،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ حربی ہونے کی وجہ سے اس کا مال محفوظ [معصوم] نہیں ہے۔

لغت: شخصیہ: خاص امن لینے والے کے ساتھ یہ خاص ہے کہ اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔ عصمتہ: یہ محاورہ ہے، اس کا مال محفوظ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱. اور یہاں حفاظت میں خلل ہونے کی وجہ سے ہے اور قافلہ ایک ہی حرز ہے۔

تشریح: پہلے آیا تھا کہ حرز [محفوظ جگہ] سے چوری کرے گا تب ہاتھ کاٹا جائے گا، یہاں فرماتے ہیں کہ قافلہ ایک حرز ہے اب اس میں خلل واقع ہو گیا، کہ بعض رشتہ دار نکل گیا تو کسی کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

ترجمہ: (۲۷۲۹) اور جب حد ساقط ہو گئی تو قتل کا اختیار ولیوں کو ہوگا۔ [اس لئے کہ بندے کا حق ظاہر ہو گیا، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا۔] پس اگر چاہے تو ولی قتل کروائے اور چاہے تو معاف کر دے۔

تشریح: اوپر تین معاملے گزرے جنکی وجہ سے ڈاکوؤں سے حد ساقط ہو گئی [۱] توبہ کرنے کے بعد ڈاکو پکڑے گئے تو ان سے حد ساقط ہو جائے گی۔ [۲] بعض ڈاکو بچے، یا مجنون ہے تو باقی سے حد ساقط ہو جائے گی۔ [۳] جس کا مال لوٹا وہ بعض ڈاکو کا ذی رحم محرم نکلا تو باقی سے حد ساقط ہو جائے گی۔ ان تین صورتوں میں شریعت کی حد ساقط ہو گئی تو اب بندے کا حق سامنے آئے گا، اور اس کی وجہ سے قصاص لیا جائے گا، اور وہ چاہے تو قصاص معاف کر سکتا ہے، اس سے پہلے گزرا کہ شریعت کی وجہ سے حد لازم ہو تو ولی اس کو معاف کرنا چاہے تب بھی معاف نہیں کر سکتا۔ یہاں معاف کر سکتا ہے، کیونکہ اب اس کا حق ہو گیا۔

وجہ: آیت میں ہے۔ وَالسِّنُّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ (آیت ۴۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ معاف کر دے تو یہ اس کے لئے کفارہ ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۳۰) بعض قافلے نے بعض کا مال لوٹ لیا تو حد جاری نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ حرز ایک ہی ہے تو پورا قافلہ ایک گھر کی طرح ہو گیا۔

اصول: حرز سے نکالے گا تو ڈاکہ زنی ثابت ہوگی، یہاں پورا قافلہ ایک حرز ہے اس لئے بعض نے بعض کا مال لوٹ لیا تو گویا حرز سے باہر نہیں نکالا، اس لئے ان ڈاکہ ڈالنے والوں پر حد جاری نہیں ہوگی، البتہ تعزیر ہوگی۔

(۲۷۳۱) وَمَنْ قَطَعَ الطَّرِيقَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فِي الْمَصْرِ أَوْ بَيْنَ الْكُوفَةِ وَالْحِيرَةِ فَلَيْسَ بِقَاطِعِ الطَّرِيقِ ۱۔
اِسْتِحْسَانًا وَفِي الْقِيَاسِ يَكُونُ قَاطِعَ الطَّرِيقِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لَوْ جُودَهُ حَقِيقَةً ۲۔ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ
أَنَّهُ يَجِبُ الْحَدُّ إِذَا كَانَ خَارِجَ الْمَصْرِ إِنْ كَانَ بِقُرْبِهِ، لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْعَوْتُ ۳۔ وَعَنْهُ إِنْ قَاتَلُوا
نَهَارًا بِالسَّلَاحِ أَوْ لَيْلًا بِهِ أَوْ بِالْخَشَبِ فَهُمْ قُطَّاعُ الطَّرِيقِ لِأَنَّ السَّلَاحَ لَا يَلْبَثُ وَالْعَوْتُ يُبْطِئُ بِاللَّيَالِي،

ترجمہ: (۲۷۳۱) رات کو یا دن کو شہر میں ڈاکہ زنی کی، یا کوفہ اور حیرہ کے درمیان ڈاکہ زنی کی تو اس کو ڈاکہ زنی نہیں کہیں گے۔
ترجمہ: ۱۔ یہ استحسان کا تقاضہ ہے، اور قیاس یہ ہے کہ یہ ڈاکہ زنی ہے اور امام شافعی کا قول یہی ہے، کیونکہ حقیقی ڈاکہ زنی پائی گئی ہے۔

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ جہاں پولس کی مدد فوری طور پہنچ سکتی ہے تو وہاں ڈاکہ زنی ہو تب بھی اس پر ڈاکہ زنی کا حکم نافذ نہیں ہوگا، اور جس جگہ فوری طور پر پولس کی مدد نہیں پہنچ سکتی ہے وہاں ڈاکہ زنی ہو تو اس پر ڈاکہ زنی کا حکم نافذ ہوگا۔

تشریح: شہر میں دن کو رات کو ڈاکہ زنی کی تو چوہاں پولس کی مدد فوری طور پر پہنچ سکتی ہے اس لئے اس کو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ڈاکہ زنی نہیں کہیں گے، اسی طرح کوفہ اور حیرہ کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے، یہاں پولس کی مدد جلدی پہنچ سکتی ہے اس لئے اس درمیان ڈاکہ زنی ہو تو اس کو ڈاکہ زنی نہیں کہیں گے، یہ استحسان ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو بھی ڈاکہ زنی کہی جائے، چنانچہ امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، کیونکہ حقیقت میں ڈاکہ زنی ہوئی ہے۔

ترجمہ: ۲۔ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر شہر کے باہر ڈاکہ زنی ہوئی چاہے شہر کے قریب ہی کیوں نہ تو وہ ڈاکہ زنی ہے اور اس پر حد جاریہ کی جائے گی اس لئے کہ وہاں مدد نہیں پہنچ سکتی ہے۔

تشریح: شہر سے باہر ڈاکہ زنی کی چاہے شہر سے قریب ہی کیوں نہ ہو اس کو ڈاکہ زنی شمار کی جائے گی، کیونکہ وہاں تک جلدی مدد نہیں پہنچ سکتی ہے۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ جہاں عام طور پر جلدی مدد نہیں پہنچ پاتی وہاں ڈاکہ زنی شمار کی جائے گی۔

ترجمہ: ۳۔ انہیں سے دوسری روایت ہے کہ اگر دن کو ہتھیار سے جنگ کی یا رات کو ہتھیار سے جنگ کی، یا لکڑی سے جنگ کی تو یہ سب ڈاکہ زنی ہے اس لئے کہ ہتھیار سے جلدی مار کر لے گا ۱ اور اس وقت تک پولس کی مدد نہیں پہنچ پائے گی، اسی طرح رات میں مدد پہنچنے میں دیر ہوتی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ شہر میں دن کو جنگ کی یا رات میں تلوار، یا لکڑی سے جنگ کی تو ڈاکہ زنی شمار ہوگی۔

۴ وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ قَطْعَ الطَّرِيقِ بِقَطْعِ الْمَارَّةِ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي الْمَصْرِ وَيَقْرُبُ مِنْهُ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ لُحُوقُ الْغَوْثِ، إِلَّا أَنَّهُمْ يُؤْخَذُونَ بِرَدِّ الْمَالِ أَيْضًا لَا لِلْحَقِّ إِلَى الْمُسْتَحَقِّ، وَيُؤَدَّبُونَ وَيُحْبَسُونَ لَا رَتْكَابَهُمُ الْجَنَایَةِ، وَلَوْ قَتَلُوا فَالْأَمْرُ فِيهِ إِلَى الْأَوَّلِيَاءِ لِمَا بَيَّنَّا.

(۲۷۳۲) وَمَنْ خَنَقَ رَجُلًا حَتَّى قَتَلَهُ فَالْذَّيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ۱ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْقَتْلِ بِالْمُثْقَلِ، وَسَنَبِّينُ فِي بَابِ الدِّيَاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى،

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہتھیار سے لوٹ مار ہو تو جلدی سے لوٹ کر چلا جائے گا، اور اس وقت تک مدد نہیں پہنچ پائے گی، اسی طرح رات کو ہتھیار سے جنگ کرے، یا لاٹھی سے جنگ کرے تو بھی اس وقت تک مدد نہیں پہنچ پائے گی، کیونکہ رات کو مدد پہنچنے میں دیر ہوتی ہے، اس لئے ان سب صورتوں میں ڈاکہ زنی شمار کی جائے گی۔

لغت: غوث: مدد۔ سلاح: ہتھیار، تلوار۔ حشب: لکڑی، لاٹھی۔ یلبث: ٹھیرتا ہے، لایلبث: دیر نہیں ہوتی۔ یبطلی: بطلی سے مشتق ہے دیر ہوتی ہے سستی ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۴ ہم کہتے ہیں کہ راستہ کاٹنے کی وجہ سے ڈاکہ زنی ہوتی ہے اور یہ شہر میں متحقق نہیں ہوتی، یا اس کے قریب میں متحقق نہیں ہوتی، اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں مدد پہنچ سکتی ہے، لیکن ان ڈاکوؤں سے مال وصول کیا جائے گا تا کہ حق والے کو حق پہنچ جائے اور ڈاکوؤں کو تادیب کی جائے گی کیونکہ ان لوگوں نے جرم کیا ہے، اور اگر ڈاکوؤں نے قتل کیا ہے مقتول کے ولیوں کو اس کا حق ہوگا، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

لغت: قطع الطريق: قطاع المارة: راستہ کاٹ دینا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راستے میں ڈاکہ زنی ہوئی اس میں اتنا خوف چھا جائے کہ مہینوں تک اس سے گزرنے میں خوف محسوس ہوتا ہو، اور شہر میں اور شہر کے قریب ڈاکہ زنی ہوئی تو پولس کی مدد آ جائے گی جس کی وجہ سے مہینوں تک وہاں سے گزرنے سے خوف محسوس نہیں ہوتا اس لئے قطع الطريق اور قطع المارة متحقق نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے۔ شہر میں اور شہر کے قریب میں پولس کی مدد جلدی سے آ سکتی ہے اس لئے وہاں ڈاکہ زنی کا حکم نافذ نہیں ہوگا، لیکن حقیقت میں ڈاکہ زنی کی ہے اس لئے اس کو پکڑا جائے گا اور اس سے لوٹے ہوئے مال کو لیکر مالک کی طرف لوٹایا جائے گا، اور اس کو تعزیری کی جائے گی اور اس کو قید کیا جائے گا، اور اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے تو شرعی حد تو نافذ نہیں ہوگی، لیکن قصاص لازم ہوگا، اور مقتول کے ولی کو قصاص لینے کا اور معاف کرنے کا اختیار ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۳۲) اگر ڈاکو نے کسی آدمی کا گلا گھونٹ کر قتل کر دیا تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی، امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

ترجمہ: ۱ یہ بھاری چیز سے قتل کرنے کا مسئلہ ہے جس کو ان شاء اللہ باب الدیات میں ہم بیان کریں گے۔

۲. وَإِنْ خَنَقَ فِي الْمِصْرِ غَيْرَ مَرَّةٍ قُتِلَ بِهِ؛ لِأَنَّهُ صَارَ سَاعِيًّا فِي الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ فَيُدْفَعُ شَرُّهُ بِالْقَتْلِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ.

تشریح: ڈاکو نے گلا گھونٹ کر مارا تو اس پر ڈاکہ زنی کے احکام نافذ نہیں ہوں گے، لیکن یہ قتل خطا ہے اس لئے اس کے قریب کے خاندان [جس کو عاقلہ کہتے ہیں] اس پر مقتول کی دیت لازم ہوگی، اس کو ان شاء اللہ کتاب الدیات میں بیان کریں گے۔
ترجمہ: ۲ اور اگر شہر میں کئی مرتبہ قتل کیا تو اس آدمی کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ زمین میں فساد پھیلاتا پھر رہا ہے اس لئے اس کی شرارت کو قتل کے ذریعہ دفع کیا جائے گا۔

تشریح: ابھی اوپر گزرا کہ شہر میں ڈاکہ زنی کرے تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ڈاکہ زنی کا حکم نافذ نہیں ہوگا، اس لئے کسی آدمی نے کئی آدمیوں کو قتل کیا تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ شہر میں فساد پھیلاتا پھر رہا ہے، اس لئے قتل کر کے اس کے فساد کو دور کرنا ہوگا۔

لغت: خنق: گلا گھونٹنا۔ مشغل: بھار چیز، یہاں مراد ہے کہ اتنی بھاری چیز سے مارا کہ آدمی مر گیا۔ ساعیا: سعی سے مشتق ہے، کوشش کرنا، یہاں مراد ہے فساد پھیلانے میں کوشش کرنا۔

﴿کتاب السیر﴾

السَّيْرُ جَمْعُ سِيرَةٍ، وَهِيَ الطَّرِيقَةُ فِي الْأُمُورِ، وَفِي الشَّرْعِ تَخْتَصُّ بِسَيْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي مَغَازِيهِ.

﴿کتاب السیر﴾

ترجمہ: سیر: سیرۃ کی جمع ہے ایک طریقہ کو کہتے ہیں، لیکن شریعت میں جہاد میں حضور کا طریقہ کیا ہوتا تھا اس کو سیرۃ، کہتے ہیں۔

تشریح: سیر: سارلسیر سے مشتق ہے، لغوی ترجمہ ہے چلنا، اچھی عادت، لیکن شریعت میں یہ ہے کہ جہاد میں حضورؐ کی عادت کیا تھی اس کو سیرہ کہتے ہیں۔ اب سیر بولتے ہیں اس بات پر کہ جہاد کب واجب ہوگا۔ کس کے ساتھ واجب ہے۔ اور جہاد میں کفار کے ساتھ کیا معاملہ کریں اس کو سیر کہتے ہیں۔

جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ جہاد اقدامی اور جہاد دفاعی۔ اگر کافر مسلمان پر ہلہ بول دے تو اس کے مقابلے کے لئے نکلنے کو جہاد دفاعی کہتے ہیں۔ یہ مرد، عورت، غلام سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اپنی جان، مال، عزت کو بچانا ضروری ہے۔ اور عام حالات میں جب کافر مسلمانوں پر دھاوا نہ بولا ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ کچھ لوگ جہاد کریں تو باقی سے فرض ساقط ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) جہاد کے ثبوت کے لئے بہت سی آیتیں ہیں۔ جہاد دفاعی کے ثبوت کے لئے یہ آیت ہے۔ انفروا خفافاً وثقلاً وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون (آیت ۴۱، سورۃ التوبۃ ۹) (۲) دوسری آیت میں ہے۔ یا ایہا النبی حرض المومنین علی القتال الخ (آیت ۶۵، سورۃ الانفال ۸) (۳)

ایک اور آیت میں ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا ما لکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیوة الدنیا من الآخرة فما متاع الحیوة الدنیا فی الآخرة الا قلیل O الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم (آیت ۳۸/۳۹، سورۃ التوبۃ ۹) ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض ہے (۴) حدیث میں ہے۔ عن انس بن مالک قال: قال رسول اللہ ﷺ ... والجہاد ماض منذ بعثنی اللہ الی ان یقاتل آخر امتی الدجال لا یبطله جور جائر ولا عدل عادل (ابوداؤد شریف، باب فی الغزو مع ائمة الجور، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک رہنے والا ہے۔

(۲۷۳۳) قَالَ: الْجِهَادُ فَرَضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إِذَا قَامَ بِهِ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ ۱. أَمَّا الْفَرَضِيَّةُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ وَلِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ”الْجِهَادُ مَا ضَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ وَأَرَادَ بِهِ فَرَضًا بَاقِيًا، ۲. وَهُوَ فَرَضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ؛ لِأَنَّهُ مَا فَرَضَ لِعَيْنِهِ إِذْ هُوَ أَفْسَادُ فِي نَفْسِهِ، وَإِنَّمَا فَرَضَ لِإِعْزَازِ دِينِ اللَّهِ وَدَفْعِ الشَّرِّ عَنِ الْعِبَادِ، فَإِذَا حَصَلَ الْمَقْصُودُ بِالْبَعْضِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ كَصَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَرَدِّ السَّلَامِ.

ترجمہ: (۲۷۳۳) جہاد فرض کفایہ ہے اگر قائم کر لیں لوگوں میں سے ایک جماعت تو ساقط ہو جائے گا باقی سے۔

ترجمہ: جہاد فرض ہے اس کیلئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ مشرکین سے پورے طور پر جنگ کرو جیسا کہ اس نے پورے طور پر جنگ کی ہے اور حضور کا قول جہاد قیامت تک جاری رہنے والا ہے، اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ یہ فرض قیامت تک باقی رہے گا۔

تشریح: جہاد اقدامی فرض کفایہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت نے جہاد کر لیا تو باقی سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔

وجہ: جہاد فرض ہونے کے لئے کچھ آیتیں پہلے گزر چکی ہیں اور کچھ یہ ہیں جنکو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہیں (۱) و

قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا يَقَاتِلُونَكُمْ كَافَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (آیت ۳۶، سورۃ التوبہ ۹) (۲) اور

صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن انس بن مالک ^{رض} قال: قال رسول الله ﷺ ... والجهاد ماض منذ بعثني

الله الى ان يقاتل آخر امتي الدجال لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل (ابوداؤد شریف، باب فی الغزو مع ائمة

الجور، ص ۳۵۰، نمبر ۲۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک رہنے والا ہے۔

ترجمہ: جہاد اقدامی فرض کفایہ ہے اس لئے کہ وہ فرض عین نہیں ہے اس لئے کہ وہ حقیقت میں فساد پیدا کرنا ہے، صرف

فرض ہوا ہے دین کو بلند کرنے کے لئے، اور بندوں سے شرف سے شرف ہو، پس بعض کے ذریعے سے مقصود حاصل ہو گیا تو باقی سے جہاد

ساقط ہو جائے گا جیسے جنازے کی نماز، اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے کہ ایک جماعت پر جہاد فرض ہے۔ آیت یہ ہے۔ وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر

من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون (آیت ۱۲۲،

سورۃ التوبہ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک جماعت جہاد کے لئے نکلے جس سے معلوم ہوا کہ جہاد اقدامی میں سب پر جہاد

فرض عین نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔ سمع جابر بن عبد الله يقول

سمعت النبي ﷺ يقول لا تزال طائفة من امتي يقاتلون على الحق ظاهرين الى يوم القيامة (مسلم

شریف، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعة نبینا الخ ص ۸۷، نمبر ۱۵۶/۳۹۵ ابوداؤد شریف، باب فی دوام الجہاد، ص

(۲۷۳۴) فَإِنْ لَمْ يَقُمْ بِهِ أَحَدٌ أَتَمَّ جَمِيعُ النَّاسِ بَتْرِكِهِ ۱. لِإِنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْكُلِّ، ۲. وَلِأَنَّ فِي اشْتِعَالِ الْكُلِّ بِهِ قُطْعَ مَادَّةِ الْجِهَادِ مِنَ الْكُرَاعِ وَالسَّلَاحِ فَيَجِبُ عَلَى الْكِفَايَةِ.

۳۴۳، نمبر ۲۴۸۴) اس حدیث میں ہے کہ ایک جماعت قیامت تک جہاد کرے گی۔ اس ایک جماعت سے اشارہ ہوتا ہے کہ باقی پر جہاد نہیں ہے۔ اس سے فرض کفایہ ثابت ہوتا ہے (۳) دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد ونية وإذا استنفرتم فانفروا (بخاری شریف، باب فضل الجہاد والسير الخ ص ۳۹۰، نمبر ۲۷۸۳) مسلم شریف، باب المبايعة بعد فتح مكة على الاسلام والجہاد والخیر الخ ص ۱۳۰، نمبر ۱۸۶۴/۱۸۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جب امیر بلائے تو جہاد میں جاؤ۔ اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ جس کو نہ بلائے اس پر جہاد میں جانا فرض نہیں ہے۔ اس سے بھی عام حالات میں فرض کفایہ کا ثبوت ملتا ہے۔ (۴) سب جہاد کرنے چلے جائیں تو گھر کا کام کون کرے گا اور گاؤں والوں کو کون سمجھائے گا۔ اس لئے بھی جہاد فرض کفایہ ہی ہوگا۔

نوٹ: متن میں یہ کہا کہ جہاد کا مقصد بندوں سے شرک دفع کرنا ہے، اس لئے اگر نام کی اسلامی حکومت ہو، وہاں مسلمانوں کو اور غیر مسلم کو امن نہ ہو، اور انصاف نہ کیا جاتا ہو صرف اپنے لوگوں کو نوازتے ہوں اور دوسروں پر ظلم کرتے ہوں تو اس کے لئے جہاد کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ جہاد کا مقصد غیر مسلموں کے درمیان امن قائم کرنا تھا اور جب خود ہی امن قائم نہیں کر سکا تو جہاد سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

نوٹ: مسئلہ نمبر ۲۷۳۵ میں آ رہا ہے کہ جہاد کا اصلی مقصد دین پھیلانا ہے، مال لوٹنا اور لوگوں کو غلام باندی بنانا نہیں ہے، اس لئے اگر کسی جماعت کا مقصد حکومت قائم کرنا، اور مال جمع کرنا ہو تو اس کے لئے جہاد کے نام پر قتال کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۳۴) پس اگر کوئی بھی قائم نہ کرے تو اس کے چھوڑنے سے تمام لوگ گنہگار ہوں گے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ سب پر جہاد واجب تھا۔

تشریح: جہاد سب پر واجب تھا اس لئے سب کے چھوڑنے سے سب پر گناہ ہوگا۔

ترجمہ: ۲۔ اس لئے کہ سب جہاد میں مشغول ہو جائے تو جہاد ہی ختم ہو جائے گا اس لئے کہ گھوڑا کون تیار کرے گا، ہتھیار کون تیار کرے گا اس لئے جہاد فرض کفایہ ہی ہوگا۔

تشریح: جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے، سب جہاد میں مشغول ہو جائیں تو گھوڑا کون تیار کون کرے گا، ہتھیار کون تیار کون کرے گا، اور جب کوئی نہیں کرے گا تو خود جہاد ختم ہو جائے گا، اس لئے جہاد فرض کفایہ ہے۔

لغت: کراع: گھوڑا وغیرہ۔ سلاح: ہتھیار۔

(۲۷۳۶) إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْفَقِيرُ عَامًّا ۚ فَحِينَئِذٍ يَصِيرُ مِنْ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ الْآيَةَ. وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: الْجِهَادُ وَاجِبٌ إِلَّا أَنَّ الْمُسْلِمِينَ فِي سَعَةٍ حَتَّى يُحْتَاجَ إِلَيْهِمْ، فَأَوَّلُ هَذَا الْكَلَامِ إِشَارَةٌ إِلَى الْوُجُوبِ عَلَى الْكِفَايَةِ وَآخِرُهُ إِلَى الْفَقِيرِ الْعَامِّ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ عِنْدَ ذَلِكَ لَا يَتَحَصَّلُ إِلَّا بِإِقَامَةِ الْكُلِّ فَيُفْتَرَضُ عَلَى الْكُلِّ. (۲۷۳۷) وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَبْدَأْ وَاللُّعْمُومَاتِ.

ترجمہ: (۲۷۳۵) مگر عام جنگ ہو جائے تو ہر آدمی پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا قول ہلکے ہوتب بھی نکلوا اور بھاری ہوتب بھی نکلو۔ یعنی تمہارے پاس سواری ہوتب بھی نکلوا اور پیدل ہو تب بھی نکلو، فقیر ہوتب بھی نکلوا اور دولت مند ہوتب بھی نکلو۔

تشریح: کفار نے مسلمانوں پر ہلا بول دیا تو ہر آدمی جنگ کرنا فرض ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر آدمی پر اپنی جان اور مال کی حفاظت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

وجہ: اس آیت میں ہے کہ ایسے موقع پر ہر آدمی کو نکلنا ضروری ہے صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون (آیت ۴۱، سورۃ التوبۃ ۹)

ترجمہ: (۲۷۳۶) جامع صغیر میں کہا گیا کہ جہاد واجب ہے مگر یہ کہ مسلمانوں کو گنجائش ہے، یہاں تک کی انکی ضرورت پڑ جائے۔

ترجمہ: الجہاد واجب الا ان المسلمین فی سعة حتی یحتاج الیہم۔ اس عبارت کے شروع سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد فرض کفایہ کے طور پر واجب ہے، اور آخری لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر آدمی کو نکلنا پڑے گا، اس لئے اس کا مقصد نہیں پورا ہوگا اگر یہ کہ ہر آدمی پر فرض ہو۔

تشریح: الجہاد واجب الا ان المسلمین فی سعة؛ سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد واجب ہے، لیکن مسلمانوں کو اس میں نہ جانے کی بھی گنجائش بھی ہے، اس لئے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ حتی یحتاج الیہم؛ سے پتہ چلا کہ اگر مسلمانوں کی ضرورت پڑ جائے یعنی کافر بلہ بول دے تو پھر ہر ایک پر واجب ہو جائے گا۔

لغت: الفقیر العام: کوچ کرنے کا عام اعلان ہو جائے۔

ترجمہ: (۲۷۳۷) کفار سے قتال واجب ہے چاہے وہ ابتدائہ کریں۔

ترجمہ: عام آیت کی وجہ سے۔

(۲۷۳۸) وَلَا يَجِبُ الْجِهَادُ عَلَى صَبِيٍّ ؛ لِأَنَّ الصَّبَا مِطْنَةُ الْمَرْحَمَةِ وَلَا عَبْدٌ وَلَا امْرَأَةٌ التَّقَدُّمُ حَقُّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ وَلَا أَعْمَى وَلَا مُقْعَدٌ وَلَا أَقْطَعَ لِعَجْزِهِمْ،

تشریح: کفار جنگ کی ابتداء نہ بھی کریں تب بھی کفر سے قتال واجب ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے۔ فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث وجدتموهم ولا تتخذوا منهم ولما ولا نصيرا (آیت ۸۹، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ کفر پشت پھیر کر بھاگ جائیں تب بھی ان کو پکڑو اور قتل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ پشت پھیر کر بھاگ گئے تو اب وہ قتال نہیں کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان کو پکڑنے اور قتل کرنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ قتال نہ کرے تب بھی ان سے جہاد کرنا واجب ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔ وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة واعلموا ان الله مع المتقين (آیت ۳۶، سورۃ التوبہ ۹) اس آیت میں ہے کہ جس طرح کفار تمہارے ساتھ قتال کر رہے تھے تم بھی سب کفار سے قتال کرو۔ اور کفار ابھی ہیں اس لئے قتال بھی کرنا ہوگا چاہے وہ قتال نہ کریں (۳) حدیث میں ہے کہ مدینہ کے یہود نے ساز باز کی تھی لیکن ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا پھر بھی حضورؐ اس کی طرف چلے اور مدینہ سے نکل جانے کا اشارہ دیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابی ہریرۃؓ انه قال بینا نحن فی المسجد اذ خرج الینا رسول اللہ ﷺ فقال انطلقوا الی یہود فخرجنا معہ حتی جئناہم فقال رسول اللہ ﷺ فناداہم فقال یا معشر یہود اسلموا تسلموا... وانی ارید ان اجلیکم من ہذہ الارض (ابوداؤد شریف، باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ، ج ۲، ص ۶۶، نمبر ۳۰۰۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہود کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ حالانکہ انہوں نے ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر قتال شروع کئے بھی جہاد کیا جاسکتا ہے۔

لغت: نیداً: بدء سے مشتق ہے شروع کرنا۔

ترجمہ: (۲۷۳۸) واجب نہیں ہے جہاد بچے پر [اس لئے کہ وہ رحم کی جگہ پر ہیں] اور نہ غلام پر اور نہ عورت پر [اس لئے کہ آقا اور شوہر کا حق مقدم ہے] اور نہ نابینا پر اور نہ اپانچ پر اور نہ لو لے پر۔

وجہ: (۱) یہ لوگ جہاد کرنے کے قابل ہی نہیں ہیں (۲) بچے کے بارے میں بار بار حدیث گزر چکی ہے۔ عن علیؓ عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ابوداؤد شریف، باب فی الجحون یسرق او یصیب حدا، ص ۲۵۶، نمبر ۴۴۰۳) جب بچوں سے قلم اٹھالیا گیا اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہے تو جہاد بھی نہیں ہے (۳) حدیث میں ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے جہاد میں جانا بھی چاہا تو نہیں جانے دیا گیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ عرضہ یوم احد وهو ابن اربع عشرة سنة فلم یجزہ

وعرضه يوم الخندق وهو ابن خمس عشرة سنة فاجازه (بخاری شریف، باب غزوة الخندق وهي الاحزاب، ص ۵۸۸، نمبر ۴۰۹/۱ ابوداؤد شریف، باب الغلام يصيب الحد، ص ۲۵۷، نمبر ۴۰۶/۱) اس حدیث میں پندرہ سال سے پہلے بچے کو جہاد میں جانے سے روک دیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ اس پر جہاد واجب نہیں ہے۔

غلام پر جہاد واجب نہیں ہے۔

وجہ: (۱) وہ تو آقا کے حکم کے تحت ہے۔ اس لئے اس کی اجازت کے بغیر جمعہ میں بھی نہیں جاسکتا تو جہاد میں کیسے جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن الحارث بن عبد الله بن ابي ربيعة ان رسول الله ﷺ كان في بعض مغازيه فمر باناس من مزينة فاتبعه عبد لامرأة منهم فلما كان في بعض الطريق سلم عليه فقال فلان؟ قال نعم قال ما شأنك؟ قال اجاهد معك، قال اذنت لك سيدتك؟ قال لا، قال ارجع اليها فاخبرها فان مثلك مثل عبد لا يصلي ان مت قبل ان ترجع اليها الخ۔ (متدرک للحاکم، کتاب الجہاد، ج ثانی، ص ۱۲۹، نمبر ۲۵۵۳ سنن للبیہقی، باب من لا يجب عليه الجهاد، ج تاسع، ص ۳۹، نمبر ۱۷۸۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام پر جہاد فرض نہیں ہے۔ البتہ آقا کی اجازت سے جاسکتا ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ہجرت کے لئے بھی آقا کی اجازت کے بغیر نہیں کہتے تھے تو جہاد کے لئے کیسے کہیں گے۔ عن جابر قال جاء عبد فبايع النبي ﷺ على الهجرة ولا يشعر النبي ﷺ انه عبد فجاء سيده يريد فقاتل النبي ﷺ بعينه فاشتراه بعددين اسودين ثم لم يبايع احدا حتى يسأله اعبد هو (نسائی شریف، باب بیعة الممالیک، ص ۵۸۲، نمبر ۴۱۸۹/۱ ابن ماجہ شریف، باب البيعة، ص ۴۱۵، نمبر ۲۸۶۹) جب ہجرت پر بیعت نہیں لیتے تو جہاد پر بیعت کیسے لیں گے۔ اس لئے اس پر عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہے، ہاں! نفیر عام ہو جائے تو اس پر بھی دفاعی جہاد فرض ہوگا۔

عورت پر جہاد فرض نہیں ہے (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة ام المؤمنين قالت استأذنت النبي ﷺ في الجهاد فقال جهاد كن الحج (بخاری شریف، باب جہاد النساء، ص ۲۸۷، نمبر ۲۸۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہے بلکہ اس کا جہاد حج کرنا ہے۔ (۲) البتہ جہاد میں شریک ہونا چاہیں تو شریک ہو سکتی ہیں۔ حدیث میں ہے۔ عن الربيع بنت معوذ قالت كنا مع النبي ﷺ نسقي ونداوى الجرحى ونرد القتلى (بخاری شریف، باب مداواة النساء الجرحى في الغزو، ص ۴۰۳، نمبر ۲۸۸۲) اس حدیث میں ہے کہ عورتیں جہاد میں شریک ہوتی تھیں اور مریضوں کو

(۲۷۳۹) فَإِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ وَجَبَ عَلَى جَمِيعِ النَّاسِ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ الْمَوْلَى ۚ لِأَنَّهُ صَارَ فَرَضَ عَيْنٍ، وَمِلْكُ الْيَمِينِ وَرِقُّ النِّكَاحِ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ كَمَا فِي الصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ، بِخِلَافِ مَا قَبْلَ النَّفِيرِ؛ لِأَنَّ بَغْيَهُمَا مَقْنَعَا فَلَا ضَرُورَةَ إِلَى إِبْطَالِ حَقِّ الْمَوْلَى وَالزَّوْجِ.

پانی پلاتی، زخمیوں کی دوا کرتی اور مقتول کے پاس آ کر تیمارداری کرتی تھیں۔ عورتیں آج بھی ایسا کر سکتی ہیں۔
 نابینا، اپانچ اور لو لے پر جہاد فرض نہیں ہے (۱) اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ لیس علی الضعفاء ولا علی المرضى ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحو الله ولرسوله ما علی المحسنین من سبیل (آیت ۹۱، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ کمزور، بیمار اور جو خرچ کرنے کا مال نہیں رکھتا ہے ان پر جہاد نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ لوگوں پر جہاد نہیں ہے۔ (۲) آیت میں ہے۔ لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج (آیت ۱۷، سورۃ الفتح ۴۸) (۳) دوسری آیت میں ہے۔ لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم (آیت ۹۵، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں غیر اولی الضرر سے معلوم ہوا کہ جس کو ضرر ہو اور اپانچ ہو اس پر جہاد فرض نہیں ہے (۴) حدیث میں ہے۔ فاتی عمرو بن الجموح رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ ان بنی ہؤلاء یمنعون ان اخرج معک واللہ انی لارجو ان استشهد فاطماً بعرجتی ہذہ فی الجنۃ فقال لہ رسول اللہ ﷺ اما انت فقد وضع اللہ عنک الجہاد (سنن للبیہقی، باب من اعتذر بالضعف والمرض والزمانۃ والعذر فی ترک الجہاد، ج ۳، ص ۴۲، نمبر ۸۲۱۷) اس حدیث میں ہے کہ معذور پر جہاد نہیں ہے۔

لغت: تفعد: عقد سے مشتق ہے۔ جو بیٹھا ہوا ہو یعنی اپانچ، قطع: قطع سے مشتق ہے جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو یعنی لولا۔

ترجمہ: (۲۷۳۹) پس اگر چڑھ آئے دشمن کسی شہر پر تو تمام مسلمانوں پر مدافعت واجب ہے۔ نکلے گی بیوی اپنی شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ فرض عین ہو گیا اور ملک یمین اور ملک نکاح کا رشتہ فرض عین کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا جیسے نماز اور روزہ میں، بخلاف عام علان سے پہلے اس لئے کہ ان دونوں کے بغیر بھی جہاد ہو سکتا ہے اس لئے آقا اور شوہر کے حق کو باطل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: کافر دشمن کسی شہر پر چڑھ آیا، اس وقت اس شہر والوں پر اپنی جان، مال اور عزت کی حفاظت ضروری ہے۔ اور عام

(۲۷۴۰) وَيُكَرَّهُ الْجُعْلُ مَا دَامَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيَّ ۱ لَأَنَّهُ يُشْبِهُ الْأَجْرَ، وَلَا ضَرُورَةَ إِلَيْهِ؛ لِأَنَّ مَالَ بَيْتِ الْمَالِ مُعَدُّ لِنَوَائِبِ الْمُسْلِمِينَ.

مسلمانوں پر بھی اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں ہر آدمی پر جہاد فرض عین ہو جائے گا۔ اس کے لئے عورت بغیر شوہر کی اجازت کے اور غلام بغیر آقا کی اجازت کے جہاد کے لئے نکل سکتے ہیں۔

وجہ: (۱) آیت میں نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض، ارضیتم بالحویة الدنیا من الآخرة فما متاع الحویة الدنیا فی الآخرة الا قلیل ۵ الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما (آیت ۳۸/۳۹، سورۃ التوبة ۹) جب جنگ عام ہو جائے ایسے موقع پر نہ نکلنے پر ان آیتوں میں تنبیہ کی گئی ہے (۲) دوسری آیت میں ہے۔ انفروا خفافا وثقالا وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ (آیت ۴۱، سورۃ التوبة ۹) (۳) ایک اور آیت میں ہے۔ ماکان لاهل المدینة ومن حولہم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسہم عن نفسہ (آیت ۱۲، سورۃ التوبة ۹) ان آیتوں میں بھی جہاد کے لئے نہ نکلنے پر تنبیہ کی گئی ہے (۴) حدیث میں ہے کہ ہنگامی حالات میں امہات المؤمنین جہاد کے لئے نکلیں۔ عن انسؓ قال لما کان یوم احد انہزم الناس عن النبی ﷺ قال ولقد رأیت عائشة بنت ابی بکر وام سلیم وانہما لمشمرتان اری خدم سوقہما تنقران القرب وقال غیرہ تنقلان القرب علی متونہما ثم تفرغانہ فی افواہ القوم ثم ترجعان فتملاّٰنہما ثم تجینان فتفرغانہ فی افواہ القوم (بخاری شریف، باب غزوہ النساء وقتا لخص مع الرجال، ص ۴۰۳، نمبر ۲۸۸۰ مسلم شریف، باب غزوہ النساء مع الرجال، ص ۱۱۶، نمبر ۱۸۱۱/۴۶۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جنگ احد میں حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ جہاد میں شریک ہوئیں اور صحابہ کی تیمارداری کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہنگامی حالات میں عورتوں پر بھی جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: (۲۷۴۰) بیت المال میں جب تک کچھ مال ہو تو مسلمانوں سے کچھ وصول کرنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: اس لئے کہ یہ اجرت کے مشابہ ہے، اور اس کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ بیت المال کا مال تو اسی لئے ہے کہ حادثے کے وقت کام آئے۔

تشریح: بیت المال میں مال موجود ہو اور لوگوں کو جہاد میں جانا ہو تو ایسے وقت میں مسلمانوں سے کچھ وصول کرنا مکروہ ہے، کیونکہ بیت المال کا مال ایسے حادثے میں کام آنے کے لئے ہے اور جب اس میں مال موجود ہے تو جہاد میں جانے کے لئے عام مسلمانوں سے کچھ وصول کرنا مکروہ ہے۔

(۲۷۱) قَالَ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُقْوَى بَعْضُهُمْ بَعْضًا ۚ لِأَنَّ فِيهِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْأَعْلَى بِالْحَاقِ الْأَدْنَى، يُؤَيِّدُهُ "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَخَذَ دُرُوعًا مِنْ صَفْوَانَ" وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُعْزِي الْأَعْزَبَ عَنْ ذِي الْحَلِيلَةِ، وَيُعْطِي الشَّاحِصَ فَرَسَ الْقَاعِدِ.

ترجمہ: (۲۷۱) اگر بیت المال میں مال نہ ہو تو ایک دوسرے کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: اس لئے کہ اس میں ادنی نقصان کے بدلے میں اعلی نقصان کو دفع کرنا ہے، اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے حضورؐ نے حضرت صفوانؓ سے کچھ زرہ جہاد کے لئے لئے، اور شادی شدہ کی جانب سے بغیر شادی شدہ کو حضرت عمرؓ جہاد میں بھیجتے تھے، اور گھر میں بیٹھنے والے کا گھوڑا جہاد میں جانے والے کو دیا کرتے تھے۔

تشریح: اگر بیت المال میں مال نہیں ہے، یا جہاد کے اخراجات سے کم ہے تو مالداروں سے مال لیکر غریبوں کو دیکر اس کو جہاد میں بھیجا جاسکتا ہے، کیونکہ لوگوں سے لینا ادنی کراہیت ہے اور کافروں کے شر کو دفع کرنا یہ اعلیٰ ہے اس لئے ادنی کو برداشت کر کے اعلیٰ کو دفع کیا جاسکتا ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے، جس میں حضورؐ نے صفوان بن امیہ سے جہاد کے لئے زرہ لی تھی۔ عن امیہ بن صفوان عن ابیہ ان رسول اللہ ﷺ استعار منه أدرعا يوم حنين فقال أغضب يا محمد؟ فقال لا بل عارية مضمونة (ابوداؤد شریف، باب فی تضمین العاریۃ، ص ۵۱۲، نمبر ۳۵۶۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے جہاد کے لئے زرہ لیں۔ (۲) حضرت عمرؓ شادی شدہ سے مال لیکر بغیر شادی شدہ کو دیتے تھے اور اس کو جہاد میں بھیجتے تھے، عمل صحابی یہ ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ قال کان عمر یعزى العزب و يأخذ فرس المقيم فيعطيه المسافر (مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما قالوا فی العزب یغزی و یترک الزوج، ج ۴، ص ۷۸، نمبر ۳۳۰۴) اس عمل صحابی میں ہے کہ بغیر شادی شدہ کو دوسروں کی جانب سے جہاد میں بھیجتے تھے۔

لغت: یقوی بعضهم بعضا: بعض آدمی دوسرے کی مدد کرے، قوی بنائے۔ یغزی: غزوہ میں بھیجتے تھے۔ اعزب: بغیر شادی شدہ۔ ذی الحلیۃ: حلیل کا ترجمہ ہے بیوی، ذی الحلیۃ، بیوی والا۔ الشاحص: اس فاعل کا صیغہ ہے اوپر کو چڑھنا، یہاں مراد دشمن کی طرف جانا۔ قاعد: بیٹھنے والا، یعنی ایسا آدمی جو جہاد میں نہ جاسکتا ہو۔

﴿بَابُ كَيْفِيَّةِ الْقِتَالِ﴾

(٢٤٢) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُونَ دَارَ الْحَرْبِ فَحَاصَرُوا مَدِينَةً أَوْ حِصْنَ دَعَوْهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ [رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا قَاتَلَ قَوْمًا حَتَّى دَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ"] قَالَ فَإِنْ أَجَابُوا كَفُّوا عَنْ قِتَالِهِمْ ۚ لِحُصُولِ الْمُقْصُودِ، وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" الْحَدِيثُ.

﴿باب كيفية القتال﴾

ترجمہ: (۲۷۴) اگر مسلمان دارالحرب میں داخل ہوں اور کسی شہر یا قلعے کا محاصرہ کر لیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں، [کیونکہ عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ جب تک اسلام کی طرف نہیں بلایا حضورؐ نے کسی قول سے جنگ نہیں کی]۔ پس اگر وہ مان لیں تو ان کے قتل کرنے سے رک جائیں۔

ترجمہ: مقصد کے حاصل ہونے کی وجہ سے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ لوگوں سے اس وقت قتال کا حکم دیا گیا ہے کہ۔ لا الہ الا اللہ۔ کہیں۔

تشریح: کفار سے قتال کرنے کا مقصد مسلمان بنانا ہے اس لئے اگر وہ قتال سے پہلے ہی مسلمان ہو جائیں تو قتال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لئے جنگ شروع کرنے سے پہلے ان کو اسلام لانے کی دعوت دیں۔

وجہ (۱): حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ عن ابن عباس قال ما قاتل رسول اللہ ﷺ قوماً حتى دعاهم (مستدرک حاکم، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۶۱، نمبر ۳/مسند احمد، باب مسند ابن عباس، ج ۱، ص ۳۹۰، نمبر ۲۱۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ قتال سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے (۲) دوسری حدیث میں تفصیل ہے جس کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن سلیمان بن بريدہ عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ اذا امر اميرا على جيش ... واذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم الى ثلاث خصال او خلال. فائتھن ما اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم ثم ادعهم الى الاسلام فان اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم... فان هم ابوا فسلھم الجزية، فان هم اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم، فان هم ابوا فاستعن بالله وقتلھم (مسلم شریف، باب تا میرا امام الامراء علی البعوث ووصیة ایاھم با داب الغزو وغیرھا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۳۱/۱۷۴۵۲۱/۴۵۲۱۷۴ ابوداؤد

(۲۷۳) وَإِنْ اَمْتَنَعُوا دَعْوَهُمْ إِلَى اَدَاءِ الْجَزِيَةِ ۱ بِهٖ اَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَمْرًا الْجَبِيْشَ، ۲ وَلَآئِنَّ اَحَدًا مَّا يَنْتَهِيْ بِهٖ الْقِتَالُ عَلٰى مَا نَطَقَ بِهٖ النَّصُّ،

شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دو۔ نہ مانے تب جزیہ کی پیشکش کرو۔ اس کو نہ مانے تب قتال کرو۔ (۳) اسلام قبول کر لے تو قتال سے رک جائے اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی يقولوا لا اله الا الله. فاذا قالوها وصلوا صلاتنا واستقبلوا قبلتنا وذبحوا ذبيحتنا فقد حرمت علينا دماؤهم واموالهم الا بحققها وحسابهم على الله (بخاری شریف، باب فضل استقبال القبلة، ص ۵۶، نمبر ۳۹۲) مسلم شریف، باب الامر بقتال الناس حتی يقولوا لا اله الا الله محمد رسول اللہ الخ، ص ۳۷، نمبر ۱۲۴۲/۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام لے آئے تو اس سے جنگ کرنا حرام ہے۔

لغت: حصن: محفوظ جگہ، قلعہ۔ اجابوا: قبول کر لے۔ کف: رک جائے۔

ترجمہ: (۲۷۳) اگر وہ رک جائیں تو بلائیں ان کو جزیہ کی ادائیگی کی طرف۔

ترجمہ: لشکر کے امیروں کو حضورؐ نے یہی حکم دیا کرتے تھے۔

تشریح: اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ دینے کے لئے کہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ لشکر کے امیروں کو یہی حکم دیا کرتے تھے

وجہ: (۱) جزیہ کی طرف بلانے کی دلیل اوپر کی حدیث میں تھی اور یہ بھی ہے کہ وہ جزیہ قبول کر لیں تو ان سے قتال روک دیا جائے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن سلیمان بن بريدة عن ابيه ... فان هم ابوا فسلهم الجزية، فان هم اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم (مسلم شریف، باب تأمير الامام الامراء على البعوث الخ، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۳۱۱۷/۲۵) ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں ہے کہ اسلام نہ لائے تو جزیہ کی طرف بلاؤ۔ اور یہ کر لے تو ان سے جنگ روک دو (۲) آیت میں ہے۔ قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم الله ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون (آیت ۲۹، سورۃ التوبہ ۹) اس آیت میں ہے کہ اس وقت تک قتال کرو جب تک جزیہ نہ دیدیں۔

ترجمہ: جزیہ بھی ایک طریقہ ہے جس سے قتال رک جائے گا، جیسا کہ آیت سے معلوم ہوا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ آیت سے پتہ چلا کہ قتال رکنے کے لئے جزیہ بھی ایک طریقہ ہے، جیسے اسلام قبول کرنا جنگ بند ہونے کے لئے ایک طریقہ ہے۔

۳ وَهَذَا فِي حَقِّ مَنْ تَقَبَّلَ مِنْهُ الْجِزْيَةُ، وَمَنْ لَا تَقَبَّلُ مِنْهُ كَالْمُرْتَدِّينَ وَعَبْدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ لَا فَائِدَةَ فِي دُعَائِهِمْ إِلَى قَبُولِ الْجِزْيَةِ لِأَنَّهُ لَا يَقْبَلُ مِنْهُمْ إِلَّا الْإِسْلَامُ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿تَقَاتِلُوهُمْ أَوْ يُسَلِّمُوا﴾ (۲۷۴) فَإِنْ بَذَلُوهَا فَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ ۚ لِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنَّمَا بَذَلُوا الْجِزْيَةَ لِيَكُونَ دِمَاؤُهُمْ كِدِمَائِنَا وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا،

ترجمہ: ۳: جزیہ کی طرف بلانا ان لوگوں کے لئے ہے جس سے جزیہ قبول کیا جاتا ہو، اور جس سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا ہو جیسے مرتد، اور عرب کے بت پرست تو انکو جزیہ کی طرف بلانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے ان دونوں کے لئے اسلام کے علاوہ کچھ قبول نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِلْمُخْلِفينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سِتْدَعُونَ إِلَى قَوْمِ بَاسٍ شَدِيدٍ تَقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسَلِّمُونَ فَانْطَبَحُوا بِأُتُكُمُ اللَّهُ اجْرَا حَسَنًا۔ (آیت ۱۶، سورۃ الفتح ۲۸)

تشریح: عرب کے جو بت پرست ہیں اور جو مرتد ہیں، انکے لئے ایک ہی صورت ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں، یا پھر قتل ہونے کے لئے تیار رہیں، انکے لئے جزیہ ادا کرنا نہیں ہے، اس لئے انکو جزیہ کی طرف بلانا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔
ترجمہ: (۲۷۴) پس اگر وہ جزیہ دیدیں تو ان کے لئے وہ ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور ان پر وہ ہیں جو مسلمانوں پر ہیں۔
ترجمہ: ۱: حضرت علیؑ کے قول کی وجہ سے کہ ذمی جزیہ اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ ان کا خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہو جائے، اور ان کا مال ہمارے مال کی طرح محفوظ ہو جائے۔

تشریح: اگر وہ جزیہ دینا منظور کر لیں تو ان کا خون، جان، مال مسلمانوں کی طرح محفوظ ہو جائیں گے۔ اور جو حقوق مسلمانوں کو ملتے ہیں وہی حقوق ان کو بھی ملیں گے۔ اور غلطیوں کی جو سزائیں مسلمانوں کو دی جاتی ہیں وہی سزائیں ان کو بھی دی جائیں گی۔ گویا کہ معاملات میں وہ مسلمان کی طرح ہو گئے۔

وجہ: (۱) کفار جزیہ دینے لگیں تو اس کا حق مسلمانوں کی طرح ہے اس کی دلیل یہ حضرت علیؑ کا قول ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ قَالَ عَلِيٌّ مَنْ كَانَتْ لَهُ ذِمَّتُنَا فِدْمَهُ كِدِمَّتِنَا (دارقطنی، کتاب الجہود والدیات، ج ۳، ص ۱۰۷، نمبر ۳۲۶۷) اس اثر میں ہے کہ جو ہماری ذمیت میں آجائے تو اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہو جائے گا یعنی اس کا خون محفوظ ہو جائے گا۔ (۲) عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قَالَ ذِمَّةُ ذِمِّي ذِمَّةُ مُسْلِمٍ (دارقطنی، کتاب الجہود والدیات، ج ۳، ص ۱۰۶، نمبر ۳۲۵۸) کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے، یعنی ان کی جان اور مال محفوظ ہے۔

لغت: بذل: خرچ کرے۔

۲ وَالْمُرَادُ بِالْبَدْلِ الْقَبُولُ وَكَذَا الْمُرَادُ بِالْإِعْطَاءِ الْمَذْكُورِ فِيهِ فِي الْقُرْآنِ، وَاللَّهُ أَغْلَمُ.

(۲۷۴۵) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَاتَلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ إِلَّا أَنْ يَدْعُوهُ ۚ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي وَصِيَّةِ أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ "فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ"، وَلِأَنَّهُمْ بِالْدَّعْوَةِ يَعْلَمُونَ أَنَّا نُقَاتِلُهُمْ عَلَى الدِّينِ لَا عَلَى سَلْبِ الْأَمْوَالِ وَسَبْيِ الذَّرَارِيِّ فَلَعَلَّهُمْ يُجِيبُونَ فَنُكَفَى مُؤَنَةَ الْقِتَالِ،

ترجمہ: ۲۔ متن میں بذل سے مراد جزیہ دینا قبول کرنا ہے، اسی طرح آیت میں جو اعطوا لفظ ہے اس سے بھی مراد قبول کرنا ہے۔

تشریح: ایک ہے جزیہ ادا کرنا یہ مرحلہ بعد میں آتا ہے، اور دوسرا ہے جزیہ دینے کو قبول کرنا، یہ پہلا مرحلہ ہے، اسی پہلے مرحلے پر قتال بند کر دی جائے گی، اور متن میں جو بذل کا لفظ ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جزیہ دینے کو قبول کر لیا، اور آیت میں جو اعطوا، ہے اس کا مطلب بھی ہے کہ جزیہ دینا قبول کر لے۔ آیت یہ ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (آیت ۲۹، سورۃ التوبہ ۹) اس آیت میں ہے کہ اس وقت تک قتال کرو جب تک جزیہ نہ دیدیں۔ یعنی جزیہ دینا قبول کر لیں۔

ترجمہ: (۲۷۴۵) اور نہیں جائز ہے کہ قتال کرے اس سے جس کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو مگر یہ کہ اس کو دعوت دے۔

ترجمہ: ۱۔ لشکر کو وصیت کرنے میں حضور کا قول ہے کہ کفار کو لا الہ الا اللہ کی شہادت کی طرف بلاؤ، اور اس وجہ سے بھی کہ دعوت سے وہ جان لیں گے ہم دین پھیلانے کے لئے قتال کر رہے ہیں مال لینے اور بچوں کو قیدی بنانے کے لئے نہیں، تو شاید کہ وہ اسلام قبول کر لے اور جنگ نہ کرنا پڑے۔

تشریح: جن کفار کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان کو دعوت دیئے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ حضور جب تک دعوت نہ دے لیتے کفار سے قتال شروع نہ کرتے۔ اس لئے قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے۔ تاکہ ان کو بھی پتا چل جائے کہ ہم اسلام کو عام کرنے کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ مال لوٹنے اور لوگوں کو غلام باندی بنانے کے لئے جہاد نہیں کر رہے ہیں (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے۔ عن سلیمان بن بريدة عن ابيه قال كان رسول الله ﷺ اذا امر اميرا على جيش ... واذا لقيت عدوك من المشركين فادعهم الى ثلاث خصال او خلال. فايتهن ما اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم ثم ادعهم الى الاسلام فان اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم. (مسلم شریف، باب تاثير الامام الامراء على البعوث ووصية اياهم بأداب الغزو وغيرها، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۳۱۱۷/۱۷۵۲۱/۱ بوداؤد شریف، باب في دعاء المشركين، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۱) (۳) ایک

۲ وَلَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الدَّعْوَةِ اَنَّمْ لِلنَّهْيِ، وَلَا عَرَامَةَ لِعَدَمِ الْعَاصِمِ وَهُوَ الدِّينُ اَوْ الْاِحْرَازُ بِالْدَّارِ فَصَارَ كَقَتْلِ النِّسْوَانِ وَالصَّبِيَّانِ.

(۲۷۴۶) وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يَدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ ۱ مُبَالَعَةً فِي الْاِنْدَارِ، وَلَا يَجِبُ ذَلِكَ لِاَنَّهُ صَحَّ " اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُونَ. " وَعَهْدَ اِلَى اُسَامَةَ رَضِيَ

اور حدیث گزری۔ عن ابن عباسؓ قال ما قاتل رسول الله ﷺ قوما حتى دعاهم (مستدرک حاکم، کتاب الایمان، ج اول، ص ۶۱، نمبر ۳۷۷ مسند احمد، باب مسند عبد اللہ ابن عباسؓ، ج اول، ص ۳۹۰، نمبر ۲۱۰۶) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کفار کو دعوت دینے سے پہلے قتل نہ کرے۔

لغت: امراء الاجناد: اجناد: جنہ کی جمع ہے، لشکر کے امیر۔ سلب الاموال: سلب کا ترجمہ ہے چھین لینا، سلب الاموال: مال چھین لینا۔ سب الذراری: ذراری: ذریعہ سے مشتق ہے، بچے اور عورتیں، سب الذراری: بچے اور عورتوں کو غلام باندی بنانا۔ نکفی مونة القتال: مونة: خرچ، جنگ کے خرچ کو کافی ہو جائے، یعنی جنگ نہ کرنی پڑے۔

ترجمہ: ۲ کفار کو دعوت دینے سے پہلے ہی اس سے جنگ کر لی تو حدیث میں منع کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، لیکن قتل کرنے والے پر کفار کے قتل کا تاوان نہیں ہے اس لئے کہ اس کی جان کی حفاظت کی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ اسلام ہونا، یا دار الاسلام ہونا، تو ایسا ہو گیا کہ اس کی عورتوں کو اور بچوں کو قتل کر دیا ہو۔

تشریح: بہتر تو یہ تھا کہ کفار کو پہلے اسلام کی دعوت دیتا، اور وہ نہ مانتا تب جنگ شروع کرتے، لیکن اس کو دعوت دینے سے پہلے ہی قتل شروع کر دیا تو حدیث میں چونکہ منع کیا ہے اس لئے گناہ گار ہوگا، لیکن کفار کے قتل کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: دو وجہ سے جان محفوظ ہوتی ہے، اور اس کا تاوان لازم ہوتا ہے، یا تو مسلمان ہو، یا ذمی بن کر دارالاسلام میں ہو، اور یہ حربی نہ مسلمان ہے اور نہ دارالاسلام میں ذمی ہے بلکہ یہ حربی ہے اور مسلمان کے ساتھ جنگ کرنے آیا ہے اس لئے اس کی جان محفوظ نہیں ہے اس لئے اس کا تاوان بھی قاتل پر نہیں ہے، جیسے انکے بچوں اور عورتوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر کر دیا تو اس کا تاوان قاتل پر نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی تاوان نہیں ہے۔

لغت: غرامة: تاوان۔ عاصم: عصمت سے مشتق ہے، حفاظت کی چیز۔ احرار: حرز سے مشتق ہے، حفاظت کرنے والی چیز، احرار بالدار: دارالاسلام سے حفاظت۔

ترجمہ: (۲۷۴۶) اور مستحب ہے کہ جس کو دعوت پہنچی ہو اس کو بھی دعوت دے اسلام کی لیکن واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱: ڈرانے میں مبالغہ کے لئے، لیکن یہ واجب نہیں ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بنی مصطلق پر صبح کے

اللَّهُ عَنْهُ أَنْ يُغَيِّرَ عَلَى ابْنِي صَبَاحًا ثُمَّ يُحَرِّقْ“ وَالْغَارَةُ لَا تَكُونُ بِدَعْوَةٍ.

(۲۷۴۷) قَالَ: فَإِنَّ أَبَوَ ذَلِكَ اسْتَعَانُوا بِاللَّهِ عَلَيْهِمْ وَحَارَبُوهُمْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ "فَإِنَّ أَبَوَ ذَلِكَ فَادْعُهُمْ إِلَى إِعْطَاءِ الْجُزْيَةِ، إِلَى أَنْ قَالَ: فَإِنَّ أَبَوْهَا فَاسْتَعَنَ بِاللَّهِ عَلَيْهِمْ وَقَاتِلَهُمْ“ وَلَئِنَّ تَعَالَى هُوَ النَّاصِرُ لِلْأَوْلِيَاءِ وَالْمُدْمِرُ عَلَى أَعْدَائِهِ فَيَسْتَعَانُ بِهِ فِي كُلِّ الْأُمُورِ،

وقت چھاپہ مارا اور وہ لوگ سوئے ہوئے تھے، اور حضرت اسامہ سے عہد لیا تھا کہ اپنی پر صبح کے وقت چھاپہ مارے پھر اس کو جلا دے، اور صبح کے وقت چھاپہ مارنا بغیر دعوت کے ہی ہو سکتا ہے

تشریح: جن کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو مستحب ہے کہ قتال سے پہلے ان کو دوبارہ دعوت دے۔ لیکن چونکہ دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے دوبارہ دعوت دینا واجب نہیں ہے، مستحب ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ کتبت الی نافع فکتب الی ان النبی ﷺ اغار علی بنی المصطلق وھم غارون وانعامھم تسقی علی الماء فقتل مقاتلتھم وسبی ذراریھم واصاب یو مئذ جویریۃ (بخاری شریف، باب من ملک من العرب رقیقا فوھب وجامح وفدی و سبی الذریۃ، ص ۳۴۵، نمبر ۲۵۴۱) اس حدیث میں ہے کہ بنی مصطلق پر رات میں حملہ کیا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر غارت گری کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوبارہ دعوت دینا ضروری نہیں ہے (۲) صاحب ہدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ فحدثنی اسامۃ ان رسول اللہ ﷺ کان عھد الیہ فقال أغر علی ابنی صباحا و حرق۔ (ابوداؤد شریف، باب فی الحرق فی بلاد العدو، ص ۳۷۸، نمبر ۲۶۱۶) ابن ماجہ شریف، التحریق بارض العدو، ص ۴۱۰، نمبر ۲۸۴۳) اس حدیث میں ہے کہ صبح کے وقت چھاپہ مارو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کو دوبارہ اسلام کی دعوت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت: بنی مصطلق: قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ ہے: بنی حلی کے وزن پر فلسطین میں ایک جگہ کا نام ہے۔ غارون: غافل تھے، الغارۃ: غر سے مشتق ہے، دھوکا دینا، صبح کے وقت چھاپہ مارنا۔

ترجمہ: (۲۷۴۷) پس اگر انکار کرے تو اللہ سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کریں۔

تشریح: جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔

ترجمہ: اسلئے کہ سلیمان بن بریدہ والی حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ اگر کفار اسلام لانے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی طرف بلائیں، بعد میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو انکے خلاف اللہ سے مدد مانگیں اور ان سے قتال کریں، اسلئے کہ اللہ ہی اپنے ولی کا مددگار ہے اور انکے دشمن کو ہلاک کرنے والا ہے، اس لئے ہر معاملے میں اللہ ہی سے مدد مانگے۔

(٢٤٣٨) قَالَ: وَنَصَبُوا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيقَ ۚ كَمَا نَصَبَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الطَّائِفِ (٢٤٣٩) وَحَرَقُوهُمْ ۚ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَحْرَقَ الْبُيُوتَةَ،

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن سلیمان بن بریدہ عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ اذا امر اميراً على جيش... فان هم ابوا فسلهم الجزية، فان هم اجابوك فاقبل منهم وكف عنهم، فان هم ابوا فاستعن بالله وقاتلهم (مسلم شریف، باب تائید الامام الامر علی الجوش ووصیة ایاہم بآداب الغزو وغیرہا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۳۱۷۱/۲۵۵۱) ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۲) اس حدیث میں ہے کہ جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو انکے خلاف اللہ سے مدد مانگے، اور اس سے قتال کرے۔ (۲) اس آیت میں ہے کہ اللہ ہی مدد مانگے۔ فاعتصموا باللہ ہو مولاکم فنعیم المولیٰ و نعم النصیر۔ (آیت ۷۸، سورۃ الحج ۲۲)

ترجمہ: (۲۷۲) اور ان پر منجنيق لگائیں۔

ترجمہ: جیسے کہ حضورؐ نے طائف والوں پر متخیق نصب کیا۔

تشریح: قتال کرنے کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کفار پر مخنقیق نصب کریں، یہ اس زمانے میں اعلیٰ ہتھیار تھا، آج کے زمانے میں بم گرانا ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی عبیدہؓ ان رسول اللہ ﷺ حاصر اهل الطائف ونصب علیہم المنجنیق سبعة عشر یوما (سنن اللیبیقی، باب قطع الشجر حرق المنازل، ج ۱، ص ۱۴۲، نمبر ۱۸۱۲۰، ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاخذ من الخبیة، ص ۲۲۵، نمبر ۲۷۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان پر منجنیق نصب کرے۔

ترجمہ: (۲۷۴۹)، ان کے گھروں کو آگ لگا دیں۔

ترجمہ: جیسا کہ حضورؐ نے بوریہ والوں کو جلایا تھا۔

وجہ: جلانے کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ قال حرق رسول اللہ ﷺ نخل بنی النضیر وقطع وہی البويرة فنزل ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فبازن الله وليخزي الفاسقين (آیت ۵، سورة الحشر ۵۹/ بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ إليهم فی دية الرجليں، ص ۵۷۴، نمبر ۴۰۳۱/ مسلم شریف، باب جواز قطع اشجار الکفار وتحریقها، ج ۲، ص ۸۵، نمبر ۴۶۱۷۷/ ۴۵۵۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کے گھروں کو جلا سکتے ہیں۔ اور اس کے درختوں کو کاٹ سکتے ہیں اگر ضرورت پڑ جائے تو۔ اس حدیث میں درخت کاٹنے اور کھیتی برباد کرنے کی بھی دلیل ہے۔۔ بویرہ: بنی نضیر کے باغات میں سے ایک باغ کا نام ہے

(۲۵۰) قَالَ: وَأَرْسَلُوا عَلَيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَعُوا أَشْجَارَهُمْ وَأَفْسَدُوا زُرُوعَهُمْ ۚ لِأَنَّ فِي جَمِيعِ

ذَلِكَ إِلْحَاقَ الْكَبْتِ وَالْغَيْظِ بِهِمْ وَكَسْرَةَ شَوْكِهِمْ وَتَفْرِيقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُونُ مَشْرُوعًا.

(۲۵۱) وَلَا بَأْسَ بِرَمِيهِمْ، وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيرٌ أَوْ تَاجِرٌ

ترجمہ: (۲۵۰) اور ان کفار پر گرم پانی چھوڑیں، اور ان کے درختوں کو کاٹ دیں، اور ان کی کھیتی کو برباد کر دیں۔

ترجمہ: اس لئے کہ ان سب کی وجہ سے، اس کی ذلت ہوگی، اور انکو غصہ دلانا ہوگا اور ان کی شوکت کو توڑنا ہے اور ان کی اجتماعیت کو منتشر کرنا ہے اس لئے یہ سب کام مشروع ہوگا۔

تشریح: عام حالات میں یہ سب چیزیں جائز نہیں ہیں، لیکن جن چیزوں سے کفار مغلوب ہو جائیں جنگ میں ان کا کرنا مشروع ہے، مثلاً قتال کے وقت اس پر گرم پانی چھوڑنا، اس کی کھیتی کو برباد کرنا، ان کے درختوں کو کاٹنا، یہ سب مشروع ہوگا۔

وجہ: کفار پر پانی چھوڑے یا اس کا پانی بند کرے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن علی قال امرنی رسول اللہ ﷺ ان اغور ماء آبار بدر (سنن للبیہقی، باب قطع الشجر و حرق المنازل، ج ۱، ص ۱۲۵، نمبر ۱۸۱۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کا پانی بند کرے اور ضرورت پڑے تو گرم پانی اس پر ڈالے تاکہ میدان جنگ سے بھاگ جائے۔

یہ سب کام ضرورت پڑنے پر کرے ورنہ اس کی ضرورت نہ ہو تو ان کے پھل دار درختوں کو نہ کاٹے اور نہ کھیتوں کو برباد کرے۔

وجہ: (۱) حضرت ابوبکرؓ کی وصیت میں ہے۔ ان ابا بکر لما بعث الجنود نحو الشام یزید بن ابی سفیان و عمرو

بن العاص و شرحبیل بن حسنہ... وان هم ابوا فاستعینوا بالله علیهم فقاتلوهم ان شاء الله ولا تغرقن نخلا

ولا تحرقنها ولا تعقروا بهیمۃ ولا شجرة تنمر ولا تهدموا بیعة ولا تقتلوا الولدان ولا الشيوخ ولا النساء

و ستجدون اقواما حبسوا انفسهم فی الصوامع فدعوهم وما حبسوا انفسهم له و ستجدون آخرین اتخذوا

الشیطان فی رؤوسهم افحاصا فاذا وجدتم اولئک فاضربوا اعناقهم ان شاء الله۔ (سنن للبیہقی، باب من اختار

الکف عن القطع و التحریق اذا کان الاغلب انھا ستصیر دارا لاسلام او دار عہد، ج ۱، ص ۱۲۶، نمبر ۱۸۱۲۵) موطا امام مالک، باب

النھی عن قتل النساء و الولدان فی الغزو، ص ۲۶۵ / مصنف ابن ابی شیبہ، باب من تنھی عن قتله فی دار الحرب، ج ۱، ص ۱۲۷

۲۸۷، نمبر ۳۳۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت نہ پھل دار درخت کاٹے اور نہ کھیتی اجاڑے۔

لغت: بجائیک: متخین کی جمع ہے، پچھلے زمانے میں گولہ پھینکنے کا آلہ تھا اس کو میزائل کہنے لگے ہیں، ارسل: چھوڑنا،

بھینکنا۔ کبت: ذلت۔ غیظ: غصہ۔ کسر: توڑنا۔ تفرق جمعہم: اس کی اجتماعیت کو منتشر کر دے۔

ترجمہ: (۲۵۱) اور کوئی حرج نہیں ہے ان پر تیر چلانے میں اگرچہ ان میں مسلمان قیدی یا تاجر ہوں۔

۱۔ لَأَنَّ فِي الرَّمْيِ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ بِالذَّبِّ عَنْ بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ، وَقَتْلُ الْأَسِيرِ وَالتَّاجِرِ ضَرَرًا خَاصًّا، وَلِأَنَّهُ قَلَمَا يَخْلُو حِصْنٌ عَنْ مُسْلِمٍ، فَلَوْ امْتَنَعَ بِاعْتِبَارِهِ لَأَنَسَدَ بَابُهُ (۲۷۵۲) وَإِنَّ تَتَرَّسُوا بِصَبْيَانِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ بِالْأَسَارَى لَمْ يَكْفُوا عَنْ رَمِيهِمْ لِمَا بَيَّنَّاهُ وَيَقْصِدُونَ بِالرَّمْيِ الْكَفَّارَ،

تشریح: مسلمان قیدیوں یا تاجروں کو کفار نے پکڑ لیا اور ان کو آگے کر دیا تا کہ مسلمانوں کا تیر مسلمان بچوں یا قیدیوں کو لگے اور کفار بچ جائیں، ایسی صورت میں بھی مسلمان کفار پر تیر یا بندوق برسائے اور اس میں کفار کو مارنے کا ارادہ کرے۔ تاہم اس سے مسلمان بچے یا قیدی مرجائیں تو گناہ نہیں ہے کیونکہ ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔ بلکہ مجبوری کی وجہ سے ان پر تیر لگا ہے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ تیر پھینکنے میں عام نقصان کو دور کرنا ہے، یعنی اسلام کی بڑی جماعت سے دفعیہ کرنا ہے، اور قیدی اور تاجر کو قتل کرنا خاص نقصان ہے، اور اس لئے کہ بہت کم قلعہ ہوگا جو مسلمان سے خالی ہوگا، اگر اس کا اعتبار کرتے ہوئے تیر پھینکنے سے رک جائیں تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

تشریح: کفار پر تیر پھینکنے سے یہ ہوگا ایک دو مسلمان قیدی، یا ایک دو مسلمان تاجر مر جائے گا، لیکن اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان کی بڑی جماعت کی جانب سے دفاع ہو جائے گا، اور یہ عام فائدہ ہے اس لئے عام فائدے کے لئے خاص ضرر کو برداشت کیا جائے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت کم قلعہ ہے جس میں ایک دو قیدی نہ ہوں، پس اگر اس کی رعایت کرتے ہوئے تیر نہ پھینکیں تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، اس لئے تیر پھینکنا جائز ہوگا۔

لغت: ذب: دفعیہ کرنا۔ بیضۃ: عام جماعت۔ حصن: قلعہ۔ انسد: سد سے مشتق ہے، بند ہو جائے گا

ترجمہ: (۲۷۵۲) اور اگر وہ ڈھال کی طرح کر لیں مسلمان کے بچوں کو یا قیدیوں کو تب بھی نہ رکیں تیر برسانے سے۔ اور تیر مارنے کا ارادہ کریں کفار کو نہ کہ مسلمانوں کو۔

وجہ: حدیث میں ہے کہ کفار کی عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو لیکن وہ درمیان میں آجائیں اور مقتول ہو جائیں تو گناہ نہیں ہے البتہ ارادہ کر کے ان کو مارنا جائز نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن المصعب بن جثامۃؓ قال مر بی النبی ﷺ بالابواء او بودان فسئل عن اهل الدار یبیتون من المشرکین فیصاب من نسائهم وذراہم؟ قال هم منهم (بخاری شریف، باب اهل الدار یبیتون فیصاب الولدان والذراری، ص ۴۲۳، نمبر ۳۰۱۲) اور طبرانی کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ انه قال یا رسول اللہ اطفال المشرکین نصیبهم فی الغارة باللیل قال لا تعمدوا ذلک ولا حرج قال اولادهم منهم (کنز العمال، ج ثانی، ص ۲۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین کی اولاد اور عورتوں کو ارادہ کر کے مت مارو لیکن درمیان میں ان کو لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ اسی پر قیاس کر کے مسلمان بچوں کو اور قیدیوں کو

۱۔ لَأنَّہُ إِنْ تَعَدَّرَ التَّمِیْزُ فَعَلًا فَلَقَدْ أُمِکِنَ قَصْدًا، وَالطَّاعَةُ بِحَسَبِ الطَّاقَةِ، ۲. وَمَا أَصَابُوهُ مِنْهُمْ لَا دِیَّةَ عَلَیْهِمْ وَلَا کَفَّارَةَ لِأَنَّ الْجِهَادَ فَرَضٌ وَالْعَرَامَاتُ لَا تُقَرَّنُ بِالْفُرُوضِ. بِخِلَافِ حَالَةِ الْمُخَمَّصَةِ لِأَنَّہُ لَا یُمتنعُ مَخَافَةَ الضَّمَانِ لِمَا فِیْهِ مِنْ أَحْیَاءِ نَفْسِهِ. أَمَّا الْجِهَادُ فَمَبْنِیٌّ عَلَى إِتْلَافِ النَّفْسِ فِیْمَتْنَعُ حِذَارَ الضَّمَانِ،

تیر لگ جائے تو کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ ان کا ارادہ کر کے تیر نہ پھینکے۔

کافروں کی عورتوں اور بچوں کو بلاوجہ قتل کرنا ممنوع ہے (۱) اس کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأة مقتولة فی بعض مغازی رسول اللہ ﷺ فنهی رسول اللہ عن قتل النساء والصبيان (بخاری شریف، باب قتل النساء فی الحرب، ص ۴۲۳، نمبر ۳۰۱۵) اس حدیث میں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں! عورت حملہ آور ہو تو وہ قتل کی جائے گی۔ (۲) مسئلہ نمبر ۵۰۷۷ میں حضرت ابوبکرؓ کا بھی قول گزرا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو۔ ولا تَقْلُوا الْوُلْدَانَ وَلَا الشَّيْخَ وَلَا النِّسَاءَ (سنن للبیہقی، نمبر ۱۸۱۲۵)

لغت: تترسوا: ترس سے مشتق ہے ڈھال، الاساری: اسیر کی جمع ہے قیدی، لم یكفو: کف سے مشتق ہے نہ رکے، رمی: تیر پھینکنا۔

ترجمہ: اس لئے کہ فعل کے اعتبار سے الگ الگ کرنا ناممکن ہے لیکن ارادے کے اعتبار سے تو ممکن ہے، اور عبادت طاقت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

تشریح: ایک ہی جگہ مسلمان اور کفار ہیں، اس میں سے کفار کو مارے اور مسلمان کو نہ مارے یہ ناممکن ہے، لیکن نیت تو کر سکتا ہے کہ میں کفار کو مار رہا ہوں، اور مسلمان کو نہیں مار رہا ہوں، اس لئے کہ جہاد عبادت ہے اور عبادت میں نیت بھی کافی ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۲۔ اور مسلمان کو تیر لگا تو تیر پھینکنے والے پر ضمان نہیں ہے اور نہ کفارہ ہے اس لئے کہ جہاد فرض ہے، اور فرض ادا کرنے سے تاوان لازم نہیں ہوتا بخلاف منحصر کی حالت کے، اس لئے کہ تاوان کے ڈر سے دوسرے کے کھانے سے نہیں رکے گا اس لئے کہ اپنی ذات کو بچانا ہے، اور جہاد کا مدار کفار کے نفس کو ختم کرنا ہے اس لئے ضمان کے ڈر سے جہاد سے ہی رک جائے گا۔

تشریح: کفار کو تیر مارا لیکن وہ تیر مسلمان کو لگ گیا اور وہ مر گیا تو مارنے والے پر نہ اس کا ضمان ہے، اور نہ کفارہ ہے۔ اس کے برخلاف ایک آدمی بھوک کی شدت میں مر رہا تھا اس نے کسی کا کھانا کھا لیا تو اس کا کھانا دینا ہوگا،

وجہ: دونوں میں فرق یہ ہے کہ جہاد میں تاوان اور کفارہ لازم کریں تو لوگ جہاد سے رک جائیں گے، دوسری بات یہ ہے کہ جہاد کر کے فرض ادا کر رہا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ فرض کی ادائیگی میں تاوان لازم نہیں ہوتا اس لئے یہاں نہ تاوان لازم ہوگا اور نہ کفارہ لازم ہوگا۔ اور بھوک کی شدت کی صورت میں دوسرے کا کھانا کھا کر اپنی جان بچا رہا ہے اس لئے کھانے والے پر کھانے کا

(۲۵۳) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِإِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ إِذَا كَانُوا عَسْكَرًا عَظِيمًا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ [لَأَنَّ الْغَالِبَ هُوَ السَّلَامَةُ وَالْغَالِبُ كَالْمُتَحَقِّقِ] وَيُكْرَهُ إِخْرَاجُ ذَلِكَ فِي سَرِيَّةٍ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهَا ۚ لَأَنَّ فِيهِ تَعْرِضُهُنَّ عَلَى الضِّيَاعِ وَالْفَضِيحَةِ وَتَعْرِضُ الْمَصَاحِفِ عَلَى الْإِسْتِخْفَافِ فَإِنَّهُمْ يَسْتَخْفُونَ بِهَا مُعَايِظَةً لِلْمُسْلِمِينَ، وَهُوَ التَّأْوِيلُ الصَّحِيحُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا تُسَافِرُوا بِالْقُرْآنِ فِي أَرْضِ الْعَدُوِّ"

تاوان لازم ہوگا۔

لغت: اصابو: جس کو تیر لگا۔ غرامات: غرامۃ کی جمع ہے، تاوان۔ تقترن: قرن سے مشتق ہے ملتا ہے، فرض کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ محصۃ: بھوک کی شدت میں جان جا رہی ہو، مٹی علی اتلاف النفس: کفار کے نفس کو ضائع کرنے پر جہاد کا مدار ہے۔ حذر: بچتے ہوئے۔

ترجمہ: (۲۵۳) اور کوئی حرج نہیں ہے عورتوں اور قرآن کو لے جانے میں مسلمانوں کے ساتھ جبکہ بڑا لشکر ہو اور ان پر اطمینان ہو [اس لئے کہ غالب یہ ہے کہ یہ لوگ محفوظ رہیں گے، اور غالب متحقق کی طرح ہے]۔ اور ان کو لے جانا مکروہ ہے چھوٹے لشکر میں جس میں اطمینان نہ ہو۔

ترجمہ: اس لئے کہ اس کو لیجانے میں ضائع ہونے اور رسوائی پر پیش کرنا ہے، اور قرآن کی بے حرمتی کرنے پر پیش کرنا ہے، اس لئے کہ کفار مسلمانوں کو غصہ دلانے کے لئے بے حرمتی کریں گے، اور صحیح حدیث میں جو منع کیا ہے اس کی تاویل یہی ہے، کہ دشمن کی زمین میں قرآن لیکر سفر مت کرو۔

تشریح: لشکر بڑا ہو اور اطمینان ہو کہ ہار نہیں کھائیں گے اور کفار عورتوں کی توہین نہیں کر پائیں گے تو عورتوں اور قرآن کو ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر سریہ یعنی چھوٹا لشکر ہے جس میں خطرہ ہے کہ کفار کے ہاتھوں عورتوں کی توہین ہوگی یا قرآن کریم کی توہین ہوگی تو ان کو ساتھ لے جانا اچھا نہیں ہے۔

وجہ: احادیث میں دونوں کا ثبوت ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ نہی ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو (بخاری شریف، باب کراہیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو، ص ۴۱۹، نمبر ۲۹۹۰) مسلم شریف، باب النہی ان یسافر بالمصحف الی ارض الکفار اذا خیف وقوعہ بایدہم، ج ۳، ص ۱۳۱، نمبر ۱۸۶۹/۴۸۳۹) اس حدیث میں قرآن کریم کو دشمن کی زمین میں لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ دوسری حدیث میں وجہ یہ بیان کی کہ دشمن کہیں اسکی توہین نہ کرے۔ مخافة ان ینالہ العدو (مسلم شریف، باب مذکور، نمبر ۱۸۶۹/۴۸۴۰) اور بڑا لشکر ہو تو لے جانا جائز ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمرؓ

۲ وَلَوْ دَخَلَ مُسْلِمٌ إِلَيْهِمْ بِأَمَانٍ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَحْمِلَ مَعَهُ الْمُصْحَفَ إِذَا كَانُوا قَوْمًا يَقُونُ بِالْعَهْدِ لِأَنَّ
الظَّاهِرَ عَدَمَ التَّعَرُّضِ، ۳ وَالْعَجَائِزُ يَخْرُجْنَ فِي الْعُسْكَرِ الْعَظِيمِ لِإِقَامَةِ عَمَلٍ يَلِيقُ بِهِنَّ كَالطَّبَّخِ
وَالسَّقِيِّ وَالْمُدَاوَاةِ. فَأَمَّا الشَّوَابُّ فَمَقَامُهُنَّ فِي الْبُيُوتِ أَدْفَعُ لِلْفِتْنَةِ، ۴ وَلَا يُبَاشِرْنَ الْقِتَالَ لِأَنَّهُ
يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى ضَعْفِ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا عِنْدَ ضَرُورَةٍ، ۵ وَلَا يُسْتَحَبُّ إِخْرَاجُهُنَّ لِلْمُبَاضَعَةِ
وَالْخِدْمَةِ، فَإِنْ كَانُوا لَا بُدَّ مُخْرَجِينَ فَبِالْإِمَاءِ دُونَ الْحَرَائِرِ

عن النبی ووقد سافر النبی ﷺ واصحابه فی ارض العدو وھم یعلمون القرآن (بخاری شریف، باب کراہیۃ
السفر بالمصاحف الی ارض العدو، ص ۴۱۹، نمبر ۲۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اطمینان ہو تو قرآن ساتھ لے جا سکتا ہے۔

اسی پر عورت کو ساتھ لے جانے کو بھی قیاس کر لیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں عورتوں کو ساتھ نہیں لے گئے کیونکہ وہاں تو بین کا
خطرہ تھا اور جنگ احد میں عورتیں شریک ہوئیں اس لئے کہ وہ جگہ مدینہ سے قریب ہے۔

لغت: عسکر : لشکر، سریہ : دستہ، فوج، چھوٹا لشکر، مصاحف : مصحف کی جمع ہے قرآن کریم۔

ترجمہ: ۲ اگر مسلمان دارالحرب میں امن لیکر داخل ہوا تو اس کے ساتھ قرآن لیکر جانے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے
اگر وہ لوگ عہد کو پورا کرتے ہوں تو، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ قرآن کے ساتھ تعرض نہیں کریں گے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳ بڑے لشکر میں بوڑھیاں جا سکتی ہیں تاکہ انکے مناسب جو کام ہیں وہ کر سکیں، مثلاً کھانا پکانا، پانی پلانا، دوا دارو
کرنا، اور جون عورت کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ گھر میں رہیں تاکہ فتنہ نہ ہو۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴ بوڑھی عورتیں بھی قتال نہ کریں تاکہ کفار یہ سمجھیں کہ مسلمان کمزور ہو گئے، ہاں ضرورت پڑ جائے تو قتال بھی کر
سکتی ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۵ جماع کے لئے اور خدمت کے لئے عورتوں کو جنگ میں لیجانا مستحب نہیں ہے، اور لیجانا ضروری ہی ہو تو
باندیوں کو لیجائے آزاد عورت کو نہیں۔

تشریح: جماع کرنے کے لئے اور اپنی ذاتی خدمت کے لئے عورتوں کو جنگ میں لیجانا مستحب نہیں ہے، اور لیجانا ضروری
ہی ہو تو باندیوں کو لیجائے اور اس سے اپنی ضرورت پوری کرے، کیونکہ اس کو ذلت پیش آئے تو اتنی بڑی ذلت نہیں ہے۔

(۲۷۵۴) وَلَا تُقَاتِلِ الْمَرْءَ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَلَا الْعَبْدَ إِلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهِ لِمَا بَيَّنَّا إِلَّا أَنْ يَهْجُمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ لِلضَّرُورَةِ.

(۲۷۵۵) وَيَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ لَا يَغْدِرُوا وَلَا يَغْلُوا وَلَا يُمَثِّلُوا ۚ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا تَغْلُوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا" وَالْغُلُولُ: السَّرِقَةُ مِنَ الْمَغْنَمِ، وَالْغَدْرُ: الْخِيَانَةُ وَنَقْضُ الْعَهْدِ،

لغت: مباحثہ: بضع سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے شرمگاہ۔

ترجمہ: (۲۷۵۴) قتال نہ کرے عورت مگر شوہر کی اجازت سے اور نہ غلام مگر آقا کی اجازت سے مگر یہ کہ دشمن چڑھ آئے۔

ترجمہ: اس وقت جنگ کی ضرورت ہوگئی ہے۔

تشریح: دشمن چڑھ آئے تب تو اپنی اور قوم کی دفاع کے لئے بغیر شوہر کی اجازت سے عورت قتال کرے گی اور غلام بھی بغیر آقا کی اجازت کے قتال کرے گا۔ البتہ عام حالات میں عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہ جائے۔

وجہ: (۱) غلام آقا سے اجازت کے بغیر قتال نہ کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن الحارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعۃ ان رسول اللہ ﷺ کان فی بعض مغازیہ فمر باناس من مزینۃ فاتبعہ عبد لامرأۃ منهم فلما کان فی بعض الطريق سلم علیہ فقال فلان قال نعم! قال ماشانک؟ قال اجاهد معک قال اذنت لک سیدتک؟ قال لا! قال ارجع الیہا فاحبرہا فان مثلک مثل عبد لا یصلی ان مت قبل ان ترجع الیہا (مستدرک للحاکم، کتاب الجہاد، ج ثانی، ص ۱۲۹، نمبر ۲۵۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں غلام کو آقا کی اجازت کے بغیر قتال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور عورت کے لئے اس مسئلے پر قیاس کر سکتے ہیں (۲)۔ سمعت عبد اللہ بن عمرؓ یقول جاء رجل الى النبی ﷺ یستأذنه فی الجہاد فقال احی والداک؟ قال نعم! قال ففیہا فجاہد (بخاری شریف، باب الجہاد باذن الابوين، ص ۴۲۱، نمبر ۳۰۰۴، مسلم شریف، باب بر الوالدین ابھما احق بہ، ج ۲، ص ۳۱۲، نمبر ۶۵۰۴، کتاب البر والصلۃ) اس حدیث میں ہے کہ لڑکا والدین کی اجازت کے بغیر عام حالات میں جہاد میں نہ جائے، کیونکہ اس کی خدمت کی ضرورت ہے اسی طرح عورت بھی عام حالات میں شوہر کی اجازت کے بغیر نہ جائے کیونکہ اس کی خدمت کی ضرورت ہے۔

ترجمہ: (۲۷۵۵) مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ دھوکا نہ کریں، خیانت نہ کریں، مثلاً نہ کریں۔

ترجمہ: حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ امانت میں خیانت نہ کرو، اور دھوکا نہ دو، اور مثلاً نہ کرو۔ غلول کا مطلب ہے مال غنیمت میں چوری نہ کرو، اور غدر کا مطلب ہے خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا۔

۲. وَالْمَثَلَةُ الْمَرْوِيَّةُ فِي قِصَّةِ الْعُرَيْنَيْنِ مَنْسُوخَةٌ بِالنَّهْيِ الْمُتَأَخَّرِ هُوَ الْمَنْقُولُ،

(۲۷۵۶) وَلَا يَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَا صَبِيًّا وَلَا شَيْخًا فَانِيًّا وَلَا مُقْعَدًا وَلَا أَعْمَى

تشریح: مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ وعدہ کرنے کے بعد کفار سے دھوکا نہ کرے۔ امانت میں خیانت نہ کرے، قیدیوں کے ناک کان نہ کاٹے۔

وجہ: حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن سلیمان بن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ اذا امر اميرنا على جيش او سرية او صاه في خاصته بتقوى الله عز وجل ومن معه من المسلمين خيرا ثم قال اغزوا باسم الله في سبيل الله قاتلوا من كفر بالله اغزوا فلا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدًا (مسلم شریف، باب تاثير الامام الامراء على البعوث ووصيته اياهم باداب الغزو وغيرها، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۳۱۷۲/۳۵۲۲/۱۷۰۵۰۵ شریف، باب في دعاء المشرکين، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۳) اس حدیث میں ہے کہ دھوکا نہ دے، خیانت نہ کرے، مثلاً نہ کرے اور بچے کو قتل نہ کرے۔

ترجمہ: ۲۔ اور اہل عربینہ کے قصے میں جو مثلاً کی روایت ہے وہ بعد میں منع کرنے کی وجہ سے منسوخ ہے۔

تشریح: قبیلہ عربینہ کے کچھ لوگ حضورؐ کے پاس آئے تھے، وہ مسلمان ہوئے، لیکن بعد میں یہ مرتد ہو گئے، اور اونٹ کے چرواہے جو مسلمان تھے ان کو قتل کر دیا اور اونٹ کو بھی بھگا لے گئے، حضورؐ ان لوگوں کا پیچھا کروایا، اور ان لوگوں کی ناک کان کٹوا دیا، اور دھوپ میں چھوڑ دیا وہ لوگ مر گئے، تو اس حدیث میں جو مثلاً کروایا وہ پہلے ہے بعد میں آپؐ نے منع فرمایا، اور اس بعد کی حدیث کی وجہ سے اب مثلاً کرنا منسوخ ہے۔

وجہ: عربینہ والی حدیث یہ ہے۔ عن انس بن مالک قال قدم على النبي ﷺ نفر من عكل فاسلموا فاجتروا المدينة فامرهم ان يأتوا ابل الصدقة فيشربوا من ابوالها و البانها ففعلوا فصحوا فارتدوا و قتلوا رعاتها و استاقوا الابل فبعث في اثارهم فأتى بهم فقطع أيديهم و أرجلهم و سمل أعينهم ثم لم يحسمهم حتى ماتوا۔ (بخاری شریف، باب کتاب الحاربین اہل الکفر والردة) (کتاب الحدود ص ۱۷۲، نمبر ۶۸۰۲)

ترجمہ: (۲۷۵۶) عورت کو قتل نہ کریں، بچے کو قتل نہ کریں، بالکل بوڑھے اور اپانچ کو اندھے کو قتل نہ کریں۔

تشریح: عورت کو قتل نہ کرے، بچہ، بہت بوڑھا، اندھا اور اپانچ کو قتل نہ کرے۔

وجہ: (۱) اور عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمرؓ قال وجدت امرأة مقتولة في بعض مغازی رسول الله ﷺ فنهی رسول الله ﷺ عن قتل النساء والصبيان (بخاری شریف، باب قتل بعض مغازی رسول الله ﷺ)

لِإِنَّ الْمَسِيحَ لِلْقَتْلِ عِنْدَنَا هُوَ الْحَرَابُ وَلَا يَتَحَقَّقُ مِنْهُمْ، وَلِهَذَا لَا يُقْتَلُ يَابَسُ الشَّقِّ وَالْمَقْطُوعُ
الْيُمْنَى وَالْمَقْطُوعُ يَدُهُ وَرَجُلُهُ مِنْ خِلَافٍ. وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ يُخَالِفُنَا فِي الشَّيْخِ
الْقَانِي وَالْمُقْعَدِ وَالْأَعْمَى لِإِنَّ الْمَسِيحَ عِنْدَهُ الْكُفْرُ،

النساء فی الحرب، ص ۴۳، نمبر ۳۰۱۵، مسلم شریف، باب تحریم قتل النساء والصبيان فی الحرب، ص ۸۴، نمبر ۴۴۱۷/۱۷ (۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور بچے کو قتل نہ کرے اور اسی پر بہت بوڑھے کو قیاس کر لیں۔ (۲) ابوداؤد میں شیخ فانی کا لفظ بھی ہے۔ حدثنی انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال انطلقوا باسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله، ولا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا ولا صغيرا ولا امرأة ولا تغلوا وضموا غنائمكم واصلحوا واحسنوا ان الله يحب المحسنين (ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۴) اس حدیث میں ہے کہ بہت بوڑھے کو بھی قتل نہ کرے۔ (۳) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ قاتلو فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین۔ (آیت ۱۹۰، سورہ البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ جو تم سے قتال کرے اسی کو قتل کرو اور اس سے زیادہ تجاوز نہ کرو، اور عورتیں قتال نہیں کرتی نہیں اس لئے اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا

ترجمہ: اور اس لئے کہ اس کو قتل کرنا مباح ہوگا جو جنگ کرتا ہو، اور ان عورت بچے اور بوڑھے سے جنگ متعلق نہیں ہے] اس لئے اس کو قتل بھی نہیں کیا جائے گا [یہی وجہ ہے کہ جس ایک پہلو سوکھا ہوا ہو، یادائیں ہاتھ کٹا ہوا ہو، یادائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کٹا ہوا ہو] تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے]

تشریح: بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنے کی یہ دلیل عقلی ہے، ہمارے نزدیک اس کو قتل کرنا جائز ہے، جو میدان جنگ میں آکر جنگ کرتا ہو اور بچے، عورت، بوڑھے وغیرہ جنگ نہیں کر سکتے اس لئے ان کو قتل کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس کی مثال یہ دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جس آدمی کا ایک پہلو سوکھا ہوا ہو، یا دائیں ہاتھ کٹا ہوا، یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کٹا ہوا ہو تو یہ لوگ چونکہ جنگ نہیں کر سکتے اس لئے ان لوگوں کو قتل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

لغت: یا بس الشق؛ ایک پہلو سوکھا ہوا ہو۔ مقطوع الیمنی: دائیں ہاتھ کٹا ہوا ہو۔ مقطوع یدہ ور جلہ من خلاف: دائیں ہاتھ کٹا ہوا ہو، اور بائیں پاؤں کٹا ہوا ہو۔

ترجمہ: ۲۔ امام شافعی بوڑھے اور پانچ اور اندھے کے بارے کے بارے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، اس لئے کہ خون کا مباح ہونا نے نزدیک کفر ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جہاد میں بوڑھے، ایانج اور اندھے کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔

۳ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا بَيَّنَّا. ۴ وَقَدْ صَحَّ "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ قَتْلِ الصَّبِيَّانِ وَالذَّرَارِيِّ" وَحِينَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مَقْتُولَةً قَالَ: هَاهُ، مَا كَانَتْ هَذِهِ تُقَاتِلُ فَلَمْ قُتِلَتْ؟“

(۲۷۵۷) قَالَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدُ هَؤُلَاءِ مِمَّنْ لَهُ رَأْيٌ فِي الْحَرْبِ أَوْ تَكُونَ الْمَرْأَةُ مَلَكَهٗ ۱ لَتَعْدَى ضَرَرَهَا إِلَى الْعِبَادِ، وَكَذَا يُقْتَلُ مَنْ قَاتَلَ مِنْ هَؤُلَاءِ دَفْعًا لَشَرِّهِ، وَلِأَنَّ الْقِتَالَ مُبِيحٌ حَقِيقَةً

وجہ: انکے یہاں قتل کا سبب کفر ہے، اور یہ لوگ چونکہ کافر ہیں اس لئے وہ قتل کر دئے جائیں گے۔

ترجمہ: ۳: انکے خلاف وہ دلیل ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا، کہ یہ لوگ جنگ نہیں کر سکتے ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴: اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے بچے اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، اور جب حضورؐ نے ایک عورت کو قتل کیا ہوا پایا تو فرمایا کہ ان لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہئے تو تم لوگوں نے کیوں قتل کیا۔

تشریح: صاحب ہدایہ کی حدیث کچھ اوپر گزری اور باقی یہ ہے۔ حدیثی عن جده رباح بن ربيع قال کنا مع رسول الله ﷺ فی غزوة فرأى الناس مجتمعين على شيء فبعث رجلا فقال انظر على ما اجتمع هؤلاء فجاء فقال على امرأة قتيل فقال ما كانت هذه لتقاتل، قال و على المقدمة خالد بن وليد فبعث رجلا فقال قل لخالد لا تقتلن امرأة ولا عسيفا - (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء، ص ۳۸۵، نمبر ۲۶۶۹) اس حدیث میں ہے کہ عورتوں کو قتل مت کرو۔

ترجمہ: (۲۷۵۷) مگر یہ کہ ان میں سے کوئی جنگ کے بارے میں صاحب رائے ہو تو قتل کیا جاسکتا ہے۔ یا عورت رانی اور ملکہ ہو تو اس کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ اس کا نقصان بندوں کو ہے، اسی طرح ان میں سے کوئی باضابطہ قتال کرے تو اس کو قتل کیا جاسکتا ہے، اس کے شر کو دور کرنے کے لئے، اصل بات یہ ہے کہ اس کے کفر کی وجہ سے حقیقت میں اس کا قتل کرنا مباح ہے۔

تشریح: ہاں ان لوگوں میں سے کوئی ایسا آدمی ہو جو جنگ کے سلسلے میں رائے دیتا ہو تو اس کو قتل کیا جاسکتا ہے۔ یا قتال میں شریک ہو تو کفار، ان کے بچے، بوڑھے، اندھے، عورت اور اپانچ کو قتل کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله ﷺ اقتلوا شیوخ المشرکین واستبقوا شرخهم (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء، ج ۲، ص ۶، نمبر ۲۶۷۰) ترمذی شریف، باب ماجاء فی النزول علی الحکم،

(۲۵۸) وَلَا يَقْتُلُ مَجْنُونًا ۚ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُخَاطَبٍ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلَ فَيُقْتَلَ دَفْعًا لِسَرِّهِ، غَيْرَ أَنَّ الصَّبِيَّ وَالْمَجْنُونِ يُقْتَلَانِ مَا دَامَا يُقَاتِلَانِ، ۲. وَغَيْرُهُمَا لَا بَأْسَ بِقَتْلِهِ بَعْدَ الْأَسْرِ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْعُقُوبَةِ لِنُتُوجِهِ الْخَطَابِ نَحْوَهُ،

ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۳) اس حدیث میں ہے کہ کفار کے بوڑھوں کو قتل کر دیا اور اس کے نو عمر جوانوں کو چھوڑ دو۔ یہ وہی بوڑھے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں یا رائے دیتے ہیں۔ (۲) اور عورت جنگ میں شریک ہو یا وہ رانی ہو تو اس کو قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عكرمة ان النبي ﷺ رأى امرأة مقتولة بالطائف فقال الم انه عن قتل النساء؟ من صاحب هذه المرأة المقتولة؟ قال رجل من القوم انيا رسول الله اردفتها فارادت ان تصرعني فقتلني فامر بهار رسول الله ﷺ ان توارى (سنن للبيهقي، باب المرأة تقتل قتل، ج ۳، ص ۱۳۹، نمبر ۱۸۱۰۵) اس حدیث میں ہے کہ عورت نے مجاہد کو قتل کرنا چاہا تو وہ قتل کر دی گئی (۳) قتل کرنے کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ جو مجاہدین کے سامنے قتل کرنے آئے یا جوان ہونے کی وجہ سے آنے کا امکان ہو وہ قتل کئے جائیں گے۔ کیونکہ اسلام بلا وجہ خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا۔

لغت: شرح: بچہ، نو عمر جوان۔

ترجمہ: (۲۵۸) اور نہ مجنون کو قتل کرے۔

ترجمہ: اس لئے کہ مجنون مخاطب نہیں ہے مگر وہ جنگ کرے تو اس کی شرارت دور کرنے کے لئے اس کو قتل کیا جائے گا۔

تشریح: جس طرح بچے کو عقل نہیں ہوتی اسی طرح مجنون کو عقل نہیں ہوتی۔ اور بچے کو قتل کرنا جائز نہیں ہے تو مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ قاتل کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا، تاکہ اس کی شرارت سے انسانوں کو نجات دی جائے۔

وجہ: اوپر حدیث گزر چکی ہے۔ عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله ﷺ اقتلوا شيوخ المشركين واستبقوا شرهم (ابوداؤد شریف، باب فی قتل النساء، ج ۲، ص ۶، نمبر ۲۶۷۰، ترمذی شریف، باب ماجاء فی النزول علی الحکم، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۳) اس حدیث میں ہے کہ بچوں کو قتل مت کرو اسی پر قیاس کر کے مجنون کو بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲. یہ اور بات ہے کہ بچہ اور مجنون جب تک قتال کر رہے ہیں اسی وقت تک قتل کیا جائے گا اور ان دونوں کے علاوہ کو قید کرنے کے بعد بھی قتل کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس کی طرف خطاب متوجہ ہونے کی وجہ سے وہ سزا کے مستحق ہیں۔

تشریح: بچہ اور مجنون پر شریعت کا خطاب نہیں ہے اسلئے جب تک قتال کر رہے ہوں اسی وقت تک قتل کیا جاسکتا ہے، جنگ کے بعد وہ قید ہوئے ہوں تو قید کی حالت میں ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور بوڑھا اور عورت اگر قتال کرے تو قتال ختم ہونے کے بعد بھی وہ قید ہوئے ہوں تو قید کی حالت میں قتل کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ لوگ عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے شریعت کے احکام کے مستحق ہیں۔

۳. وَإِنْ كَانَ يُجَنُّ وَيُفِيْقُ فَهُوَ فِي حَالِ إِفَاقَتِهِ كَالصَّحِيحِ.

(۲۷۵۹) وَيُكْرَهُ أَنْ يَتَدَّ الرَّجُلُ أَبَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَيَقْتُلَهُ ۚ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ وَلَئِنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ إِحْيَاؤُهُ بِالْإِنْفَاقِ فَيُنَاقِضُهُ الْإِطْلَاقُ فِي إِفْنَائِهِ،

(۲۷۶۰) فَإِنْ أَذْرَكَهُ امْتَنَعَ عَلَيْهِ حَتَّى يَقْتُلَهُ غَيْرُهُ ۚ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ يَحْصُلُ بِغَيْرِهِ مِنْ غَيْرِ افْتِحَامِهِ الْمَأْتَمِّ، ۲. وَإِنْ قَصَدَ الْأَبُ قَتْلَهُ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا بِقَتْلِهِ لَا بَأْسَ بِهِ، لِأَنَّ مَقْصُودَهُ الدَّفْعُ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ

لغت: اسیر سے مشتق ہے، قید ہونا۔ اہل العقاب: سزا کے مستحق ہیں۔ توجہ الخطاب: ان پر شریعت کے احکام نافذ ہیں۔

ترجمہ: ۳. اگر مجنون ہوتا ہو اور کبھی افاقہ بھی ہوتا ہو تو افاقہ کی حالت میں اس کا حکم صحیح آدمی کی طرح ہے۔

تشریح: مجنون آدمی افاقہ کی حالت میں قتل کر رہا ہے تو اس کے ساتھ تندرست آدمی کی طرح معاملہ کیا جائے گا، اور جنون کی حالت میں قتل کر رہا ہے تو اس کا حکم مجنون آدمی کی طرح ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۵۹) اور مکروہ ہے کہ مجاہد اپنے باپ پر قتل کرنے میں پہل کرے۔

ترجمہ: کیونکہ آیت میں ہے کہ والدین کے ساتھ دنیا اچھائی کا معاملہ کرے، اور اس لئے کہ بیٹے پر لازم ہے کہ والدین پر خرچ کر کے اس کو زندہ رکھے، اب اس کو فنا کرنا اس کے مخالف ہے۔

تشریح: میدان جنگ میں باپ سامنے آجائے اب وہ بیٹے پر وار کر دے تب تو اس کو قتل کرنا جائز ہے، لیکن اس نے وار نہیں کیا تو بیٹا پیش قدمی کر کے قتل کرے یہ مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اس لئے اس کو قتل کرنا آیت کے خلاف ہے، آیت یہ ہے۔ و صاحب ہما فی الدنیا معروف (آیت ۱۵، سورۃ لقمان ۳۱) (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹے پر باپ کا نفقہ لازم ہے تاکہ وہ زندہ رہے، اب اس کو موت کے گھاٹ اتارنا اس مسئلے کے خلاف ہے۔

ترجمہ: (۲۷۶۰) پس اگر بیٹا باپ کو پالے قتل کرنے سے رک جائے تاکہ دوسرا آدمی اس کو قتل کر دے۔

ترجمہ: ۴. اس لئے کہ بغیر گناہ میں پڑے ہوئے غیر کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہو گیا۔

تشریح: باپ میدان جنگ میں مل گیا تو اس کو قتل نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ دوسرا مجاہد اس کو قتل کر دے، کیونکہ اصل مقصود ہے اس کو قتل کرنا، اور بغیر گناہ میں پڑے دوسرے کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہو گیا تو کام بن گیا۔

لغت: اقتحام المعاصم: اقتحام کا ترجمہ ہے پڑنا، ارتکاب کرنا، معاصم: گناہ۔

ترجمہ: ۵. اور اگر باپ نے بیٹے کو قتل ہی کرنا چاہا، اور باپ کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ کرنا مشکل ہے تو قتل کرنے میں کوئی

شَهْرَ الْآبِ الْمُسْلِمِ سَيْفَهُ عَلَى ابْنِهِ وَلَا يُمَكِّنُهُ دَفْعُهُ إِلَّا بِقَتْلِهِ يَقْتُلُهُ لِمَا بَيْنَنَا فَهَذَا أَوْلَى، وَاللَّهُ تَعَالَى
أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

حرج نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مسلمان باپ نے بیٹے پر تلوار کھینچ لیا، ورنہ باپ کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ ممکن نہیں ہے ت
بیٹا باپ کو قتل کرے گا، تو یہاں تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ باپ کافر ہے۔

تشریح: میدان جنگ میں باپ نے بیٹے پر تلوار کھینچ لی اور اس کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ کرنا ممکن ہے تو ایسی صورت میں بیٹا
باپ کو قتل کرے گا، اس کی مثال دیتے ہیں کہ مسلمان باپ نے مسلمان بیٹے پر تلوار کھینچ لیا اور باپ کو قتل کئے بغیر اس کا دفعیہ ممکن نہیں
ہو تو بیٹے کے لئے گنجائش ہے کہ باپ کو قتل کر دے، جب مسلمان باپ کو قتل کر سکتا ہے تو کافر باپ کو کیوں نہیں قتل کر سکتا ہے۔

﴿بَابُ الْمَوَادَعَةِ وَمَنْ يَجُوزُ أَمَانُهُ﴾

(۲۷۶۱) وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُصَالِحَ أَهْلَ الْحَرْبِ أَوْ فَرِيقًا مِنْهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ مَصْلَحَةً لِلْمُسْلِمِينَ فَلَا بَأْسَ بِهِ أَنْ يَقُولَهُ تَعَالَى ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ "وَوَادَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ مَكَّةَ عَامَ الْحُدُوبِ عَلَى أَنْ يَضَعَ الْحَرْبَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِينَ"، وَلِأَنَّ الْمَوَادَعَةَ جِهَادٌ مُعْنَى إِذَا كَانَ خَيْرًا لِلْمُسْلِمِينَ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ دَفْعُ الشَّرِّ حَاصِلٌ بِهِ،

﴿بَابُ الْمَوَادَعَةِ وَمَنْ يَجُوزُ أَمَانُهُ﴾

ترجمہ: (۲۷۶۱) اگر امام مصلحت سمجھے اس بات پر کہ صلح کرے اہل حرب یا اس کے کسی فریق سے اور اس میں مسلمانوں کی بہتری ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ اگر کفار صلح کے لئے جھکے تو آپ بھی ان کی طرف جھکنے اور اللہ پر بھروسہ کیجئے، اور حضور پاک ﷺ نے حدیبیہ کے سال اہل مکہ سے مصالحت کی تھی کہ دس سال کے لئے انکے درمیان جنگ بند رہے گی، اور اس لئے کہ اگر مسلمانوں کا فائدہ ہو تو مصالحت بھی معنوی طور پر جہاد ہے، اس لئے کہ مصالحت کا مقصد اس کے شر کو دفع کرنا ہے۔

تشریح: اگر مسلمانوں کی بہتری ہو اور امام کفار سے یا اس کے کسی فریق سے مصالحت کرنے میں بہتری سمجھے تو مصالحت کر سکتے ہیں، کیونکہ مصالحت میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو یہ بھی معنوی جہاد ہے، کیونکہ اس سے بھی کفار کے شر کو دور کرنا ہے۔ اور اگر اس میں مسلمانوں کے لئے بہتری نہ ہو تو مصالحت کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: آیت میں ہے کہ کفار صلح کے لئے مائل ہوں تو آپ بھی مائل ہو سکتے ہیں۔ آیت یہ ہے۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله انه هو السميع العليم (آیت ۶۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ وہ صلح کے لئے مائل ہوں تو اگر مصلحت ہو تو آپ بھی صلح کے لئے مائل ہو سکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے کہ حضور نے کفار سے صلح حدیبیہ کی۔ لمی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن مسور بن مخرمه ومروان يصدق كل واحد منهما حديث صاحبه قالا خرج رسول الله ﷺ زمن الحديبية ... لايسألوننى خطة يعظمون فيها حرمان الله الا اعطيتهم اياها. فقال له النبي ﷺ على ان تخلوا بيننا وبين البيت فنفطوف به ... فلما فرغ من قضية الكتاب قال

۲. وَلَا يَقْتَصِرُ الْحُكْمُ عَلَى الْمُدَّةِ الْمُرَوِّیَةِ لَتَعْدَى الْمَعْنَى إِلَى مَا زَادَ عَلَيْهَا، ۳. بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ خَيْرًا؛ لِأَنَّهُ تَرَكَ الْجِهَادَ صُورَةً وَمَعْنًى.

(۲۷۶۲) وَإِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةٌ ثُمَّ رَأَى نَقْضَ الصُّلْحِ أَنْفَعَ نَبَذَ إِلَيْهِمْ وَقَاتَلَهُمْ ۱. ”لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَبَذَ الْمُوَادَعَةَ الَّتِي كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ مَكَّةَ“،

رسول اللہ ﷺ لا صحابہ قوموا فانحروا ثم احلقوا (بخاری شریف، باب الشروط فی الجہاد والمصالحتہ مع اہل الحرب وکتبۃ الشروط، ص ۳۷۷، نمبر ۲۷۳۱/۲۷۳۲، مسلم شریف، باب صلح الحدیبیہ، ص ۱۰۴، نمبر ۸۳۷۸/۸۳۷۹) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے مسلمانوں کے لئے بہتری دیکھی تو کفار سے صلح حدیبیہ فرمائی (۳) حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے نقل کی ہے۔ عن المسور بن مخرمہ ومروان بن الحکم انہم اصطلحو اعلی وضع الحرب عشر سنین یا من فیہن الناس وعلی ان یبنا عیبۃ مکفوفۃ وانہ لا اسلال ولا اغلال (ابوداؤد شریف، باب فی صلح العدو، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ آپؐ نے دس سال تک کے لئے کفار مکہ سے صلح کی۔

ترجمہ: ۲. حدیث میں جو دس سال کی مدت متعین کی ہے اسی پر اکتفاء کرنا ضروری نہیں ہے اس مدت پر زیادہ کی بھی گنجائش ہے۔

تشریح: اوپر حدیث میں گزرا کہ دس سال کی مدت کے لئے حضورؐ نے صلح کی، صاحب ہدایہ فرما رہے ہیں کہ یہی مدت کوئی ضروری نہیں ہے، اگر اس سے زیادہ مدت کے لئے صلح کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہو تو اس سے زیادہ کے لئے بھی صلح کر سکتے ہیں، اصل معاملہ ہے کہ کتنی مدت کے لئے صلح کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔

ترجمہ: ۳. بخلاف اگر مصالحت میں خیر نہ ہو مصالحت جائز نہیں ہوگی اس لئے صورت میں بھی جہاد چھوڑنا ہے اور معنی میں بھی جہاد چھوڑنا ہے۔

تشریح: مصالحت کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ نہ ہو تو ظاہری طور پر بھی جہاد چھوڑا اور مصلحت نہ ہونے کی وجہ سے معنوی طور پر بھی جہاد چھوڑا اس لئے اس صورت میں مصالحت کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۶۲) پس اگر کفار سے ایک مدت کے لئے مصالحت کی، پھر دیکھا کہ صلح توڑنا زیادہ نفع بخش ہے تو صلح توڑ کر اس کی اطلاع دے اور ان سے لڑے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ حضورؐ اور مکہ والوں کے درمیان جو صلح تھی اس کو توڑ دیا۔

تشریح: مثلاً دو سالوں کے لئے صلح کی تھی لیکن دیکھا کہ صلح توڑ دینا اور قتال کرنا مسلمانوں کے لئے بہتر ہے تو صلح توڑ دے

۲ وَلَئِنَّ الْمَصْلَحَةَ لَمَّا تَبَدَّلَتْ كَانَ النَّبَذُ جِهَادًا وَإِيفَاءُ الْعَهْدِ تَرْكُ الْجِهَادِ صُورَةٌ وَمَعْنَى، وَلَا بُدَّ مِنَ النَّبَذِ تَحَرُّزًا عَنِ الْغَدْرِ، وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ”فِي الْعُهُودِ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ“

اور قتال کرے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ صلح توڑنے کی اطلاع کفار کو دے پھر قتال کرے۔ اطلاع دینے بغیر قتال نہ کرے۔

وجہ: (۱) اطلاع دینے بغیر قتال کرے تو یہ غدر اور دھوکا ہے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے اطلاع دینے بغیر قتال نہ کرے (۲)

آیت میں ہے۔ واما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء ان الله لا يحب الخائنين (آیت ۵۸، سورۃ

الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ خیانت کا خوف ہو تو اس کو اطلاع دے کر صلح توڑ دو (۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے جس

میں ہے کہ حضورؐ نے کفار مکہ سے صلح حدیبیہ کی تھی لیکن انہوں نے غداری کی تو آپؐ نے صلح توڑی اور فتح مکہ والی جنگ کی۔ قال

كان في صلح رسول الله ﷺ يوم الحديبية بينه وبين قريش قل ابو بكر يا رسول الله ! ليس

بينك وبينهم مدة ؟ قال الم يبلغك ما صنعوا ببني كعب و اذان رسول الله في الناس بالغزو . (دلائل

النبوۃ للبيهقي، جماع ابواب فتح مکتہ۔ باب نقض قریش ما عہدوا علیہ رسول اللہ ﷺ بالحدیبیۃ، ج ۵، ص ۱۲، (۴) اور

مصالحت توڑنے کی اطلاع دے اس کے لئے یہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ لارہے ہیں۔ سمعت سلیم بن عامر

يقول كان بين معاوية وبين اهل الروم عهد وكان يسير في بلادهم حتى اذا انقضى العهد اغار عليهم

فاذا رجل على دابة او على فرس وهو يقول الله اكبر وفاء لا غدر، واذا هو عمرو بن عبسة، فسأله

معاوية عن ذلك فقال سمعت رسول الله ﷺ يقول من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلن عهدا ولا

يشدنه حتى يمضى امده او ينبذ اليهم على سواء، قال فرجع معاوية بالناس (ترمذی شریف، باب ما جاء في

الغدر، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۰ ابوداؤد شریف، باب فی الامام یکون بینہ وبين العدو عهد فیسیر نحوه، ج ۲، ص ۲۳، نمبر ۲۵۹۹) اس

حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ دشمن سے عہد و پیمان ہو تو اس کو توڑنے کے لئے پہلے اس کو اطلاع دے پھر حملہ کرے۔

لغت: نبذ الیہم: اس کا اصلی ترجمہ ہے اس کی طرف پھینکنا اور محاورہ ترجمہ ہے عہد کو دشمن کی طرف پھینک دینا یعنی عہد توڑ

دینا، اور اس کی اطلاع دینا۔

ترجمہ: ۲: اور اس لئے کہ مصلحت جب بدل گئی تو صلح کو توڑنا ہی جہاد ہے، اور عہد کو پورا کرنا صورت میں اور معنی کے اعتبار

سے بھی جہاد کو چھوڑنا ہے، اس لئے غدر سے بچنے کے لئے صلح توڑنا ضروری ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے عہد کے بارے میں

فرمایا کہ اس کو پورا کرو، دھوکا مت دو۔

تشریح: اب مصلحت بدل گئی تو عہد توڑنے کی اطلاع دیکر اس کو توڑ دے۔

۳ وَلَا بُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِ مُدَّةٍ يَبْلُغُ فِيهَا خَبْرُ النَّبَذِ إِلَى جَمِيعِهِمْ، وَيَكْتَفِي فِي ذَلِكَ بِمُضَى مُدَّةٍ يَتِمَّ كُنْ مَلِكُهُمْ بَعْدَ عِلْمِهِ بِالنَّبَذِ مِنْ اِنْفَاذِ الْخَبَرِ إِلَى اطْرَافِ مَمْلَكَتِهِ؛ لِأَنَّ بَذْلَكَ يَنْتَفِي الْغَدْرُ.

(۲۷۶۳) قَالَ: وَإِنَّ بَدْءَ الْوَاحِيَانَةِ قَاتِلَهُمْ وَلَمْ يُنْبَذْ إِلَيْهِمْ إِذَا كَانَ ذَلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ ۚ لِأَنَّهُمْ صَارُوا نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى نَقْضِهِ،

وجہ: (۱) ظاہری طور پر جہاد نہیں کر رہا، اب مصلحت بھی اس کے خلاف ہے تو باطنی طور پر بھی جہاد نہیں رہا اس لئے اس کو توڑ دے، البتہ توڑنے کی اطلاع دے، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ عہد کو پورا کرو، دھوکا مت دو۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے جسکی تفصیل اوپر گزر چکی۔ سمعت سلیم بن عامر یقول کان بین معاویۃ و بین اهل الروم عہد و کان یسیر فی بلادہم حتی اذا انقضی العہد اغار علیہم فاذا رجل علی دابة او علی فرس وهو یقول اللہ اکبر وفاء لا غدر (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الغدر، ص ۲۸۷، نمبر ۱۵۸۰ ابوداؤد شریف، باب فی الامام یکون بینہ و بین العدو عہد فیسیر نحوہ، ج ۲، ص ۲۳، نمبر ۲۷۵۹)

ترجمہ: ۳ اطلاع دینے اور جنگ شروع کے درمیان اتنی مدت ہو کہ عہد توڑنے کی خبر سب کفار کو پہنچ جائے، اور اتنی مدت ہی کافی ہے جس میں کفار کا بادشاہ حکومت کے اطراف میں سب کو خبر پہنچا سکے، اتنی مدت ہی سے عہد ختم ہو جائے گی۔

تشریح: عہد توڑنے کی اطلاع دینے کے بعد جنگ شروع کرنے میں اتنی مدت رہے کہ اس مدت میں بادشاہ چاہے تو پوری حکومت میں خبر پہنچا دے، عہد ختم ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اس دوران واقعی سب کو خبر دے چکا ہو یا نہیں اس کی ذمہ داری اسلامی حکومت کی نہیں ہے۔

لغت: جمعہم: اپنے تمام لوگوں کو۔ ملک: بادشاہ۔ اطراف مملکت: اپنی حکومت کے اطراف میں۔

ترجمہ: (۲۷۶۳) اور اگر انہوں نے خیانت شروع کی تو ان سے قتال کرے اور نقض عہد کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں جبکہ ان کے اتفاق سے ہوا ہو۔

ترجمہ: ۴ اس لئے کہ جن انہوں نے عہد توڑ دیا تو اب ہم کو توڑنے کی اطلاع دینے کی کیا ضرورت ہے۔

تشریح: کفار کے ساتھ صلح کا عقد تھا لیکن وہ سب ملکر عہد توڑ دیا اور خیانت کر لیا تو عہد توڑنے کی اطلاع دینے بغیر قتال کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اگر کچھ لوگوں نے نقض عہد کیا مثلاً کچھ کفار نے اپنے سردار کو پوچھے بغیر دارالاسلام سے چوری کر لی یا کسی کو قتل کر دیا تو یہ تمام کفار کی جانب سے نقض عہد نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ تمام سے بالاتفاق نقض عہد نہ ہو۔

وجہ: آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ الذین عاہدت منہم ثم ینقضون عہدہم فی کل مرۃ وہم لایتقون ۝ فاما

۲۔ بِخِلَافِ مَا إِذَا دَخَلَ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ فَقَطَعُوا الطَّرِيقَ وَلَا مَنَعَهُ لَهُمْ حَيْثُ لَا يَكُونُ هَذَا نَقْضًا لِلْعَهْدِ، وَلَوْ كَانَتْ لَهُمْ مَنَعَةٌ وَقَاتَلُوا الْمُسْلِمِينَ عَلَانِيَةً يَكُونُ نَقْضًا لِلْعَهْدِ فِي حَقِّهِمْ ذُنُوبٌ غَيْرُهُمْ، لِأَنَّهُ بَغَيْرِ إِذْنِ مَلِكِهِمْ فَفَعَلُهُمْ لَا يُلْزَمُ غَيْرُهُمْ حَتَّى لَوْ كَانَ يَأْذِنُ مَلِكُهُمْ صَارُوا نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ لِأَنَّهُ بِاتِّفَاقِهِمْ مَعْنَى.

تشققنہم فی الحرب فشرد بہم من خلفہم لعلہم یدکرون (آیت ۵۶/۵۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ جو بارہا عہد توڑے اس کو ایسا مارو کہ بعد والے یاد رکھیں (۲) حدیث میں ہے کہ کفار مکہ نے عہد توڑا تو اس کو عہد توڑنے کی اطلاع دیئے بغیر ان پر چڑھائی کی اور فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔ عہد توڑنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ وحیث عروہ بمعناہ قال ثم ان بنی نفاثۃ من بنی الدیل اغاروا علی بن کعب وہم فی المدۃ التی بین رسول اللہ ﷺ و بین قریش و کان بنو کعب فی صلح قریش، فاعانت بنو بکر بنی نفاثۃ واعانتہم قریش بالسلاح والرقيق فذکر القصة قال فخرج ركب من بنی کعب حتی اتوا رسول اللہ ﷺ فذکروا له الذی اصابہم وماکان من قریش علیہم فی ذلک، ثم ذکر قصة خروج رسول اللہ ﷺ الی مکة (سنن للبیہقی، باب فتح مکة حرّمہا اللہ، ج ۳، ص ۲۰۲، نمبر ۱۸۲۸۱، مصنف عبدالرزاق، غزوة الفتح، ج ۳، ص ۳۷۴، نمبر ۹۷۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود نقض عہد کرے تو اس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں۔ اس پر چڑھائی کی جاسکتی ہے (۳) بخاری شریف میں ہے کہ فتح مکہ کے لئے اتنا چھپ کر چلے کہ اہل مکہ کو بھی اس کی خبر پوری طرح نہیں ہو پائی۔ اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ عن هشام عن ابیہ قال لما سار رسول اللہ ﷺ عام الفتح فبلغ ذلک قریشا خرج ابو سفیان بن حرب وحکیم بن حزام وبديل بن ورقاء يلتمسون الخبر عن رسول اللہ ﷺ فاقبلوا یسیرون حتی اتوا مر الظهران الخ (بخاری شریف، باب این رکزنا لنبی ﷺ الراية يوم الفتح، ج ۳، ص ۶۱۳، نمبر ۴۲۸، کتاب المغازی، مسلم شریف، باب فتح مکة، ص ۱۰۲، نمبر ۷۸۰۷۲۲۱۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقض عہد کی اطلاع کفار مکہ کو نہیں دی۔ البتہ شدہ شدہ ان کو کچھ بھٹک لگ گئی تھی (۴) جب دشمن نے خود ہی عہد توڑ دیا تو اب ان کو اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع دینے کا کیا فائدہ ہے؟

ترجمہ ۲: بخلاف جبکہ ایک جماعت دارالاسلام میں داخل ہوئی اور ڈاکہ زنی کی اور اسکی کوئی شان شوکت نہیں تھی تو یہ تمام کی جانب سے عہد توڑنا نہیں سمجھا جائے گا، اور اگر اسکی شان شوکت تھی اور مسلمان سے اعلانیہ قتال کیا تو صرف اس جماعت کی جانب سے نقض عہد ہوگا، اسلئے کہ اسکے بادشاہ کی اجازت کے بغیر حملہ کیا ہے، اسلئے ان لوگوں کا فعل دوسرے پر لازم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر انکے بادشاہ کی اجازت سے کیا ہو تو سب کی طرف سے نقض عہد ہوگا اسلئے اندر خانے سب کے اتفاق سے ہوا ہے۔

(۲۷۶۳) وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ مُوَادَعَةَ أَهْلِ الْحَرْبِ وَأَنْ يَأْخُذَ عَلَى ذَلِكَ مَالًا فَلَا بَأْسَ بِهِ ۚ لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَتْ الْمُوَادَعَةُ بَغْيَ الْمَالِ فَكَذًا بِالْمَالِ، ۲ لَكِنْ هَذَا إِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةً، أَمَّا إِذَا لَمْ تَكُنْ لَا يَجُوزُ لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ، ۳ وَالْمَأْخُذُ مِنَ الْمَالِ يُصْرَفُ مَصَارِفَ الْجَزِيَةِ،

تشریح: کفار کی ایک چھوٹی سی جماعت جس کی کوئی شان شوکت نہیں تھی، اس نے دارالاسلام میں گھس کر ڈاکہ زنی کی تو یہ نقص عہد نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کی شان شوکت ہو تو اس جماعت کی جانب سے نقص عہد ہوگا، دوسروں کی جانب سے نقص عہد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ بادشاہ کی اجازت سے نہیں ہے، اور اگر بادشاہ کی اجازت سے ہو تو سب کی جانب سے نقص عہد ہوگا، کیونکہ اندر خانے سب کی ملی بھگت ہے

لغت: منع: شان شوکت، رعب و دبدبہ۔ نقض للعہد: عہد کو توڑنا۔ بانفاقم: سب کے خرچ سے، یعنی سب کے اتفاق سے، سب کے مشورے سے۔

ترجمہ: (۲۷۶۳) امام حربیوں سے مال کے بدلے میں صلح کرنے میں مصلحت سمجھے تو ایسی صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ **ترجمہ:** ۱: اس لئے کہ جب بغیر مال کے صلح کرنا جائز ہے تو مال کے ساتھ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

تشریح: اگر امام یہ سمجھے کہ مال لیکر کفار سے صلح کر لی جائے، اور مسلمانوں کو مال کی ضرورت بھی ہو تو ایسی صلح جائز ہے۔

وجہ: (۱) پہلے گزرا کہ بغیر مال کے بھی صلح کرنا جائز ہے تو مال کے بدلے میں بدرجہ اولیٰ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں معنوی طور پر جہاد کرنا ہے (۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہود سے مال کے بدلے میں صلح کی۔ عن عبد اللہ بن عمر قال لما افتتحت خیبر سألت یہود رسول اللہ ﷺ ان یقرہم علی ان یعملوا علی النصف مما خرج منها فقال رسول اللہ ﷺ اقرکم فیہا علی ذالک ما شئنا۔ (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ص ۴۴۰، نمبر ۳۰۰۸) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے یہود سے مال پر صلح کی ہے۔

ترجمہ: ۲: لیکن یہ جب ہے کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو، اور اگر مال کی ضرورت نہیں ہو تو جائز نہیں ہوگی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ یہ ظاہری اور معنوی طور پر جہاد کو چھوڑنا ہے۔

تشریح: مال لیکر صلح کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو، لیکن اگر مال کی ضرورت نہیں ہو تو اس سے مال لیکر صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: کیونکہ ظاہری طور پر بھی جہاد کو چھوڑنا ہے، اور مال کی ضرورت نہیں ہے تو معنوی طور پر بھی جہاد کو چھوڑنا ہے۔

ترجمہ: ۳: اور جو مال صلح سے حاصل ہوگا وہ جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوگا، کیونکہ یہ غیر مسلم کا مال ہے۔

۴۔ هَذَا إِذَا لَمْ يَنْزِلُوا بِسَاحَتِهِمْ بَلْ أَرْسَلُوا رَسُولًا؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْجَزِيَّةِ، أَمَّا إِذَا أَحَاطَ الْجَيْشُ بِهِمْ ثُمَّ أَخَذُوا الْمَالَ فَهُوَ غَنِيمَةٌ يُخَمِّسُهَا وَيُقَسِّمُ الْبَاقِي بَيْنَهُمْ لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ بِالْقَهْرِ مَعْنًى.

(۲۷۶۵) وَأَمَّا الْمُرْتَدُونَ فَيُؤَادِعُهُمُ الْإِمَامُ حَتَّى يَنْظُرَ فِي أَمْرِهِمْ ۚ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ مَرْجُوءٌ مِنْهُمْ فَجَازَ تَأْخِيرُ قِتَالِهِمْ طَمَعًا فِي إِسْلَامِهِمْ (۲۷۶۶) وَلَا يَأْخُذُ عَلَيْهِ مَالًا لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَخْذُ الْجَزِيَّةِ مِنْهُمْ لَمَّا نَبَّيْنُ وَلَوْ أَخَذَهُ لَمْ يَرُدَّهُ ۚ لِأَنَّهُ مَالٌ غَيْرُ مَعْصُومٍ،

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴۔ یہ جب ہے کہ کفار سے آمنا سا منانہ ہوا ہو بلکہ پیغام کے ذریعہ بات طے ہوئی ہو اس لئے کہ یہ جزیہ کے معنی میں ہے، اور اگر مسلمان کے لشکر نے کفار کو گھیرا ہو پھر مال لیا ہو تو یہ مال غنیمت ہے، پانچواں حصہ بیت المال کے لئے ہوگا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دئے جائیں گے، کیونکہ یہ مغلوب کر کے مال لیا گیا ہے۔

تشریح: مسلمانوں نے کفار کو ابھی گھیرا نہیں ہے، اور پیغام کے ذریعہ مال پر صلح کیا ہو تو اس مال کا حکم جزیہ کی طرح ہے جس مصرف میں جزیہ کا مال خرچ کیا جاتا ہے اسی میں اس کو بھی خرچ کیا جائے گا، لیکن اگر کفار کو لشکر گھیر چکا ہے اس کے بعد مال پر صلح ہوئی تو اس کا حکم مال غنیمت کا ہے، یعنی اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا، اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔

لغت: ساتھ: میدان، نزل بساتھم: اس کے میدان میں نہیں اتر، یعنی اس کو نہیں گھیرا۔ ارسلوا رسالا: خط و کتابت کرنا، پیغام بھیج کر صلح کی۔ جیش: لشکر۔

ترجمہ: (۲۷۶۵) بہر حال مرتد تو امام اس سے صلح کرے تاکہ امام اس کے معاملے میں غور کر سکے۔

ترجمہ: ۵۔ اس لئے کہ اس سے اسلام کی امید کی جاسکتی ہے تو اس کے قتال کے معاملے میں امید کی وجہ سے اس کے قتال میں تاخیر کی جاسکتی ہے۔

تشریح: بہت سے آدمی مرتد ہو گئے ہوں اور ان لوگوں نے کسے خطے پر قبضہ کر لیا ہو، اور وہ صلح چاہتے ہوں تو امام ان سے صلح کرے، اور قتال میں جلدی نہ کرے، کیونکہ ان سے دوبارہ اسلام لانے کی امید ہے۔

ترجمہ: (۲۷۶۶) اور ان مرتدوں سے مال نہ لے [اس لئے کہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، اس کی دلیل ہم آگے بیان کریں گے] اور اگر ان سے مال لے لیا تو اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶۔ اس لئے کہ ان مرتدوں کا مال محفوظ نہیں ہے۔

۲ وَلَوْ حَاصِرَ الْعُدُوَّ الْمُسْلِمِينَ وَطَلَبُوا الْمَوَادَّ عَلَى مَالٍ يَدْفَعُهُ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِمْ لَا يَفْعَلُهُ الْإِمَامُ لِمَا فِيهِ مِنْ إِعْطَاءِ الدِّنْيَةِ وَالْحَاقِ الْمَذَلَّةَ بِأَهْلِ الْإِسْلَامِ إِلَّا إِذَا خَافَ الْهَلَاكَ، لِأَنَّ دَفْعَ الْهَلَاكِ وَاجِبٌ بِأَيِّ طَرِيقٍ يُمَكِّنُ.

(۲۷۶۷) وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُبَاعَ السَّلَاحُ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَلَا يُجَهَّزُ إِلَيْهِمْ، ۱ لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ السَّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَحَمَلِهِ إِلَيْهِمْ، وَلِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَتُهُمْ عَلَى قِتَالِ

تشریح: ان مرتدوں سے مال نہ لے، کیونکہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں ہے، یہ یا تو اسلام لائے یا پھر ان کو قتل کر دیا جائے گا، جزیہ لیکر ان کو زندہ رکھنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر ان لوگوں سے مال لے ہی لیا تو اس مال کو ان کی طرف واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ان لوگوں کا مال محفوظ نہیں ہے۔

وجہ: ان معاذ بن جبل اتی ابا موسیٰ و عنده رجل یهودی فقال ما هذا؟ قال هذا یهودی اسلم ثم ارتد و قد استتبہ ابو موسیٰ شهرین فقال معاذ لا اجلس حتی أضرب عنقه قضی اللہ و قضی رسول اللہ ﷺ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما قالونی الرجل یسلم ثم یرید ما یصنع بہ، ج سادس، ص ۴۴۰، نمبر ۳۲۷۱۹) اس حدیث میں دو باتوں کا پتہ چلا کہ مرتد کو غور کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت دی، اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر یہ اسلام نہ لائے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، اس سے جزیہ لیکر اس کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

لغت: غیر معصوم: حربیوں کا مال غیر معصوم ہے مسلمان اس پر قبضہ کر کے لے سکتا ہے، اسی طرح مرتدوں کا مال بھی غیر معصوم ہے، اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲ اگر دشمنوں نے مسلمان کا محاصرہ کر لیا اور یہ مطالبہ کیا کہ اس کے بدلے میں مسلمان مال دیں تو امام مال نہ دے اس لئے کہ یہ دیت کا دینا ہوا اور اہل اسلام کو ذلت میں ڈالنا ہوا، لیکن اگر سب مسلمانوں کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو تو مال دے دے اس لئے کہ ہلاکت کا دفع کرنا واجب ہے چاہے جس طریقے سے بھی ہو۔

تشریح: دشمنوں نے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور وہ مال دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو امام کو یہ مال نہیں دینا چاہئے، کیونکہ اس میں مسلمانوں کی ذلت ہے، بلکہ جنگ کر کے ان مسلمانوں کو چھڑانا چاہئے، لیکن اگر کوئی صورت نہ ہو، اور مسلمانوں کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو مال دے دے، کیونکہ کسی طرح بھی ہو مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانا ضروری ہے۔

ترجمہ: (۲۷۶۷) مناسب نہیں ہے کہ حربیوں، ہتھیار بیچے، اور نہ ہتھیار اس کی طرف روانہ کرے۔

ترجمہ: ۳ اس لئے کہ حضورؐ نے حربیوں سے ہتھیار بیچنے سے منع کیا ہے، اور اس کی طرف ہتھیار بھیجنے سے بھی منع کیا ہے،

الْمُسْلِمِينَ فَيُمنَعُ مِنْ ذَلِكَ وَكَذَا الْكُرَاعُ لِمَا بَيَّنَّا، وَكَذَلِكَ الْحَدِيدُ لِأَنَّهُ أَصْلُ السَّلَاحِ، ۲ وَكَذَا بَعْدَ الْمُوَادَعَةِ؛ لِأَنَّهَا عَلَى شَرَفِ النَّقْصِ أَوْ الْإِنْقِضَاءِ فَكَانُوا حَرْبًا عَلَيْنَا، ۳ وَهَذَا هُوَ الْقِيَاسُ فِي الطَّعَامِ وَالثُّوبِ، إِلَّا أَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ ”فَإِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَمْرٌ ثَمَامَةً أَنْ يَمِيرَ أَهْلَ مَكَّةَ وَهُمْ حَرْبٌ عَلَيْهِ“.

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کے خلاف اس کی قوت بڑھ جائے گی اس لئے اس سے روکا جائے گا، ایسے ہی گھوڑے وغیرہ بھی بھیجنا ممنوع ہوگا، ایسے لوہا بیچنا بھی ممنوع ہوگا، کیونکہ اسی سے ہتھیار بنتا ہے۔
تشریح: جنگ کے زمانے میں حریوں سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے وہ ہمارے مقابلے میں قوی ہو جائیں گے، اسی طرح گھوڑا، یا لوہا بیچنا بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بھی جنگ کا سامان ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع السلاح فی الفتنة۔ (طبرانی، باب عبد اللہ اللقیطی عن ابی رجا، ج ۱۸، ص ۱۳۶، نمبر ۲۸۶ سنن بیہقی، کتاب البوع، باب کراہیۃ بیع العصر ممن یعصر الخمر والسيف ممن یعصر اللہ عز وجل، ج خامس، ص ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۰) اس حدیث میں ہے کہ فتنہ میں اہل الفتنہ سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے۔ (۲) قول تابعی میں ہے۔ عن الحسن قال لا یبعث الی اهل الحرب شیء من السلاح والکراع ولا ما یستعان علی السلاح والکراع (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۳۱ ما یکره ان تکمل الی العدو فیتقوی بہ، ج سادس، ص ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۶۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حریوں کو ہتھیار نہیں دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۲: اسی طرح اس سے مصالحت کی حالت میں بھی ہتھیار بیچنا ممنوع ہوگا، اس لئے کہ یہ مصالحت ٹوٹنے کے قریب ہے، یا مدت ختم ہونے پر مصالحت ٹوٹ جائے گی، تو اس کا نقصان ہم ہی لوگوں کو ہوگا۔

تشریح: حریوں سے کچھ سالوں کے مصالحت ہوگئی اس دوران بھی ان سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ مصالحت ٹوٹ سکتی ہے، یا مصالحت کی معیاد پر وہ ختم ہو جائے گی، اور بعد میں وہ ہم سے جنگ کریں گے تو ہتھیار بیچنے کا نقصان ہم کو ہی ہوگا اس لئے مصالحت کے دوران میں بھی ان سے ہتھیار بیچنا جائز نہیں ہے

ترجمہ: ۳: کھانے اور کپڑے وغیرہ میں بھی قیاس یہی ہے کہ کفار کو نہ بھیجیں، لیکن حدیث میں اس کی اجازت موجود ہے اس لئے کہ حضرت ثمامہ بن اثال کو حضورؐ نے اہل مکہ کو غلہ بھیجنے کا حکم دیا تھا، حالانکہ وہ لوگ اس وقت حضورؐ سے جنگ کی حالت میں تھے۔

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ کفار کو کھانا اور کپڑا بھی نہ دیا جائے، لیکن چونکہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے اہل مکہ کے لئے کھانا دینے کی اجازت دی ہے اس لئے کھانا، کپڑا وغیرہ دینا جائز ہے۔

وجہ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ فخرج ثمامة حتى اتى حائطاً من حيطان المدينة فكتبوا الى رسول الله يسألونه بأرحامهم ان يكتب الى ثمامة يخلي حمل الطعام ففعل رسول الله ﷺ (دلائل النبوة للبيهقي، باب سرية نجد، ج رابع، ص ۸۰) اس حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرات ثمامہ کو اہل مکہ کے لئے کھانا دینے کے لئے کہا۔

لغت: بئیر: غلہ دے۔ ثمامہ: ایک صحابی کا نام ہے۔ جس نے اہل مکہ کا غلہ بند کیا تھا۔

﴿فصل فی احکام﴾

(۲۷۶۸) إِذَا أَمَّنَ رَجُلٌ حُرٌّ أَوْ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا أَوْ جَمَاعَةً أَوْ أَهْلَ حِصْنٍ أَوْ مَدِينَةٍ صَحَّ أَمَانُهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قِتَالُهُمْ ۚ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "الْمُسْلِمُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَذْنَاهُمْ" أَيْ أَقْلُهُمْ وَهُوَ الْوَاحِدُ،

﴿فصل امان کے احکام﴾

ترجمہ: (۲۷۶۸) اگر امان دیدے آزاد مرد یا آزاد عورت کا فرکویا جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو تو اس کا امان دینا صحیح ہے۔ اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے اس کا قتل کرنا۔

ترجمہ: اس بارے میں اصل حضور ﷺ کا قول ہے کہ مسلمان کا خون برابر ہے اور ادنیٰ آدمی بھی ذمہ داری لے لے تو ہر ایک پر لازم ہے کہ اس کو نبھائے

تشریح: کسی کا فرکویا کافر کی جماعت کو یا قلعے والے کو یا شہر والے کو آزاد مرد یا آزاد عورت امن دیدے تو سارے مسلمانوں کی جانب سے امن سمجھا جائے گا۔ اب کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو قتل کرے۔ ہاں! اگر اس کو امن دینے میں کوئی خرابی ہے تو امام باضابطہ اس کے امن توڑنے کا اعلان کرے۔ پھر اس کے ساتھ جو معاملہ ہو کیا جائے۔

وجہ: (۱) امان دینا ایک قسم کا عہد کرنا ہے کہ تم کو نہیں ماریں گے۔ اب اس کے خلاف کرنا قرآن میں مذموم ہے اس لئے یہ نہ کرے۔ آیت یہ ہے۔ الَّذِينَ عَاهَدَتْ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ (آیت ۵۶، سورۃ

الانفال ۸) اس آیت میں عہد توڑنا کفار کی علامت بتائی گئی ہے اس لئے عہد توڑنا اچھا نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ۔ قَالَ خَطَبْنَا عَلَىٰ مَا عِنْدَنَا كِتَابَ نَقْرُؤُهُ إِلَّا كِتَابَ اللَّهِ وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ ... وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ

فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذَلِكَ (بخاری شریف، باب ذمۃ المسلمین وجوارہم واحدة یسعی بھا ادناہم، ص ۴۵۰، نمبر ۳۱۷۲) مسلم شریف، باب فضل امینۃ ودعاء النبی ﷺ فیہا بالبرکۃ الخ، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۲/۳۳۲۷، کتاب الحج) اس

حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری لینے سے تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ اس لئے کسی کو توڑنا نہیں چاہئے۔ (۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ الْمُؤْمِنُونَ تَكْفَافًا دِمَاؤُهُمْ وَهُمْ يَدُ عَلَىٰ مَنْ سِوَاهُمْ وَيَسْعَى

بِذِمَّتِهِمْ اِدْنَاهُمْ۔ (ابوداؤد شریف، باب ایتقاد المسلم من الکافر، ص ۶۴۱، نمبر ۴۵۳۰) (۴) اور عورت کے امان کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔ اِنَّهٗ سَمِعَ اِمَ هَانِیَ ابْنَةَ اَبِی طَالِبٍ تَقُولُ ... فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! زَعَمَ ابْنُ اُمِّی عَلٰی اَنِّهٗ قَاتِلٌ

۲. وَلَآئِهِ مِنْ أَهْلِ الْقِتَالِ فَيَخَافُونَهُ إِذْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْمَنَعَةِ فَيَتَحَقَّقُ الْأَمَانُ مِنْهُ لِمَلَأَاتِهِ مَحَلَّهُ ثُمَّ يَتَعَدَّى إِلَى غَيْرِهِ، ۳. وَلَآئًا سَبَبَهُ لَا يَتَجَزَّأُ وَهُوَ الْإِيمَانُ، وَكَذَا الْأَمَانُ لَا يَتَجَزَّأُ فَيَتَكَامَلُ كَوَلَايَةِ الْإِنْسَانِ كَاحِدٍ (۲۷۶۹) قَالَ: إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي ذَلِكَ مَفْسَدَةٌ. فَيَنْبِذُ إِلَيْهِمْ،

رجلا قد اجرته فلان بن هبيرة، فقال رسول الله ﷺ قد اجرنا من اجرت يا ام هاني. قالت ام هاني ذلك ضحي (بخاری شریف، باب امان النساء وجوارهن، ص ۴۴۹، نمبر ۳۱۷۱/ ابوداؤد شریف، باب فی امان المرأة، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۲۷۶۳) اس حدیث میں حضرت ام ہانیؓ نے امن دیا تو حضورؐ کی جانب سے امن مانا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت امن دے تب بھی سب کی جانب سے امن ہو جائے گا۔

تَرَكَافُ دَمَاؤُهُمْ :: تَرَكَافُ دَمَاؤُهُمْ: سب کا خون برابر ہے۔ یعنی بذمتہم ادناہم: اس کی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ادنیٰ آدمی بھی کوشش کرے۔ وهو الواحد: یہ معترضہ جملہ ہے، سب مسلمان ایک ہی طرح ہیں

ترجمہ: ۲. اس لئے کہ ہر مسلمان قتال کی طاقت رکھتا ہے اس لئے کفار اس سے ڈریں گے، اس لئے کہ مسلمان دفعہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے اس لئے اس سے امن دینا متحقق ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ امن دینے کا محل ہے، پھر اس امن کی ذمہ دارے دوسرے تک بھی جائے گی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے اور پیچیدہ ہے۔ ہر مسلمان قتال کی طاقت رکھتا ہے اس لئے کفار اس سے ڈریں گے، پس جہاں خوف کی جگہ ہے وہیں سے امن بھی مل سکتا ہے، اس لئے ہر مومن کو امن دینے کا حق ہے۔ اور جب ایک آدمی سے امن مل گیا، تو پھیل کر دوسروں کی بھی ذمہ داری ہو جائے گی۔

لغت: مَنَعَةٌ: طاقت، قدرت، دفعہ کرنے کی طاقت۔ لَمَلَأَاتِهِ مَحَلُّهُ: جہاں خوف ہے امن وہیں ملا ہے

ترجمہ: ۳. اس لئے کہ امن کا سبب ایمان ہے جو ٹکڑا نہیں ہوتا، اسی طرح امن میں بھی ٹکڑا نہیں ہوگا اس لئے کامل ہوگا، جیسے نکاح کی ولایت میں ٹکڑا نہیں ہوتا، [اس لئے سب کی ذمہ داری ہوگی]

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے، کہ امن دینے کا سبب ایمان ہے، جو سب مسلمانوں میں ہے، اس لئے اس میں ٹکڑا نہیں ہے، اس لئے امن میں بھی ٹکڑا نہیں ہوگا، یعنی ایک آدمی نے امن دیا تو سب کی ذمہ داری ہے کہ اس کو نبھائے۔

ترجمہ: (۲۷۶۹) مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو۔ پس امام ان کے امن دینے کو توڑ دے۔

تشریح: اگر امن برقرار رکھنے میں کوئی فساد ہو تو امام کو چاہئے کہ اعلان کر کے امن توڑے تاکہ وہ غفلت میں نہ رہے اور ہم عہد توڑنے کے مرتکب نہ ہوں۔

۱۔ کَمَا إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ بِنَفْسِهِ ثُمَّ رَأَى الْمَصْلَحَةَ فِي النَّبَذِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ ۲۔ وَلَوْ حَاصَرَ الْإِمَامُ حِصْنًا وَأَمَّنَ وَاحِدًا مِنَ الْجَيْشِ وَفِيهِ مَفْسَدَةٌ يَنْبِذُ الْإِمَامُ لِمَا بَيَّنَّا، وَيُؤَدِّبُهُ الْإِمَامُ لَا فِتْيَاتِهِ عَلَى رَأْيِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّهُ رُبَّمَا تَفَوُّثُ الْمَصْلَحَةِ بِالتَّأْخِيرِ فَكَانَ مَعْذُورًا،
(۲۷۷۰) وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ ذِمِّيٍّ

وجہ: (۱) اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ واما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء ان الله لا يحب الخائنين (سورة الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ کسی قوم سے خیانت کا خطرہ ہو تو علی الاعلان اس کا عہد توڑ دو۔ اس لئے امام کو فساد کا خطرہ ہو تو علی الاعلان امان کو توڑ دے اور اس کی اطلاع دے۔
لغت: أَمَّنَ : باب تفعیل سے ہے، امن سے مشتق ہے امن دے، اہل حصن : قلعہ والے، ینذ لیسیم : نبذ سے مشتق ہے پھینکنا، یہاں مراد ہے عہد توڑنا، اور اس کی اطلاع دینا۔
ترجمہ: ۱۔ جیسے خود امام امن دے پھر اس کو توڑنے میں مصلحت دیکھے [تو امام امن توڑ دے اور کفار کو اس کی اطلاع دے دے] اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی۔

تشریح: امام نے امن دیا، پھر محسوس ہوا کہ اس میں مصلحت نہیں ہے تو امام امن کو توڑ کر کفار کو اس کی اطلاع دے گا، اسی طرح کسی عام مسلمان نے امن دیا، جو مصلحت کے خلاف ہے تو امام اس کو توڑ کر کفار کو اس کی اطلاع کرے گا۔ مصالحت کے باب میں یہ گزرا کہ اس کی اطلاع اس لئے دیگا کہ وہ ہم کو دھوکہ باز نہ کہے۔

ترجمہ: ۲۔ اگر امام نے کسی قلعہ کا محاصرہ کیا، اور لشکر میں سے کسی نے امن دے دیا، اور اس میں فساد ہے تو امام اس امن کو توڑ دے گا، جیسا کہ ہم نے مصالحت کے باب میں ذکر کیا [کہ یہ صورت اور معنی دونوں اعتبار سے جہاد کو چھوڑنا ہے] اور امام اس امن دینے والے کو تنبیہ کرے گا اپنی رائے کو ترجیح دینے کی وجہ سے، بخلاف اگر اس امن دینے میں مصلحت ہو تو امام دینے والے کو تنبیہ نہیں کرے گا، کیونکہ تاخیر کرنے کی وجہ سے کبھی مصلحت فوت ہو سکتی ہے اس لئے امن دینے والا معذور تھا۔

تشریح: امام نے کسی قلعہ کا محاصرہ کیا اور اسی دوران کسی لشکر نے کفار کو امن دے دیا، اور امام اس کو مصلحت کے خلاف سمجھتا ہے تو اس امن کو توڑے گا اور کفار کو اس کی اطلاع بھی کرے گا، اور اس لشکر کو تنبیہ بھی کرے گا، کیونکہ اپنی رائے امام پر تھو پتا ہے، لیکن اگر یہ امن مصلحت کے موافق ہو تو اس کو تنبیہ نہیں کرے گا، کیونکہ اس نے اچھا ہی کیا ہے، ایسا ممکن ہے کہ امن دینے میں تاخیر ہوتی تو مصلحت فوت ہو جاتی، اس لئے امن دینے والا معذور ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۰) ذمی کا امان دینا جائز نہیں۔

۱۔ لَآئِنَّهُمْ بِهِمْ، وَكَذَّالَا وَلَايَةٌ لَهُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ.

(۲۷۷۱) قَالَ: وَلَا أُسِيرُ وَلَا تَاجِرٌ يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ ۱۔ لَآئِنَّهُمَا مَقْهُورَانِ تَحْتَ أَيْدِيهِمْ فَلَا يَخَافُونَهُمَا

ترجمہ: اس لئے کہ ذمی پر یہ تہمت ہے کہ وہ اپنے کافر کو امان دے رہا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ذمی کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔

تشریح: ہمارے دارالاسلام میں کوئی کافر ذمی بن کر رہ رہا ہو وہ کسی حربی کو امان دے تو اس کا امان دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) ذمی تو مسلمان نہیں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان حربی کو امان دے تو سب کو اس کا لحاظ کرنا چاہئے۔ اس لئے ذمی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ خطبنا علی بن ابی طالب قال ...

وذمة المسلمين واحدة يسعى بها ادناهم. (۲) اور اگلی روایت میں یہ زیادتی ہے. فممن اخفر مسلما فعليه لعنة

الله والملائكة والناس اجمعين. لا يقبل منه يوم القيامة صرف ولا عدل (مسلم شریف، باب فضل المدیۃ

ودعاء النبی ﷺ فیہا بالبرکتہ، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷/۳۳۲ بخاری شریف، باب ذمة المسلمین وجوارہم واحدة يسعى بها ادناهم

ص ۴۵۰، نمبر ۳۱۷۲) اس حدیث میں ہے ذمة المسلمین جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا امان قابل لحاظ ہے ذمی کا نہیں (۳)

ذمی تو یوں بھی بلا وجہ حربی کی رعایت کرے گا اس طرح امان کا خیال رکھیں تو حربی سے جنگ ہی نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے بھی

ذمی کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ (۴) اور ایک بات یہ بھی ہے کہ ذمی کا مسلمان پر ولایت نہیں ہے اس لئے ذمی امن دے گا تو

یہ امن مسلمان پر لاگو نہیں ہوگا، اس لئے ذمی کے امن دینے کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۱) اور نہ قیدی کا اور نہ ایسے تاجروں کا جو ان کے یہاں جاتے ہوں۔

تشریح: ہمارا کوئی قیدی ان کے ہاتھوں میں قید ہو اور وہ کسی حربی کو امان دیدے تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ یا مسلمان

تجارت کرنے کے لئے دارالحرب جاتا ہو وہ تاجران سے متاثر ہو کر کسی حربی کو امان دے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

وجہ: قیدی کے امان کا اس لئے اعتبار نہیں کہ وہ ان کے ہاتھوں میں مجبور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہر حربی کو امان دے

دیگا تو پھر جنگ کیسے کریں گے۔ اس لئے قیدی کے امان دینے کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے تاجروں دارالحرب جاتے

ہیں وہ ان سے متاثر ہو کر یا سامان چھیننے کے خوف سے امان دیں گے دل کی آزادی اور دل کی خوشی سے امان نہیں

دیں گے۔ اس لئے ان کے امان کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

لغت: اسیر: قیدی۔

ترجمہ: اس لئے کہ یہ قیدی اور تاجر کافروں کے ہاتھ میں مجبور ہیں، تو کفار ان دونوں سے ڈر نہیں رہے ہیں، اور امن

وَالْأَمَانُ يَخْتَصُّ بِمَحَلِّ الْخَوْفِ وَلَئِنَّهُمَا يُجْبَرَانِ عَلَيْهِ فِيهِ فَيَعْرِى الْأَمَانُ عَنِ الْمَصْلَحَةِ، وَلَئِنَّهُمْ كَلَّمَا اشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَيْهِمْ يَجِدُونَ أَسِيرًا أَوْ تَاجِرًا فَيَتَخَلَّصُونَ بِأَمَانِهِ فَلَا يَنْفَتِحُ لَنَا بَابُ الْفَتْحِ.

۲. وَمَنْ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَلَمْ يُهَاجِرْ إِلَيْنَا لَا يَصِحُّ أَمَانُهُ لِمَا بَيَّنَّا

(۲۷۷۲) وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ الْعَبْدِ الْمَحْجُورِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ. وَقَالَ

مُحَمَّدٌ يَصِحُّ،

وہاں سے دیا جاتا ہے جہاں خوف ہو، اور ایک بات یہ بھی ہے کہ کفار ان دونوں کو امان دینے پر مجبور کریں گے، اس لئے یہ امن مصلحت سے خالی ہے، اور اس لئے کہ جب جب جنگ کا معاملہ شدت پکڑے گا تو یہ لوگ قیدی اور تاجر کو پکڑیں گے اور امن لیکر چھوٹ جائیں گے، اس طرح فتح کا دروازہ ہی نہیں کھلے گا۔

تشریح: کفار کے ہاتھ میں جو مسلمان قید ہے، یا جو مسلمان دارالحرب تجارت کے لئے گیا ہے، ان کی امان دینے کا اعتبار نہیں ہے، اس کی چار وجہ بیان کر رہے ہیں [۱] یہ دونوں کفار کے ہاتھ میں مجبور ہیں [۲] امن وہ جس سے خوف ہو، اور ان دونوں سے کفار خوف نہیں ہے، اس لئے ان کے امن کا بھی اعتبار نہیں ہے [۳] کفار ان دونوں کو امن دینے پر مجبور کریں گے، اس لئے یہ امن مصلحت کے خلاف ہے، اور اوپر گزرا کہ جو امن مصلحت کے خلاف ہو اس کو توڑ دیا جائے گا۔ [۴] جب کبھی جنگ کا معاملہ سخت ہوگا تو کفار قیدی کو اور تاجر کو پکڑ کر امن لینے کی کوشش کرے گا اور مسلمان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو اس طرح کبھی مسلمان کی فتح ہی نہیں ہو پائے گی۔ اس لئے ان چار وجہ سے ان لوگوں کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲. جو آدمی دارالحرب میں مسلمان ہو اور ابھی تک دارالاسلام میں ہجرت نہیں کی اس کا امن دینا صحیح نہیں ہے اس دلیل کی بنا پر جو بیان کی، کہ وہ کفار کے ہاتھوں مجبور ہے۔

تشریح: جو آدمی دارالحرب میں مسلمان ہو اور ابھی تک دارالاسلام میں ان کا امن دینا اوپر کی چار وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مجبور غلام کا امن دینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا آقا قتل کرنے کی اجازت دے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا امن دینا صحیح ہے۔

تشریح: آقا اگر غلام کو جنگ کرنے کی اجازت دی ہو پھر وہ غلام کسی حربی کو امن دے تو اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ اور اگر جنگ کی اجازت نہ دی ہو تو اس کے امان کا اعتبار نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی نزدیک ہے۔

وجہ: (۱) جب وہ جنگ نہیں کر سکتا تو امان بھی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ امن دینا جنگ کے عوارض میں سے ہے۔ اس لئے جب جنگ کا مجاز نہیں تو امان دینے کا مجاز نہیں ہونا چاہئے۔ (۲) مصنف نے ایک نکتہ بیان کیا تھا کہ امن وہ دے سکتا ہے جس سے

۱۔ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَبُو يُوسُفَ مَعَهُ فِي رِوَايَةٍ، وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي رِوَايَةٍ لِمُحَمَّدٍ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "أَمَانُ الْعَبْدِ أَمَانٌ" رَوَاهُ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ، وَلِأَنَّهُ مُؤْمِنٌ مُمْتَنِعٌ فَيَصِحُّ أَمَانُهُ اِعْتِبَارًا بِالْمَأْذُونِ لَهُ فِي الْقِتَالِ،

کفار کو خوف ہو، اور جب غلام کو جنگ کی اجازت نہیں ہے تو اس سے کفار کو خوف بھی نہیں ہے اس لئے وہ امن بھی نہیں دے سکتا۔ (۳) آگے ایک قول صحابی آرہا ہے جس میں ہے کہ العبد لا يقدر على شيء جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ جانتے تھے کہ غلام امان نہیں دے سکتا ہے۔

ترجمہ: یہی امام شافعی کا قول ہے، اور امام ابو یوسف کی ایک روایت شافعی کے ساتھ ہے، اور دوسری روایت ابو حنیفہ کے ساتھ ہے۔ امام محمد کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ غلام کا امن بھی امن ہے اس کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے روایت کی ہے، اور اس لئے بھی کہ وہ مؤمن ہے اور کفار سے دفعیہ کرنے والا ہے اس لئے اس کے امن کا اعتبار ہوگا، جیسے اس کو قتال کی اجازت ہوتی تو اس کو امن دینے کی اجازت ہوتی۔

تشریح: یہاں عبارت بہت پیچیدہ ہے۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ غلام کو چاہے جنگ کی اجازت ہو یا نہ ہو ہر حال میں اس کو امن دینے کا حق ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ عن فضيل الرقاشي قال ... فقالوا امنتمونا واخرجوا الينا السهم، فيه كتاب امانهم فقلنا هذا عبد والعبد لا يقدر على شيء قالوا لا ندرى عبد كم من حر كم وقد خرجوا بامان قلنا فارجعوا بامان قالوا لا نرجع اليه ابدا فكتبنا الى عمر بعض قصتهم فكتب عمر ان العبد المسلم من المسلمين امانه امانهم (مصنف عبد الرزاق، باب الجوار وجوار العبد والمرأة، ج خامس، ص ۱۵۲، نمبر ۹۴۹۹ سنن للبیہقی، باب امان العبد، ج تاسع، ص ۱۶۰، نمبر ۱۸۱۷۰) (۲) وہ بھی مسلمان ہے اور مسلمان کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لئے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا، حدیث گزر چکی، ذمۃ المسلمین واحدة يسعى بها ادناهم (مسلم شریف، باب فضل المدینۃ ودعاء النبی ﷺ فیہا بالبرکۃ، ص ۴۴۰، نمبر ۱۳۷۰) (۲) حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ عن علی بن ابی طالب قال قال رسول الله ﷺ ليس للعبد من الغنيمة شيء الاخر شيء المتاع وامانه جائز اذا هو اعطى القوم الامان (سنن للبیہقی، باب امان العبد، ج تاسع، ص ۱۶۰، نمبر ۱۸۱۷۰) مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳، فی امان المرأة والمملوك، ج سادس، ص ۵۱۴، نمبر ۳۳۳۸۳) اس حدیث میں صراحت ہے کہ غلام چاہے جنگ میں شریک نہ ہو اس کے امان کا اعتبار ہے۔ اس لئے غلام کے امان کا اعتبار ہوگا۔ (۳) جس طرح قتال کی اجازت والا غلام امن دے سکتا ہے اسی پر قیاس

۲. وَبِالْمُؤَيَّدِينَ الْأَمَانَ، ۳. فَالْإِيْمَانُ لِكُونِهِ شَرْطًا لِلْعِبَادَةِ، وَالْجِهَادُ عِبَادَةٌ، ۴. وَالْإِمْتِنَاعُ لِتَحْقِيقِ إِزَالَةِ الْخَوْفِ بِهِ، ۵. وَالتَّأْثِيرُ إِعْزَازُ الدِّينِ وَإِقَامَةُ الْمَصْلَحَةِ فِي حَقِّ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، إِذْ الْكَلَامُ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ، ۶. وَإِنَّمَا لَا يَمْلِكُ الْمُسَافِقَةُ لِمَافِيهِ مِنْ تَعْطِيلِ مَنَافِعِ الْمُؤَلَّى وَلَا تَعْطِيلَ فِي مُجَرَّدِ الْقَوْلِ.

کر کے جس کو جنگ کی اجازت نہیں ہے وہ بھی کفار کو امن دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲. اور موبد امان پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: موبد امان: ہمیشہ کا امن۔ کافر نے مجبور غلام سے ذمی بننے کی خواہش کی، غلام نے ذمی بننے کی خط تحریر کر دی تو وہ ذمی بن جائے گا، اس کو موبد امان، کہتے ہیں، پس جس طرح مجبور غلام موبد امان دے سکتا ہے اسی پر قیاس کر کے فوری امان بھی دے سکتا ہے، یہ امام محمد کا قیاس ہے۔

ترجمہ: ۳. ایمان عبادت کے لئے شرط ہے اور جہاد بھی عبادت ہے [اس لئے جب مجبور غلام میں ایمان ہے تو وہ امن بھی دے سکتا ہے]

تشریح: اوپر مومن، ممتنع، کہا ہے اس کی تشریح کر رہے ہیں، کہ غلام میں مومن ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ جہاد ایک عبادت ہے اور عبادت ادا ہونے کے لئے ایمان کی شرط ہے، اس لئے امن دینے والا غلام مومن ہو تب اس کا امن دینا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۴. غلام میں دفعیہ کرنے کی طاقت ہو کیونکہ دفعیہ کرنے کی طاقت ہوگی تو اس کے امن دینے سے کفار کا خوف ختم ہوگا۔
تشریح: اوپر کہا تھا کہ غلام ممتنع ہو یعنی دفعیہ کرنے کی طاقت ہو کیونکہ دفعیہ کرنے کی طاقت ہوگی تو اسکے امن دینے سے خوف ختم ہوگا۔

ترجمہ: ۵. اور اس کی تاثیر یہ ہے کہ دین کو بلند کرنا ہے اور مسلمان کی جماعت کے حق میں مصلحت کو قائم کرنا ہے، اس لئے اس قسم کی حالت کے بارے میں کلام ہے۔

تشریح: غلام بھی امن دے دے اس کا مقصد یہ ہے کہ دین کی بلندی حاصل ہو جائے، اور مسلمانوں کے بارے میں مصلحت کی رعایت ہو جائے۔

ترجمہ: ۶. مجبور غلام قتال اس لئے نہیں کر سکتا کہ اس سے آقا کے منافع ضائع ہوں گے، اور صرف بات سے امن دینے میں منافع ضائع نہیں ہوں گے۔

تشریح: یہ بھی امام محمد کی دلیل ہے کہ مجبور غلام قتال اس لئے نہیں کر سکتا کہ اس سے آقا کا حق ضائع ہوگا، اور امن دینے میں اس کا حق ضائع نہیں ہوتا ہے اس لئے امن دے سکتا ہے۔

۷۔ وَلِأَبَى حَنِيفَةَ أَنَّهُ مُحْجُورٌ عَنِ الْقِتَالِ فَلَا يَصِحُّ أَمَانُهُ لِأَنَّهُمْ لَا يَخَافُونَهُ فَلَمَّ يَلَاقِ الْأَمَانُ مَحَلَّهُ، بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لَهُ فِي الْقِتَالِ لِأَنَّ الْخَوْفَ مِنْهُ مُتَحَقِّقٌ، ۸۔ وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا لَا يَمْلِكُ الْمُسَايِفَةَ لِمَا أَنَّهُ تَصَرَّفَ فِي حَقِّ الْمَوْلَى عَلَى وَجْهِ لَا يُعْرِى عَنْ احْتِمَالِ الضَّرَرِ فِي حَقِّهِ، وَالْأَمَانُ نَوْعُ قِتَالٍ وَفِيهِ مَا ذَكَرْنَاهُ؛ لِأَنَّهُ قَدْ يُخْطِئُ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ، وَفِيهِ سَدُّ بَابِ الْإِسْتِغْنَامِ، ۹۔ بِخِلَافِ الْمَأْذُونِ لِأَنَّهُ رَضِيَ بِهِ وَالْخَطَأُ نَادِرٌ لِمُبَاشَرَتِهِ الْقِتَالِ، ۱۰۔ وَبِخِلَافِ الْمُؤَبَّدِ لِأَنَّهُ خَلَفَ عَنِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الدَّعْوَةِ إِلَيْهِ، وَلِأَنَّهُ مُقَابِلٌ بِالْجِزْيَةِ وَلِأَنَّهُ مَفْرُوضٌ عِنْدَ مَسْأَلَتِهِمْ ذَلِكَ، وَإِسْقَاطُ الْفَرَضِ نَفْعٌ فَافْتَرَقَا.

ترجمہ: ۷۔ اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ قتال سے روکا گیا ہے تو اس کا امن دینا صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ کفار اس سے نہیں ڈرے گا تو امن دینا بھی اپنی جگہ پر نہیں ہے، بخلاف جس کو قتال کی اجازت دی ہو اس لئے کہ اس سے خوف متحقق ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ جس غلام کو لڑنے کی اجازت نہیں ہے اس سے کفار کو خوف نہیں ہے، اس لئے اس کو امن دینا بھی جائز نہیں ہوگا، اور جس کو لڑنے کی اجازت ہے اس سے کفار کو خوف ہوگا تو اس سے امن دینا بھی برکت ہوگا۔

ترجمہ: ۸۔ اور اس لئے کہ مجبور غلام قتال کا مالک نہیں ہے آقا کے حق میں ایسا تصرف ہوگا جو اس کو نقصان دے گا اور امن دینا بھی ایک قسم کا قتال ہے، اور اس بارے میں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ غلام غلط کر سکتا ہے، بلکہ غلطی کا امکان زیادہ ہے، اور اس غلطی کی وجہ سے آقا کو مال غنیمت میں بھی حصہ نہیں ملے گا۔

اس لمبی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ، امن دینا بھی ایک قسم کا قتال ہے، اور آقا نے قتال کرنے سے منع کیا ہے اس لئے یہ امن بھی نہیں دے سکتا ہے، دوسری بات یہ کہہ رہے ہیں کہ مجبور غلام امن دے گا تو کوئی نقصان ضرور کرے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا نقصان کر لے جس سے آقا کو مال غنیمت بھی نہ ملے اس لئے اس کو امن دینے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۹۔ بخلاف جس کو قتال کی اجازت دی ہو تو اس کی غلطی پر آقا راضی ہے، اور قتال کرنے کی وجہ سے اس میں غلطی کم ہوتی ہے۔

تشریح: جس کو قتال کی اجازت دی ہے تو آقا اس کی غلطی پر راضی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ قتال میں شرکت کی وجہ سے اس میں کم غلطی ہوتی ہے اس لئے اس کو امن دینے کا اختیار ہے۔

ترجمہ: ۱۰۔ بخلاف موبد، یعنی ذمی بنانے کو قبول کرنے کے، اس لئے کہ وہ قتال کا خلیفہ نہیں بلکہ اسلام لانے کا خلیفہ ہے اور اسلام کی دعوت دینے کے درجے میں ہے، اور اس لئے کہ اس کے مقابلے میں جزیہ آئے گا، بلکہ ذمی بننے کی درخواست کرے تو اس کو ذمی بنانا فرض ہے، اور فرض کو ساقط کرنے میں نفع ہے اس لئے امن دینے میں اور ذمی بنانے میں فرق ہو گیا۔

۱۔ وَلَوْ أَمِنَ الصَّبِيُّ وَهُوَ لَا يَعْقِلُ لَا يَصِحُّ كَالْمَجْنُونِ وَإِنْ كَانَ يَعْقِلُ وَهُوَ مَحْجُورٌ عَنِ الْقِتَالِ فَعَلَى الْخِلَافِ، وَإِنْ كَانَ مَاذُونًا لَهُ فِي الْقِتَالِ فَلَا يَصِحُّ أَنَّهُ يَصِحُّ بِالْإِتِّفَاقِ.

تشریح: یہاں سے ذمی بنانے اور امن دینے میں تین فرق بیان کر رہے ہیں، اور امام محمدؒ کو جواب بھی دے رہے ہیں [۱] موبد کا معنی ہے ذمی بنانا، ذمی بنانا گویا کہ مستقبل میں اسلام کی دعوت دینا ہے جو ہر مسلمان کا فرض ہے، اس لئے مجبور غلام ذمی بنا سکتا ہے، جبکہ امن دینا اسلام کی دعوت دینا نہیں ہے، بلکہ کفار کو بے خوف کرنا ہے اس لئے مجبور غلام کو اس کی اجازت نہیں ہوگی [۲] ذمی بنانے سے جزیہ آئے گا جس میں صراصر مسلمانوں کا فائدہ ہے اس لئے مجبور غلام ایسا کر سکتا ہے، جبکہ امن دینا مصلحت کے خلاف ہو سکتا ہے اس لئے امن نہیں دے سکتا۔ [۳] ذمی بننے کی درخواست کرے تو اس کو ذمی بنانا فرض ہے اس لئے مجبور غلام کو اس فرض کی ادائیگی کی اجازت ہوگی، جبکہ امن دینا فرض نہیں ہے، اس لئے مجبور غلام کو امن دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱! اگر ایسے بچے نے امن دیا جو سمجھتا نہیں ہے تو تو اس کا امن دینا صحیح نہیں ہوگا جیسے مجنون کا امن دینا صحیح نہیں ہے اور اگر سمجھتا ہے، لیکن قتال سے روک دیا گیا ہے تو اس میں اوپر کا اختلاف ہے، اور اگر اس بچے کو قتال کی اجازت ہے تو صحیح بات یہ ہے کہ بالاتفاق اس کا امن دینا جائز ہے۔

تشریح: یہاں بچے کے بارے میں تین حالتیں بیان کر رہے ہیں [۱] اگر اتنا چھوٹا بچہ ہے کہ اس کو کوئی سمجھ ہی نہیں ہے تو اس کا امن دینا مجنون کی طرح جائز نہیں ہے۔ [۲] اور اگر وہ اتنا بڑا ہے کہ قتال کو سمجھتا ہے، لیکن والدین کی جانب سے قتال کی اجازت نہیں ہے تو اس بارے میں وہی اختلاف ہے جو مجبور غلام کے بارے میں ابھی گزرا۔ [۳] اور اگر وہ بچہ اتنا بڑا ہے کہ اس کو قتال کی بھی اجازت ہے تو صحیح بات یہ ہے اس کا امن دینا بالاتفاق جائز ہے۔

﴿بَابُ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا﴾

(۲۷۷۳) وَإِذَا فَتَحَ الْإِمَامُ بَلَدَهُ عَنَوَةً ۚ أَيْ قَهْرًا (۲۷) فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَسَمَهُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ [كَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَيْبَرَ] (۲۷) وَإِنْ شَاءَ أَقَرَّ أَهْلَهُ عَلَيْهِ وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجَزِيَّةَ وَعَلَى أَرْضِيهِمُ الْخَرَاجَ ۚ كَذَلِكَ فَعَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِسَوَادِ الْعِرَاقِ بِمُوافَقَةِ مَنْ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يُحْمَدْ مَنْ خَالَفَهُ، وَفِي كُلِّ مِنْ ذَلِكَ قُدْوَةٌ فَيَتَخَيَّرُ.

﴿بَابُ الْغَنَائِمِ وَقِسْمَتِهَا﴾

ترجمہ: (۲۷۷۳) اگر امام کسی شہر کو طاقت سے فتح کرے تو اس کو اختیار ہے چاہے اس کو غازیوں کے درمیان تقسیم کر دے [جیسا کہ حضورؐ نے خیبر میں کیا] اور چاہے تو اس کے رہنے والے کو اس پر برقرار رکھے اور ان پر جزیہ مقرر کر دے اور اس کی زمین پر خراج مقرر کر دے۔

ترجمہ: جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عراق کی زمین میں صحابہ کے اتفاق سے کیا، اور ان کے مخالفت جن لوگوں نے کی اس کی کوئی پذیرائی نہیں ہوئی۔ اور دونوں ہی طریقوں میں رہنمائی ہے اس لئے امام کو دونوں کا اختیار ہوگا۔

تشریح: کسی شہر کو امام طاقت سے فتح کرے تو ان کو اس کی زمین کے بارے میں دو اختیار ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ وہاں کے باشندے کو اس زمین پر برقرار رکھے اور باشندوں پر جزیہ ہونے کے اعتبار سے جزیہ مقرر کر دے اور زمین پر خراج مقرر کر دے۔

وجہ: (۱) آیت میں اس کا اشارہ ہے کہ امام کو اس کا اختیار ہے۔ مَا آفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَمَا لَا يَكُونُ دَوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (آیت ۷، سورۃ الاحقر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ جو مال غنیمت آیا وہ اللہ اور رسول کا ہے۔ اس لئے اس کی جگہ جو امیر ہے اس کو تقسیم کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی اور اس کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا۔ اور پھر یہودوں کو یہی کام کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اور مکہ مکرمہ کو بھی طاقت سے فتح کیا لیکن اس کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں فرمایا بلکہ وہاں کے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔ بعد میں وہ لوگ ایمان لے آئے۔ خیبر کی زمین طاقت سے فتح کی گئی اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ

قاتل اہل خیبر فغلب علی الارض والنخل والجاہم الی قصرہم (۳) اور اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کی اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ عن سهل بن ابی حشمة قال قسم رسول اللہ ﷺ خیبر نصفین، نصفاً لنوائبہ وحاجتہ ونصفاً بین المسلمین قسمها بینہم علی ثمانیۃ عشر سہما (۴) اور یہود کو اس زمین پر کام کرنے دیا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ قال لما افتتحت خیبر سألت یهود رسول اللہ ﷺ ان یقرہم علی ان یعملوا علی النصف مما خرج منها فقال رسول اللہ ﷺ اقرکم فیہا علی ذلک ماشئنا (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶ / ۳۰۱۰ / ۳۰۰۸ بخاری شریف، باب معاملۃ النبی ﷺ اہل خیبر، ص ۶۰۹، نمبر ۴۲۴۸، باب غزوۃ خیبر، ص ۶۰۳، نمبر ۴۱۹۷، کتاب المغازی) ان حدیثوں سے تینوں باتیں ثابت ہوئیں۔

لوگوں کو برقرار رکھے اور خراج لگائے (۱) اس کی دلیل یہ عمل صحابہ ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ ان عمر بن الخطاب بعث عثمان بن حنیف فمسح السواد فوضع علی کل جزیب عامر او غامر حیث ینالہ الماء قفیزا و درهما (سنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج ۵، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۳) حضرت عمرؓ نے سواد یعنی عراق کی زمین فتح کی اور اس کے لوگوں کو ذمی قرار دیا اور ان پر خراج مقرر کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ باشندوں کو بحال رکھ کر خراج مقرر کر سکتے ہیں (۲) عن عثمان بن ابی سلیمان ان النبی ﷺ بعث خالد بن ولید الی اکید ردومة فاخذوه فاتوا به فحقن له دمه وصالحه علی الجزیۃ (سنن للبیہقی، باب من قال توخذ منهم الجزیۃ عربا کان او جمعا، ج ۵، ص ۳۱۴، نمبر ۱۸۶۴۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جزیہ لے سکتا ہے۔

مکہ مکرمہ طاقت سے فتح ہوا (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان ابن عباس اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ غزا غزوۃ الفتح فی رمضان (بخاری شریف، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، ص ۶۱۲، نمبر ۴۲۷۵، مسلم شریف، باب فتح مکہ، ج ۲، ص ۱۰۲، نمبر ۴۶۲۲/۱۷۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ بزور طاقت ہوا۔ اس کے باوجود وہاں کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی (۲) اسی طرح عراق کی زمین کو حضرت عمرؓ نے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی اس سے معلوم ہوا کہ امام کو دونوں اختیار ہیں۔

۲. وَقِيلَ الْأَوَّلُ هُوَ الْأَوَّلُ عِنْدَ حَاجَةِ الْغَانِمِينَ، وَالثَّانِي عِنْدَ عَدَمِ الْحَاجَةِ لِيَكُونَ عِدَّةً فِي الزَّمَانِ الثَّانِي، ۳. وَهَذَا فِي الْعَقَارِ. أَمَّا فِي الْمَنْقُولِ الْمُجَرَّدِ لَا يَجُوزُ الْمَنْ بِالرَّدِّ عَلَيْهِمْ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَرُدَّ بِهِ الشَّرْعُ فِيهِ. ۴. وَفِي الْعَقَارِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّ فِي الْمَنْ إِبْطَالَ حَقِّ الْغَانِمِينَ أَوْ مِلْكِهِمْ فَلَا يَجُوزُ مِنْ غَيْرِ بَدَلٍ يُعَادِلُهُ، وَالْخِرَاجُ غَيْرُ مُعَادِلٍ لِقَتْلِهِ،

لغت: عنوة: زبردستی کر کے لینا، غانمین: غانم کی جمع ہے غنیمت حاصل کرنے والے مجاہدین۔ سواد العراق: عراق کی جو سرسبز زمین ہے اس کو سواد عراق، کہا جاتا ہے، گویا کہ وہ کالی ہے۔

ترجمہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ تقسیم کرنا مجاہدین کی ضرورت کے وقت زیادہ بہتر ہے، اور دوسرا یعنی کفار کو اس کی زمین پر برقرار رکھنا ضرورت کے نہ ہونے کے وقت بہتر ہے تاکہ بعد میں کام آئے۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ مجاہدین کو مالی ضرورت ہو تو فتح کی ہوئی زمین مجاہدین میں تقسیم کرنا زیادہ بہتر ہے، اور مجاہدین کو زمین کی ضرورت نہ ہو تو کفار کو اس پر برقرار رکھنا زیادہ بہتر ہے تاکہ بعد میں یہ زمین کام آئے۔

لغت: عدة: تیار رہے۔ فی الزمان الثانی: بعد کے زمانے میں۔

ترجمہ: ۳: یہ بات زمین کے سلسلے میں ہے، بہر حال منقولی جائداد تو کفار پر احسان کر کے اس کو اس پر واپس کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ شریعت میں واپس کرنے کا ثبوت نہیں ہے۔

تشریح: اوپر کی رائے کہ تقسیم کرو یا نہ کرو، یہ زمین کے بارے میں ہے، لیکن منقولی جائداد کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں اس قسم کی تصریح نہیں ہے کہ منقولی جائداد اس کی طرف واپس کی جائے۔ من: احسان کرنا۔

ترجمہ: ۴: اور زمین کے بارے میں امام شافعی کا اختلاف ہے اس لئے کہ احسان کر کے کفار کو زمین پر برقرار رکھنے میں مجاہدین کے حق اور اس کی ملکیت کو باطل کرنا ہے، اور اس کے بالمقابل بدلے میں کچھ بھی نہیں ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا، اور خراج لینا قتل کرنے کے برابر نہیں ہے۔

تشریح: زمین کے سلسلے میں امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ کفار کو واپس دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں مجاہدین کے حق کو اور اس کی ملکیت کو باطل کرنا ہے اور اس کے بدلے میں اس کو کچھ نہیں مل رہا ہے، اور جو خراج لیا جائے گا وہ قتال اور جہاد کے مقابلے میں کوئی خاص چیز نہیں ہے۔

۵۔ بِخِلَافِ الرَّقَابِ لِأَنَّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُبْطِلَ حَقَّهُمْ رَأْسًا بِالْقَتْلِ، ۶. وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَاهُ، ۷. وَلِأَنَّ فِيهِ نَظْرًا؛ لِأَنَّهُمْ كَالْأَكْثَرَةِ الْعَامِلَةِ لِلْمُسْلِمِينَ الْعَالِمَةِ بِوُجُوهِ الزَّرَاعَةِ وَالْمُؤْنِ مُرْتَفَعَةً ۸. مَعَ مَا أَنَّهُ يَحْطَى بِهِ الَّذِينَ يَأْتُونَ مِنْ بَعْدِ، وَالْخَرَجُ وَإِنْ قَلَّ حَالًا فَقَدْ جَلَّ مَا لَا لِدَوَامِهِ، ۹. وَإِنْ مَنْ عَلَيْهِمْ بِالرَّقَابِ وَالْأَرَاضِي يَدْفَعُ إِلَيْهِمْ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ بِقَدْرِ مَا يَتَهَيَّأُ لَهُمْ الْعَمَلُ لِيُخْرَجَ عَنْ حَدِّ الْكَرَاهَةِ.

ترجمہ: ۵۔ بخلاف کفار کی گردن کے اس لئے کہ امام کو یہ حق ہے کہ سب کو قتل کر کے مجاہدین کا پورا حق باطل کر دے۔

تشریح: کفار کے مرد اور عورتیں جو قید ہوئے اس کو مجاہدین میں تقسیم نہ کرے تو امام کو اس کا اختیار ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام کو یہ بھی حق ہے کہ سب قیدیوں کو قتل کر دے اور مجاہدین کو نہ دے، تو یہ بھی حق ہے کہ مجاہدین کے درمیان اس کو تقسیم نہ کرے۔

ترجمہ: ۶۔ لیکن امام شافعیؒ پر وہ حدیث حجت ہے جس کو ہم نے روایت کی۔

تشریح: ابھی حضرت عمر کا قول نقل کیا کہ عراق کی زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ کفار کو اس پر برقرار رکھا اس لئے حضرت عمر کا قول حضرت امام شافعیؒ پر حجت ہے۔

ترجمہ: ۷۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے لئے کھیتی کریں گے، کیونکہ وہ کھیتی کرنا جانتے ہیں، اور ہمیں کھیتی کرنے کا اخراجات بھی نہیں دینا پڑے گا۔

تشریح: زمین کفار کو تقسیم کرنے میں مسلمانوں کا فائدہ ہے، کہ یہ لوگ کھیتی کرنا جانتے ہیں اور ہم کو کھیتی کے اخراجات بھی نہیں دینا پڑے گا اور غلہ آجائے گا۔

لغت: اکرۃ: کھیتی کرنے والے لوگ۔ ولمؤنۃ مرتفعۃ: مؤنۃ: کھیتی کرنے کے اخراجات مرتفعۃ: دینا نہیں پڑے گا۔

ترجمہ: ۸۔ ساتھ ہی یہ ہے کہ بعد میں آنے والے نسلوں کا حصہ ہوگا، اور ابھی جو خراج لیا جائے گا وہ اگرچہ کم ہے، لیکن چونکہ ہمیشہ آئے گا اس لئے مستقبل کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔

تشریح: یہ زمین جو کفار کے پاس رہنے دیا یہ بعد میں آنے والی نسلوں کا حصہ ہوگا، یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔ اور جو خراج آ رہا ہے وہ اگرچہ ابھی کم ہے، لیکن ہمیشہ اتنا رہے گا تو ہمیشہ کی وجہ سے بہت ہو جائے گا تو یہ بھی ایک فائدہ ہے۔

لغت: یحطی: حظ سے مشتق ہے، حصہ ہونا۔ جل: زید ہو جائے گا۔ مالا: میال کے اعتبار سے بعد کے اعتبار سے۔

ترجمہ: ۹۔ اگر کفار کی گردنیں بھی چھوڑ دی اور زمینیں بھی چھوڑ دی تو ان کو اتنی منقولی جائیداد دے دی جائے جو اس کے کام کرنے کے لئے مناسب ہوتا کہ کراہیت کی حد سے نکل جائے۔

تشریح: قید میں آئے ہوئے کفار کو چھوڑ دیا، اور اس کی زمین بھی اس کو حوالہ کر دیا تو منقولی جائیداد میں سے اتنی اس کو دی

(۲۷۷۴) قَالَ: وَهُوَ فِي الْأَسَارَى بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ ۚ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَدْ قَتَلَ، وَلِأَنَّ فِيهِ حَسَمَ مَادَّةَ الْفُسَادِ وَإِنْ شَاءَ اسْتَرْقَهُمْ ۚ لِأَنَّ فِيهَا دَفْعَ شَرِّهِمْ مَعَ وَفُورِ الْمَنْفَعَةِ لِلْأَهْلِ الْإِسْلَامِ ۚ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ أَحْرَارًا ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِينَ لِمَا بَيَّنَّاهُ،

جائے گی جس سے وہ آسانی سے کھیتی باڑی کر سکے، تاکہ اس کو تنگی نہ ہو اور کراہیت نہ ہو۔

لغت: من علیہم بالرقاب: گردن کو چھوڑ کر اس پر احسان کیا۔ یتار کر سکے،

ترجمہ: (۲۷۷۴) اور امام کو قیدیوں کے بارے میں اختیار ہے۔ چاہے ان کو قتل کر دے [اس لئے کہ حضورؐ نے قتل کیا ہے، اور اس میں فساد کے مادے کو ختم کرنا] اور چاہے ان کو غلام بنائیں۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ اس میں کفار کے شر کو دفع کرنا ہے، اور اہل اسلام کو اس میں بہت نفع ہے۔

تشریح: جو قیدی میدان جنگ میں ہاتھ آگئے ان کے بارے میں امام کو تین اختیار ہیں۔ مصلحت کے مطابق ان میں سے ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے (۱) اگر بہت شریر ہو تو ان کو قتل کر دے تاکہ اس کی شرارت سے بچ سکے (۲) مناسب سمجھے تو قیدیوں کو غلام بنا کر رکھے (۳) اور مناسب سمجھے تو آزاد چھوڑ دے۔ لیکن ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر رکھے تاکہ خراج اور جزیہ ادا کرتا رہے۔

وجہ: (۱) احادیث میں تینوں کا ثبوت ہے۔ قیدیوں کو قتل کر دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی سعید الخدریؓ

قال لما نزلت بنو قریظۃ علی حکم سعد بعث رسول اللہ ﷺ ... قال انی احکم ان تقتل المقاتلة وان تسبی الذریۃ قال لقد حکمت فیہم بحکم الملک (بخاری شریف، باب اذا نزل العدو علی حکم رجل، ص ۴۲۷، نمبر ۳۰۴۳) مسلم شریف، باب جواز قتال من نقص العهد وجواز انزال اهل الحصن علی حکم حاکم عدل اهل للحکم، ص ۷۸۴، نمبر ۲۸۶۸/۱۷۹۶۱ (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ دخل عام الفتح وعلی رأسه المغفر فلما نزعه جاء رجل فقال ان ابن خطل متعلق باستار الکعبة فقال اقتلوه (بخاری شریف، باب قتل الاسیر وقتل الصبر، ص ۴۲۷، نمبر ۳۰۴۴) مسلم شریف، باب جواز دخول مکة بغیر احرام، ص ۴۳۹، نمبر ۱۳۵۷/۸۳۳۰ (۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیدی کو مناسب سمجھیں تو قتل کر سکتے ہیں۔

اگر مناسب سمجھیں تو زندہ رکھ کر قیدی بنا سکتے ہیں اس کی دلیل اوپر کی حدیث بنی قریظہ میں یہ جملہ گزرا۔ وان تسبی الذریۃ (بخاری شریف، نمبر ۳۰۴۳) مسلم شریف، نمبر ۱۷۹۶۹ (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلام اور باندی بھی قیدی کو بنا سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲۔ اور چاہے تو ان کو مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر آزاد چھوڑ دے۔

(۲۷۷۵) إِلَّا مُشْرِكِي الْعَرَبِ وَالْمُرْتَدِّينَ ۚ عَلَىٰ مَا نُبِئَ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَىٰ.

(۲۷۷۶) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَرُدُّهُمْ إِلَىٰ دَارِ الْحَرْبِ ۚ لِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَتَهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِينَ،

احسانا چھوڑ دیں اور ذمی بنادیں اس کی دلیل یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ سمع ابا ہریرۃ یقول بعث رسول اللہ ﷺ خیلا قبل نجد فجاءت برجل من حنیفة یقال له ثمامۃ بن اثال ... فقال ماذا عندک یا ثمامۃ فقال عندی ما قلت لک ان تنعم تنعم علی شاکر وان تقتل تقتل ذام وان کنت تريد المال فسل تعط منه ما شئت فقال رسول اللہ ﷺ اطلقوا ثمامۃ (مسلم شریف، باب ربط الاسیر وجبه وجواز المن علیہ، ج ۲، ص ۹۳، نمبر ۶۲۷۱/۸۹۸۵) اس حدیث میں حضرت ثمامۃ قیدی کو چھوڑ دیا قتل نہیں کیا۔ (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ حدثنی عطیۃ القرظی قال کنت من سبی بنی قریظۃ فکانوا ینظرون فمن انبت الثغر قتل ومن لم ینبت لم یقتل فکنت فیمن لم ینبت (ابوداؤد شریف، باب الغلام یصیب الحد، ص ۲۵۷، نمبر ۴۴۰۴، کتاب الحدود) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احسان کے طور پر چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ (۳) پہلے آیت گزر چکی ہے۔ فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارها (آیت ۴، سورہ محمد ۴۷) اس آیت سے بھی پتا چلا کہ احسان کرتے ہوئے چھوڑ سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۵) مگر عرب کا مشرک اور مرتد کو آزاد نہیں چھوڑا جائے گا۔

ترجمہ: ۱: اس کے بارے میں ہم بعد میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

تشریح: عرب کے مشرک سے اور مرتد سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، ان کی ایک صورت ہے کہ ایمان لائے، یا پھر قتل ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس کی پوری بحث جزیہ کے باب میں آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷۶) البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ ان کو دار الحرب کی طرف جانے دیں۔

ترجمہ: ۱: اس لئے، اس صورت میں وہ مسلمان کے مقابلے میں قوی ہو جائیں گے۔

تشریح: مسلمان قیدیوں کے بدلے میں نہیں بلکہ یوں ہی کافر قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس جانے دیں یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) پھر تو حربی مضبوط ہو جائیں گے اور دوبارہ جنگ کریں گے۔ اس لئے قیدیوں کو دار الحرب کی طرف واپس کرنا

جائز نہیں ہے (۲) آیت گزر چکی ہے کہ قیدیوں کو مارو، تو اس کو دار الحرب بھیجنا کیسے درست ہوگا۔ ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یشخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرة (آیت ۶۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ قیدیوں کو مارو اس لئے اس کو واپس بھیجنا درست نہیں ہوگا (۳) دوسری آیت میں ہے۔ فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم وخذوہم واحصروہم واقعدوا لہم کل مرصد (د) آیت

۲. فَإِنْ أَسْلَمُوا لَا يَقْتُلُهُمْ لِنَدْفَاعِ الشَّرِّ بِدُونِهِ (۲۷۷) وَلَهُ أَنْ يَسْتَرْقِيَهُمْ ۚ تَوْفِيرًا لِلْمَنْفَعَةِ بَعْدَ
 اِنْعِقَادِ سَبَبِ الْمَلِكِ بِخِلَافِ إِسْلَامِهِمْ قَبْلَ الْاِخْذِ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَنْعَقِدِ السَّبَبُ بَعْدَ (۲۷۸) وَلَا يُفَادَى
 بِالْأَسَارَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يُفَادَى بِهِمُ أَسَارَى الْمُسْلِمِينَ

۵، سورۃ التوبہ (۹) اس آیت میں بھی ہے کہ حربیوں کو قتل کرو اس لئے واپس بھیجنا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت کی وجہ سے فاما
 منا بعد واما فداء (آیت ۴ سورۃ محمد ۴۷) والی آیت منسوخ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔
ترجمہ: ۲۔ پس اگر وہ قیدی مسلمان ہو گئے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ بغیر قتل کئے ہوئے ہی اس کے شر سے محفوظ ہو گئے۔
تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۷) امام کے لئے جائز ہے کہ ان کو غلام بنا کر رکھے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ غلامیت کا سبب منعقد ہونے کے بعد مسلمانوں کا بہت نفع ہے، بخلاف اگر پکڑے جانے سے پہلے
 مسلمان ہو گئے ہوں تو اب ان کو غلام نہیں بنا سکتے، کیونکہ غلام بنانے کا سبب منعقد نہیں ہوا۔

تشریح: جو آدمی غلام اور باندی بن چکا ہے اس کے بعد اسلام لایا تو چونکہ غلام بننے کا سبب منعقد ہو چکا ہے، اس لئے امام کو
 اختیار ہے کہ اس کو غلام بنائے رکھے۔ اور پکڑے جانے سے پہلے کا فر مسلمان ہو گیا تو اب اس کو غلام نہیں بنا سکتے، کیونکہ وہ
 پکڑے جانے سے پہلے مسلمان ہو چکا ہے اس لئے اب ان کو غلام نہیں بنا سکتے۔

ترجمہ: (۲۷۸) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیدیوں سے فدیہ لیکر نہیں چھوڑنا چاہئے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مسلمان
 قیدیوں کے بدلے میں فدیہ لیکر کافر کو چھوڑ سکتے ہیں۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ کافر سے فدیہ لیکر اس کو نہیں چھوڑنا چاہئے، اسی طرح مسلمان قیدی کافر کے قبضے میں
 ہو اس کے بدلے میں کافر قیدی کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اور صاحبینؒ کی رائے ہے کہ مسلمان قیدی کے بدلے میں کافر قیدی کو
 چھوڑنا جائز ہے۔

وجہ: (۱): عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ فدى رجلين من المسلمين برجل من المشركين)
 ترمذی شریف، باب ما جاء فی قتل الاسارى والقداء، ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۸ (۲) مسلم شریف میں یوں ہے۔ حدثنی ایاس بن
 سلمة حدثنی ابی قال غزونا فزاره وعلینا ابو بکر ... فبعث بها رسول الله ﷺ الى اهل مكة ففدى
 بها ناسا من المسلمين كانوا اسروا بمكة (مسلم شریف، باب التنفیل وفداء المسلمین بالاسارى، ص ۸۹، نمبر
 ۱۷۵۵) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قیدی کے بدلے قیدی رہا کر سکتے ہیں

۱۔ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لَأَنَّ فِيهِ تَخْلِيصَ الْمُسْلِمِ وَهُوَ أَوْلَى مِنْ قَتْلِ الْكَافِرِ وَالْإِنْتِفَاعِ بِهِ. ۲. وَلَهُ أَنْ فِيهِ مَعُونَةٌ لِلْكَفَرَةِ؛ لَأَنَّهُ يَعُودُ حَرْبًا عَلَيْنَا، وَدَفْعُ شَرِّ حَرْبِهِ خَيْرٌ مِنْ اسْتِنْقَاذِ الْأَسِيرِ الْمُسْلِمِ؛ لَأَنَّهُ إِذَا بَقِيَ فِي أَيْدِيهِمْ كَانَ ابْتِلَاءً فِي حَقِّهِ غَيْرَ مُضَافٍ إِلَيْنَا، وَالْإِعَانَةُ بِدَفْعِ أَسِيرِهِمْ إِلَيْهِمْ مُضَافٌ إِلَيْنَا. ۳. أَمَّا الْمَفَادَةُ بِمَالٍ يَأْخُذُهُ مِنْهُمْ لَا يَجُوزُ فِي الْمَشْهُورِ مِنَ الْمَذْهَبِ لِمَا بَيَّنَّا. وَفِي السَّيْرِ الْكَبِيرِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ إِذَا كَانَ بِالْمُسْلِمِينَ حَاجَةً اسْتَدْلًا بِأَسَارَى بَدْرٍ،

وجہ: (۱) امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس سے کفار طاقت ور ہوں گے اور آگے چل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے، اس لئے قیدی کو فدیہ لیکر، یا قیدی کے بدلے میں نہیں چھوڑنا چاہئے (۲) اس آیت میں بھی اس کا ثبوت ہے۔ ما کان لنبی ان یکون له أسرى حتی یشخن فی الارض تریدون عرض دنیا و اللہ یرید الآخرة و اللہ عزیز حکیم۔ (آیت ۶۷، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ حضور کو قیدیوں سے فدیہ نہیں لینا چاہئے۔

ترجمہ: اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، اس لئے کہ اس میں مسلمان کو چھکارا دلوانا ہے، اور یہ کافر قتل کرنے، اور اس سے فائدہ اٹھانے سے زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ فدیہ لیکر واپس کرنے میں کافر کی مدد کرنا ہے کیونکہ وہ دوبارہ ہم سے جنگ کریں گے، اور مسلم قیدی کو چھڑانے سے جنگ کی شرکودفع کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ وہ صرف اکیلا اس کے قبضے میں ہوگا تو صرف اس قیدی کو تکلیف ہوگی ہم مسلمانوں کو اس کی تکلیف نہیں ہوگی، اور کافر قیدی ان کو دے دیں تو اس کا نقصان ہم سب مسلمانوں پر آئے گا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کافر چھوٹ کر دارالحرب جائیں گے تو وہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے، یہ نقصان اپنی قیدی چھڑانے سے زیادہ ہے اس لئے قیدی کے بدلے میں بھی کفار کے قیدی کو چھوڑنا جائز نہیں ہے، ہمارے قیدی اس کے ہاتھ میں ہوں گے تو صرف اس قیدی کو تکلیف ہوگی، لیکن جب کفار جنگ کریں گے تو مسلمانوں کا یہ نقصان بہت بڑا ہے۔

ترجمہ: ۳۔ اگر مال کا فدیہ کافروں سے لیں تو ہمارا مشہور مذہب یہی ہے کہ وہ جائز نہیں ہے، لیکن سیر کبیر میں ہے کہ مسلمان کو مال کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جنگ بدر کی قیدی سے فدیہ لیا گیا تھا۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ جعل فداء اهل الجاهلیة يوم بدر

۴ وَلَوْ كَانَ أَسْلَمَ الْأَسِيرُ فِي أَيْدِينَا لَا يُفَادَى بِمُسْلِمٍ أَسِيرٍ فِي أَيْدِيهِمْ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ إِلَّا إِذَا طَابَتْ نَفْسُهُ بِهِ وَهُوَ مَأْمُونٌ عَلَى إِسْلَامِهِ. (۲۷۷۹) قَالَ وَلَا يَجُوزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ ۚ أَيْ عَلَى الْأَسَارَى خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فَإِنَّهُ يَقُولُ ”مَنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعْضِ الْأَسَارَى يَوْمَ بَدْرٍ. وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾“ وَلِأَنَّهُ بِالْأَسْرِ وَالْقَسْرِ ثَبَتَ حَقُّ الْأُسْتِرْقَاقِ فِيهِ فَلَا يَجُوزُ إِسْقَاطُهُ بِغَيْرِ مَنَفْعَةٍ وَعَوَضٍ، وَمَا رَوَاهُ مَنْسُوخٌ بِمَا تَلَوْنَا.

اربعمائة۔ (ابوداؤد شریف، باب فی فداء السیر بالمال، ص ۳۹۰، نمبر ۲۶۹۱) اس حدیث میں ہے کہ بدر کی قیدی سے فدیہ لیا گیا تھا (۲) قال ابن عباس فقال ابو بکریا نبی اللہ ہم بنو العم و العشیرة اری ان تاخذ منهم فدية فهو رسول اللہ ﷺ ما قال ابو بکر و لم یهو ما قلت۔ (مسلم شریف، باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر، ص ۸۲، نمبر ۲۳۸۸/۱۷۶۳) اس حدیث میں ہے کہ بدر کی قیدی سے فدیہ لیا گیا ہے۔

ترجمہ: اگر ہمارے قبضے کے قیدی مسلمان ہو گئے تو جو مسلمان قیدی کفار کے قبضے میں ہیں اس کے بدلے فدیہ دینا ٹھیک نہیں ہے اسلئے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ہاں وہ اپنی خوشی سے جانا چاہے تو ٹھیک ہے کیونکہ وہ اپنے اسلام پر محفوظ ہے۔
تشریح: جو قیدی مسلمان ہو گیا ہے تو یہ بھی مسلمان ہے اور جو قیدی کفار کے ہاتھ میں ہے وہ بھی مسلمان ہے تو اس قیدی کے بدلے اس کو لینے میں کئی فائدہ نہیں ہے، ہاں یہ قیدی خوشی سے جانا چاہے تو کر سکتا ہے، کیونکہ اس کا اسلام محفوظ ہے۔
ترجمہ: (۲۷۷۹) قیدیوں پر احسان کر کے چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: خلاف امام شافعیؒ کے وہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے جنگ بدر کے دن بعض قیدیوں پر احسان کیا ہے ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جہاں کہیں پاؤ مشرکین کو قتل کرو، اور اس لئے کہ قید کرنے اور مجبور کرنے سے غلام بنانے کا حق ثابت ہو گیا ہے اب بغیر نفع کے اور بغیر بدلے کے اس کو ساقط کرنا جائز نہیں ہوگا، اور امام شافعیؒ نے جو بدروالی روایت پیش کی ہے وہ اوپر کی آیت سے منسوخ ہے۔

تشریح: ایک ہے قیدیوں سے فدیہ لیکر چھوڑ دینا اس کی تفصیل اوپر گزری، یہاں یہ صورت ہے کہ بغیر کچھ لئے کفار قیدی کو چھوڑ دینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ کفار کو جہاں کہیں پاؤ اس کو قتل کرو اسلئے اس کو بغیر معاوضے کے چھوڑ دیا جائز نہیں ہے

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ فاذا انسלخ الاشهر الحرم المشرکین حیث وجدتموہم وخذوہم واحصروہم واقعدوا لہم کل مرصد (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) (۲) دلیل عقلی یہ ہے کہ بڑی مشکل سے

(۲۷۸۰) وَإِذَا أَرَادَ الْإِمَامُ الْعُودَ وَمَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى نَقْلِهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَقَهَا وَلَا يَعْقِرُهَا وَلَا يَتْرُكُهَا،

اس کو قید کیا ہے، اور اب اس پر غلام بنانے کا حق ثابت ہوا ہے تو اب بغیر کسی بدلے کے اس کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو بغیر بدلے کے بھی چھوڑا جاسکتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر حضرت ابی العاص کو حضور نے بغیر بدلے کے چھوڑا تھا، اس لئے چھوڑنے کی گنجائش ہے، لیکن بغیر مصلحت کے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ **وجہ:** امام شافعیؒ کی حدیث یہ ہے۔ عن عائشہ قالت و قال ان رأتم ان تطلقوا لها أسيرها و تردوا عليها الذی لها قالوا نعم۔ (ابوداؤد شریف، باب فی الفداء الأسیر بالمال، ص ۳۹۰، نمبر ۲۶۹۲) اس حدیث میں حضرت ابی العاص کو بغیر فدیہ لئے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اوپر والی آیت سے منسوخ ہے۔ یہ بھی سوچنے کی چیز ہے کہ حضرت ابوالعاص کو مفت چھوڑنے کے لئے صحابہ سے چھوڑنے کی درخواست کرنی پڑی، ان حضرات نے قبول کیا تب انکو چھوڑا، جس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں قیدی کو مفت چھوڑنا جائز نہیں۔

لغت: اسر: قید کرنا۔ قسر: مجبور کرنا۔ استرقاق: رق سے مشتق ہے، غلام بنانا۔

ترجمہ: (۲۷۸۰) اگر امام دارالاسلام کی طرف واپس آنا چاہے اور اس کے پاس موبیثی ہو اور اس کو دارالاسلام منتقل کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو ذبح کر دے اور اس کو جلا دے نہ اس کا کوچ کاٹے اور نہ اس کو یوں ہی چھوڑ دے۔ **تشریح:** امام اور مجاہدین دارالحرب سے دارالاسلام جارہے ہیں ان کے پاس دارالحرب کے کچھ موبیثی ہیں اس کو دارالاسلام نہیں لے جاسکتا تو اس کو حریوں کے فائدے کے لئے نہ چھوڑے بلکہ اس کو ذبح کرے اور گوشت کو جلا دے تاکہ اس سے حربی فائدہ نہ اٹھاسکے۔

وجہ: (۱) کفار کو فائدہ نہ اٹھانے دے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمْهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أَوَّلِهَا فَبِأَذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ (آیت ۵، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ کفار کے درختوں کو چھوڑ دو یا کاٹ دو یہ اللہ کے حکم سے ہو اور اصل مقصد یہ ہے کہ کافروں کو شرمندگی ہو (۲) عن ابن عمرؓ قال حرق رسول الله ﷺ نخل بنی النضير وقطع وهي البويرة (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر وخرج رسول الله ﷺ إليهم فی دية الرجلین، ص ۵۷۴، نمبر ۴۰۳۱) مسلم شریف، باب جواز قطع اشجار الکفار وخریقہا، ج ۲، ص ۸۵، نمبر ۴۶۱۷/۱۷۵۵۲۱) اس حدیث میں ہے کہ کفار کو مجبور کرنے کے لئے بنی نضیر کا درخت جلایا اور اس کو ویران کیا۔ اسی طرح اس کے موبیثی کو بھی قابل استفادہ نہ رہنے دیا جائے۔ لیکن اس کو زندہ جلانا جائز نہیں ہے اس لئے ذبح کر کے اس کے گوشت کو جلا دے یا دفن کر دے تاکہ اس سے فائدہ نہ اٹھاسکے۔ حدیث

۱۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَتْرُكُهَا؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "نَهَى عَنْ ذَبْحِ الشَّاةِ إِلَّا لِمَا كَلَهُ". ۲۔ وَلَنَا أَنَّ ذَبْحَ الْحَيَوَانِ يَجُوزُ لِعَرَضٍ صَحِيحٍ، وَلَا غَرَضٌ أَصَحُّ مِنْ كَسْرِ شَوْكَةِ الْأَعْدَاءِ، ثُمَّ يُحْرِقُ بِالنَّارِ لِيَنْقُطَعَ مَنْفَعَتُهُ عَنِ الْكُفَّارِ وَصَارَ كَتَخْرِيبِ الْبُنْيَانِ بِخِلَافِ التَّحْرِيقِ قَبْلَ الذَّبْحِ لِأَنَّهُ مَنَّهُ عَنَّهُ،

میں ہے۔ عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال لا تتخذوا شیئا فیہ الروح غرضا (مسلم شریف، باب النہی عن صبر البہائم، ج ۲، ص ۱۵۳، نمبر ۱۹۵۷/۵۰۵۹) اس حدیث میں ہے کہ جانور کو تھوڑا تھوڑا کر کے نہیں مارنا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کو زندہ نہیں جلانا چاہئے اور نہ اس کی ٹانگ ہاتھ کاٹ کر چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے جانور کو تکلیف ہوگی۔ البتہ ذبح کرنا جائز ہے اور اس کے بعد گوشت جلانے میں جانور کو تکلیف نہیں ہوگی (۲) قول صحابی میں ہے کہ جانور کا ہاتھ پاؤں کاٹ کر نہ چھوڑے یہ مثلہ ہے اور مثلہ ناجائز ہے۔ قول صحابی یہ ہے۔ ان ابا بکرؓ لما بعث الجنود نحو الشام یزید بن ابی سفیان... ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنها ولا تعقرن وابھیمة ولا شجرة تنمر (سنن للبیہقی، باب من اختار الکف عن القطع والتحریق الخ، ج ۹، ص ۱۴۶، نمبر ۱۸۱۲۵) (۳) دوسری روایت میں ہے۔ ان ابا بکرؓ بعث یزید بن ابی سفیان الی الشام فمشی معہ فذکر الحدیث الی ان قال ولا تذبحوا بعیرا ولا بقرا الا لما کل (سنن للبیہقی، باب تحریم قتل مالہ روح الابان یذبح فیوکل، ج ۹، ص ۱۴۷، نمبر ۱۸۱۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ذبح کر کے اس کو جلانے بغیر ذبح کئے نہ جلانے۔ کیونکہ فرمایا کہ ہاتھ اور ٹانگ کاٹ کر چھوڑ دینا اچھا نہیں ہے۔

لغت: یعقر: عقر سے مشتق ہے، کوچ کا ٹائلی یعنی پاؤں پر تلوار مار کر اس کو کاٹ دینا، مواش: جانور، ماشیہ کی جمع ہے۔

ترجمہ: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذبح بھی نہ کرے بلکہ بغیر ذبح کئے ہوئے چھوڑ دے، اس لئے کہ حضورؐ نے کھانے کے علاوہ کے لئے جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذبح بھی نہ کرے بلکہ بغیر ذبح کئے ہوئے چھوڑ دے۔ کیونکہ حضورؐ نے کھانے کے علاوہ کے لئے ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ ان ابا بکرؓ بعث یزید بن ابی سفیان الی الشام فمشی معہ فذکر الحدیث الی ان قال ولا تذبحوا بعیرا ولا بقرا الا لما کل (سنن للبیہقی، باب تحریم قتل مالہ روح الابان یذبح فیوکل، ج ۹، ص ۱۴۷، نمبر ۱۸۱۳۲) اس سے معلوم ہوا کہ دارالحرب کی مویشی کو ذبح نہ کرے یوں ہی چھوڑ دے۔

ترجمہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح غرض کے لئے حیوان کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کے شوکت کو توڑنے سے بہتر غرض اور کیا ہوگا، پھر اس کو آگ سے جلادیا جائے تاکہ تاکہ کفار کا نفع منقطع ہو جائے، اور عمارت کو برباد کی طرح ہو گیا۔

۳ وَبِخِلَافِ الْعَقْرِ لَأَنَّهُ مُثَلَّةٌ، ۴ وَتُحْرِقُ الْأَسْلِحَةُ أَيْضًا، وَمَا لَا يَحْتَرِقُ مِنْهَا يُدْفَنُ فِي مَوْضِعٍ لَا يَقِفُ عَلَيْهِ الْكُفَّارُ إِبْطَالًا لِلْمَنْفَعَةِ عَلَيْهِمْ.

(۲۷۸۱) وَلَا يُقَسِّمُ غَنِيمَةً فِي دَارِ الْحَرْبِ حَتَّى يُخْرِجَهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ

تشریح: صحیح غرض کے لئے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے، اور اس سے بہتر غرض کیا ہوگا کہ دشمن کی شوکت اور طاقت کو توڑنا ہے، پھر اس کو آگ سے جلادیا جائے تاکہ اس کے گوشت سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکے، البتہ ذبح سے پہلے جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: عن ابی ہریرۃ فقال انی کنت امرتکم ان تحرقوا فلانا و فلانا بالنار و ان النار لا یعذب بها الا الله فان اخذتموها فاقتلوا هما۔ (بخاری شریف، باب التودیع، ص ۲۸۸، نمبر ۲۹۵۴) اس حدیث میں ہے کہ زندہ جانور کو نہیں جلانا چاہئے۔

ترجمہ: ۳ بخلاف کوچ کاٹنے کے اس لئے کہ یہ مثلہ ہے۔

تشریح: جانور کا ہاتھ پاؤں کاٹنا جائز نہیں، کیونکہ یہ مثلہ ہے اور اوپر حدیث گزری کہ مثلہ کرنا جائز نہیں ہے

وجہ: حضرت ابو بکر کا قول گزر چکا ہے ولا تعقروا بهيمة ولا شجرة تثمر (سنن للبیہقی، نمبر ۱۸۱۲۵) کہ جانور کا کوچ مت کاٹو۔

ترجمہ: ۴ اور اپنے ہتھیار کو بھی جلادے، تاکہ دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے، اور جس چیز کو نہ جلا سکے اس کو ایسی جگہ دفن کر دے کہ کفار اس پر مطلع نہ ہو سکے، کفار کے منفعیت کو باطل کرنے کے لئے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۱) دار الحرب میں غنیمت تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ اس کو دار الاسلام تک نکال لائے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الحرب میں خطرہ ہے کہ کفار دوبارہ حملہ کر کے مال غنیمت واپس لے لے اس لئے ابھی اس کو تقسیم کرنا بہتر نہیں ہے۔

تشریح: مال غنیمت کو دار الحرب سے دار الاسلام میں لائے تب اس کو تقسیم کرے اس سے پہلے تقسیم نہ کرے۔

وجہ: (۱) دار الحرب کے اندر جب تک مال غنیمت ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کفار دوبارہ حملہ کر کے اس مال کو واپس لے لیں، چونکہ خطرہ ہے اس لئے مال مکمل طور پر مسلمانوں کا ہوا ہی نہیں۔ اس لئے اس کو مجاہدین کے درمیان ابھی تقسیم نہ کرے۔ (۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد مجاہد اس کا مالک ہوگا اس لئے اس کی حفاظت میں لگا رہے گا۔ اور

۱۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا بَأْسَ بِذَلِكَ. وَأَصْلُهُ أَنَّ الْمَلَكَ لِلْغَانِمِينَ لَا يَثْبُتُ قَبْلَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ عِنْدَنَا، وَعِنْدَهُ يَثْبُتُ وَيَتَنَبَّى عَلَى هَذَا الْأَصْلِ عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ ذَكَرْنَاهَا فِي الْكِفَايَةِ.

اچانک کوئی جنگ ہوئی تو اس میں تن من دھن سے شریک نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ مال کی حفاظت میں اس کا دل لگا رہے گا۔ اور اگر مال مجموعی طور پر رہے گا تو کچھ جماعت اس کی حفاظت کرے گی اور باقی لوگ جنگ میں کود پڑیں گے۔ اس لئے دارالحرب میں مال غنیمت تقسیم نہ کرے۔ ہاں! اگر فتح کر کے دارالاسلام کے درجے میں لا چکا ہو اور دوبارہ کفار کے حملے کی امید نہ ہو تو چونکہ دارالاسلام کے درجے میں ہو گیا اس لئے وہاں مال غنیمت تقسیم کر سکتا ہے (۳) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ ان انسنا اخبرہ قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانة حيث قسم غنائم حنین (بخاری شریف، باب من قسم الغنیمۃ فی غزوہ وسفرہ، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی گئی اور جعرانہ مکہ مکرمہ سے قریب ہے۔ اور مکہ مکرمہ اس وقت دارالاسلام بن چکا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت دارالاسلام میں تقسیم کرے (۴) خیبر میں جو مال تقسیم کیا وہ اس لئے کہ خیبر فتح کرنے کے بعد وہ دارالاسلام کے درجے میں ہو چکا تھا۔ اور دوبارہ یہودیوں کی جانب سے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ عبارت یوں ہے۔ عن ابن عمر ان النبی ﷺ قاتل اهل خيبر فغلب على الارض والنخل والجاهم الى قصرهم (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کو اتنا مجبور کیا کہ وہ اپنے محل میں بند رہنے پر مجبور ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ دارالاسلام کے قریب ہو چکا تھا۔ اس لئے وہاں غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دارالحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اصل قاعدہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دارالاسلام میں مال غنیمت لانے سے پہلے مجاہدین کا حق ثابت نہیں ہوتا، اور امام شافعیؒ کے یہاں ثابت ہو جاتا ہے، اور اس اصول پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں جس کو ہم نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: اصل قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں دارالحرب میں مجاہدین کا حق مال غنیمت پر ثابت ہو جاتا ہے، اس لئے دارالحرب میں تقسیم کرنا جائز ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت پر ثابت نہیں ہوتا اس لئے وہاں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے **وجہ:** امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمرؓ ان یهود النضیر وقریظۃ حاربوا رسول اللہ ﷺ ...

فقتل رجالہم وقسم نساءہم واموالہم واولادہم بین المسلمین (ابوداؤد شریف، باب فی خبر النضیر، ص ۶۷، نمبر ۳۰۰۵) اس حدیث میں ہے کہ ان کے مال اور اولاد اور عورتوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کی جاسکتی ہے۔

۲۔ لَہُ أَنْ سَبَبَ الْمَلِكِ الْاِسْتِیْلَاءَ اِذَا وَرَدَ عَلٰی مَالٍ مُّبَاحٍ فِی الصَّیْوَدِ، وَلَا مَعْنٰی لِاِسْتِیْلَاءِ سِوٰی اِثْبَاتِ الْیَدِ وَقَدْ تَحَقَّقَ. ۳۔ وَلَنَا اَنَّہُ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ ”نہی عنْ بَیْعِ الْغَنِیْمَةِ فِی دَارِ الْحَرْبِ“، وَالْخِلَافُ ثَابِتٌ فِیْہِ، وَالْقِسْمَةُ بَیْعٌ مَعْنٰی فَتَدْخُلُ تَحْتِہُ، ۴۔ وَلِاَنَّ الْاِسْتِیْلَاءَ اِثْبَاتُ الْیَدِ الْحَافِظَةِ وَالنَّاقِلَةِ وَالثَّانِی مُنْعَدُّمٌ لِقُدْرَتِہُمْ عَلٰی الْاِسْتِیْقَاضِ وَوُجُوْدِہِ ظَہْرًا.

ترجمہ: ۲۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مباح مال پر قبضہ ہو جائے تو ملک ثابت ہو جاتا ہے، جیسے شکار پر ہوتا ہے اور استیلاء کا ترجمہ اس کے علاوہ نہیں ہے قبضہ ثابت ہو جائے اور وہ ہو چکا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی دلیل عقلی یہ ہے کہ مباح مال پر قبضہ ہو جائے تو ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، جیسے شکار پر قبضہ ہو جائے تو اس پر ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اور یہاں کفار کے مال پر استیلاء یعنی قبضہ ہو چکا ہے اس لئے اس کی ملکیت ہو گئی اس لئے اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دینا جائز ہے۔

ترجمہ: ۳۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے دار الحرب میں مال غنیمت کو بیچنے سے منع فرمایا ہے، اور اس بارے میں اختلاف ہے، اور تقسیم کرنا بیچنے کے معنی میں ہے اس لئے تقسیم بیع کے تحت میں داخل ہوگی، یعنی تقسیم کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ دار الحرب میں مال غنیمت کو بیچنے سے منع فرمایا، اور مال غنیمت کو تقسیم کرنا بھی بیچنے کے معنی میں ہے اس لئے اس کو تقسیم کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

وجہ: - صاحب ہدایہ کی حدیث تقریباً یہ ہے۔ عن عمران بن حصین قال نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع السلاح فی الفتنۃ (سنن للبیہقی، باب کراہیۃ بیع العسیر ممن یعصر النحر والسیف ممن یعضی اللہ عز وجل بہ، ج خامس، ص ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۱) اس حدیث مرسل میں ہے کہ فتنہ کے وقت ہتھیار بیچنے سے منع فرمایا۔

لغت: والخلاف ثابت فیہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ دار الحرب میں مال غنیمت کو بیچنا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، جس طرح اس بارے میں اختلاف ہے کہ دار الحرب میں مال غنیمت کو تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں۔

ترجمہ: ۴۔ اور اس لئے کہ استیلاء کا مطلب ہوتا ہے قبضہ کو ثابت کرنا اور اس کو اپنی مرضی سے منتقل کرنا، لیکن یہاں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ کفار اس کو واپس لینے پر قدرت رکھتا ہے، اور اس کا وجود ظاہر ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ استیلاء میں دو باتیں ضروری ہیں ایک ہے قبضہ کرنا، اور دوسرا ہے اپنی مرضی سے مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کرنا لیکن یہاں منتقل کرنا یہاں ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ دار الحرب ہے، یہاں کفار کا غلبہ ہے تو بہت ممکن ہے کہ کفار دوبارہ مال واپس لے لے، پس جب استیلاء نہیں ہوا تو مجاہدین مالک بھی نہیں بنا سکتے اس کو تقسیم کرنا بھی ابھی جائز نہیں ہے۔

۵. ثُمَّ قِيلَ: مَوْضِعُ الْخِلَافِ تَرْتُبُ الْأَحْكَامِ عَلَى الْقِسْمَةِ إِذَا قَسَمَ الْإِمَامُ لَاعْنِ اجْتِهَادٍ، لِأَنَّ حُكْمَ الْمَلِكِ لَا يَثْبُتُ بِدُونِهِ. ۶. وَقِيلَ الْكَرَاهَةُ، وَهِيَ كَرَاهَةُ تَنْزِيهِهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ قَالَ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ لَا تَجُوزُ الْقِسْمَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْأَفْضَلُ أَنْ يَقْسَمَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ. ۷. وَوَجْهُ الْكَرَاهَةِ أَنَّ دَلِيلَ الْبُطْلَانِ رَاجِحٌ، إِلَّا أَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ سَلْبِ الْجَوَازِ فَلَا يَتَقَاعَدُ عَنْ إِبْرَاطِ الْكَرَاهَةِ.

(۲۷۸۲) قَالَ: وَالرَّدُّ وَالْمُقَاتِلُ فِي الْعُسْكَرِ سَوَاءٌ ۱. اسْتَوَائِهِمْ فِي السَّبَبِ وَهُوَ الْمُجَاوِزَةُ أَوْ شُهُودُ

لغت: استیلاء: قبضہ کرنا۔ الید الحافظہ: حفاظت کرنے والا قبضہ۔ الناقلہ: مال غنیمت کو منتقل بھی کر سکتا ہو۔ ثانی معدوم: منتقل نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ دار الحرب ہے جس میں کفار کا غلبہ ہے۔ استنقاذ: نقد سے مشتق ہے، چھڑانا۔ وجودہ ظاہر: کفار کو مال غنیمت چھڑانے کی طاقت ہے، کیونکہ اس کا دار الحرب ہے

ترجمہ: ۵: پھر کہا گیا ہے کہ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ اگر امام بغیر اجتہاد کے تقسیم کر دے تو تقسیم کے احکام بھی جاری ہوں گے یا نہیں، کیونکہ جب ملکیت ہی ثابت نہیں ہوئی تو ملک کیسے ہوگا۔

تشریح: امام نے اجتہاد کے بغیر مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم کر دیا تو مجاہدین کی ملکیت ہوگی یا نہیں، اور اس پر ملکیت کے احکام جاری ہوں گے یا نہیں؟

ترجمہ: ۶: بعض حضرات نے کہا کہ مال غنیمت تقسیم کرنا مکروہ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، امام محمدؒ کے نزدیک تقسیم کرنا مکروہ تنزیہی ہے، چنانچہ انہوں نے سیر کبیر میں کہا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دار الاسلام میں تقسیم کرے۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف کراہیت میں ہے، چنانچہ امام محمدؒ کے نزدیک تقسیم کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اور شیخین کے نزدیک دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دار الاسلام میں تقسیم کرے۔

ترجمہ: ۷: کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم باطل ہے یہ رائج ہے اور عدم جواز کی دلیل نہیں ہے تو کم سے کم کراہیت تو رہے گی۔

تشریح: یہ عبارت منطقی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ تقسیم صحیح ہے، یا تقسیم باطل ہے، اس بارے میں تقسیم باطل ہے یہ رائج ہے، اور عدم جواز کی دلیل نہیں ہے تو کم از کم تقسیم کرنا مکروہ ضرور ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۸۲) مددگار اور قتال کرنے والے لشکر میں برابر ہیں۔

ترجمہ: ۸: کیونکہ دونوں کا سبب برابر ہے، یعنی سرحد کو پار کرنا اور جنگ میں شریک ہونا، جیسا کہ معلوم ہوا، اور ایسے ہی کوئی مرض کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے قتال نہیں کر سکا تو اس کو بھی حصہ ملے کیونکہ سرحد کے پار چلا گیا ہے۔

الْوَقْعَةِ عَلَى مَا عَرِفَ، وَكَذَلِكَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ لِمَرَضٍ أَوْ غَيْرِهِ لِمَا ذَكَرْنَا.

(۲۷۸۳) وَإِذَا لَحِقَهُمُ الْمَدْدُ فِي دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ أَنْ يُخْرِجُوا الْغَنِيمَةَ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ شَارَكُوهُمْ فِيهَا،

تشریح: کچھ مجاہد باضابطہ قتال کریں اور کچھ ان کی مدد کریں تو مال غنیمت میں دونوں کا حصہ برابر برابر ہے۔ کمی بیشی نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) ایسا ہوتا ہے کہ لشکر میں بعض کا کام جنگ کرنا ہوتا ہے اور بعض کا کام اس کی مدد کرنا۔ اس لئے دونوں برابر کے حقدار

سمجھے جائیں گے (۲) قول صحابی تو یہاں تک ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے کوئی لشکر میں شامل

ہو جائے تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔ سمعت طارق بن شہاب یقول: ان اهل البصرة غزوا اهل

نہاوند فامدوهم باهل الكوفة وعليهم عمار بن ياسر فقدموا عليهم بعد ما ظهروا على العدو فطلب

اهل الكوفة الغنيمة واراد اهل البصرة ان لا يقسموا لاهل الكوفة من الغنيمة. فقال رجل من بني تميم

لعمار بن ياسر ايها الاعداء تريد ان تشاركننا في غنائمنا قال وكانت اذن عمار جدعت مع رسول الله

ﷺ فكتبوا الى عمر بن الخطاب فكتب اليهم ان الغنيمة لمن شهد الواقعة (سنن للبيهقي، باب الغنيمة لمن شهد

الواقعة، ج ۲، ص ۸۶، نمبر ۱۷۵۳) اس قول صحابی میں جو لوگ بعد میں لشکر میں شریک ہوئے ان کو بھی مال غنیمت ملا تو جو

پہلے سے شریک ہیں البتہ خدمت کر رہے ہیں تو ان کو بھی برابر کا حصہ ملے گا (۳) غزوہ حنین کے واقعہ پر نظر ڈالیں تو دیکھیں

گے کہ حضرت عباسؓ حضورؐ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے ہیں اور دوسرے حضرات قتال کر رہے تھے پھر بھی حضرت عباسؓ کو

برابر کا حصہ ملا۔ پوری حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال عباسؓ شهدت مع رسول الله ﷺ يوم حنين... قال عباس وانا

أخذ بلجام بغلة رسول الله ﷺ اكفها ارادة ان لاتسرع. (۴) اور دوسری روایت کے آخر میں ہے۔ حدثني

اياس بن سلمة هو ابن الاكواع قال غزونا مع رسول الله ﷺ حنينا... وقسم رسول الله ﷺ

غنائمهم بين المسلمين (مسلم شریف، باب غزوہ حنین، ص ۹۹، نمبر ۴۶۱۲/۱۷۷۷/۴۶۱۹) اس لئے سب

کو حصے برابر ملیں گے (۵) ابوداؤد شریف میں بوڑھے اور جوان، مقاتل اور ردء کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور سب کو برابر حصہ دیا

گیا۔ عبارت یہ ہے قال: قسمها رسول الله ﷺ بالسواء (ابوداؤد شریف، باب في النفل، ج ۲، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۹)

لغت: الردء: مددگار۔ مجاوزة: پار کرنا، یہاں مراد ہے سرحد پار کرنا۔

ترجمہ: (۲۷۸۳) اگر ان کو مدد لاحق ہوئی دار الحرب میں غنیمت کو دار الاسلام میں لانے سے پہلے تو وہ اس میں شریک

ہوں گے۔

تشریح: ایک لشکر پہلے سے دار الحرب میں جنگ کر رہا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اور

۱۔ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْقِتَالِ ۲۔ وَهُوَ بِنَاءٌ عَلَى مَا مَهَّدْنَاهُ مِنَ الْأَصْلِ، وَإِنَّمَا يَنْقَطِعُ حَقُّ الْمُشَارَكَةِ عِنْدَنَا بِالْإِحْرَازِ أَوْ بِقِسْمَةِ الْإِمَامِ فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ بِبَيْعِهِ الْمَغَانِمَ فِيهَا، لِأَنَّ بِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا يَتِمُّ الْمِلْكُ فَيَنْقَطِعُ حَقُّ شَرِكَةِ الْمَدَدِ.

اس کو دارالاسلام تک لانے سے پہلے مجاہدین کی دوسری جماعت اس کی مدد کے لئے مل گئی تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔

وجہ: (۱) اوپر حضرت عمرؓ کا فیصلہ گزر چکا ہے جس میں اہل کوفہ کو اہل بصرہ کے مال غنیمت میں حصہ دلوا دیا۔ (سنن للبیہقی، نمبر ۱۷۹۵۳) یہ گزر چکا ہے۔ (۲) دوسرا قول صحابی ہے۔ ان ابا بکر الصديقؓ بعث عكرمة بن ابی جهل فی خمس مائة من المسلمين مددا لزياد بن لبید وللمهاجر بن ابی امية فوافقهم الجند قد افتتحوا النجیر باليمن فاشركهم زياد بن لبید وهو ممن شهد بدرًا فی الغنیمة (سنن للبیہقی، باب الغنیمة لمن شهد الواقعة، ج ۲، ص ۸۶، نمبر ۱۷۹۵۲) اس قول صحابی میں بھی ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مدد پہنچی تو اس کو بھی مال غنیمت میں حصہ دیا گیا۔

نوٹ: پہلے گزر چکا ہے کہ دارالحرب سے نکلنے سے پہلے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مال غنیمت تقسیم کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے مصنف کی عبارت میں یہ ہے کہ مال غنیمت دارالاسلام لانے سے پہلے کوئی جماعت مدد کے لئے لشکر کے ساتھ مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔ ورنہ اصلی قاعدہ یہ ہے کہ مال غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے جماعت مل جائے تو ان کو حصہ ملے گا۔

ترجمہ: امام شافعیؒ اس کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مدد آئی [تو اس کو غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا]

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد قافلہ شامل ہوا تو اس کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ: ان کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ کتب عمرؓ الى سعد يوم القادسية انی قد بعثت اليك اهل الحجاز واهل الشام فمن ادرك منهم القتال قبل ان يتفقوا فاسهم لهم (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۰۹، فی القوم تکیون بعد الواقعة هل لهم شيء، ج ۳، ص ۴۹۷، نمبر ۳۳۲۱) اس میں جنگ ختم ہونے سے پہلے شریک ہونے والے کو حصہ دلوا دیا۔

ترجمہ: ۲۔ یہ مسئلہ اس بنیاد پر جو ہم قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے نزدیک شرکت کا حق اس وقت ختم ہوگا جب دارالاسلام میں مال غنیمت جمع کر لے، یا دارالحرب میں امام تقسیم کر دے، یا دارالحرب میں مال غنیمت بیچ دے، اس لئے کہ ان تینوں سے مجاہدین کا حق مکمل ہو جاتا ہے اس لئے اب مدد والوں کی شرکت کا حق ختم ہو جائے گا۔

اصول: مال غنیمت میں مجاہدین کا حق ثابت ہو جائے تو مدد والوں کو اس میں حصہ نہیں ملے گا۔

تشریح: ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ تین طریقے سے مجاہدین کا حق مال غنیمت میں ثابت ہو جاتا ہے، اور حق ثابت ہونے کے بعد،

(۲۷۸۴) قَالَ: وَلَا حَقَّ لَأَهْلِ سُوقِ الْعُسْكَرِ فِي الْغَنِيمَةِ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلُوا، ۱ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي أَحَدِ قَوْلَيْهِ: يُسَهَّمُ لَهُمْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "الْغَنِيمَةُ لِمَنْ شَهِدَ الْوُقُوعَةَ" وَلِأَنَّهُ وَجَدَ الْجِهَادَ مَعْنَى بَتَكْثِيرِ السَّوَادِ،

مدد والے کو حصہ نہیں ملے گا [۱] مال غنیمت دارالسلام میں پہنچا دے، مال غنیمت کو دارالحرب ہی میں امام تقسیم کر دے۔ [۳] مال غنیمت کو امام نے بیچ دیا تو اس سے سب کا حق ختم ہو گیا، اب مدد والوں کو اس میں حصہ نہیں ملے گا۔

لغت: احرار: دارالاسلام میں مال غنیمت کو محفوظ کر دے

ترجمہ: (۲۷۸۴) لشکر کے بازار والوں کو حق نہیں ہے غنیمت میں مگر یہ کہ وہ بھی قتال کریں۔

تشریح: لشکر میں شامل ہیں لیکن انکا مقصد قتال کرنا نہیں ہے اپنی دکان لگا کر تجارت کرنا ہے تو انکو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ: (۱) قول صحابی میں ہے کہ جو لوگ جنگ میں شریک ہوں ان کو حصہ ملے گا اور یہ لوگ نیت کے اعتبار سے جنگ میں شریک نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو اپنی تجارت بڑھانے کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے ان کو مال غنیمت میں حصہ کیسے ملے گا؟ (۲) قول صحابی میں ہے۔ کتب عمر بن الخطاب ان الغنیمۃ لمن شہد الوقعة (سنن اللیثی، باب الغنیمۃ لمن شہد الوقعة، ج ۱، ص ۸۶، نمبر ۱۷۹۵) اس اثر میں ہے کہ غنیمت اس کے لئے ہے جو جنگ میں شریک ہوا ہو یا جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل ہوا ہو۔ اور یہ لوگ جنگ میں شرکت کی نیت سے شامل نہیں ہوئے ہیں اس لئے ان کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا (۳) مسلم بن سلمہ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے کہ وہ اجیر تھے تو حصہ نہیں دیا لیکن جب اہل مکہ سے قتال کیا تو حضورؐ نے گھوڑے سوار کا حصہ دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کے قتال کرنے سے حصہ ملے گا ورنہ نہیں۔ حدیثی ایاس بن سلمہ حدیثی ابی ... قال كنت تبعا لطلحة بن عبيد الله، اسقى فرسه واحسه واخدمه واكل من طعامه... اس لمبی حدیث کے اخیر میں ہے... ثم اعطاني رسول الله ﷺ سهمين سهم الفارس وسهم الراجل (مسلم شریف، باب غزوة ذي قرد وغیرہا، ص ۱۱۳، نمبر ۸۰/۱۸۰/۴۶۷ مصنف ابن ابی شیبہ، ۷۰/۱۰ من قال للعبيد والاجير سهم، ج ۱، ص ۴۹۶، نمبر ۳۳۲۰)

لغت: اہل السوق: بازار والے، دوکاندار۔

ترجمہ: ۱! امام شافعیؒ نے اپنے ایک قول میں فرمایا کہ ان دکانداروں کو بھی حصہ دیا جائے گا، ان کی دلیل حضرت عمر کا قول ہے کہ جو جنگ میں شریک ہوئے اس کو حصہ ملے گا، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ معنوی طور پر جہاد میں شریک ہوا کیونکہ اس نے لشکر کے تعداد کو بڑھایا۔

۲. وَلَنَأَنَّهُ لَمْ تَوْجَدْ الْمُجَاوِزَةَ عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ فَانْعَدَمَ السَّبَبُ الظَّاهِرُ فَيُعْتَبَرُ السَّبَبُ الْحَقِيقِيُّ وَهُوَ الْقِتَالُ فَيُفِيدُ الْإِسْتِحْقَاقَ عَلَى حَسَبِ حَالِهِ فَارِسًا أَوْ رَاجِلًا عِنْدَ الْقِتَالِ، ۳. وَمَا رَوَاهُ مَوْقُوفٌ عَلَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ تَأْوِيلَهُ أَنْ يُشْهَدَهَا عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ.

(۲۷۸۵) وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لِلْإِمَامِ حُمُولَةٌ تَحْمِلُ عَلَيْهَا الْغَنَائِمُ قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ قِسْمَةً إِذَا عَ لِيَحْمُوهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعَهَا مِنْهُمْ فَيُقَسِّمُهَا،

تشریح: امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ دوکاندار کو بھی غنیمت میں حصہ ملے گا۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ حصے کے لئے باضابطہ قتال کرنا ضروری نہیں بلکہ تجارت کر کے مجاہدین کا خدمت کرنا بھی حصے کے لئے کافی ہے، اور الغنیمۃ لمن شہد الواقعة: کا مطلب یہ بیان کیا کہ میدان کے ارد گرد حاضری بھی جنگ کے درجے میں ہے، دوسری دلیل دی کہ اس سے مجاہدین کی تعداد میں کثرت ہوتی ہے اس لئے وہ قتال کے درجے میں ہے اس لئے اس کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ۲. ہماری دلیل یہ ہے کہ جنگ کے ارادے سے سرحد پار نہیں کیا اس لئے قتال کا ظاہری سبب نہیں پایا گیا اس لئے حقیقی سبب، یعنی قتال میں باضابطہ شرکت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کی حالت کے اعتبار سے مستحق ہوگا، یعنی وہ گھوڑ سوار ہے تو دو گنا، اور پیدل ہے تو ایک گنا ملے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ تاجر قتال کی نیت سے سرحد پار نہیں کرتا ہے اس لئے جب تک وہ باضابطہ قتال نہیں کرے گا اس کو حصہ نہیں ملے گا، ہاں قتال کے بعد وہ گھوڑ سوار ہے تو دو حصے ملیں گے، اور پیدل ہے تو ایک حصہ ملے گا

ترجمہ: ۳. اور امام شافعی نے جو حدیث نقل کی وہ قول صحابی ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ باضابطہ جنگ میں شریک ہوگا تو اس کو حصہ ملے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۵) اگر امام کے پاس اتنے جانور نہ ہوں جن پر مال غنیمت لا دے تو اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے امانت کی تقسیم تاکہ اس کو دارالاسلام لے آئیں۔ پھر ان سے واپس لے لے اور اس کو تقسیم کر دے۔

تشریح: امام کے پاس اتنے جانور نہیں ہیں کہ ان پر سارا مال غنیمت لا کر دارالاسلام لاسکے۔ ایسی صورت میں مال غنیمت امانت کے طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے مجاہدین کو دیدے تاکہ وہ اپنے جانوروں پر لا کر دارالاسلام تک لائے۔ جب دارالاسلام لے آئے تو امام سب مال کو جمع کرے اور ہر مجاہد کو اس کے حصے کے مطابق تقسیم کر کے دے اور مالک بنادے۔

وجہ: (۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غنیمت دارالاسلام میں تقسیم کرنا ہے۔ اور دارالاسلام تک لانے کیلئے جانور میسر نہیں ہے تو

۱۔ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: هَكَذَا ذُكِرَ فِي الْمُخْتَصَرِ، وَلَمْ يَشْتَرِطْ رِضَاهُمْ وَهُوَ رِوَايَةُ السَّيْرِ الْكَبِيرِ.
 ۲۔ وَالْجُمْلَةُ فِي هَذَا أَنَّ الْإِمَامَ إِذَا وَجَدَ فِي الْمَغْنَمِ حُمُولَةً يَحْمِلُ الْغَنَائِمَ عَلَيْهَا لِأَنَّ الْحُمُولَةَ
 وَالْمَحْمُولَ مَالَهُمْ. وَكَذَا إِذَا كَانَ فِي بَيْتِ الْمَالِ فَضْلٌ حُمُولَةً لِأَنَّهُ مَالُ الْمُسْلِمِينَ، ۳۔ وَلَوْ كَانَ
 لِلْغَنَائِمِينَ أَوْ لِبَعْضِهِمْ لَا يُجْبِرُهُمْ فِي رِوَايَةِ السَّيْرِ الصَّغِيرِ لِأَنَّهُ ابْتِدَاءُ إِجَارَةٍ وَصَارَ كَمَا إِذَا نَفَقَتْ
 دَابَّتُهُ فِي مَفَازَةٍ وَمَعَ رَفِيقِهِ فَضْلٌ حُمُولَةً،

یہی صورت ہو سکتی ہے کہ مجاہدین کو تھوڑا تھوڑا کر کے لانے کیلئے کہے (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حنین کی غنیمت جعرانہ میں
 تقسیم کی تو جعرانہ تک مجاہدین ہی مال غنیمت لائے ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کو مال غنیمت لانے کیلئے دے۔
 حدیث یہ ہے۔ ان انساخبرہ قال اعتمر النبی ﷺ من الجعرانة حيث قسم غنائم حنین (بخاری شریف، باب
 من قسم الغنیمۃ فی غزوہ وسفرہ، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۶) اس حدیث میں ہے کہ جنگ حنین کی غنیمت جعرانہ میں تقسیم کی۔
لغت: حمولة: حمل سے مشتق ہے، سواری، ایداع: ودیعت سے مشتق ہے امانت کے طور پر۔

ترجمہ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری میں اسی طرح کا ذکر ہے اور مجاہدین کی رضامندی کی شرط نہیں ہے، اور سیر
 کبیر کی روایت بھی یہی ہے۔

تشریح: صاحب ہدایہ یہ فرما رہے ہیں کہ قدوری میں یہ ذکر نہیں ہے کہ مجاہدین کی رضامندی سے مجاہدین میں تقسیم کرے،
 لیکن سیر صغیر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مجاہدین کی رضامندی ضروری ہے، کیونکہ یہ یا عاریت ہے یا اجرت پر لیجانا ہے، اور
 دونوں میں اس کی رضامندی ضروری ہے، اس لئے ان کی رضامندی چاہئے۔

ترجمہ: ۲۔ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مال غنیمت میں اٹھانے والے جانور موجود ہے تو امام اس پر مال غنیمت کو اٹھائے گا،
 اس لئے کہ جو مال اٹھایا جا رہا ہے اور جس پر اٹھایا جا رہا ہے وہ سب مجاہدین کا مال ہے، اسی طرح اگر بیت المال میں جانور ہے تو
 اس پر اٹھائے گا، کیونکہ یہ مسلمان کا مال ہے۔

تشریح: یہاں دو صورتیں بیان کر رہے ہیں [۱] مال غنیمت میں اتنا جانور موجود ہے جس پر سب مال اٹھایا جاسکتا ہے تو اس
 پر اٹھائے۔ [۲] بیت المال میں جانور موجود ہے تو اس پر اٹھائے، کیونکہ یہ سب مال عام مسلمانوں کا ہے۔

لغت: حمولة: وہ مال جسکو اٹھایا جا رہا ہے، اسی سے محمولہ: جس جانور پر اٹھایا جا رہا ہے۔

ترجمہ: ۳۔ اگر مجاہدین کے پاس یا کسی اور کے پاس جانور ہے تو سیر صغیر کی روایت میں یہ ہے کہ اس کو اٹھانے پر مجبور نہیں کر
 سکتے اس لئے کہ یہ ابتدائی طور پر اجرت کا معاملہ ہے تو ایسا ہو گیا کہ جنگل میں جانور ضائع ہو گیا اور ساتھی کے پاس زیادہ جانور

۴ وَيُجْبِرُهُمْ فِي رِوَايَةِ السَّيْرِ الْكَبِيرِ لِأَنَّهُ دَفَعَ الضَّرَرَ الْعَامَّ بِتَحْمِيلِ ضَرَرٍ خَاصٍّ.

(۲۷۸۶) وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ ۱ لِأَنَّهُ لَا مَلِكَ قَبْلَهَا، ۲ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْأَصْلَ.

ہے] تو اس کو اٹھانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

تشریح: مجاہدین کے پاس یا کسی اور کے پاس زیادہ جانور ہے تو اس کو اٹھانے پر مجبور نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ ابتدائی طور پر اجرت کا معاملہ ہے اور اجرت میں مستاجر کی رضامندی ضروری ہے اس لئے یہاں بھی اس کی رضامندی ضروری ہوگی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جنگل میں جانور ضائع ہو گیا، اور ساتھی کے پاس زیادہ جانور ہے تو سامان اٹھانے کے لئے اس کی رضامندی ضروری ہے اسی طرح یہاں بھی رضامندی ضروری ہوگی۔

ترجمہ: ۴ اور سیر کبیر میں ہے کہ مال غنیمت اٹھانے کے لیے مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ خاص نقصان کر کے عام نقصان کو دفع کرنا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۶) دار الحرب میں تقسیم سے پہلے غنیمت کو بچنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ دار الحرب سے باہر نکلنے سے پہلے مجاہد اس کا مالک نہیں ہے۔

تشریح: امام کو مجاہدین پر خرچ کرنے کے لئے بیچنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ بیچ کر اس کی قیمت مجاہد پر خرچ کر سکتا ہے، لیکن مجاہد اپنی ضرورت کے لئے دار الحرب میں مال غنیمت نہیں بیچ سکتا ہے، کیونکہ تقسیم سے پہلے وہ اس کا مالک نہیں ہے۔ البتہ استعمال کی چیز بقدر ضرورت استعمال کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔ عن ابی سعید الخدریؓ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن شراء المغانم حتی تقسم (ترمذی شریف، باب کراہیۃ بیع المغانم حتی تقسم، ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۳ ابوداؤد شریف، باب فی طء السبایا، ص ۳۰۰، نمبر ۲۱۵۸، کتاب النکاح سنن للبیہقی، باب بیع السمی وغیرہ فی دار الحرب، ج ۲، ص ۲۱۱، نمبر ۱۸۳۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تقسیم سے پہلے غنیمت کا بچنا مجاہد کے لئے جائز نہیں ہے۔ (۲) تقسیم سے پہلے ہر مجاہد کو بیچنے کی اجازت دے دی جائے تو ہر مجاہد بیچے گا تو مال غنیمت کے خرد برد ہونے کا خطرہ ہے۔

ترجمہ: ۲: اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، اور اس کی بنیاد ہم نے پہلے بیان کی ہے [کہ جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت میں مجاہد کا حق ہو جاتا ہے۔

(۲۷۸۷) وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِينَ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَلَا حَقَّ لَهُ فِي الْغَنِيمَةِ، وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ إِخْرَاجِهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَنَصِيبُهُ لَوَرَثَتِهِ ۱. لَأَنَّ الْإِرْثَ يَجْرِي فِي الْمُلْكِ، وَلَا مِلْكَ قَبْلَ الْإِحْرَازِ، وَإِنَّمَا الْمُلْكُ بَعْدَهُ. ۲. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ اسْتِقْرَارِ الْهَزِيمَةِ يُورَثُ نَصِيبُهُ لِقِيَامِ الْمُلْكِ فِيهِ عِنْدَهُ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ.

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت میں مجاہد کا حق ہو جاتا ہے، اسلئے وہ اب اسکو بیچ سکتا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں دارالاسلام میں آنے کے بعد امام مال غنیمت کو تقسیم کر دے تب جا کر مجاہد اس کا مالک بنے گا، اور اس کے بعد اسکو بیچ سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۷۸۷) مجاہد میں سے کوئی دارالحرب میں مر جائے تو تقسیم میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور مجاہدین میں سے کوئی دارالاسلام تک مال لانے کے بعد انتقال کر جائے تو اس کا حصہ اس کے ورثہ کے لئے ہوگا۔

تشریح: اگر جنگ کے درمیان کوئی شہید ہو گیا تو ان کو بالاتفاق حصہ نہیں ملے گا۔ اور اگر جنگ ختم ہونے کے بعد لیکن غنیمت کو دارالاسلام لانے سے پہلے کوئی انتقال کر گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کو بھی غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔

وجہ: امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ دارالاسلام میں احراز کے بعد مجاہد غنیمت کا مالک ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے پہلے جو انتقال کر جائے اس کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا۔ جس طرح جنگ کے دوران کوئی شہید ہو جائے اس کو حصہ نہیں ملتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دارالاسلام میں مال جمع ہونے کے بعد مجاہد کا حق ہوتا ہے۔ اور دارالاسلام میں مال غنیمت جمع کیا اس کے بعد کسی مجاہد کا انتقال ہو تو اس کو غنیمت میں حصہ ملے گا۔ اور یہ حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

وجہ: دارالاسلام تک آنے کے بعد احراز ہو گیا یعنی مال غنیمت محفوظ ہو گیا اور مجاہدین کا اس میں حق ہو گیا۔ اس لئے جو اس کے بعد انتقال کیا وہ اس کا حصہ دار بن گیا۔ اور چونکہ وہ انتقال کر چکا ہے اس لئے اس کا حصہ اس کے ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ وراثت ملک میں جاری ہوتی ہے اور دارالاسلام میں جمع ہونے سے پہلے مجاہد کی ملکیت نہیں ہے اس لئے اس کے وارث کو کچھ نہیں ملے گا۔

تشریح: پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ دارالاسلام میں احراز سے پہلے مجاہد کی ملکیت نہیں ہے اسلئے اس میں وراثت بھی جاری نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲: اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کافروں کی شکست کے مکمل ہونے کے بعد مر ہو تو اس کے حصے کا وارث ہوگا اس لئے کہ ان کے یہاں مجاہد کی ملکیت ہو جاتی ہے، اور اس مسئلے کو پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں جنگ ختم ہوگی تو مجاہد مالک غنیمت کا مالک بن جاتا ہے اس لئے اس کا

(۲۷۸۸) قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَغْلِفَ الْعَسْكَرُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَيَأْكُلُوا مِمَّا جَدُّوهُ مِنَ الطَّعَامِ،

حصہ اس کے وارث کو ملے گا۔

ترجمہ: (۲۷۸۸) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ لشکر چارہ کھلائیں دارالحرب میں یا کھانے میں جو پائیں اس کو کھائیں
تشریح: میدان جنگ میں کفار کی کوئی چیز ملے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو بغیر تقسیم کئے اور بغیر اس میں نمس نکالے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ مثلاً کھانا مل جائے تو اس کو کھا سکتا ہے۔ لکڑی ملے اس کو جلا سکتا ہے، تیل مل جائے تو استعمال کر سکتا ہے یا ہتھیار ملے تو اس سے جنگ کر سکتا ہے۔ البتہ کسی چیز کی کمی ہو اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اس کی ضرورت ہو تو پانے والا ہی سب نہ لے لے بلکہ مناسب انداز میں تقسیم کر کے لے تاکہ دوسرے ساتھیوں کی ضرورت بھی پوری ہو سکے۔

وجہ: (۱) یہ ضرورت کی چیزیں ہیں اور امیر کی جانب سے ایک گونہ ان کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے۔ کیونکہ گھر سے دور میدان جنگ میں ہیں اس لئے ان کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ ہم لوگ مال غنیمت میں سے ضرورت کے مطابق استعمال کر لیا کرتے تھے۔ عن ابن عمرؓ قال کنا نصیب فی مغازینا العسل والعنب فنأکله ولا نرفعه (بخاری شریف، باب ما یصیب من الطعام فی ارض الحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۴، مسلم شریف، باب جواز الاکل من طعام الغنیمۃ فی دار الحرب، ج ۲، ص ۹۷، نمبر ۷۷۷۲/۴۶۰۵، ابوداؤد شریف، باب فی اباحتہ الطعام بارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی چیز استعمال کر سکتا ہے (۳) ایک حدیث میں ہے کہ ابو جہل ہی کی تلوار سے اس کو مارا جس سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کی تلوار مل جائے اور اس کو استعمال کرنے کی ضرورت پڑے تو استعمال کر سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ حدثنی ابو عبیدۃ عن ابیہ عن ابیہ قال: مررت فاذا ابو جہل صریع قد ضربت رجلہ فقلت یا عدو اللہ! یا ابا جہل! قد اخزی اللہ الآخر، قال ولا اہابہ عند ذلک فقال ابعده من رجل قتله قومہ فضربتہ بسیف غیر طائل فلم یغن شیئاً حتی سقط سیفہ من یدہ فضربتہ بہ حتی برد (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی السلاح یقاتل بہ فی المعرکۃ، ص ۱۴، نمبر ۲۷۰۹) اس حدیث سے میں ہے کہ حتی سقط من یدہ فضربتہ بہ یعنی ابو جہل کی تلوار اس کے ہاتھ سے گری تو میں نے اسی کی تلوار سے اس کو مارا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وقت ضرورت مال غنیمت کا ہتھیار استعمال کر سکتا ہے (۴) عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قلت هل کنتم تخمسون یعنی الطعام فی عهد رسول اللہ ﷺ فقال اصبنا طعاما یوم خیبر فکان الرجل یحیی فیأخذ منه مقدار ما یکفیه ثم ینصرف (ابوداؤد شریف، باب فی النہی عن النہی اذا کان فی قتلۃ فی ارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق استعمال کرے اور باقی واپس کر دے۔

۱۔ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَرْسَلَ وَلَمْ يُقَيِّدْهُ بِالْحَاجَةِ، وَقَدْ شَرَطَهَا فِي رِوَايَةٍ وَلَمْ يَشْتَرِطَهَا فِي أُخْرَى. وَجْهُ الْأُولَى أَنَّهُ مُشْتَرَكٌ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فَلَا يُبَاحُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا لِحَاجَةٍ كَمَا فِي الثِّيَابِ وَالذُّوَابِ. وَجْهُ الْأُخْرَى قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "فِي طَعَامٍ خَيْرٌ كُلُّوْهَا وَاعْلِفُوْهَا وَلَا تَحْمِلُوْهَا"

ضرورت سے زیادہ لوٹ کھسوٹ کر کے لینا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ عن عاصم یعنی ابن کلیب عن ابیہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله ﷺ في سفر فاصاب الناس حاجة شديدة وجهدوا واصابوا غنما فانتهبوها، فان قدرونا لتغلي اذ جاء رسول الله ﷺ يمشي على قوسه فاكفاه قدرونا بقوسه ثم جعل يرمل اللحم بالتراب ثم قال: ان النهبة ليست باحل من الميتة او ان الميتة ليست باحل من النهبة، شك هناد (ابو داؤد شریف، باب فی النہی عن النہی اذا کان فی الطعام قلتہ فی ارض العدو، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۵، بخاری شریف، باب قسمة الغنم ص ۳۳۸، نمبر ۲۴۸۸، کتاب الشکرۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوٹ کھسوٹ کر لینا جائز نہیں ہے۔ صرف ضرورت کے مطابق دوسرے ساتھیوں کی رعایت کر کے لے سکتا ہے۔

لغت: یعلف: چارہ کھلائے، یدھن: تیل لگائے، سلاح: ہتھیار۔

ترجمہ: مصنف فرماتے ہیں کہ متن میں مطلقاً کہا کہ کھاؤ اور ضرورت سے متقید نہیں کیا، اور امام محمدؒ کی ایک روایت میں اسکی بھی شرط ہے، اور دوسری روایت میں اسکی شرط نہیں ہے، پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ مال مجاہدین کے درمیان مشترک ہے اسلئے ضرورت کے بغیر نفع اٹھانا جائز نہیں ہوگا جیسے کپڑے اور جانور میں ہے کہ ضرورت کے بغیر اسکو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: متن میں اس بات کی قید نہیں لگائی کہ ضرورت ہو تو کھائے اور ضرورت نہ ہو تو نہ کھائے، بلکہ اس کو مطلق چھوڑا کہ، یعنی ضرورت نہیں ہو تب بھی کھا سکتا ہے۔ جامع صغیر میں ضرورت کی شرط نہیں ہے، اور جامع کبیر میں ضرورت کی شرط ہے۔ **وجہ:** جامع کبیر میں ضرورت کی شرط ہے اس کی وجہ یہ ہے اس میں دیگر مجاہد کا بھی حق ہے اس لئے بغیر ضرورت کے استعمال کرنا مباح نہیں ہوگا، جیسے کپڑا اور سواری بغیر ضرورت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے خیبر کے کھانے کے بارے میں فرمایا کہ کھاؤ اور جانور کو چارہ کھلاؤ لیکن اس کو اٹھا کر نہ لیجاؤ۔

تشریح: حدیث میں ہے کہ کھاؤ اور جانور کو چارہ کھلاؤ اس میں ضرورت کی قید نہیں ہے۔

۳ وَلَئِنَّ الْحُكْمَ يُدَارُّ عَلَى دَلِيلِ الْحَاجَةِ وَهُوَ كَوْنُهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ، لِأَنَّ الْغَايَةَ لَا يَسْتَصْحِبُ قُوَّةَ نَفْسِهِ وَعَلَفَ ظَهْرَهُ مُدَّةَ مُقَامِهِ فِيهَا وَالْمِيرَةُ مُنْقَطِعَةٌ، فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْإِبَاحَةِ لِلْحَاجَةِ ۴ بِخِلَافِ السَّلَاحِ لِأَنَّهُ يَسْتَصْحِبُهُ فَانْعَدَمَ دَلِيلُ الْحَاجَةِ، وَقَدْ تُمَسُّ إِلَيْهِ الْحَاجَةُ فَتُعْتَبَرُ حَقِيقَتُهَا فَيَسْتَعْمَلُهُ ثُمَّ يَرُدُّهُ فِي الْمَغْنَمِ إِذَا اسْتَعْنَى عَنْهُ، وَالذَّابَّةُ مِثْلُ السَّلَاحِ، وَالطَّعَامُ كَالْخُبْزِ وَاللَّحْمُ وَمَا يُسْتَعْمَلُ فِيهِ كَالسَّمَنِ وَالزَّيْتِ.

وجہ: عن عبد الله بن عمر قال رسول الله يوم خيبر لو او اعلفوا ولا تحملوا - (سنن بیہقی، باب ما فضل فی یدہ من الطعام والعلف، فی دار الحرب، ج ۵، ص ۱۰۴، نمبر ۱۸۰۰۴) اس حدیث میں ہے کہ کھانا کھاؤ اور چارہ کھاؤ، لیکن اٹھا کر ساتھ مت لیجاؤ۔

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ دار الحرب میں ہے اس لئے ضرورت تو ہے ہی اس لئے کہ مجاہد اپنا طویل زمانے تک رہنے کے لئے غلہ اور جانور کو چارا ساتھ نہیں لیجاتا ہے، اور وہاں غلہ ملتا نہیں ہے اس لئے اصل ضرورت تو ہے ہی۔

تشریح: متن میں ضرورت کی قید نہ لگانے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ مجاہد دار الحرب میں ہے اور جتنے زمانے تک وہاں رہنا ہے اس کا غلہ اور جانور کا چارا ساتھ نہیں لے گیا، اس لئے ہر مجاہد کو کھانے اور چارے کی ضرورت تو ہے ہی اس لئے متن میں ضرورت کی قید نہیں لگائی

لغت: علف: جانور کا چارا۔ تحملوها: حمل سے مشتق ہے، اس کو ساتھ اٹھا کر نہ لیجاؤ۔ میرة: اہل و عیال کا کھانا۔

ترجمہ: ۴ بخلاف ہتھیار کے اس لئے کہ اس کو مجاہد اپنے ساتھ لیجاتا ہے اس لئے اس میں ضرورت کی دلیل نہیں ہے اور کبھی اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو اس کو استعمال کرے، اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

تشریح: مجاہد ہتھیار ساتھ لیجاتا ہے اس لئے ہتھیار کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اس میں قید ہے کہ ضرورت ہو تب ہی اس کو استعمال کرے اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو مال غنیمت میں اس کو واپس کر دے۔

ترجمہ: ۵ اور سواری کا جانور کا حکم ہتھیار کی طرح ہے، اور کھانا جیسے روٹی اور گوشت اور جو اس میں استعمال ہو جیسے گھی اور زیتون کا تیل۔

تشریح: سواری کا جانور ہتھیار کے حکم میں ہے کہ ضرورت ہو تب ہی اس کو استعمال کرے، اور، روٹی، گوشت، گھی، تیل یہ کھانے کے حکم میں ہے، یعنی ضرورت نہ ہو تب بھی اس کو استعمال کر سکتا ہے۔

(۲۸۹) قَالَ: وَيَسْتَعْمِلُوا الْحَطَبَ ۚ وَفِي بَعْضِ النُّسخِ: الطَّيْبُ، وَيُدْهِنُوا بِالذَّهْنِ وَيُوقِحُوا بِهِ

الدَّابَّةَ، ۚ لِمَسَاسِ الْحَاجَةِ إِلَى جَمِيعِ ذَلِكَ،

(۲۹۰) وَيُقَاتِلُوا بِمَا يَجِدُونَهُ مِنَ السَّلَاحِ، كُلُّ ذَلِكَ بِلَا قِسْمَةٍ ۚ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا احتَاجَ إِلَيْهِ بِأَنْ لَمْ

يَكُنْ لَهُ سِلَاحٌ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ،

(۲۹۱) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَبِيعُوا مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا وَلَا يَتَمَوَّلُونَهُ ۚ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَتَرْتَّبُ عَلَى الْمِلْكِ وَلَا

مِلْكَ عَلَى مَا قَدْ مَنَاهُ، وَإِنَّمَا هُوَ إِباحَةٌ وَصَارَ كَالْمُبَاحِ لَهُ الطَّلَعُ،

ترجمہ: (۲۸۹) اور ایندھن استعمال کریں۔ [اور بعض نسخے میں طیب، یعنی خوشبو کا ذکر ہے] اور تیل لگائے، اور جانور

کے پیروں میں تیل مسل سکتا ہے

ترجمہ: ۚ اس لئے کہ ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

تشریح: مال غنیمت میں ایندھن پائے تو اس کو استعمال کر سکتا ہے، اور بعض نسخے میں حطب کے بجائے طیب کا لفظ ہے یعنی

خوشبو پائے تو اس کو استعمال کر سکتا ہے، تیل پائے تو اس کو استعمال کر سکتا ہے اور اپنے جانور کے پیر پر بھی مل سکتا ہے، اس لئے

کہ ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے

لغت: حطب: ایندھن کی لکڑی۔ طیب: خوشبو۔ یوقح: جانور کے پیر پر تیل ملانا۔

ترجمہ: (۲۹۰) اور جو ہتھیار پائے تقسیم کئے بغیر اس سے جنگ کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۚ اس کی تاویل یہ ہے کہ جب اس کی ضرورت پڑ جائے اس طور پر ہتھیار نہ ہو اور اس کی دلیل ہم نے بیان کی ہے۔

تشریح: مال غنیمت میں ہتھیار ملا اور اس کی ضرورت ہے تو تقسیم سے پہلے بھی اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ لیکن ضرورت نہ ہو

تو استعمال نہ کرے۔

ترجمہ: (۲۹۱) اور نہیں جائز ہے کہ اس میں سے کچھ بیچے اور نہ ذخیرہ کرے۔

ترجمہ: ۚ اس لئے کہ بیچنا ملک پر مرتب ہوتا ہے، اور یہاں ملک نہیں ہے اس لئے بیچنا بھی نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ پہلے

ذکر کیا صرف اس کو استعمال کرنا مباح ہے تو کھانے کی طرح ہو گیا۔

تشریح: مال غنیمت کے تقسیم کرنے سے پہلے بقدر ضرورت استعمال تو کر سکتا ہے لیکن اس کو بیچے یا اس کو اپنے لئے ذخیرہ

کرے اس کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ تقسیم سے پہلے ابھی تک مجاہد کی ملکیت نہیں ہوئی ہے، صرف ضرورت کے وقت

استعمال کرنا مباح ہے۔

۲ وَقَوْلُهُ وَلَا يَتَمَوَّلُونَهُ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُمْ لَا يَبِيعُونَهُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْعُرُوضِ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ إِلَى ذَلِكَ، فَإِنْ بَاعَهُ أَحَدُهُمْ رَدَّ الثَّمَنَ إِلَى الْغَنِيمَةِ؛ لِأَنَّهُ بَدَلَ عَيْنٍ كَانَتْ لِلْجَمَاعَةِ.

وجہ: (۱) اوپر بتلایا کہ بقدر ضرورت صرف استعمال کر سکتا ہے۔ اور جو باقی بچے اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔ عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قلت هل كنتم تحمسون في عهده رسول الله ﷺ فقال اصبنا طعاما يوم خيبر فكان الرجل يجيئ فيأخذ منه مقدار ما يكفيه ثم ينصرف (ابوداؤد شریف، باب فی النبی عن النہی، ج ۲، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۴) اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ نہ لے اور ذخیرہ نہ کرے۔ (۲) اور بیچنا ممنوع ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی سعید الخدریؓ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن شراء المغانم حتى تقسم (ترمذی شریف، باب فی کرہیۃ بیع المغانم حتی تقسم، ص ۲۸۵، نمبر ۱۵۶۳) اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت کو تقسیم ہونے سے پہلے اپنے لئے بیچنا جائز نہیں ہے۔ (۳) تقسیم سے پہلے اپنے لئے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے۔ اور مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے لئے یہ وعید ہے۔ عن عمرؓ بن الخطاب عن النبی ﷺ قال: اذا وجدتم الرجل قد غل فاحرقوا متاعه واضربوه (ابوداؤد شریف، باب فی عقوبۃ الغال، ج ۲، ص ۱۵، نمبر ۲۷۱۳) اس حدیث میں ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے سامان کو جلا دو اور مارو۔ اور اپنے لئے مال جمع کرنا مال غنیمت میں خیانت کرنا ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا۔

لغت: لا يتمولونه : تمول سے مشتق ہے، اپنے لئے مال جمع کرنا۔

ترجمہ: ۲: متن میں قول ہے، يتمولونه، اس سے اشارہ یہ ہے کہ سونے اور چاندی، اور سامان کے بدلے مال غنیمت کو نہ بیچے اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بیچ دیا تو اس کی قیمت مال غنیمت میں ڈال دے اس لئے کہ یہ پوری جماعت کی مال کے بدلے میں ہے۔

تشریح: متن میں يتمولونه ہے [الدار نے بنے] اس میں اشارہ ہے کہ مال غنیمت کو سونے، چاندی اور سامان کے بدلے نہ بیچے اور بیچ دیا ہے تو اس قیمت کو مال غنیمت میں واپس کر دے، کیونکہ یہ پوری جماعت کا مال ہے۔ اس تفصیل سے یہ محسوس ہوا کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو مال غنیمت کو کھانے کے بدلے بیچ سکتا ہے۔

وجہ: عن هانی بن كلثوم فكتب اليه عمران ادع الناس يأكلون و يعلفون فمن باع شيئا بذهب او فضة ففيه خمس الله و سهام المسلمين۔ (سنن بیہقی، باب بیع الطعام فی دار الحرب، ج ۳، ص ۱۰۳، نمبر ۱۸۰۰۲) اس قول صحابی میں ہے کہ سونے اور چاندی کے بدلے مال غنیمت بیچا تو وہ مسلمان کا مال ہے، یعنی اس کو مال غنیمت میں داخل کر دینا چاہئے۔

۳. وَأَمَّا الثِّيَابُ وَالْمَتَاعُ فَيُكْرَهُ الْإِنْتِفَاعُ بِهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ لِلاِشْتِرَاكِ، إِلَّا أَنَّهُ يُقَسَّمُ الْيَوْمَ بَيْنَهُمْ فِي دَارِ الْحَرْبِ إِذَا احْتَاجُوا إِلَى الثِّيَابِ وَالذَّوَابِّ وَالْمَتَاعِ؛ لِأَنَّ الْمُحَرَّمَ يُسْتَبَاحٌ لِلضَّرُورَةِ فَالْمَكْرُوهُ أَوْلَى، وَهَذَا لِأَنَّ حَقَّ الْمَدَدِ مُحْتَمَلٌ، وَحَاجَةٌ هَؤُلَاءِ مُتَيَقِّنٌ بِهَا فَكَانَ أَوْلَى بِالرَّعَايَةِ، ۴. وَلَمْ يَذْكُرِ الْقِسْمَةَ فِي السَّلَاحِ، وَلَا فَرَّقَ فِي الْحَقِيقَةِ لِأَنَّهُ إِذَا احْتَاجَ وَاحِدٌ يُبَاحُ لَهُ الْإِنْتِفَاعُ فِي الْفُضْلَيْنِ، وَإِنْ احْتَاجَ الْكُلُّ يُقَسَّمُ فِي الْفُضْلَيْنِ، ۵. بِخِلَافِ مَا إِذَا احْتَاجُوا إِلَى السَّبَبِيِّ حَيْثُ لَا يُقَسَّمُ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهِ مِنْ فَضُولِ الْحَوَائِجِ.

ترجمہ: ۳. کپڑا اور سامان سے بغیر ضرورت کے تقسیم کرنے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں مجاہدین کی شرکت ہے، اگر کپڑے، اور سواری، اور سامان کی ضرورت مجاہدین کو پڑ جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ امام اس کو دار الحرب ہی میں تقسیم کر دے کیونکہ ضرورت کی بنا پر حرام چیز مباح ہو جاتی ہے تو مکروہ چیز بدرجہ اولیٰ مباح ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام سے مدد منگوانا ایک احتمالی چیز ہے اور مجاہدین کی ضرورت یقینی ہے اس لئے اس ضرورت کی رعایت کی جائے گی۔

تشریح: مال غنیمت کے کپڑے اور سامان سے بغیر ضرورت کے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، اگر واقعی ضرورت پڑ جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ امام کپڑے اور سامان کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے۔

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اور یہاں ضرورت پڑ گئی ہے، اور ضرورت کے وقت بعض حرام چیز بھی مباح ہو جاتی ہے، اسلئے مکروہ چیز بدرجہ اولیٰ مباح ہوگی۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام سے مدد منگوانا ایک احتمالی چیز ہے، اور مجاہدین کی ضرورت یقینی ہے اسلئے یقینی کی رعایت کر کے کپڑا اور سامان تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴. سیر صغیر میں ہتھیار کی تقسیم کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن حقیقت میں یہ کوئی فرق نہیں ہے اس لئے کہ کسی کو ہتھیار کی ضرورت پڑ جائے تو کپڑا اور ہتھیار دونوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور سب غازیوں کو اس کی ضرورت پڑ جائے تو کپڑا اور ہتھیار دونوں کو دار الحرب میں تقسیم کرنا جائز ہے۔

تشریح: سیر صغیر میں ہتھیار کو تقسیم کرنے کے بارے کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ضرورت پڑ جائے تو کپڑا اور ہتھیار دونوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے اور دونوں کو دار الحرب میں تقسیم کرنا بھی جائز ہے۔

وجہ: کیونکہ ان دونوں سے فائدہ اٹھانا حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔

ترجمہ: ۵. بخلاف کپڑی ہوئی عورت کی ضرورت پڑ گئی تو اس کو تقسیم نہیں کرے گا اس لئے کہ عورت کی ضرورت حوائج اصلیہ میں نہیں ہے۔

(۲۷۹۲) قَالَ: وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْهُمْ مَعْنَاهُ فِي دَارِ الْحَرْبِ أَحْرَزَ بِإِسْلَامِهِ نَفْسَهُ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يُنَافِي ابْتِدَاءَ الْإِسْتِرْقَاقِ وَأَوْلَادَهُ الصَّغَارَ لِأَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ بِإِسْلَامِهِ تَبَعًا وَكُلُّ مَالٍ هُوَ فِي يَدِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "مَنْ أَسْلَمَ عَلَى مَالٍ فَهُوَ لَهُ"

تشریح: جنگ میں پکڑی ہوئی عورت کی ضرورت پڑ گئی کہ اس سے جماع کیا جائے تو امام اس کو دار الحرب میں تقسیم نہیں کرے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ کپڑا اور تھپڑ تو حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے اور عورت سے جماع کرنا حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں ہے اس لئے اس کو دار الحرب میں تقسیم نہیں کرے گا۔

لغت: سبی: قید کی گئی عورت جو باندی بنانے کے قابل ہو۔

ترجمہ: (۲۷۹۲) کفار میں سے جو دار الحرب میں اسلام لے آئے تو وہ محفوظ کر لے گا اسلام کی وجہ سے اپنی جان اور اپنی چھوٹی اولاد اور وہ مال جو اس کے قبضے میں ہو۔

ترجمہ: حضورؐ کے قول کی وجہ سے جو اسلام لائے تو اس کا مال اسی کا ہو جائے گا۔

تشریح: کفار کو غلام بنانے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ خود بھی آزاد شمار کیا جائے گا اور اس کی چھوٹی اولاد بھی آزاد شمار کی جائے گی اور قتل سے محفوظ رہیں گے۔ اور جو اس کا مال ہے وہ مالِ غنیمت نہیں ہوگا بلکہ مالک کو دے دیا جائے گا۔ چاہے وہ مال اس کے قبضے میں ہو یا کسی مسلمان کے پاس امانت ہو۔ یا کسی ذمی کے پاس امانت ہو۔ البتہ جو مال حربی کے قبضے میں ہو وہ مالِ غنیمت شمار کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ حدیثی عثمان بن ابی حازم عن ابیہ عن جدہ صخر ان رسول اللہ ﷺ غزا ثقیفا... یا صخر! ان القوم اذا اسلموا احرزوا دماءهم واموالهم فادفع الى المغيرة عمنه فدفعتها اليه (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین، ج ۲، ص ۸۷، نمبر ۳۰۶۷، کتاب الخراج) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ ان ابا هريرة... وقد قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله فمن قالها فقد عصم مني ماله ونفسه الا بحقه وحسابه على الله (بخاری شریف، باب وجوب الزکوۃ، ص ۱۸۷، نمبر ۱۳۹۹، مسلم شریف، باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله ﷺ، ص ۶۷، نمبر ۲۰۴۲، ابوداؤد شریف، باب علی ما یقاتل المشرکون، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۴۰) ان احادیث میں ہے کہ اسلام لے آئے تو جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ (۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله قال من اسلم على شيء فهو له

۲۔ وَلَئِنَّهُ سَبَقَتْ يَدُهُ الْحَقِيقِيَّةَ إِلَيْهِ يَدُ الظَّاهِرِينَ عَلَيْهِ (۲۷۹۳) أَوْ وَدِيعَةٍ فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ ۱۔
لِأَنَّهُ فِي يَدِ صَحِيحَةٍ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدُهُ كَيْدِهِ۔ (۲۷۹۴) فَإِنْ ظَهَرْنَا عَلَى دَارِ الْحَرَابِ فَعَقَارُهُ فِيَّ ۱۔
وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: هُوَ لَهُ لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَالْمَنْقُولِ۔

۔ (سنن بیہقی، باب من اسلم علی شیء فھولہ، ج تاسع، ص ۱۹۱، نمبر ۱۸۲۵۹) اس حدیث میں ہے کہ جو اسلام لایا اور اس کے پاس کوئی مال ہو تو وہ مال اس کا ہے۔ چھوٹی اولاد ماں باپ کے تابع ہوتی ہیں اور جو حکم باپ یا ماں کا ہوتا ہے وہی حکم چھوٹی اولاد کا بھی ہوتا ہے۔ اس لئے چھوٹی اولاد بھی آزاد ہوگی اور قتل سے محفوظ ہوگی۔

لغت: احرز: محفوظ کر لے گا، حرز سے مشتق ہے، ودیعتہ: امانت کی چیز۔

ترجمہ: ۲۔ اور اس لئے کہ مسلمان ہونے والے کا حقیقی قبضہ ہے اس پر غلبہ ہونے والے سے پہلے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ جو مسلمان ہوا ہے اس کا قبضہ پہلے ہے اور حقیقی ہے، اور جو مجاہد ہے اس کا قبضہ بعد میں ہے، اس لئے حقیقی قبضہ والے کا قبضہ موجود رہے گا۔

لغت: ید الظاہرین: غلبہ کرنے والے کا قبضہ۔ غلبۃ: غلبہ کے طور پر۔

ترجمہ: (۲۷۹۳) یا مسلمان یا ذمی کے ہاتھ میں امانت ہو۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ امین کا قبضہ صحیح اور محترم قبضہ ہے، اور امین کا قبضہ مالک کے قبضے کی طرح ہے۔

تشریح: اس نو مسلم کا مال کسی امانت دار سے پاس ہو تو وہ مال اس نو مسلم کا ہے اس لئے وہ بھی محفوظ ہو جائے گا، کیونکہ امین کا قبضہ مالک کے قبضے کی طرح ہے۔

ترجمہ: (۲۷۹۴) پس اگر ہم غالب آجائیں ان کے گھر پر تو اس کی زمین فی ہوگی اور اس کی

تشریح: حربی مسلمان ہو جائے تو اس کی جان، اس کا منقول مال اور چھوٹی اولاد تو محفوظ ہو جائیں گے، لیکن اس کی زمین جو دار الحرب میں ہے وہ محفوظ نہیں ہوگی بلکہ اگر دار الحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہ زمین مال غنیمت میں شمار ہوگی۔

وجہ: (۱)۔ یلوگ اور یہ چیزیں مسلمان ہونے والے آدمی کے تابع نہیں ہیں اس لئے اس کے مسلمان ہونے سے یہ چیزیں محفوظ نہیں ہوں گی۔ مثلاً زمین غیر منقولی چیز ہے اور اگرچہ مسلمان ہونے والے کی ملکیت ہے لیکن دار الحرب ہونے کی وجہ سے وہاں کے حاکم کی حکومت میں ہے۔ اور وہ زمین بھی دار الحرب کی زمین شمار کی جاتی ہے اس لئے وہ مال غنیمت ہوگی۔

ترجمہ: ۱۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ زمین نو مسلم کی ہوگی اس لئے کہ اس زمین پر اس کا قبضہ ہے، جیسے منقولی جائیداد نو مسلم کی ہوتی ہے۔

۲. وَلَنَأَنَّ الْعَقَارِيَّ يَدَاهِلِ الدَّارِ وَسُلْطَانُهَا إِذَا هُوَ مِنْ جُمْلَةِ دَارِ الْحَرْبِ فَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهِ حَقِيقَةً، وَقِيلَ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ الْآخَرِ. ۳. وَفِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ هُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ الْأَوَّلِ هُوَ كَغَيْرِهِ مِنَ الْأَمْوَالِ بِنَاءً عَلَى أَنَّ الْيَدَ حَقِيقَةٌ لَا تَثْبُتُ عَلَى الْعَقَارِ عِنْدَهُمَا، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَثْبُتُ،

وجہ: (۱) اوپر کی حدیث میں ہے کہ اسلام لانے سے اس کا مال اور اس کی جان محفوظ ہو جائے گی۔ اور زمین بھی اس کا مال ہے اس لئے وہ بھی محفوظ ہوگی (۲) حضرت صخر کی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت مغیرہ کی قوم نے ایمان لایا تو پانی کا کنواں واپس کیا، اور کنواں زمین کا حصہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے زمین بھی محفوظ ہوگی۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنی عثمان بن ابی حازم عن ابیہ عن جدہ صخر ان رسول اللہ غزا ثقیفا ... یا صخر ان القوم اذا اسلموا احرزوا اموالهم ودماءهم فادفع الى القوم ماءهم، قال نعم یا نبی اللہ! فرأیت وجه رسول اللہ ﷺ یتغیر عند ذلک حمرة حياء من اخذه الجارية واخذه الماء (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین ص ۷۸، نمبر ۳۰۶۷، کتاب الخراج) اس حدیث میں پانی کا کنواں واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے سے دار الحرب کی زمین بھی محفوظ ہو جائے گی (۳) حدیث میں ہے۔ عن سلیمان بن بريدة عن ابیہ عن النبی ﷺ انه کان یقول فی اهل الذمة لهم ما اسلموا علیه من اموالهم وعبيدهم وديارهم وارضهم وما شیتهم، ليس عليهم فيه الا الصدقة (سنن للبیہقی، باب من اسلم علی شیء فھولہ، ج ۳، ص ۱۹۱، نمبر ۱۸۲۶۱) اس حدیث میں ہے کہ ذمی کو زمین بھی ملے گی جس پر قیاس کر کے حربی کو بھی زمین ملے گی اگر وہ اسلام لے آئے۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ دار الحرب کے جو سلطان ہے زمین اس کے قبضے میں ہے اس لئے یہ دار الحرب کا حصہ ہے، اس لئے حقیقت میں مالک کے قبضے میں نہیں ہے۔ اس لئے یہ زمین مالک کو نہیں ملے گی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول ہے

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول یہ ہے کہ منقولی جائیداد کی طرح زمین کا بھی نو مسلم مالک ہوگا، اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زمین پر قبضہ نہیں ہوتا ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک قبضہ ہوتا ہے۔

تشریح: امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ زمین بھی نو مسلم کی ملکیت میں رہے گی۔

وجہ: اس کی اصل بنیاد یہ ہے کہ شیخین کے یہاں زمین پر قبضہ نہیں ہوتا، اور امام محمدؒ کے یہاں زمین پر بھی قبضہ ہوتا ہے اس لئے اس کی ملکیت میں رہے گی۔

(۲۷۹۵) وَزَوْجَتُهُ فِيءٌ ۱. لَأَنَّهَا كَافِرَةٌ هَرَبِيَّةٌ لَا تَتَّبِعُهُ فِي الْإِسْلَامِ (۲۷۹۶) [الف] وَكَذَا أَحْمَلُهَا فِيءٌ ۱. خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ. هُوَ يَقُولُ إِنَّهُ مُسْلِمٌ تَبَعًا كَالْمُنْفَصِلِ ۲. وَلَنَأَنَّ جُزْؤَهَا فَيَرُقُّ بِرِقِّهَا وَالْمُسْلِمُ مَحَلٌّ لِلتَّمَلُّكِ تَبَعًا لِغَيْرِهِ ۳. بِخِلَافِ الْمُنْفَصِلِ لَأَنَّهُ حُرٌّ لَا نَعْدَامَ الْجُزْئِيَّةَ عِنْدَ ذَلِكَ وَأَوَّلَآذُهُ الْكِبَارُ فِيءٌ ۱. لَأَنَّهُمْ كُفَّارٌ هَرَبِيُّونَ وَلَا تَبِيعِيَّةَ. (۲۷۹۶) [ب] وَمَنْ قَاتَلَ مِنْ عِبِيدِهِ فِيءٌ ۱. لَأَنَّهُ لَمَّا تَمَرَّدَ عَلَى مَوْلَاهُ خَرَجَ مِنْ يَدِهِ فَصَارَ تَبَعًا لِلْأَهْلِ دَارِهِمْ،

ترجمہ: (۲۷۹۵) نو مسلم کی بیوی فی ہوگی

ترجمہ: ۱۔ [اس لئے کہ وہ کافرہ ہے اور حربیہ ہے اسلام میں شوہر کے تابع نہیں ہے۔

تشریح: نو مسلم کی کافرہ بیوی شوہر کے تابع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ عاقل اور بالغ ہے۔ اس لئے وہ مال غنیمت میں شمار ہوگی۔

ترجمہ: (۲۷۹۶) اس کا حمل فئی ہوگا۔

تشریح: حربیہ عورت کا حمل بھی فی ہوگا یعنی بعد میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ مال کی طرح مال غنیمت میں شمار ہوگا۔

وجہ: (۱) حمل ماں کا جز ہے اس لئے ماں مال غنیمت میں ہوگی تو اس کا حمل بھی مال غنیمت میں ہوگا (۲) قول تابعی میں موجود

ہے۔ قال سفيان ونحن لا نأخذ بذلك، نقول اذا استثنى ما فى بطنها عتقت كلها انما ولدها كعضو

منها (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يفتق امته ويستثنى ماني بطنها والرجل يشتري ابنه، ج ۹، ص ۱۷۲، نمبر ۱۶۸۰) اس

قول تابعی میں ہے کہ بچہ ماں کے عضو کی طرح ہے اس لئے ماں حربیہ ہوگی تو اس کا حمل بھی حربی شمار ہوگا۔

ترجمہ: ۱۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حمل باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا جیسے بچہ پیدا ہو چکا ہوتا تو وہ مسلمان ہوتا۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جس طرح بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوتا ہے اسی طرح حمل

بھی باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا، مال غنیمت میں شمار ہو کر غلام نہیں بنے گا۔

ترجمہ: ۲۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل عورت کا جز ہے اس لئے عورت کے باندی بننے کی وجہ سے اس کے تابع ہو کر حمل بھی

غلام بنے گا، اور تابع ہو کر مسلمان مملوک بننے کا محل ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل عورت کا جز ہے اس لئے اس کے تابع ہو کر مملوک بنے گا۔ کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ مسلمان دوسرے

کا تابع ہو کر مملوک بن جائے، جیسے مسلمان نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا تو اس مسلمان کا بچہ ماں کے تابع ہو کر مملوک بنے گا۔

ترجمہ: ۳۔ بخلاف بچہ پیدا ہو چکا ہو اس لئے کہ اب عورت کا جز نہ ہونے کی وجہ سے وہ آزاد ہے۔

تشریح: عورت کا بچہ پیدا ہو گیا ہے تو عورت سے جدا ہونے کی وجہ سے اب اس کا جز نہیں رہا اس لئے اب باپ کے تابع ہو کر وہ آزاد ہوگا۔

(۲۷۹۷) وَمَا كَانَ مِنْ مَالِهِ فِي يَدِ حَرْبِي فَهُوَ فِيَّ ۚ غَضَبًا كَانَ أَوْ وَدِيعَةً؛ لِأَنَّ يَدَهُ لَيْسَتْ بِمُحْتَرَمَةٍ (۲۷۹۸) وَمَا كَانَ غَضَبًا فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّي فَهُوَ فِيَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَكُونُ فَيْئًا. ۱ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ رَحِمَهُ اللَّهُ: كَذَا ذِكْرُ الْاِخْتِلَافِ فِي السَّيْرِ الْكَبِيرِ. وَذَكَرُوا فِي شُرُوحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ مَعَ مُحَمَّدٍ. لَهُمَا أَنَّ الْمَالَ تَابِعٌ لِلنَّفْسِ، وَقَدْ صَارَتْ

ترجمہ: (۲۷۹۷) اور نو مسلم کی بڑی اولاد فی ہوگی۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ وہ کافر ہے حربی ہے باپ کے تابع نہیں ہے۔

لغت: فئ: مال غنیمت، ظہر ناعلی الدار: دار الحرب پر قبضہ ہو گیا، عقار: زمین۔

ترجمہ: (۲۷۹۶) اور نو مسلم کے غلام نے مسلمانوں سے جنگ کی تو وہ بھی مال غنیمت میں شمار ہوگا۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ جب آقا کے خلاف شرکشی کی تو آقا کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ دار الحرب کے تابع ہو گیا [اس لئے وہ مال غنیمت میں شمار ہوگا]

تشریح: نو مسلم کا عاقل بالغ غلام تھا اس نے مسلمانوں سے جنگ میں حصہ لیا تو وہ اب آقا کی سرپرستی میں نہیں رہا، اب وہ دار الحرب کی سرپرستی میں ہے اس لئے اس پر قبضے کے بعد مال غنیمت شمار کیا جائے گا، آقا کی وجہ سے وہ آزاد نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۷۹۷) اگر نو مسلم کا ماحربی کے قبضے میں ہے تو وہ مال غنیمت شمار ہوگا۔

ترجمہ: ۱: چاہے وہ غصب کیا ہوا ہو، یا امانت کے طور پر ہو اس لئے کہ حربی کا ہاتھ محترم ہاتھ نہیں ہے۔

تشریح: نو مسلم کا مال کسی حربی کے پاس ہو، چاہے وہ مال اس نے غصب کر لیا تھا، یا نو مسلم نے امانت رکھنے دیا تھا تو وہ مال غنیمت شمار ہوگا، کیونکہ حربی کا جو قبضہ ہے وہ محترم نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۹۸) اور نو مسلم کا جو مال غصب کیا ہوا ہو کسی مسلمان کے ہاتھ میں، یا ذمی کے ہاتھ تو وہ بھی مال غنیمت ہوگا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مال غنیمت نہیں ہوگا۔

تشریح: نو مسلم کا مال کسی مسلمان نے غصب کر لیا تھا، یا کسی ذمی نے غصب کر لیا تھا تو یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مال غنیمت ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ مال مال غنیمت نہیں ہوگا۔

وجہ: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کے تابع ہوتا ہے اور اس کا مالک مسلمان ہے اس لئے اس کے تابع ہو کر مال غنیمت نہیں ہوگا بلکہ مالک کو مل جائے گا۔

ترجمہ: ۱: صاحب ہدایہ نے کہا کہ سیر کبیر میں امام محمدؒ نے اختلاف ذکر کیا ہے، اور جامع صغیر کی شرح میں امام ابو یوسفؒ

مَعْصُومَةً بِإِسْلَامِهِ فَيَتَّبِعُهَا مَا لَهُ فِيهَا. ۲ وَلَهُ أَنَّهُ مَالٌ مُّبَاحٌ فَيُمْلِكُ بِإِلَاسْتِيلَاءِ وَالنَّفْسُ لَمْ تَصِرْ مَعْصُومَةً بِإِلَاسْلَامٍ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهَا لَيْسَتْ بِمُتَقَوِّمَةٍ إِلَّا أَنَّهُ مُحَرَّمُ التَّعَرُّضِ فِي الْأَصْلِ لِكُونِهِ مُكَلَّفًا وَإِبَاحَةُ التَّعَرُّضِ بِعَارِضٍ شَرِّهِ وَقَدْ انْدَفَعَ بِإِلَاسْلَامٍ، بِخِلَافِ الْمَالِ؛ لِأَنَّهُ خُلِقَ عَرْضَةً لِلْأَمْتِهَانِ فَكَانَ مُحَلًّا لِلتَّمْلُكِ وَلَيْسَتْ فِي يَدِهِ حُكْمًا فَلَمْ تَثْبُتِ الْعِصْمَةُ.

(۲۷۹۹) وَإِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ أَنْ يَعْلِفُوا مِنَ الْغَنِيمَةِ وَلَا يَأْكُلُوا مِنْهَا، ۱ لِأَنَّ الصَّرُورَةَ قَدْ ارْتَفَعَتْ، وَالْإِبَاحَةُ بِاعْتِبَارِهَا،

کے قول کو امام محمدؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے، ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مال نفس کے تابع ہے اور نفس اسلام لانے کی وجہ سے محفوظ ہو گیا تو مال بھی اس کے تابع ہو کر محفوظ ہو جائے گا۔ اور مال غنیمت نہیں بنے گا۔
تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مال مباح ہے اس لئے جو بھی اس پر قبضہ کرے گا وہ مالک بن جائے گا، اور نفس اسلام کی وجہ سے معصوم نہیں ہوا کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ نفس کی کوئی قیمت نہیں ہے، ہاں یہ بات ہے کہ اصل میں اس کو چھیڑنا حرام ہے، کیونکہ انسان مکلف ہے، اس کے شرکی عارض کی وجہ سے جہاد میں اس کو چھیڑنا مباح قرار دیا گیا تھا اسلام کی وجہ سے وہ بھی ختم ہو گیا، بخلاف مال کے اس لئے کہ وہ استعمال کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے وہ مالک بننے کا محل ہے، اور غاصب کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے حکما مالک کے قبضے میں نہیں ہے اس لئے مال محفوظ نہیں ہو پایا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ یہ مال غاصب کے قبضے میں ہے اس لئے گویا کہ اس کی ملکیت میں ہے، اس لئے مالک کے تابع ہو کر مالک کو نہیں ملے گا۔

لغت: استیلاء: قبضہ، غلبہ۔ امتہان: مہمتہ سے مشتق ہے، استعمال کرنے کے لئے۔ عصمتہ: محفوظ ہونے کے لئے۔

ترجمہ: (۲۷۹۹) اگر مسلمان دارالحرب سے نکلے تو نہیں جائز ہے کہ چارہ کھلائیں مال غنیمت سے اور نہ اس میں خود کھائیں۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ ضرورت پوری ہوگئی، اور یہاں استعمال کرنے کی گنجائش ضرورت کی وجہ سے تھا۔

تشریح: جب تک دارالحرب میں رہا مال غنیمت کا کھانا وغیرہ استعمال کر سکتا تھا۔ لیکن جب دارالحرب سے باہر چلے آئے تو اب اس میں سے استعمال نہیں کر سکتے۔

وجہ: (۱) دارالحرب سے نکلنے کے بعد یہ مال سب مجاہدین کا ہو گیا، اب فوری طور پر امام مال غنیمت کو تقسیم کریں گے اور مجاہد

۲ وَلَئِنَّ الْحَقَّ قَدْ تَأَكَّدَ حَتَّى يُورَثَ نَصِيبُهُ وَلَا كَذَلِكَ قَبْلَ الْإِخْرَاجِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ،
(۲۸۰۰) وَمَنْ فَضَّلَ مَعَهُ عَلَفٌ أَوْ طَعَامٌ رَدَّهُ إِلَى الْغَنِيمَةِ ۱ مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ تُقَسَّمْ ۲ وَعَنْ الشَّافِعِيِّ
مِثْلَ قَوْلِنَا. وَعَنْهُ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ اِعْتِبَارًا بِالْمُتَلَصِّصِ.

اب اپنے حصے کے مال میں سے کھائیں گے (۲) دارالحرب سے باہر جانے کے بعد غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کرنا ضروری ہے اس لئے اگر ہر ایک کے پاس کھانے پینے کی چیز رہ جائے گی تو مکمل طور پر تقسیم نہیں ہو سکے گی۔ اس لئے ان چیزوں کو غنیمت میں شامل کرنا ضروری ہے (۳) فقال معاذ غزونا مع رسول الله ﷺ خيبر فاصبنا فيها غنما فقسم فينا رسول الله ﷺ طائفة وجعل بقيتها في المغنم (ابوداؤد شریف، باب في بيع الطعام اذا فضل عن الناس في ارض العدو، ص ۱۳، نمبر ۲۷۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے مطابق ہی استعمال کرے اور باقی مال غنیمت میں شامل کرے (۴) قول صحابی میں ہے۔ ان عبد الله بن عباس لم ير بأسا ان يأكل الرجل طعاما في ارض الشرك حتى يدخل اهله (مصنف ابن أبي شيبة، ۱۲۹ من قال يأكلون من الطعام ولا يتكلمون ومن رخص فيه، ج سادس، ص ۵۰۹، نمبر ۳۳۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل یعنی دارالاسلام تک کھا سکتا ہے اس کے بعد واپس جمع کر دے۔

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ مال غنیمت میں مجاہد کا حق موکد ہو گیا یہی وجہ ہے کہ مجاہد کے حصے کا وارث بنے گا، اور دارالاسلام تک لانے سے پہلے یہ بات نہیں تھی۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے، کہ دارالاسلام میں لانے کے بعد اب مجاہد کا حق ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ اگر تقسیم کرنے سے پہلے کوئی مجاہد مر جائے تو اس کا حصہ اس کا وارث لے گا، اس لئے اس مال کو اب نہ کھائے بلکہ اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔
لغت: علف: چارہ۔

ترجمہ: (۲۸۰۰) اور جو اس کے ساتھ چارہ یا کھانا بیچ جائے اس کو غنیمت میں واپس کر دے۔

ترجمہ: ۱: اس کا معنی یہ ہے کہ امام نے تقسیم نہ کیا ہو تو واپس کرے۔

تشریح: دو صورتیں ہیں [۱] امام نے دارالحرب میں مجاہد کو کھانا تقسیم کر کے نہ دیا ہو تو جو کھانا بچا ہے اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔ [۲] اور اگر تقسیم کر کے دے دیا ہو تو اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۲: امام شافعی کا ایک قول یہی ہے کہ مال غنیمت میں واپس کر دے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ مال غنیمت میں واپس نہ کرے، جیسے کہ دارالحرب سے چرا کر لایا ہو تو واپس نہیں کرتا ہے۔

تشریح: متلصص: لیس سے مشتق ہے، چرا کر لایا ہو، یعنی ایک دو مسلمان امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں داخل ہوا

۳ وَلَنَا أَنْ الْإِخْتِصَاصَ صَرُورَةُ الْحَاجَةِ وَقَدْ زَالَتْ، ۴ بِخِلَافِ الْمُتَلَصِّصِ؛ لِأَنَّهُ كَانَ أَحَقَّ بِهِ قَبْلَ الْإِحْرَازِ فَكَذَا بَعْدَهُ، ۵ وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ تَصَدَّقُوا بِهِ إِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ، وَانْتَفَعُوا بِهِ إِنْ كَانُوا مُحَاطِينَ لِأَنَّهُ صَارَ فِي حُكْمِ اللَّقْطَةِ لِتَعَدُّ الرَّدِّ عَلَى الْغَنَمِينَ، ۶ وَإِنْ كَانُوا انْتَفَعُوا بِهِ بَعْدَ الْإِحْرَازِ تَرُدُّ قِيَمَتُهُ إِلَى الْمَغْنَمِ إِنْ كَانَ لَمْ يُقَسَّمْ، وَإِنْ قُسِّمَتْ الْغَنِيمَةُ فَالْغَنِيُّ يَتَصَدَّقُ بِقِيَمَتِهِ وَالْفَقِيرُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِقِيَامِ الْقِيَمَةِ مَقَامَ الْأَصْلِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ.

اور حربی کا مال چرا کر لایا تو یہ مال غنیمت نہیں ہے اور یہ مال چرانے والے کا ہوگا، اسی پر قیاس کرتے ہوئے مال غنیمت کا جو مال مجاہد کے پاس رہ گیا امام شافعیؒ کے نزدیک وہ بھی اسی کا ہو گیا۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ ضرورت کی وجہ سے کھانے کی اجازت تھی وہ اب پوری ہو گئی۔
تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴ بخلاف چور کے اس لئے کہ دارالاسلام میں لانے سے پہلے ہی چور اس کا مالک تھا اس لئے دارالاسلام میں لانے کے بعد بھی اس کا مالک رہے گا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ چور جب دارالحرب میں تھا تب ہی اس چوری کے مال کا مالک تھا، اس لئے دار الحرب سے دارالاسلام میں آنے کے بعد بھی اس کا مالک رہے گا، اور مال غنیمت کا معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ دارالحرب میں ضرورت کی بنیاد پر صرف کھانا مباح تھا وہ اس کا مالک نہیں بنا تھا، اور دارالاسلام میں آنے کے بعد کھانے کی ضرورت نہیں رہی بلکہ اب امام مال غنیمت جو تقسیم کر کے دے گا اب اس میں سے کھائے گا، اس لئے بچا تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔

ترجمہ: ۵ امام نے دارالحرب میں کھانے کی چیز تقسیم کر کے دیدی تھی اس میں سے کھانا اور چارہ بچ گیا تو اگر یہ مالدار ہے تو اس کو صدقہ کر دے، اور اگر محتاج ہے تو اس سے فائدہ اٹھائے اسلئے کہ یہ لفظ کے حکم میں ہو گیا اسلئے کہ مجاہدین پر واپس کرنا ناممکن ہے۔

تشریح: لفظ: گرے ہوئے مال کو پایا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر پانے والا مالدار ہے تو اس کو صدقہ کر دے، اور اگر خود غریب ہے تو اس کو خود استعمال کر لے، اسی طرح مجاہد کو امام نے کھانے کی چیز تقسیم کر کے دے دیا تھا اب اس میں سے کھانا بچا تو اگر یہ مالدار ہے تو اس بچے ہوئے کھانے کو صدقہ کر دے، اور اگر خود محتاج ہے تو اس کو خود استعمال کرے۔ اسلئے کہ اب ہر مجاہد کو واپس کرنا مشکل ہے۔

ترجمہ: ۶ اور اگر دارالاسلام میں لانے کے بعد استعمال کیا تو اس کی قیمت مال غنیمت میں داخل کرے، اور اگر مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہو تو مالدار آدمی اس کی قیمت صدقہ کرے اور فقیر پر کچھ نہیں ہے، کیونکہ فقیر اصل کھانا کھا سکتا ہے تو اس کی قیمت بھی کھا سکتا ہے۔

تشریح: دارالاسلام میں لانے کے بعد مال غنیمت کا کھانا کھالیا، تو اگر یہ مال غنیمت کے تقسیم سے پہلے ہے تو اس کی قیمت

مال غنیمت میں واپس کرے، اور اگر تقسیم ہو چکا ہے اس کے بعد استعمال کیا ہے تو اگر یہ آدمی مالدار ہے تو اس کی قیمت فقیروں میں صدقہ کرے۔ اور اگر خود فقیر ہے تو جس طرح کھانا کھا سکتا ہے تو اس کی قیمت بھی کھا سکتا ہے اس لئے فقیر کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ اوپر میں لفظ کے مال کی طرح ہو گیا۔

فصل فی کیفیۃ القسمة

(۲۸۰۱) قَالَ: وَيُقَسَّمُ الْإِمَامُ الْغَنِيمَةَ فَيُخْرِجُ خُمْسَهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ﴾ اسْتَشْنَى الْخُمْسَ وَيُقَسَّمُ الْأَرْبَعَةُ الْخُمَاسَ بَيْنَ الْغَانِمِينَ لـ ”لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ“

فصل فی کیفیۃ القسمة

ترجمہ: (۲۸۰۱) امام مال غنیمت تقسیم کرے۔ پس اس میں سے پانچواں حصہ نکالے [اللہ تعالیٰ کے قول کی وجہ سے کہ پانچواں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے، تو پانچواں حصہ کو اسٹنی کیا] باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کرے۔
ترجمہ: اس لئے کہ رسول اللہ نے چار حصوں کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا۔

تشریح: مال غنیمت میں جو بھی آئے اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالے جو حضورؐ کے زمانے میں پانچ طبقوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ (۱) حضورؐ (۲) ان کے رشتہ در (۳) یتیم (۴) مسکین (۵) اور مسافر کے درمیان۔ اور باقی چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوتے تھے۔ مثلاً پچیس درہم مال غنیمت میں آیا تو ایک پانچواں حصہ پانچ درہم ہوئے۔ ان پانچ درہم میں سے ایک درہم حضورؐ کے لئے، ایک درہم ان کے رشتہ دار کے لئے، ایک درہم یتیم کے لئے، ایک درہم مسکین کے لئے اور ایک درہم مسافر کے لئے ہوگا، باقی چار حصے یعنی بیس درہم تمام مجاہدین میں تقسیم ہوں گے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی آیت یہ ہے۔ واعلموا انما غنمتم من شىء فان لله خمسہ وللرسول ولذی القربى والیتمی والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم باللہ (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں پانچوں حصے کو پانچوں طبقوں میں تقسیم کرنے کا تذکرہ ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی العالیۃ قال کان رسول اللہ یوتی بالغنیمۃ فیقسمہا علی خمسۃ فیکون اربعۃ لمن شہدھا ویأخذ الخمس فیضرب ببیدہ فیہ فما اخذ من شىء جعلہ للکعبۃ وهو سهم اللہ الذی سمی ثم یقسم ما بقی علی خمسۃ فیکون سهم لرسول اللہ وسهم لذوی القربى وسهم للیتامی وسهم للمساکین وسهم لابن السبیل (مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۴ فی الغنیمۃ کیف یقسم، ج ۱ ص ۵۰۴، نمبر ۳۳۲۸ / مصنف عبدالرزاق، باب الغنیمۃ والقی مختلفان، ج ۱ ص ۲۰۹، نمبر ۹۷۷۸) اس حدیث سے پتا چلا کہ چار حصے مجاہدین کے لئے ہیں اور پانچواں حصہ یعنی خمس میں پانچ طبقے شریک ہیں۔ (۳) عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا بعث سریۃ فغنموا خمس الغنیمۃ فضرِب ذالک الخمس فی خمسۃ ثم قرأ (واعلموا انما غنمتم من شىء فان لله خمسہ .. الی قوله لله ما فی السموات والارض)

(۲۸۰۲) ثُمَّ لِلْفَارِسِ سَهْمَانٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ ۚ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ: لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ ۚ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، لَمَّا رَوَى ابْنُ عُمرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَسْهُمَ لِلْفَارِسِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمًا"

فجعل سهم الله و سهم الرسول واحدا (و لذی القربی) فجعل هذين السهمين قوة في الخيل و السلاح و جعل سهم الیتامی و المساکین و ابن السبیل ألا یعطیه غیرهم و جعل الاربعة الاسهم الباقية للفارس سهمین و لراکبه سهم و للراجل سهم۔ (طبرانی الکبیر، الضحاک عن ابن عباس، ج ۱۲، ص ۹۷، نمبر ۱۲۶۲۰) اس حدیث میں تمس کے سارے احکام ہیں۔

ترجمہ: (۲۸۰۲) گھوڑے سوار کے لئے دو حصے اور پیدل والے کے لئے ایک حصہ۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ گھوڑے سوار کے لئے تین حصے ہوں گے۔

ترجمہ: امام شافعیؒ کی بھی یہی رائے ہے، اس لئے کہ ابن عمرؓ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے گھوڑے سوار کو تین حصے دئے اور پیدل والے کو ایک حصہ۔

تشریح: مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں جو مال تقسیم ہوگا اس کی صورت یہ ہوگی کہ جو گھوڑے سوار ہے اس کو دو حصے ملیں گے ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ سوار کا۔ اور جو پیدل جہاد کر رہا ہے اس کو صرف ایک حصہ ملے گا آدمی کا۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ حضورؐ نے خیبر کو چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا ان میں سے آدھا امور مسلمین کے لئے اور آدھا یعنی اٹھارہ سو حصے مجاہدین کے لئے۔ اور مجاہدین پندرہ سو تھے۔ جن میں سے تین سو گھوڑے سوار تھے تو گویا کہ وہ دو گنا ہو کر چھ سو ہو گئے تو بارہ سو پیدل اور چھ سو وہ تو اٹھارہ سو ہوئے۔ اور گھوڑے سوار کو دو حصے دیئے۔ حدیث یہ ہے۔ عن عمہ مجمع بن جارية انصاری قال قسمت خيبر على اهل الحديدية فقسما رسول الله ﷺ على ثمانية عشر سهما و كان الجيش الفا وخمس مائة فيهم ثلاث مائة فارس، فاعطى الفارس سهمين و اعطى الراجل سهما (ابوداؤد شریف، باب ماجاء في حكم ارض خيبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱۵، دار قطنی، کتاب السیر، ج ۱، ص ۶۱، نمبر ۴۱۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے سوار کو صرف دو حصے ملیں گے اور پیدل کو ایک حصہ۔

فائدہ: صاحبین فرماتے ہیں کہ گھوڑے سوار کے لئے تین حصے ہیں۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ اسهم

۲ وَلَإِنَّ الْأَسْبَحْفَاقَ بِالْغَنَاءِ وَغَنَاؤُهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَمْثَالِ الرَّاجِلِ؛ لِأَنَّهُ لِلْكَرِّ وَالْفَرِّ وَالشَّبَاتِ، وَالرَّاجِلُ لِلشَّبَاتِ لَا غَيْرُ. ۳ وَلِبَاسِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى مَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا" فَتَعَارَضَ فِعْلَاهُ، فَيَرْجِعُ إِلَى قَوْلِهِ وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لِلْفَارِسِ سَهْمَانٍ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ" كَيْفَ وَقَدْ رَوَى عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَسَمَ لِلْفَارِسِ سَهْمَيْنِ" وَإِذَا تَعَارَضَتْ رَوَايَتَاهُ تَرْجَحُ رَوَايَةُ غَيْرِهِ،

لرجل ولفرسہ ثلاثہ اسہم سہما لہ وسہمین لفرسہ (ابوداؤد شریف، باب فی سہان الخیل، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۳/۲ ترمذی شریف، باب فی سہم الخیل، ص ۲۸۳، نمبر ۱۵۵۴/۱ بخاری شریف، باب سہام الفرس، ص ۴۷۴، نمبر ۲۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کے دو حصے اور اس کے سوار کے لئے ایک حصہ مجموعہ تین حصے ہوں گے۔

لغت: فارس: فرس سے مشتق ہے گھوڑا سوار، سہم: حصہ۔

ترجمہ: ۲: اور اس لئے کہ حصوں کا حقدار کام آنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور گھوڑا سوار پیدل کے مقابلے پر تین طرح سے کام آتا ہے، اس لئے کہ حملہ کرنے کے لئے پلٹ کر بھاگنے کے لئے اور جم کر لڑنے کے لئے، اور پیدل آدمی صرف جم کر لڑنے کے لئے ہوتا ہے۔

تشریح: یہ صاحبین کی جانب سے دلیل عقلی ہے۔ کہ گھوڑا سوار جنگ میں تین طرح کام آتے ہیں [۱] دشمن پر حملہ کرنے کے لئے [۲] فوراً پلٹ کر بھاگنے کے لئے [۳] اور موقع ہو تو جم کر لڑنے کے لئے ہے اس لئے اس کو تین حصے ملنے چاہئے، اور پیدل آدمی صرف جم کر لڑنے کے لئے ہے اس لئے اس کو مال غنیمت میں سے صرف ایک ہی حصہ ملنا چاہئے

لغت: غناء: کام آنا، کافی ہونا۔ کر: حملہ کرنا، فر: فرار سے مشتق ہے، بھاگنا۔ راجل: راجل سے مشتق ہے، پیدل آدمی۔ شبات: جم کر لڑنا۔

ترجمہ: ۳: امام ابوحنیفہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور نے سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، تو ان کا دونوں فعل میں تعارض ہو گیا اس لئے اس کے قول کی طرف رجوع کیا، اور حضور نے فرمایا کہ سوار کو دو حصے دئے جائیں گے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، اور حضرت ابن عمر سے بھی روایت ہے کہ حضور نے سوار کو دو حصے دئے اور پیدل کو ایک حصہ دیا، اور جب دو روایتوں میں تعارض ہو تو ہم نے دوسرے کی روایت سے ایک بات کو ترجیح دی۔

تشریح: اوپر جو حدیث ابن عباس کی پیش کی وہ حدیث مجمع بن حارث کی ہے اس لئے شارح حضرات نے یہاں بڑا اختلاف

۴ وَلَئِنَّ الْكِرَّ وَالْفَرَّ مِنْ جَنْسٍ وَاحِدٍ فَيَكُونُ غِنَاؤُهُ مِثْلَى غِنَاءِ الرَّاجِلِ فَيَفْضُلُ عَلَيْهِ بِسَهْمٍ ۝ وَلَئِنَّهُ تَعَدَّرَ اِعْتِبَارُ مَقْدَارِ الزِّيَادَةِ لَتَعْدُرَ مَعْرِفَتُهُ فَيَدَارُ الْحُكْمُ عَلَى سَبَبٍ ظَاهِرٍ، وَلِلْفَارِسِ سَبَبَانِ النَّفْسُ وَالْفَرَسُ، وَلِلرَّاجِلِ سَبَبٌ وَاحِدٌ فَكَانَ اسْتِحْقَاقُهُ عَلَى ضَعْفِهِ.

کیا ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی دو حدیثیں ہیں، ایک میں ہے کہ سوار کو تین حصے ملیں گے یہ حدیث اوپر صاحبین کے متدل میں گزر گئی، اور دوسری حدیث میں ہے کہ سوار کو دو حصے ملیں گے یہ حدیث دارقطنی کی ہے جو آگے آرہی ہے اس لئے دونوں حدیثوں میں تعارض ہو گیا اس لئے ہم نے مجمع بن حارث کی حدیث کو ترجیح دی کہ سوار کو دو حصے ملیں گے۔

وجہ: (۱) یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی نہیں ہے بلکہ مجمع بن حارث کی ہے جس سے ہم نے دو حصے کو ترجیح دی ہے۔ عن عمہ مجمع بن حارثہ..... انه لفتح فقسمت خيبر عله اهل الحديبية فقسمها رسول الله على ثمانية عشر سهما و كان الجيش امفا و حمسمائة فيهم ثلاث مائة فارس فاعطى الفارس سهمين و اعطى الراجل سهما۔ (ابوداؤد شریف، باب فيمن اسهم له سها، ص ۳۹۸، نمبر ۲۷۳۶) اس حدیث میں ہے کہ گھوڑا سوار کو دو حصے دے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔ (۲) حضرت ابن عمرؓ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر ان النبي ﷺ قسم للفارس سهمين و للرجل سهما۔ (دارالقطنی، باب کتاب السیر، ج ۱، ص ۶۱، نمبر ۴۱۳۸) اس حدیث میں ہے کہ سوار کو دو حصے دے اور پیدل کو ایک حصہ دیا۔

ترجمہ: اور اس لئے کہ حملہ کرنا اور پیچھے ہٹنا ایک ہی قسم کا کام ہے تو سوار کا کام پیدل کے کام سے دو گنا ہوا، اس لئے سوار کو ایک حصہ زیادہ ملا۔

تشریح: یہ امام صاحبینؓ کو جواب ہے، کہ حملہ کرنا اور پیچھے ہٹنا دو کام نہیں ہیں بلکہ ایک ہی کام ہے اس لئے سوار کا کام پیدل کے کام سے دو گنا ہوا اس لئے اس کو دو گنا ملنا چاہئے۔

ترجمہ: ۵: اور اس لئے کہ سبب کے پیچانے کے متعذر ہونے کی وجہ سے کس نے زیادہ کام کیا یہ پہچاننا متعذر ہے اس لئے ظاہری سبب پر حکم ہوگا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ سوار کے لئے دو سبب ہیں ایک وہ خود اور دوسرا گھوڑا، اور پیدل والے کے لئے ایک سبب ہے اس لئے سوار کو پیدل کا دو گنا ملنا چاہئے۔

تشریح: جنگ میں کس نے زیادہ کام کیا یہ معلوم کرنا مشکل ہے، اس لئے ظاہری صورت پر فیصلہ کیا جائے، اس اعتبار سے سوار کی دو جانبیں کام آتی ہیں، ایک آدمی اور دوسرا گھوڑا، اس لئے اس کو دو حصے ملنے چاہئے، اور پیدل کا ایک ہی آدمی ہے اس لئے اس کو ایک حصہ ملنا چاہئے، یہ ظاہری فیصلہ ہے۔

(۲۸۰۳) وَلَا يُسْهِمُ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ ۚ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يُسْهِمُ لِفَرَسَيْنِ، لِمَا رَوَى "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْهِمَ لِفَرَسَيْنِ" وَلِأَنَّ الْوَاحِدَ قَدْ يَعْنِي فَيَحْتَاجُ إِلَى الْآخِرِ، ۲ وَلَهُمَا "أَنَّ الْبَرَاءَ بْنَ أَوْسٍ قَادَ فَرَسَيْنِ فَلَمْ يُسْهِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ"

ترجمہ: (۲۸۰۳) اور نہیں حصہ دیا جائے گا مگر ایک ہی گھوڑے کا،

تشریح: آدمی دو یا تین گھوڑے لیکر جہاد میں گیا ہو پھر بھی صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا باقی گھوڑوں کو حصہ نہیں ملے گا۔
وجہ: (۱) ایک آدمی بیک وقت ایک ہی گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کر سکتا ہے۔ اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا (۲) کئی گھوڑوں کے حصے دیئے جائیں تو دوسرے مجاہدین کی حق تلفی ہوگی اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ دیا جائے گا (۲) حضرت زبیرؓ جنگ خیبر میں دو گھوڑے لیکر شریک ہوئے تھے اس کے باوجود ان کو ایک گھوڑے کا حصہ دیا گیا۔ عن عبد الله بن الزبير عن جده انه يقول ضرب رسول الله ﷺ عام خيبر للزبير بن العوام باربعة اسهم، سهما له وسهما لذى القرى لصفية بنت عبد المطلب وسهمين لفرسه (دارقطنی، کتاب السیر، ج رابع، ص ۶۲، نمبر ۴۱۴۳) اس میں دیکھئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملا ہے۔

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ دو گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا، اس لئے کہ روایت ہے کہ حضورؐ نے دو گھوڑوں کا حصہ دیا، اور اس لئے کہ ایک گھوڑا کبھی اپنا جہو جاتا ہے تو دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کئی گھوڑے لیکر شریک ہوا ہو تو دو گھوڑوں کے حصے ملیں گے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔ انه سمع مكحولاً يرفعه الى النبي ﷺ يقول لا سهم من الخيل الا لفرسين وان كان معه الف فرس، اذا دخل بها ارض العدو (مصنف عبد الرزاق، باب السهام للخيل، ج خامس، ص ۱۲۶ نمبر ۹۳۷ / مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۰۵ فی الرجل يشهد بالفراس لکم ينقسم منها، ج سادس، ص ۴۹۵، نمبر ۳۳۱۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیادہ بھی گھوڑے لیکر شریک ہوں تو دو گھوڑے کے حصے ملیں گے۔ (۲) عن جده بشير بن عمر بن محصن قال اسهم لي رسول الله ﷺ لفرسى اربعة اسهم و لي سهم فأخذت خمسة اسهم (دارقطنی، باب کتاب السیر، ج رابع، ص ۵۹، نمبر ۴۱۴۱) اس حدیث میں ہے کہ دو گھوڑے کا حصہ دیا۔

لغت: راجل: پیدل چلنے والا، راجل سے مشتق ہے۔

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ براء بن اوس دو گھوڑے لے کر گئے تو اس حضورؐ نے ان کو ایک ہی گھوڑے کا

حصہ دیا۔

۳ وَلَإِنَّ الْقِتَالَ لَا يَتَحَقَّقُ بِفَرَسَيْنِ دَفْعَةً وَاحِدَةً فَلَا يَكُونُ السَّبَبُ الظَّاهِرُ مُفْضِيًا إِلَى الْقِتَالِ عَلَيْهِمَا فَيُسْهِمُ لَوَاحِدٍ، وَلِهَذَا لَا يُسْهِمُ لثَلَاثَةِ أَفْرَاسٍ، ۴ وَمَا رَوَاهُ مُحْمُولٌ عَلَى التَّنْفِيلِ كَمَا أُعْطِيَ سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ سَهْمَيْنِ وَهُوَ رَاجِلٌ.

(۲۸۰۴) وَالْبَرَاذِينُ وَالْعَنَاقُ سَوَاءٌ ۱ لَإِنَّ الْبَارِزَ مُضَافٌ إِلَى جِنْسِ الْخَيْلِ فِي الْكِتَابِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ ۲ وَاسْمُ الْخَيْلِ يَنْطَلِقُ عَلَى الْبَرَاذِينِ وَالْعَرَابِ وَالْهَجِينِ وَالْمَقْرِفِ إِطْلَاقًا وَاحِدًا، وَلَإِنَّ الْعَرَبِيَّ إِنْ كَانَ فِي الطَّلَبِ وَالْهَرَبِ أَقْوَى فَالْبَرِذُونُ أَصْبَرُ وَأَلْيَنُ عَطْفًا، فَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَنْفَعَةٌ مُعْتَبَرَةٌ فَاسْتَوِيََا.

تشریح: یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے حوالے سے اوپر گزری۔

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ بیک وقت دو گھوڑوں سے قتال نہیں کرتے اس لئے ظاہری طور پر دونوں سے قتال نہیں ہوتا ہے اس لئے ایک کا حصہ دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ تین گھوڑوں کا حصہ نہیں دیا جاتا ہے۔

تشریح: دلیل عقلی یہ ہے کہ دو گھوڑوں پر بیک وقت قتال نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ ایک وقت میں ایک ہی گھوڑے سے قتال ہوتا ہے، تو یوں سمجھو کہ ایک ہی گھوڑے سے قتال کیا ہے اس لئے ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا، یہی وجہ ہے کہ تین گھوڑا لیکر گیا ہو تو تین گھوڑے کا حصہ نہیں ملتا ہے۔ اس لئے ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا۔

ترجمہ: ۴ اور صاحبین نے جو روایت کی ہے وہ نفلی طور پر دیا ہے، جیسے حضرت سلمہ بن اکوع کو دو حصے دئے حالانکہ وہ پیدل تھے۔

تشریح: یہ صاحبین کو جواب ہے کہ جس حدیث میں دو حصے دینے کی بات ہے وہ نفلی طور پر دیا گیا ہے، جیسے حضرت سلمہ بن اکوع پیدل تھے لیکن ان نفلی طور پر دو حصے دئے۔

ترجمہ: (۲۸۰۴) دیسی گھوڑے اور عربی گھوڑے برابر ہیں۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ گھوڑے کی جنس سے ڈرانا ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن میں ہے، وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ (آیت ۶۰، سورۃ الانفال ۸) اور برازین، عتاق، ہجین اور مقرف سب کو گھوڑا کہتے ہیں اس لئے سب کا حصہ برابر ہے، اور اس لئے کہ عربی حمل کرنے اور بھاگنے میں قوی ہے تو دیسی گھوڑا زیادہ صبر والا ہوتا ہے اور اس کی طبیعت میں نرمی ہوتی ہے، اس اعتبار سے ہر ایک گھوڑے میں الگ الگ نفع ہے اس لئے دونوں کا حکم برابر ہے۔

تشریح: ایسے گھوڑے جو جنگ کے کام آئے لیکن قد میں تھوڑے چھوٹے ہوں اس کو برازین یعنی دیسی گھوڑے کہتے

(۲۸۰۵) وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَفَنَّقَ فَرَسُهُ اسْتَحَقَّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ، وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرَى فَرَسًا اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ ۚ وَجَوَابُ الشَّافِعِيِّ عَلَى عَكْسِهِ فِي الْفُصْلَيْنِ، وَهَكَذَا رَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي الْفُصْلِ الثَّانِي أَنَّهُ يَسْتَحَقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ

ہیں۔ اور لمبے قد کے گھوڑے کو عتاق یعنی عربی گھوڑے کہتے ہیں۔ چونکہ دونوں ہی گھوڑے ہیں اور دونوں ہی جنگ میں کام آتے ہیں اس لئے دونوں کے حصے برابر ہیں۔ کسی کے کم نہیں۔

وجہ: (۱) قول تابعی میں ہے۔ عن الحسن قال البرذون بمنزلة الفرس (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۰۳، انی البراذین ما لھا وکیف یقسم لھا، ج ۱، ص ۴۹۲، نمبر ۶۷۳۱، مصنف عبدالرزاق، باب السهام للخیل، ج ۱، ص ۱۲۶، نمبر ۹۳۸۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ دیسی گھوڑا اور عربی گھوڑا دونوں کے حصے برابر ہیں۔ (۲) قرآن میں ہر قسم کے گھوڑے کے بارے میں کہا گیا ہے اس سے اللہ کے دشمن ڈرتے ہیں اس لئے ہر قسم کے گھوڑے کا حصہ برابر ہوگا، آیت یہ ہے۔ و من رباط الخیل ترهبون بہ عدو اللہ و عدو کم (آیت ۶۰، سورۃ الانفال ۸)

لغت: عتاق: عربی گھوڑا۔ برازین: عجمی گھوڑا۔ یحجین: ایسا گھوڑا جس کا باپ عجمی ہو اور ماں عربی ہو۔ مقرف: جس کا باپ عربی ہو اور ماں عجمی گھوڑی ہو۔

ترجمہ: (۲۸۰۵) جو دار الحرب میں گھوڑا لیکر داخل ہوا پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو وہ گھوڑے کے حصے کا مستحق ہوگا۔ اور جو پیدل داخل ہوا پھر گھوڑا خریدا تو وہ پیدل کے حصے کا حقدار ہوگا۔

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دار الحرب میں داخل ہوتے وقت گھوڑا سوار تھا تو گھوڑا سوار کا حصہ یعنی دو یا تین حصے ملیں گے۔ اور اس وقت پیدل داخل ہوا بعد میں گھوڑا خریدا تو پیدل کا ہی حصہ ملے گا۔

وجہ: (۱) امیر داخل ہوتے وقت ہی تحقیق کرتا ہے اور رجسٹر لکھتا ہے کہ یہ کیسے داخل ہو رہا ہے، گھوڑے کے ساتھ یا پیدل۔ اس لئے داخل ہوتے وقت ہی کا اعتبار ہوگا (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن سلیمان بن موسی فی الامام اذا ادرب قال یکتب الفارس فارسا و الراجل راجلا (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۵۵، الفارس متی یکتب فارسا، ج ۱، ص ۵۲۷، نمبر ۳۳۵۰۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ دار الحرب میں داخل ہونے کے وقت کا اعتبار ہے۔

لغت: نفق: ہلاک ہوا، خرچ ہوا۔

ترجمہ: امام شافعی کا مسلک دونوں صورتوں اس کا الٹا ہے، اور امام ابو حنیفہ سے حضرت ابن مبارک کی روایت دوسری فصل یعنی پیدل داخل ہوا اور گھوڑے پر جنگ کی [تو روایت امام شافعی کی طرح ہے سوار کے حصے کا مستحق ہوگا، حاصل یہ ہے کہ

عِنْدَنَا حَالَةُ الْمَجَاوِزَةِ، وَعِنْدَهُ حَالَةُ انْقِضَاءِ الْحَرْبِ ۲ لَهُ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْقَهْرُ وَالْقِتَالُ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ عِنْدَهُ وَالْمَجَاوِزَةُ وَسِيلَةً إِلَى السَّبَبِ كَالْخُرُوجِ مِنَ الْبَيْتِ ۳، وَتَعْلِيْقُ الْأَحْكَامِ بِالْقِتَالِ يَدُلُّ عَلَى إِمْكَانِ الْوُقُوفِ عَلَيْهِ، وَلَوْ تَعَدَّرَ أَوْ تَعَسَّرَ تَعَلَّقَ بِشُهُودِ الْوَقْعَةِ، لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْقِتَالِ.

ہمارے نزدیک سرحد پار کرنے کی حالت کا اعتبار ہوگا، اور امام شافعیؒ کے نزدیک جنگ کے ختم ہونے کا اعتبار ہوگا۔

تشریح: امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جنگ کرتے وقت اور جنگ کے بعد آدمی کی کیا حالت اس پر حصے کا اعتبار ہے، پس اگر وہ جنگ کے فوراً بعد سوار ہے تو سوار کے دو حصے ملیں گے، اور پہلے وہ سوار والا تھا لیکن جنگ کے دوران اس کا گھوڑا ضائع ہو گیا، اور جنگ کے بعد وہ پیدل ہے تو اس کو پیدل کا حصہ ملے گا۔

اصول: جنگ کے بعد آدمی کی حالت کیا ہے اس کے اعتبار سے اس کو حصہ ملے گا۔

لغت: الفصل الثانی: دوسری فصل۔ یعنی پیدل داخل ہوا اور درمیان میں گھوڑے پر سوار ہو کر قتال کی تو امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کو سوار کا حصہ ملے گا

ترجمہ: ۲: امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ قہر اور قتال مال غنیمت حاصل کرنے کا اصل سبب ہے اس لئے قتال کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا، اور سرحد پار کرنا قتال کا وسیلہ ہے، جیسے گھر سے نکلنا سرحد پار کرنے کا وسیلہ ہے۔

تشریح: جس طرح گھر سے نکلنا سرحد پار کرنے کا وسیلہ ہے۔ اس کے باوجود گھر سے نکلنے کے وقت کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے، اسی طرح سرحد پار کرنا جنگ کا وسیلہ ہے اس لئے سرحد پار کرنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بلکہ قہر اور قتال جو اصل جنگ ہے اس وقت کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳: اور قتال پر احکام کو معلق کرنا اس پر واقف ہونے کی دلیل ہے، اور جنگ کی حالت پر واقف ہونا ناممکن ہو یا مشکل ہو تو جو جنگ میں شریک ہوئے ہیں ان کی گواہی پر حالت کا جاننا معلق ہوگا اس لئے کہ وہ لوگ قتال کے زیادہ قریب ہیں۔

تشریح: قتال کے وقت آدمی کی کیا حالت تھی اس پر معلق کرنے سے قتال کی حالت کی معلومات ہوگی، اور اس سے بھی معلومات نہ ہو سکی تو جنگ میں جو لوگ شریک ہوئے ہیں ان کی گواہی سے معلوم ہوگا کہ یہ آدمی پیدل تھا یا سوار تھا اور اس کے مطابق اس کو حصہ دیا جائے گا۔

لغت: تعسر: عسر سے مشتق ہے، مشکل ہو۔ وقعتہ: جنگ، شہود الوقعة: جنگ میں جو لوگ شریک ہوئے ہوں۔

ترجمہ: ۴: ہماری دلیل یہ ہے کہ سرحد پار کرنا بھی قتال ہے اسی سے دشمن کو خوف ہوتا ہے اور اس کے بعد کی حالت دوام کی حالت ہے اس کا اعتبار نہیں ہے، اور اصلی قتال پر واقف ہونا مشکل ہے، ایسے ہی جنگ میں جو شریک ہیں اس کو بھی پتہ نہیں ہوگا

۴. وَلَنَأَنَّ الْمَجَاوِزَةَ نَفْسَهَا قِتَالٌ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمُ الْخَوْفُ بِهَا وَالْحَالُ بَعْدَهَا حَالَةُ الدَّوَامِ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِهَا؛ وَلِأَنَّ الْوُقُوفَ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ مُتَعَسِّرٌ؛ وَكَذَا عَلَى شُهُودِ الْوُقْعَةِ لِأَنَّ حَالَ النِّقَاءِ الصَّفِينِ فِتْقَامُ الْمَجَاوِزَةِ مَقَامُهُ إِذْ هُوَ السَّبَبُ الْمَفْضِيُّ إِلَيْهِ ظَاهِرًا إِذَا كَانَ عَلَى قَصْدِ الْقِتَالِ فَيُعْتَبَرُ حَالُ الشَّخْصِ بِحَالَةِ الْمَجَاوِزَةِ فَارِسًا كَانَ أَوْ رَاجِلًا. ۵. وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا وَقَاتَلَ رَاجِلًا لِيُضِيقَ الْمَكَانَ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ بِإِلْتِفَاقٍ، ۶. وَلَوْ دَخَلَ فَارِسًا ثُمَّ بَاعَ فَرَسَهُ أَوْ وَهَبَ أَوْ أَجَرَ أَوْ رَهَنَ فَفِي رِوَايَةٍ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الْفُرْسَانِ اعْتِبَارًا لِلْمَجَاوِزَةِ. وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يَسْتَحِقُّ سَهْمَ الرَّجَالَةِ لِأَنَّ الْإِقْدَامَ عَلَى هَذِهِ التَّصَرُّفَاتِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ بِالْمَجَاوِزَةِ الْقِتَالُ فَارِسًا.

کیونکہ دونوں صف کے ملنے کی حالت ہے اس لئے سرحد پار کرنا ہی جنگ کے قائم مقام ہے اس لئے کہ ظاہری طور پر سرحد پار کرنا ہی جنگ تک پہنچانے والا ہے اگر جنگ کے ارادے سے داخل ہوا ہو اس لئے سرحد پار کرتے وقت میں آدمی کی حالت کا اعتبار ہوگا کہ وہ سوار ہے یا پیدل ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ سرحد جب پار کرتے ہیں اسی سے دشمن کو خوف ہو جاتا ہے اس لئے سرحد پار کرنا بھی جنگ کا حصہ ہے اس لئے اسی وقت کا اعتبار ہوگا، اور جو لوگ جنگ میں شریک ہوئے ہیں وہ تو قتال کے وقت بہت مصروف ہیں اس لئے اس کو کیا پتہ کہ کون پیدل ہے اور کون سوار ہے، اس لئے سرحد پار کرنے کے وقت کا اعتبار ہوگا، کہ وہ سوار ہے یا پیدل ہے۔

ترجمہ: ۵. اگر سوار ہو کر سرحد میں داخل ہوا اور مکان کے تنگ ہونے کی وجہ سے پیدل جنگ کی تو بالاتفاق وہ سوار کے حصے کا مستحق ہوگا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۶. اگر سوار ہو کر سرحد میں داخل ہوا پھر گھوڑا بیچ دیا، یا اس کو اجرت پر رکھ دیا، یا گھوڑے کو اجرت پر رکھ دیا تو حضرت حسن سے امام ابو حنیفہؒ کی روایت یہ ہے کہ سوار کے حصے کا مستحق ہوگا سرحد پار کرتے وقت کا اعتبار کرتے ہوئے، لیکن ظاہر روایت میں یہ ہے کہ پیدل کے حصے کا مستحق ہوگا، اس لئے کہ ان باتوں پر اقدام کرنا اس بات پر دلالت کرتی ہے وہ قتال کے ارادے سے سوار ہو کر سرحد پار نہیں کیا ہے۔

تشریح: سوار ہو کر سرحد پار کیا، لیکن جنگ سے پہلے ہی گھوڑے کو بیچ دیا، یا اس کو اجرت پر رکھ دیا، یا اسکو رہن پر رکھ دیا تو ایک روایت یہ ہے کہ چونکہ یہ سوار ہو کر سرحد پار کیا ہے اس لئے اسکو سوار کا دو حصہ ملے گا۔ لیکن ظاہری روایت یہ ہے کہ ان باتوں پر

۷ وَلَوْ بَاعَهُ بَعْدَ الْفَرَاغِ لَمْ يَسْقُطْ سَهْمُ الْفُرْسَانِ، ۸ وَكَذَا إِذَا بَاعَ فِي حَالَةِ الْقِتَالِ عِنْدَ الْبَعْضِ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَسْقُطُ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ غَرَضَهُ التَّجَارَةُ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ يَنْتَظَرُ عِزَّتَهُ.

(۲۸۰۶) وَلَا يُسْهِمُ لِمَمْلُوكٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلَكِنْ يَرْضَخُ لَهُمْ عَلَى حَسَبِ مَا يَرَى الْإِمَامُ ۱ لِمَا رَوَى "أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ لَا يُسْهِمُ لِلنِّسَاءِ وَالصَّبِيَّانِ وَالْعَبِيدِ وَكَانَ يَرْضَخُ لَهُمْ" وَلَمَّا اسْتَعَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِالْيَهُودِ عَلَى الْيَهُودِ لَمْ يُعْطِهِمْ شَيْئًا مِنَ الْغَنِيمَةِ: يَعْنِي أَنَّهُ لَمْ يُسْهِمُ لَهُمْ،

اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کے ارادے سے وہ سوار ہو کر سرحد پار نہیں کیا ہے اسلئے اسکو پیدل کا ایک حصہ ملے گا۔
ترجمہ: ۷ اور اگر جنگ سے فارغ ہونے کے بعد گھوڑا بیچا تو سوار کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔
وجہ: اس لئے کہ اس نے سوار ہو کر جنگ کیا ہے سوار کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۸ ایسے ہی اگر قتال کی حالت میں گھوڑا بیچ دیا تو بعض کے نزدیک سوار کا حصہ ملے گا، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اس کا سوار کا حصہ ساقط ہو جائے گا اسلئے بیچنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسکی غرض تجارت تھی صرف قیمت بڑھنے کا انتظار کر رہا تھا۔
تشریح: قتال کی حالت میں گھوڑا بیچ دیا تو ایک روایت یہ ہے کہ اس کو سوار کے دو حصے ملیں گے، لیکن صحیح روایت یہی ہے کہ اس کو سوار کا حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ قتال کے درمیان بیچنا اس بات کی دلیل یہ ہے کہ سوار ہو کر سرحد پار کرنا قتال کے ارادے سے نہیں تھا بلکہ گھوڑا بیچنا تھا، صرف اس بات کا انتظار تھا کہ قتال شروع ہو جائے تو گھوڑے کی قیمت بڑھ جائے تب بیچوں گا، اس لئے اس کو سوار کا حصہ نہیں ملے گا۔ عزة: قیمت بڑھ جانا۔

ترجمہ: (۲۸۰۶) نہ حصہ لگایا جائے غلام کے لئے اور نہ عورت کے لئے اور نہ ذمی کے لئے اور نہ بچے کے لئے، لیکن کچھ دیدے ان کو امام جو مناسب سمجھے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ حضورؐ نے عورتوں، بچوں اور غلاموں کو حصہ نہیں دیتے تھے بلکہ انکے لئے کچھ انعام ہوتا تھا، اور جب حضورؐ نے یہود سے یہود کے لئے مدد لی تو غنیمت میں اس کو کچھ نہیں دیا یعنی اس کا کوئی حصہ نہیں ہوا۔

تشریح: مال غنیمت میں جس طرح مرد مجاہد کا باضابطہ حصہ ہوتا ہے اس طرح غلام، عورت، ذمی اور بچے کا حصہ نہیں ہوگا۔ البتہ خدمت کے مطابق امام جو مناسب سمجھے اتنا ان کو دیدے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا۔ کتب نجدۃ بن عامر الحروری الی ابن عباس یسأله عن العبد والمرأة یحضران المغنم هل یقسم لهما؟... انک کتبت تسألنی عن المرأة والعبد یحضران

۲. وَلَإِنَّ الْجِهَادَ عِبَادَةٌ، وَالذَّمُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْعِبَادَةِ، ۳. وَالصَّبِيُّ وَالْمَرْأَةُ عَاجِزَانِ عَنْهُ وَلِهَذَا لَمْ يَلْحَقْهُمَا فَرَضُهُ، وَالْعَبْدُ لَا يُمَكِّنُهُ الْمُوَلَّى وَلَهُ مَنَعُهُ، إِلَّا أَنَّهُ يَرْضَخُ لَهُمْ تَحْرِيسًا عَلَى الْقِتَالِ مَعَ إِظْهَارِ انْحِطَاطِ رُتَبَتِهِمْ،

المغرم هل يقسم لهما شيء؟ وانه ليس لهما شيء الا ان يحذيا (مسلم شریف، باب النساء الغازيات یرضخ لهن ولا یتسهم الخ، ص ۱۱۶، نمبر ۱۸۱۲/۱۸۱۶ ابوداؤد شریف، باب فی المرأة والعبد یحذیان من الغنیمۃ، ج ۲، ص ۱۸، نمبر ۲۸۷۲/۲۸۷۳۰ ترمذی شریف، باب هل یتسهم للعبد، ص ۲۸۳، نمبر ۱۵۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اور غلام کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔ البتہ امام کی رائے کے مطابق بطور خدمت کے کچھ دے دیا جائے گا (۲) یہ لوگ جہاد کے قابل بھی نہیں ہیں اس لئے بھی اس کا حصہ باضابطہ نہیں ہوگا۔

ذمی کے لئے باضابطہ حصہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا کہ یہود سے یہود کے مقابلے کے لئے مدد لی تو اس کا کچھ انعام دیا۔ عن ابن عباسؓ انه قال استعان رسول الله ﷺ بيهود بنى قينقاع فرضخ لهم ولم يسهم لهم (سنن للبیہقی، باب الرضخ لمن يستعان به من اهل الذمۃ علی قتال المشرکین، ج ۲، ص ۹۲، نمبر ۱۷۹۷۰ ترمذی شریف، باب ما جاء فی اهل الذمۃ یغزون مع المسلمین هل یتسهم لهم، ص ۲۸۴، نمبر ۱۵۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مدد کرے تو اس کو بھی باضابطہ حصہ نہیں دیا جائے گا۔

بچہ جہاد پورے طور پر نہیں کر سکتا اس لئے اس کو بھی پورا حصہ نہیں دیا جائے گا۔ قول صحابی میں ہے۔ فسألوا ابا بصرة الغفاری وعقبۃ بن عامر الجهنی صاحبی رسول الله ﷺ فقالا انظروا فان كانت انت الشعر فاقسموا له قال فنظر الى بعض القوم فاذا انا قد انت فقسم لی (المدرۃ، ج ۱، ص ۳۹۳/اعلاء السنن، نمبر ۳۹۴۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ بچے کو باضابطہ حصہ نہیں ملے گا۔

لغت: یرضخ : تھوڑا سا دینا۔

ترجمہ: ۲. اور اس لئے کہ جہاد عبادت ہے اور ذمی عبادت کا اہل نہیں ہے [اس لئے اس کو مال غنیمت میں حصہ بھی نہیں دیا جائے گا]

ترجمہ: ۳. بچہ اور عورت جنگ کرنے سے عاجز ہیں، اسی لئے ان دونوں پر جہاد فرض نہیں ہے، اور غلام کو اس کا آقا جہاد نہیں کرنے دیا، اور کبھی جہاد کرنے دیا بھی تو بعد میں اس سے روک سکتا ہے، لیکن ان لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لئے انعام دیا جائے گا لیکن اس کا درجہ بھی کم رکھا جائے گا۔

۴. وَالْمُكَاتَبُ بِمَنْزِلَةِ الْعَبْدِ لِقِيَامِ الرِّقِّ وَتَوَهُّمِ عَجْزِهِ فَيَمْنَعُهُ الْمُؤَلَّى عَنِ الْخُرُوجِ إِلَى الْقِتَالِ ۝
ثُمَّ الْعَبْدُ إِنَّمَا يَرْضَخُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ لِأَنَّهُ دَخَلَ لِحْدَمَةِ الْمُؤَلَّى فَصَارَ كَالتَّاجِرِ، ۶. وَالْمَرْأَةُ يَرْضَخُ لَهَا
إِذَا كَانَتْ تُدَاوِي الْجُرْحَى، وَتَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى لِأَنَّهَا عَاجِزَةٌ عَنْ حَقِيقَةِ الْقِتَالِ فَيُقَامُ هَذَا النُّوعُ
مِنُ الْإِعَانَةِ مَقَامَ الْقِتَالِ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ؛ لِأَنَّهُ قَادِرٌ عَلَى حَقِيقَةِ الْقِتَالِ.

تشریح: بچہ اور عورت جہاد کرنے سے عاجز ہیں اسی لئے ان دونوں پر جہاد فرض نہیں کیا گیا ہے، اور غلام جہاد کر سکتا ہے، لیکن اس کا آقا اس سے روکے گا، اور کبھی اجازت دے دی تب بھی بعد میں اس کو منع کرنے کا حق ہے، کیونکہ اس کا غلام ہے، اس لئے اگر ان لوگوں نے جہاد میں شرکت کی تو تھوڑا سا انعام دے دیا جائے گا تاکہ جہاد میں ترغیب ہو جائے، لیکن مجاہدین سے ان لوگوں کا رتبہ کم رکھا جائے گا۔

ترجمہ: ۴. مکاتب غلام کے درجے میں ہے، اس لئے کہ اس میں ابھی تک غلامیت موجود ہے، اور یہ بھی شک ہے کہ وہ مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو آقا جنگ میں نکلنے سے منع کر دے۔

تشریح: مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں کہ مال کتابت دینے کی شرط پر آقا سے آزاد ہونے کا وعدہ لیا ہو، یہ جب تک پورا مال کتابت ادا نہ کیا ہو تو آزاد نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مال دینے سے عاجز ہو جائے اور دوبارہ غلامیت میں آجائے، تو یہ دوبارہ غلامیت میں آ سکتا ہے اس لئے اس کا حکم غلام کا حکم ہے، کہ اگر اس نے قتال کیا تو اس کو تھوڑا سا انعام دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۵. پھر غلام کو اس وقت انعام دیا جائے جبکہ وہ جنگ میں شریک ہو اس لئے کہ وہ آقا کی خدمت کے لئے سرحد میں داخل ہوا ہے اس لئے وہ تاجر کی طرح ہو گیا۔

تشریح: غلام نے جو سرحد پار کیا ہے وہ اپنے آقا کی خدمت کے لئے کیا ہے اس لئے وہ باضابطہ جنگ میں شرکت کرے گا تب اس کو انعام ملے گا، ورنہ یوں سمجھا جائے گا کہ آقا کی خدمت کے لئے آیا ہے، پس جس طرح تاجر کو باضابطہ جنگ میں شرکت کے بعد ہی حصہ ملتا ہے اسی طرح غلام کو بھی باضابطہ جنگ میں شرکت کے بعد انعام ملے گا۔

ترجمہ: ۶. عورت کو اس وقت انعام دیا جائے گا جبکہ اس نے زخموں کی دوائی کی ہو، مریضوں کی تیمارداری کی ہو اس لئے کہ وہ حقیقت قتال سے عاجز ہے تو اس قسم کی مدد قتال کے قائم مقام ہوگی، بخلاف غلام کے کہ وہ حقیقت قتال پر قادر ہے اس لئے وہ قتال کرے گا تب ہی انعام دیا جائے گا۔

تشریح: عورت قتال سے عاجز ہے اس لئے مریضوں کی تیمارداری کرنے سے بھی انعام دیا جائے گا، اور غلام قتال پر قادر ہے اس لئے اس کے قتال کرنے پر انعام دیا جائے گا، اگر اس نے تیماری کی تو بہت کم انعام ملے گا۔

۷۔ وَالذَّمُّ إِنَّمَا يَرْصَحُ لَهُ إِذَا قَاتَلَ أَوْ دَلَّ عَلَى الطَّرِيقِ، وَلَمْ يُقَاتِلْ لِأَنَّ فِيهِ مَنْفَعَةً لِلْمُسْلِمِينَ، إِلَّا أَنَّهُ يُزَادُ عَلَى السَّهْمِ فِي الدَّلَالَةِ إِذَا كَانَتْ فِيهِ مَنْفَعَةٌ عَظِيمَةٌ، ۸. وَلَا يَبْلُغُ بِهِ السَّهْمُ إِذَا قَاتَلَ؛ لِأَنَّهُ جِهَادٌ، وَالْأَوَّلُ لَيْسَ مِنْ عَمَلِهِ وَلَا يُسَوَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُسْلِمِ فِي حُكْمِ الْجِهَادِ.

لغت: جرحی: جرح کی جمع ہے، زخمی لوگ۔ تقوم علی المرضی: قائم علی المرضی محارہ ہے، اس کا ترجمہ ہے بیماروں کی تیماری کرتی ہے۔
ترجمہ: ۷۔ ذمی کو انعام دیا جائے گا اگر اس نے قتال کیا ہو، یا قتال تو نہ کیا ہو لیکن راستے کی رہنمائی کی ہو اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کا بہت فائدہ ہے۔ اگر راستہ بتانے میں بہت فائدہ ہو تو مجاہدین کے حصے سے بھی زیادہ دیا جاسکتا ہے۔
تشریح: ذمی کا درجہ مسلمان سے کم ہے، لیکن اگر راستہ بتایا ہے اور اس میں مسلمانوں کا بہت بڑا فائدہ ہے تو چونکہ یہ جہاد نہیں ہے اس لئے مجاہدین کے حصے سے زیادہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: ۸۔ ذمی قتال کرے تو ذمی کا حصہ مجاہد کے حصے تک نہیں پہنچنا چاہئے، اس لئے کہ یہ جہاد ہے اور پہلا راستہ بتانا جہاد نہیں ہے اور جہاد کے حکم میں مسلمان اور ذمی برابر نہیں ہونا چاہئے۔

تشریح: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قتال اور جہاد میں مسلمان اور ذمی دونوں شریک ہوئے تو چونکہ دونوں جہاد میں شریک ہوئے اور ذمی کا درجہ کم ہے وہ عبادت کا اہل نہیں ہے اس لئے اس کو مجاہد کے حصے سے کم دیا جائے گا، اور اوپر راستہ بتانے پر جو زیادہ دیا گیا ہے وہ اس لئے کہ راستہ بتانا جہاد نہیں ہے اس لئے اس میں زیادہ فائدہ ہو تو اس کو مجاہد کے حصے سے زیادہ دیا جاسکتا ہے۔

﴿فی احکام الخمس﴾

(۲۸۰۷) وَأَمَّا الْخُمْسُ فَيُقَسَّمُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَصْهُمٍ: سَهْمٌ لِلْيَتَامَى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِينِ وَسَهْمٌ لِابْنِ السَّبِيلِ يَدْخُلُ فَقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبَى فِيهِمْ وَيُقَدَّمُونَ، وَلَا يُدْفَعُ إِلَى أَغْنِيَائِهِمْ

﴿خمس تقسیم کرنے کے احکام﴾

ترجمہ: (۲۸۰۷) بہر حال خمس تو تقسیم کیا جائے گا اس کو تین حصوں میں۔ ایک حصہ یتیموں کے لئے، ایک حصہ مسکینوں کے لئے، اور ایک حصہ مسافروں کے لئے۔ حضورؐ کے رشتہ داروں کے فقیر لوگ فقراء میں داخل ہوں گے، البتہ حضورؐ کے فقیر رشتہ دار کو پہلے دیا جائے گا، اور اس کے مالداروں کو نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: حضورؐ کے زمانے میں خمس کو بھی پانچوں حصوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ لیکن حضورؐ کے پردہ فرمانے کے بعد اور آپؐ کے رشتہ داروں کے ختم ہونے کے بعد اب تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک یتیم دوسرا مسکین اور تیسرا مسافر، باقی حضورؐ اور ان کے رشتہ داروں کے حصے اب ساقط ہو گئے۔ حضورؐ کے جو رشتہ دار غریب ہوں گے انکو غریب کے حصے میں سے دئے جائیں گے، البتہ حضورؐ کے غریب کو پہلے دیا جائے گا، اس سے بچے گا تب دوسرے فقراء کو دیا جائے گا، اور حضورؐ کے جو رشتہ مالدار ہوں انکو کچھ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ یہ مال غربت کی وجہ سے دیا جا رہا ہے، حصے کے طور پر نہیں دیا جا رہا ہے۔

وجہ: (۱) اس قول صحابی میں اس کی وضاحت ہے۔ قال سألت الحسن بن محمد بن علی ابن الحنفیة عن قول الله تعالى واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه وللرسول ولذی القربى والیتمی والمساکین وابن السبیل (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) فقال هذا مفتاح کلام لله تعالى ما فی الدنيا والآخرة، قال اختلف الناس فی هذین السهمین بعد وفاة رسول الله ﷺ فقال قائلون سهم القربى لقرباة النبی ﷺ وقال قائلون لقرباة الخلیفة وقال قائلون سهم النبی ﷺ للخلیفة من بعده. فاجتمع رأيهم علی ان يجعلوا هذین السهمین فی الخیل والعدة فی سبیل الله فکانا علی ذلک فی خلافة ابی بکر وعمرؓ (متدرک للحاکم، کتاب قسم الفی، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ / مصنف عبدالرزاق، باب ذکر الخمس وسهم ذی القربى، ج خامس، ص ۱۲۲، نمبر ۹۵۴۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کا حصہ اور ان کے رشتہ داروں کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اس لئے اب صرف تین حصوں میں مال غنیمت تقسیم ہوگا یتیم، مسکین اور مسافر۔ اور حضورؐ کا حصہ امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا (۲) ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ عن ابی ہریرۃؓ ان رسول الله ﷺ قال لا یقتسم ورثتی دینارا ماترکت بعد نفقة

۱۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَهُمْ خُمُسُ الْخُمْسِ يَسْتَوِي فِيهِ غَنِيُّهُمْ وَفَقِيرُهُمْ، وَيُقَسَّمُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ، وَيَكُونُ لِبَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ دُونَ غَيْرِهِمْ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلِذِي الْقُرْبَىٰ﴾ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ بَيْنَ الْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ.

نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة (بخاری شریف، باب نفقة نساء النبی ﷺ بعد وفاته، ص، نمبر ۳۰۹۶) اس حدیث میں ہے کہ میری بیویوں اور کام کرنے والوں کے خرچ نکالنے کے بعد سب صدقہ ہیں۔ اس لئے جب آپ کے رشتہ دار نہ رہے تو آپ کا حصہ صدقہ اور امور مسلمین پر خرچ کیا جائیگا۔

حضور کے رشتہ دار اب ساقط ہو گئے اس لئے ان کو مال غنیمت میں الگ سے حصہ نہیں دیا جائے گا۔ البتہ اگر وہ یتیم، مسکین یا مسافر ہو تو ان کو ان تین طبقوں میں داخل کر کے دیا جائے گا بلکہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیونکہ یہ حضور کے رشتہ دار ہیں۔ ان کو دینے کے بعد دوسرے یتیم اور مسافر کو دیا جائے گا۔

وجہ: ان کے زیادہ حقدار ہونے کی دلیل اس قول صحابی ہے۔ سمعت علیا یقول ولانی رسول اللہ ﷺ خمس الخمس فوضعتہ مواضعہ حیاة رسول اللہ ﷺ وحیاة ابی بکرؓ وحیاة عمرؓ فاتی بمال فدعانی فقال خذه فقلت لا اریده فقال خذه فانتم احق به قلت قد استغینا عنه فجعله فی بیت المال (ابوداؤد شریف، باب بیان مواضع قسم الخمس اسھم ذی القربی، ج ۲، ص ۶۰، نمبر ۲۹۸۳) اس اثر میں ہے خذہ انتم احق بہ جس سے معلوم ہوا کہ حضور کے رشتہ دار زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ چونکہ حضور کے رشتہ داروں کا حق ساقط ہو گیا اس لئے ان کے مالداروں کو نہیں ملے گا۔

ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا کہ حضور کے رشتہ دار کو مال غنیمت میں حصہ ملے گا، اور مالدار اور فقیر دونوں برابر ہوں گے، اور مرد کو عورت کا دو گنا دیا جائے گا، اور صرف بنی ہاشم اور بنی مطلب کو ملے گا کیونکہ آیت میں آیت میں رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرمایا، اور اس میں غریب اور مالدار میں کوئی فرق نہیں کیا۔

تشریح: جس طرح حضور کی زندگی میں حضور کے رشتہ داروں کو دیا جاتا تھا اسی طرح انکی وفات کے بعد بھی امام شافعی کے یہاں دیا جائے گا، حضور کی وفات سے ان کا حق ساقط نہیں ہوا، اس کے مالدار کو بھی ملے گا اور غریب کو بھی ملے گا، اور مرد کو عورت کا دو گنا ملے گا، اور صرف بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو ملے گا دوسرے رشتہ دار کو نہیں ملے گا۔

وجہ: (۱) اس آیت میں حضور کے رشتہ دار کو دینے کے لئے کہا گیا ہے، اور مالدار اور غریب کا کوئی فرق نہیں ہے اس لئے دونوں کو ملے گا۔ واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتیمی والمساکین وابن السبیل (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) (۲) اخبرنی جبیر بن مطعم..... وکان ابو بکر یقسم

۲. وَلَنَا أَنَّ الْخُلَفَاءَ الْأَرْبَعَةَ الرَّاشِدِينَ قَسَمُوهُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَصْهُمٍ عَلَى نَحْوِ مَا قُلْنَا وَكَفَى بِهِمْ قُدْوَةً.
 ۳. وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ”يَا مَعْشَرَ بَنِي هَاشِمٍ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَرِهَ لَكُمْ غُسَالَةَ النَّاسِ وَأَوْسَاخَهُمْ وَعَوَضَكُمْ مِنْهَا بِخُمْسِ الْخُمْسِ“ وَالْعَوَاضُ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ مَنْ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِ الْمَعْوِضُ وَهُمْ الْفُقَرَاءُ.

الخمس نحو قسم رسول اللہ ﷺ غیر انہ لم یکن یعطى قربى رسول اللہ ﷺ ما كان النبى ﷺ يعطيهم قال فكان عمر بن الخطاب يعطيهم منه و عثمان بعده ۔ (ابوداؤد شریف، باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم زى القرى، ص ۴۳۴، نمبر ۸۷۹۸) اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ نے حضور کے رشتہ دار کو حصہ نہیں دیا اس لئے یہ امام ابو حنیفہؒ کا مستدل ہے، لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے دیا ہے اس لئے یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کا بھی مستدل ہے۔
 (۳) سمعت علیا یقول و لانی رسول اللہ ﷺ خمس الخمس فوضعتہ مواضعہ حیة رسول اللہ ﷺ و حیة ابیہ و حیة عمر فاتی بمال فدعانی فقال خذہ فقلت قد استغینا عنہ فجعلہ فی بیت المال ۔ (ابوداؤد شریف، باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم زى القرى، ص ۴۳۵، نمبر ۲۹۸۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ کو خمس دیا لیکن ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو بیت المال میں داخل کر دیا، جس سے معلوم ہوا کہ حضور کے رشتہ دار کو خمس دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲: ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے تین ہی حصوں میں تقسیم کیا جیسا کہ ہم نے کہا اور ان کی اقتداء ہمارے لئے کافی ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین نے تین ہی حصے کئے اور ہمارے لئے انکی اقتداء کافی ہے، یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۳: حضورؐ نے فرمایا اے بنی ہاشم کے لوگو! اللہ نے تمہارے لئے لوگوں کے دھون اور اس کا میل مکروہ قرار دیا اور اس کے بدلے میں خمس کا خمس عطا کیا اور بدلہ اس کے حق میں ثابت ہوگا جس کے حق میں معوض ہوگا اور وہ فقراء ہیں۔

تشریح: یہ عبارت تھوڑا پیچیدہ ہے، کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ لوگوں کا غسل یعنی دھون اور میل یعنی زکوٰۃ مکروہ قرار دیا اور اس کے بدلے میں غنیمت کا خمس عطا کیا، اور زکوٰۃ غریبوں کے لئے ہے تو خمس بھی غریبوں کے لئے ہونا چاہئے، مالداروں کو نہیں ملنا چاہئے، اس لئے کہ معوض یعنی زکوٰۃ میں جو حقدار ہوگا معوض یعنی خمس میں بھی وہی حقدار ہوگا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس فقال لهما نبی اللہ ﷺ لا یحل لکما اهل البیت

۴ وَالنَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَعْطَاهُمْ لِلنُّصْرَةِ. أَلَا تَرَى أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَّلَ فَقَالَ: "إِنَّهُمْ لَنْ يَزَالُوا مَعِيَ هَكَذَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ، وَشَبَكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ" ذَلَّ عَلَى أَنَّ الْمُرَادَ مِنَ النَّصْرِ قُرْبُ النُّصْرَةِ لَا قُرْبُ الْقَرَابَةِ.

(۲۸۰۸) قَالَ: فَأَمَّا ذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى فِي الْخُمْسِ فَإِنَّهُ لَا فِتْنَةَ الْكَلَامِ تَبَرُّكَ بِاسْمِهِ، وَسَهْمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سَقَطَ بِمَوْتِهِ كَمَا سَقَطَ الصَّفِيُّ ۱ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَسْتَحِقُّهُ بِرِسَالَتِهِ وَلَا رَسُولَ بَعْدَهُ.

من الصدقات شيء ولا غسالة الايدي ، ان لكم في خمس الخمس لما يغنيكم او يكفيكم۔ (طبرانی کبیر، باب عمر عن ابن عباس، ج ۱۱ ص ۱۷۴، نمبر ۱۱۵۴۳) اس حدیث میں ہے کہ اہل بیت کے لئے زکوۃ حلال نہیں ہے، اس کی جگہ خمس کا خمس دیا ہے۔

لغت: اوساخ: دسّ کی جمع ہے، میل کچل۔ معوض: جس کا بدلہ ہو۔

ترجمہ: حضور نے رشتہ دار کو انکی مدد کی وجہ سے دیا [اور اب حضور دنیا میں نہیں رہے اور ان کی مدد کی بھی ضرورت نہیں رہی اس لئے اب خمس میں بھی حصہ نہیں دیا جائے گا] کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضور نے خمس دینے کی علت بیان کی کہ وہ لوگ [بنو مطلب اور بنو ہاشم زمانہ جاہلیت اور اسلام میں ہمارے ساتھ رہے ہیں اور انگلیوں کو ایک دوسرے میں گھسا کر دیکھایا، یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مدد کی قربت کی وجہ سے خمس دیا گیا ہے، رشتہ داری کی قربت کی وجہ سے نہیں دی ہے

وجہ: اخبرنی جبیر بن مطعم قال لما كان يوم خيبر وضع رسول الله ﷺ سهم ذی القربى فی بنی هاشم و بنی المطلب ... فقال رسول الله ﷺ انا و بنو المطلب لا نفتقر فی جاهلیة و لا اسلام و انما نحن و هم شیء واحد و شبک بین اصابعه ﷺ - (ابوداؤد شریف، باب فی بیان مواضع قسم الخمس و سهم ذی القربى، ص ۴۳۴، نمبر ۲۹۸۰) اس حدیث میں بتایا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کی مدد کی وجہ سے حضور نے انکو خمس دیا، اور اب حضور نہیں رہے، اور ان کی مدد کی بھی ضرورت نہیں رہی اس لئے اب انکو خمس میں بھی حصہ نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۰۸) خمس کے بارے میں اللہ کا جو ذکر ہے وہ اس کے نام کے ساتھ کلام کی برکت کے لئے ہے۔ اور حضور کا حصہ آپ کی وفات کی وجہ سے ساقط ہو گیا، جیسے صفی آپ کی وفات سے ساقط ہو گیا۔

ترجمہ: ۱: اسلئے کہ حضور رسول ہونے کی وجہ سے صفی کا مستحق ہوتے تھے، اور آپ کے بعد کوئی رسول نہیں ہیں اسلئے اب کسی کو صفی کے طور پر لینے کا حق نہیں ہے۔ حضور مال غنیمت میں سے اپنے لئے منتخب کر لیتے تھے، مثلاً زرہ، تلوار، اور باندی وغیرہ۔

وَالصَّفِيُّ شَيْءٌ كَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يُصْطَفِيهِ لِنَفْسِهِ مِنَ الْغَنِيمَةِ مِثْلَ دُرْعٍ أَوْ سَيْفٍ أَوْ جَارِيَةٍ.
۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُصْرَفُ سَهْمُ الرَّسُولِ إِلَى الْخَلِيفَةِ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا قَدَّمَاهُ.

تشریح: یہاں تین مسئلے بیان کئے ہیں۔ [۱] آیت میں اللہ کا نام برکت کے طور لیا گیا ہے، خمس میں اللہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ [۲] حضور کا حصہ آپ کی وفات کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ [۳] حضور صفیٰ لیتے تھے، صفیٰ کا ترجمہ ہے، چنا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت جب آتا تو حضور کو جو چیز پسند آتی اس کو آپ اپنے لئے منتخب فرما لیتے، اسکے بعد مال غنیمت تقسیم فرماتے، اس منتخب فرمانے کو صفیٰ، کہتے ہیں، چونکہ آپ کے رسول ہونے کی وجہ سے اس کا حق تھا اور اب کوئی رسول نہیں ہے اسلئے صفیٰ کا حق ساقط ہو گیا، اسی طرح رسول کا حصہ آپ کی وجہ سے تھا اور آپ نہیں رہے تو آپ کا حصہ بھی ختم ہو گیا، اب یہ حصہ آپ کے خلیفہ کو نہیں ملے گا۔

وجہ: اس قول تابعی میں ہے کہ آیت میں اللہ کا نام برکت کے طور پر ہے، اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے۔ سألت الحسن بن محمد عن قول الله تعالى واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسه وللرسول (آیت ۴۱ سورۃ الانفال ۸) فقال هذا مفتاح كلام لله ما فى الدنيا والآخرة (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفی، ج ثانی، ص ۱۴۰، نمبر ۲۵۸۵ مصنف عبد الرزاق، باب ذکر الخمس وسهم ذی القربی، ج خامس، ص ۱۶۲، نمبر ۹۵۴۵) اس قول تابعی میں ہے کہ اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے۔

حضور کو صفیٰ کے طور پر لینے کا حق تھا اس کی دلیل یہ حدیث ہے

وجہ: صفیٰ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عامر الشعبي قال كان للنبي سهم يدعى الصفي ان شاء عبدا وان شاء امة وان شاء فرسا يختاره قبل الخمس (ابوداؤد شریف، باب ما جاء في سهم الصفي، ص ۶۲، نمبر ۲۹۹۱ بخاری شریف، باب غزوة خيبر، ص ۶۰۳، نمبر ۴۲۱۱) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ حضور کو صفیٰ کا حق تھا۔ اور کان للنبي سے معلوم ہوا کہ منتخب کرنے کا حق نبوت کی وجہ سے تھا اس لئے اب نبوت نہیں رہی تو یہ حق بھی خلیفہ کے لئے ساقط ہو گیا۔ اور اسی نبوت پر قیاس کر کے خمس میں خلیفہ کا حق بھی ساقط ہو گیا۔ کیونکہ آیت میں للرسول کا لفظ ہے۔ جب بعد میں رسول نہیں رہے تو ان کا حصہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲: اور امام شافعی نے فرمایا کہ رسول کا حصہ اب خلیفہ کو ملے گا اور اس کے خلاف حجت وہ حدیث ہے جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح: امام شافعی کے یہاں رسول والا حصہ اب خلیفہ کو دیا جائے گا، لیکن اس کے خلاف ابھی طبرانی والی حدیث بیان کی جس میں تھا کہ خلفائے راشدین نے مال غنیمت کا صرف تین حصے کئے، اور رسول کا حصہ نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ رسول کا

(۲۸۰۹) 'وَسَهُمْ ذَوِ الْقُرْبَىٰ كَانُوا يَسْتَحِقُّونَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّصَرَةِ ۚ لَمَّا رَوَيْنَا. قَالَ وَبَعْدَهُ بِالْفَقْرِ. ۚ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ: هَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ. وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ: سَهُمُ الْفَقِيرِ مِنْهُمْ سَاقِطٌ أَيْضًا لَمَّا رَوَيْنَا مِنَ الْإِجْمَاعِ،

حصہ ساقط ہو چکا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۰۹) رشتہ داروں کا حصہ حضور کے زمانے میں مستحق ہوتے تھے مدد کی وجہ سے اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے۔
تشریح: حضور کے زمانے میں آپ کے رشتہ داروں کوئٹہ میں سے ایک حصہ اس لئے دیا جاتا تھا کہ وہ آپ کی ہر وقت مدد فرماتے تھے۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد مدد کا سلسلہ ختم ہو گیا اس لئے رشتہ داروں کا حصہ بھی ختم ہو گیا۔ اب رشتہ داری کی بنا پر نہیں دیا جائے گا۔ البتہ ان میں سے کوئی یتیم یا مسکین یا مسافر ہو تو یتیم ہونے یا مسکین ہونے یا مسافر ہونے کی بنا پر دیا جائے گا۔ البتہ ان کو پہلے دیا جائے گا کیونکہ یہ حضور کے رشتہ دار ہیں۔ اور اب تو وہ بھی نہیں رہے۔

وجہ: (۱) تعاون کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اخبرنی جبیر بن مطعم قال لما كان يوم خيبر وضع رسول الله ﷺ سهم ذی القربى فی بنی ہاشم وبنی المطلب وترک بنی نوفل وبن عبد شمس، فانطلقت انا وعثمان بن عفان حتی اتینا النبی ﷺ فقلنا یا رسول الله! هؤلاء بنو ہاشم لا ننکر فضلهم للمواضع الذی وضعک الله به منهم، فما بال اخواننا بنی المطلب اعطيتهم وترکتنا وقرابتنا واحدة؟ فقال رسول الله ﷺ انا وبنو المطلب لا نفترق فی جاهلیة ولا اسلام وانما نحن وهم شیء واحد وشبک بین اصابعہ صلی الله علیہ وسلم (ابوداؤد شریف، باب فی مواضع قسم الخمس وسهم ذی القربى، ج ۲، ص ۶۰، نمبر ۲۹۸۰)
اس حدیث میں آپ نے اشارہ فرمایا کہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں بنو مطلب نے ہماری مدد کی ہے جس کی وجہ سے اس کے لئے خمس میں ایک حصہ ہے۔ اور آپ کی وفات کے بعد مدد کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ان کا حصہ ساقط ہو جائے گا (۲) اوپر مستدرک للحاکم کا بھی اثر گزرا جس میں تھا کہ اب آپ کے رشتہ داروں کے حصے ساقط ہونے پر صحابہ کا اتفاق ہو گیا۔ عبارت یہ تھی فاجتمع رأیہم علی ان يجعلوا هذین السهمین فی الخیل والعدة فی سبیل الله فکانا علی ذالک فی خلافة ابی بکر وعمر (مستدرک للحاکم، کتاب قسم الفی، ج ثانی، ص ۱۳۰، نمبر ۲۵۸۵، مصنف عبدالرزاق، باب ذکر الخمس وسهم ذی القربى، ج خامس، ص ۱۶۲، نمبر ۹۵۴۵)

ترجمہ: مصنف فرماتے ہیں کہ یہ جو ذکر کیا گیا یہ امام کرخی کا قول تھا، اور امام طحاوی نے فرمایا کہ حضور رشتہ داروں میں جو فقیر ہیں ان کا حصہ بھی ساقط ہے، کیونکہ اوپر اجماع والی حدیث ذکر کی۔

۲. وَلَئِنَّ فِيهِ مَعْنَى الصَّدَقَةِ نَظْرًا إِلَى الْمَصْرِفِ فَيَحَرِّمُهُ كَمَا حَرَّمَ الْعِمَالَةَ. ۳. وَجْهُ الْأَوَّلِ وَقِيلَ هُوَ الْأَصَحُّ مَا رَوَى أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَعْطَى الْفُقَرَاءَ مِنْهُمْ، ۴. وَالْإِجْمَاعُ انْعَقَدَ عَلَى سُقُوطِ حَقِّ الْأَغْنِيَاءِ، أَمَّا فَقَرَاؤُهُمْ فَيَدْخُلُونَ فِي الْأَصْنَافِ الثَّلَاثَةِ.

تشریح: اوپر جو ذکر کیا کہ حضور کے جو رشتہ دار ہیں انکے فقراء کو غنیمت کا مال دیا جائے گا یہ امام کرنی کا قول ہے، ورنہ امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ ان کے فقراء بھی ساقط ہو گئے ہیں، کیونکہ اوپر مستدرک حاکم کی حدیث گزری جس میں تھا کہ صحابہ نے صرف تین ہی حصے کئے اور رشتہ داروں کا حصہ بالکل ختم کر دیا اس لئے رشتہ داروں کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲. دوسری وجہ یہ ہے کہ مصرف کو دیکھتے ہوئے اس میں صدقہ کا معنی ہے تو جس طرح بنو ہاشم کے عامل کو صدقہ کا مال لینا جائز نہیں ہے اسی طرح مال غنیمت میں صدقہ کا مال لینا جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: یہاں رشتہ دار کے فقراء کو دینا ہے اس لئے ایسا لگتا ہے کہ یہ صدقہ کا مال ہے، اور صدقہ کا مال جس طرح بنو ہاشم کے عامل یعنی صدقہ وصول کرنے والے آدمی کے لئے لینا جائز نہیں اسی طرح بنو ہاشم کے فقیروں کو بھی لینا جائز نہیں ہونا چاہئے۔

نوٹ: یہاں صاحب ہدایہ کو سو ہوا ہے، یہ مال تو غنیمت کا ہے صدقہ کا ہے ہی نہیں اس لئے فقراء کو بھی لینا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۳. پہلے قول کی وجہ جو صحیح ہے یہ ہے کہ روایت میں گزرا کہ حضرت عمر فقراء کو دیا کرتے تھے،

تشریح: بنو ہاشم اور بنو مطلب کے فقراء کو ملے گا یہی صحیح روایت ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ انکے فقراء کو دیا کرتے تھے اس لئے اس کو دینا جائز ہوگا وہ ساقط نہیں ہوا ہے۔

وجہ: (۱) اخبرنی جبیر بن مطعم و كان ابو بكر يقسم الخمس نحو قسم رسول الله ﷺ غير انه لم يكن يعطى قربي رسول الله ﷺ ما كان النبي ﷺ يعطيهم قال فكان عمر بن الخطاب يعطيهم منه و عثمان بعده - (ابوداود شریف، باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسهم زی القرابی، ص ۴۳۴، نمبر ۲۹۷۸) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ فقراء کو دیا کرتے تھے۔

ترجمہ: ۴. مالدار کے حق ساقط ہونے پر اجماع ہوا ہے فقیر تو تینوں قسموں میں داخل ہیں۔

تشریح: یہ امام طحاوی کو جواب ہے، کہ صحابہ کا جو اجماع ہوا ہے وہ بنو ہاشم کے مالدار کو ساقط کرنے کے لئے ہوا ہے، فقیر تو تینوں قسموں میں داخل ہیں، یعنی غریب ہیں تو غریب میں داخل ہیں، اور یتیم ہیں تو یتیم میں داخل ہیں اور مسافر ہیں تو مسافر میں داخل ہے اور ان لوگوں کو ان تینوں میں حصہ ملے گا۔

(۲۸۱۰) وَإِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوْ الْاِثْنَانِ دَارَ الْحَرْبِ مُغِيرَيْنِ بَغِيرِ إِذْنِ الْإِمَامِ فَأَخَذُوا شَيْئًا لَمْ يُخْمَسْ ۚ لِأَنَّ الْغَنِيمَةَ هُوَ الْمَأْخُوذُ قَهْرًا وَعَلَبَةً لَا اخْتِلَاسًا وَسِرْقَةً، وَالْخُمْسُ وَظِيفَتُهَا، ۲ وَلَوْ دَخَلَ الْوَاحِدُ أَوْ الْاِثْنَانِ بِإِذْنِ الْإِمَامِ فَفِيهِ رَوَايَتَانِ، وَالْمَشْهُورُ أَنَّهُ يُخْمَسُ لِأَنَّهُ لَمَّا أُذِنَ لَهُمُ الْإِمَامُ فَقَدْ اتَّزَمَ نَصْرَتَهُمْ بِالْإِمْدَادِ فَصَارَ كَالْمَنْعَةِ.

ترجمہ: (۲۸۱۰) اگر ایک یا دو آدمی دارالحرب میں لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں بغیر امام کی اجازت کے اور وہ کچھ لے لیں تو خمس نہیں لیا جائیگا۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ غنیمت اس مال ہے جو غلبہ اور قہر سے لیا ہو، اچک کر اور چوری کر کے نہیں لیا ہو اور اس صورت میں اس کا وظیفہ خمس ہے۔

تشریح: بغیر امام کی اجازت کے ایک یا دو آدمی لوٹ مار کرتے ہوئے داخل ہو جائیں اور حربیوں کا کچھ مال لوٹ لائیں تو اس میں سے امام خمس نہیں لے گا۔

وجہ: (۱) غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو غلبہ کر کے لیا ہو، اچک کر اور چوری کر کے نہیں لیا ہو یہاں یہ لوگ امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں داخل ہوئے ہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ ان لوگوں کا کوئی غلبہ نہیں ہے، بلکہ ایک اندازے سے چوری کرنا اور اچک کر لینا ہے اس مال کو نہ مال غنیمت قرار دیا جائے گا اور نہ اس میں خمس ہوگا۔ یہ چوری کا مال ہے اس لئے چاہے حربی سے لیا ہو یہ مال مغبوض ہے۔ (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال ان الغادر ينصب له لواء يوم القيامة فيقال هذه غدره فلان بن فلان (ابوداؤد شریف، باب فی الوفاء بالعہد، ص ۲۳، نمبر ۲۷۵۶ / بخاری شریف، باب اثم الغادر للمبر والفاجر، ص ۴۵۲، نمبر ۳۱۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عہد کو پورا کرنا چاہئے۔ اور ایک دو آدمیوں نے گویا کہ چوری کر کے عہد کو توڑا اس لئے اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔

لغت: مغیرین : اغار سے مشتق ہے رات کو دھاوا بولنا، غارت گیری کرنا۔

ترجمہ: ۲: اگر امام کی اجازت سے ایک یا دو آدمی دارالحرب میں داخل ہوا تو اس کے مال کے بارے میں دو روایتیں ہیں، مشہور روایت یہ ہے کہ اس میں خمس لیا جائے گا اس لئے کہ جب امام کی اجازت سے داخل ہوا تو امام نے اس کی مدد کا التزام کیا تو گویا کہ اس ایک دو آدمیوں کو بھی قوت ہو گئی۔

تشریح: امام کی اجازت سے ایک یا دو آدمی دارالحرب میں داخل ہوئے، اور حربیوں کا مال لیا تو اس میں خمس لیا جائے گا یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں [۱] ایک روایت یہ ہے کہ اس ایک دو آدمیوں کو قوت اور طاقت نہیں ہے، اس لئے چاہے امام کی

(۲۸۱۱) فَإِنْ دَخَلَتْ جَمَاعَةٌ لَهَا مَنَعَةٌ فَأَخَذُوا شَيْئًا خُمُسَ وَإِنْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُمُ الْإِمَامُ ۚ لِأَنَّهُ مَا خُوذَ فَهَرًّا وَغَلَبَةً فَكَانَ غَنِيمَةً،

اجازت سے یہ چوری جیسا مال ہے اس لئے اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔ [۲] دوسری روایت یہ ہے کہ اس میں خمس لیا جائے گا۔
وجہ: جب یہ امام کی اجازت سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام اس کی مدد کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہے اس لئے گویا کہ اس کو قوت اور غلبہ ہے اس لئے یہ غنیمت کا مال ہوا اس لئے اس میں خمس لیا جائے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جب امام کی اجازت سے کیا تو یہ چوری کا مال نہیں ہوا، بلکہ غنیمت کا مال ہو گیا اس لئے اس میں خمس لیا جائے گا۔
لغت: مَنَعَةٌ: روکنے کی طاقت، قوت اور طاقت۔

ترجمہ: (۲۸۱۱) اور اگر قوت والی جماعت داخل ہوئی اور انہوں نے کوئی چیز لی تو خمس لیا جائے گا چاہے امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ جو کچھ ان لوگوں نے لیا ہے وہ غلبہ اور قہر سے لیا ہے اس لئے یہ مال غنیمت ہوگا۔
تشریح: قوت والی جماعت سے مراد مجاہدین کا دستہ ہے غارت گیری کرنے والی جماعت نہیں ہے۔ پس اگر مجاہدین کا دستہ امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب چلی جائے اور جہاد کر کے مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس ہے۔

وجہ: (۱) یہ غارت گیری نہیں ہے بلکہ جہاد ہی ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ امام کی اجازت کے بغیر ہے۔ کیونکہ یہ دستہ ان لوگوں سے غنیمت حاصل کیا ہے جو حربی ہیں اور جن سے جنگ جاری ہے (۲) اگرچہ امام کی جانب سے ظاہری اجازت نہیں ہے لیکن اندرونی طور پر اجازت ہے کیونکہ ایسے حالات میں امام تو چاہتے ہی ہیں کہ حربیوں کو شکست ہو اور جانی اور مالی نقصان ہو۔ اور اس دستے نے وہ کر دیا اس لئے اشارۃً اجازت موجود ہے اس لئے اس سے خمس لیا جائے گا (۳) حدیث میں حضرت سلمۃ بن اکوع کی لمبی حدیث ہے جس میں انہوں نے اہل مکہ سے حضورؐ کی اجازت کے بغیر جنگ کی ہے۔ اور حضورؐ کے اونٹ کو بھی چھڑایا اور اہل مکہ کے سامان کو بھی مال غنیمت میں حاصل کیا۔ پھر حضورؐ نے ان کو گھوڑ سوار اور پیدل دونوں کا حصہ عنایت فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام کی مراد سمجھ کر اس کی اجازت کے بغیر کوئی جماعت مال غنیمت لے آئے تو اس میں خمس لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ غنیمت کا مال ہے چوری کا مال نہیں ہے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنی ایاس بن سلمۃ عن ابیہ قال اغار عبد الرحمن ابن عیینۃ علی اہل رسول اللہ ﷺ... فاذا نبی اللہ فی خمس مائۃ فاعطانی سہم الفارس والراجل (ابوداؤد شریف، باب السریۃ ترد علی اہل العسکر، ص ۲۲، نمبر ۵۲۵۲، مسلم شریف، باب غزوۃ ذی قرد وغیرہا، ج ۲، ص ۱۱۳، نمبر ۸۷۱۸۰/۸۷۱۸۱) اس حدیث میں حضورؐ کی اجازت کے بغیر موقع کا جہاد کیا۔ آپؐ نے اس سے خمس بھی لیا ہوگا۔ اور

۲ وَلِأَنَّهُ يَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَنْصُرَهُمْ إِذْ لَوْ خَذَلَهُمْ كَانَ فِيهِ وَهْنُ الْمُسْلِمِينَ، بِخِلَافِ الْوَاحِدِ وَالْأَثْنَيْنِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ نَصْرُهُمْ.

صحابی کو پیدل اور گھوڑ سوار کے حصے عنایت فرمائے۔ (۳) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن الحسن قال اذا رحلوا باذن الامام اخذ الخمس وكان لهم ما بقى واذا رحلوا بغير اذن الامام فهو اسوة الجیش (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۱۲ فی السریۃ تخرج بغير اذن الامام فتغنم، ج ۶ ص ۴۹۹، نمبر ۳۳۲۳۱) اس قول تابعی میں ہے کہ جمیش کے برابر ہوگا یعنی خمس لیا جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام کا منشا سمجھ کر کام کیا تو خمس لیا جائے گا اور وہ کام جائز ہوگا۔ اور اگر چوری اور غارت گری کا مال ہو تو یہ ناجائز مال ہے، اس میں خمس نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ امام پر اس کی مدد واجب ہے اس لئے کہ اگر وہ ناکام ہوئے تو اس میں مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوگی، بخلاف ایک دو آدمی کے اس لئے امام پر اس کی مدد واجب نہیں ہے۔

تشریح: یہ مجاہد کی ایک جماعت ہے اس لئے اس کو قہر اور غلبہ ہے، اور اگر قہر اور غلبہ نہ بھی ہو اور امام کی اجازت کے بغیر گئی ہو تب بھی امام پر اس کی مدد واجب ہے، کیونکہ اگر یہ ناکام ہوئی تو اس میں مسلمان کی کمزوری کا اظہار ہے اس لئے گویا کہ اس کو غلبہ ہے اور امام کی اجازت ہے اس لئے یہ مال غنیمت کا ہے، اس میں خمس لیا جائے گا۔

﴿فَصْلٌ فِي التَّنْفِيلِ﴾

(۲۸۱۲) قَالَ: وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُنْفَلَ الْإِمَامُ فِي حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ بِهِ عَلَى الْقِتَالِ فَيَقُولَ "مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ" (۲۸۱۳) وَيَقُولَ لِلْسَرِيَّةِ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمْ الرَّبْعَ بَعْدَ الْخُمْسِ ۚ مَعْنَاهُ بَعْدَمَا رَفَعَ الْخُمْسَ لِأَنَّ التَّحْرِيطَ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ وَهَذَا نَوْعُ تَحْرِيطٍ،

﴿فصل فی التنفیل﴾

ترجمہ: (۲۸۱۲) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ امام جنگ کی حالت میں انعام کا وعدہ کرے اور انعام دے کر قتل پر ابھارے۔ اور کہے کہ جو جس کو قتل کرے اس کا ساز و سامان اسی کے لئے ہے۔

تشریح: مال غنیمت میں حصے کے علاوہ مزید انعام دے کر مجاہدین کو قتل پر ابھارنا جائز ہے۔ اور یہ بھی کہے کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز و سامان اسی کے لئے ہوگا۔

وجہ: (۱) آیت میں اس کی ترغیب ہے۔ یا ایہا النبی حرض المؤمنین علی القتال (آیت ۶۵، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ اے نبی ایمان والوں کو قتل پر ابھاریے (۲) حدیث میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر آپ نے یہ کہہ کر ابھارا تھا کہ جو جس کو قتل کرے گا اس کا ساز و سامان اسی کے لئے ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من قتل قتیلاً له علیہ بینه فله سلبہ (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن قتل قتیلاً فله سلبہ، ص ۲۵۸، نمبر ۱۵۶۲/۱ ابوداؤد شریف، باب فی النفل، ج ۲، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۸/۲ مسلم شریف، باب استحقاق القاتل سلب التقتیل، ج ۲، ص ۸۶، نمبر ۱۷۵۱/۱۷۵۸ بخاری شریف، باب من لم یتخمس الاسلاب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲، کتاب فرض الخمس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزید انعام کا وعدہ کرنا جائز ہے۔

لغت: حرض: قتال پر ابھارنا، نفل: مزید انعام، سلب: چھیننا ہوا مال، سلب سے مشتق ہے چھیننا۔

ترجمہ: (۲۸۱۳) یا کہے دستہ سے کہ میں نے تمہارے لئے چوتھائی کی خمس نکالنے کے بعد۔

ترجمہ: ۱: اس کا معنی یہ ہے کہ خمس کے نکالنے کے بعد۔

تشریح: بڑے لشکر کے اندر سے کوئی چھوٹا لشکر جس کو دستہ کہتے ہیں وہ کسی جگہ جنگ کے لئے جا رہا ہے اس کی ہمت

۲. ثُمَّ قَدْ يَكُونُ التَّفْهِيلُ بِمَا ذَكَرَ وَقَدْ يَكُونُ بَعِيْرُهُ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يَنْفَلَ بِكُلِّ الْمَأْخُودِ لِأَنَّ فِيهِ إِبْطَالُ حَقِّ الْكُلِّ، فَإِنْ فَعَلَهُ مَعَ السَّرِيَّةِ جَازٍ؛ لِأَنَّ التَّصَرُّفَ إِلَيْهِ وَقَدْ يَكُونُ الْمَصْلَحَةُ فِيهِ

بڑھانے کے لئے امام کہے کہ جتنا مال غنیمت میں لاؤ گے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد جو بچے گا اس میں سے چوتھائی تم لوگوں کو انعام دیں گے۔ اس کے بعد اس کو مال غنیمت کے طور پر لشکر میں تقسیم کریں گے۔ مثلاً بیس اونٹ غنیمت میں لایا اس میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا جو چار اونٹ ہونگے۔ باقی سولہ اونٹ میں سے چوتھائی یعنی چار اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے اور باقی بارہ اونٹ تمام مجاہدین پر بطور مال غنیمت تقسیم کریں گے۔

وجہ: حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن حبيب بن سلمة ان رسول الله ﷺ كان ينفل الربع بعد الخمس والثلث بعد الخمس اذا قفل (ابوداؤد شریف، باب فینم قال الخمس قبل النفل، ص ۲۱، نمبر ۴۹، ۲۷۷۲ ترمذی شریف، باب فی النفل، ص ۲۸۲، نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موقع محل کے اعتبار سے امام انعام کا اعلان کر سکتا ہے۔

لغت: السرية : چھوٹا لشکر، دستہ۔

ترجمہ: ۲. اس لئے کہ قتل پر ابھارنا مستحب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مومن کو قتال پر ابھارے اور انعام دیکر ابھارنا یہ بھی ایک قسم کا ابھارنا ہے۔

تشریح: اوپر آیت گزر گئی جس میں قتال پر ابھارنے کا حکم تھا۔

پھر انعام دینے کا طریقہ وہ بھی ہے جس کا ذکر گزرا، اور کبھی دوسرے طریقے سے بھی ہوتا ہے، لیکن امام کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جتنا مال لایا ہے سب انعام میں دے دے، اس لئے کہ صورت میں سب مجاہدین کا حق مارنا ہے، لیکن چھوٹی جماعت کے ساتھ کر لیا تو جائز ہے، کیونکہ اس بارے میں امام کے تصرف کا اعتبار ہے، اور کبھی پورا مال دینے میں مصلحت ہوتی ہے۔

تشریح: یہاں تین باتیں بتا رہے ہیں [۱] انعام دینے کا ایک طریقہ وہ ہے جو اوپر گزرا، من قتل قتیلًا فلہ سلبہ، جو جس کو قتل کرے گا اس کا سامان اس کو دیا جائے گا، اس کے علاوہ بھی انعام دینے کا طریقہ ہے، مثلاً کہے کہ اگر تم نے فلان کو قتل کیا تو دو ہزار درہم انعام دیا جائے گا۔ [۲] دوسری بات یہ ہے کہ مجاہد نے جتنا مال جہاد کر کے لایا سب مال مجاہد کو دے دے یہ مناسب نہیں ہے، کیونکہ اس مال میں دوسرے مجاہد کا بھی حق ہے، اس طرح اس کا حق باطل کرنا لازم آئے گا۔ [۳] تیسری بات یہ ہے کہ لیکن اگر امام نے دے دیا تو وہ دے سکتا ہے، کیونکہ امام کو اس کا اختیار ہے، اور بعض مرتبہ ایسا کرنے میں مصلحت ہوتی ہے، اس لئے وہ سب مال بھی دے سکتا ہے، تاہم ہمیشہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

(۲۸۱۴) وَلَا يَنْفُلُ بَعْدَ إِحْرَازِ الْغَنِيمَةِ بَدَارِ الْإِسْلَامِ ۚ لِأَنَّ حَقَّ الْغَيْرِ قَدْ تَأَكَّدَ فِيهِ بِالْإِحْرَازِ. قَالَ: إِلَّا مِنْ الْخُمْسِ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْغَانِمِينَ فِي الْخُمْسِ،

ترجمہ: (۲۸۱۴) اور انعام نہ دے دارالاسلام میں غنیمت جمع کرنے کے بعد مگر خمس سے۔

ترجمہ: اس لئے کہ دارالاسلام میں جمع کرنے کے بعد دوسرے مجاہد کا بھی حق متاكد ہو گیا ہے، اور خمس میں کسی مجاہد کا حق نہیں ہے۔

تشریح: جنگ ختم ہو گئی۔ لوگوں نے مال غنیمت بھی جمع کر لیا اور دارالاسلام میں لا چکا ہے۔ اب اس میں سے کسی کو انعام دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر دینا ہی ہے تو پورے مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالا ہے اس میں سے انعام دے۔

وجہ: (۱) مال غنیمت جمع ہونے کے بعد سب مجاہدین کا حق لاحق ہو گیا ہے۔ اب اس میں سے کسی کو انعام دینا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اگر دینا ہی ہو تو خمس جو نکالا ہے اس میں سے کسی کو انعام دے۔ ہاں! حالت جنگ میں کسی کے لئے انعام کا وعدہ کیا تھا تو وہ پورے مال غنیمت میں سے دیگا (۲) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ سمعت عمرو بن عبسۃ قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ الی بعیر من المغنم فلما سلم اخذ وبرۃ من جنب البعیر ثم قال ولا یحل لی من غنمائکم مثل هذا الا الخمس والخمس مردود فیکم (ابوداؤد شریف، باب الامام یتاثر بشیء من الفی لنفسه، ج ۲، ص ۲۳، نمبر ۲۵۵) اس حدیث میں جب حضور فرماتے ہیں کہ خمس کے علاوہ میں مال غنیمت کا مالک نہیں ہوں۔ تو جب مال غنیمت میں مجاہدین کا حق ثابت ہو گیا تو اب دوسرے کو انعام کیسے دے سکیں گے (۳) قول صحابی میں ہے کہ حضرت انسؓ کو حضرت عبید اللہ بن ابی بکرؓ مال غنیمت میں سے انعام دینا چاہتے تھے تو انہوں نے انکار فرمایا اور فرمایا کہ اگر دینا ہی ہو تو خمس جو نکالا ہے اس میں سے دو۔ قول صحابی یہ ہے۔ ان انس بن مالک کان مع عبید اللہ بن ابی بکرۃ فی غزاة غزاها فاصابوا سبیا فاراد عبید اللہ ان یعطی انسا من السبی قبل ان یقسم فقال انس لا ولكن اقسم ثم اعطنی من الخمس قال فقال عبید اللہ لا الا من جمیع الغنائم فابی انس ان یقبل منه وابی عبید اللہ ان یعطیه من الخمس شینا (طحاوی شریف، باب النفل بعد الفراغ من قتال العدو و احراز الغنیمۃ، ج ثانی، ص ۱۳۳، مصنف عبدالرزاق، باب لافل الامن الخمس و لافل من الذهب والفضۃ، ج خامس، ص ۱۳۱، نمبر ۹۴۰) اس قول صحابی میں ہے کہ خمس میں سے انعام دے۔

لغت: احراز : مال جمع کرنا۔

(۲۸۱۵) وَإِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلْبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيمَةِ، وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ ۖ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: السَّلْبُ لِلْقَاتِلِ إِذَا كَانَ مِنْ أَهْلِ أَنْ يُسْهِمَ لَهُ وَقَدْ قَتَلَهُ مُقْبِلًا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ" وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ نَصَبُ شَرْعٍ لِأَنَّهُ بَعَثَهُ لَهُ،

ترجمہ: (۲۸۱۵) اگر سامان قاتل کے لئے نہیں کیا تو وہ غنیمت میں ہوگا اور اس میں قاتل اور غیر قاتل برابر ہوگا۔

تشریح: اگر امام نے مزید انعام دینے کا اعلان کیا تب تو مقتول کا ساز و سامان قاتل کے لئے ہوگا۔ اور اگر یہ اعلان نہیں کیا تو مقتول کا ساز و سامان قاتل کے لئے نہیں ہوگا۔ اس کو مال غنیمت میں شامل کر دیا جائے گا۔ اور اس سامان میں قاتل اور غیر قاتل سب کا حصہ برابر ہوگا۔

وجہ: (۱) جنگ حنین کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ باضابطہ امام انعام کا اعلان کرے اور قاتل قتل کرنے پر گواہ پیش کرے تب اس کو سلب اور انعام دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابی قتادۃ قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ عام حنین ... وجلس النبی ﷺ فقال من قتل قتیلاً له علیہ بینۃ فله سلبہ فقمت فقلت من یشہد لی؟ ثم جلست ثم قال من قتل قتیلاً له علیہ بینۃ فله سلبہ فقمت فقلت من یشہد لی؟ (بخاری شریف، باب من لم تخمس الاسلاب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۱۴۲، مسلم شریف، باب استحقاق القاتل سلب القتل، ص ۸۶، نمبر ۱۷۵۱/۱۷۵۲، ۴۵۶۸) اس حدیث کے انداز سے معلوم ہوا کہ امام انعام کا اعلان کرے گا تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا ورنہ نہیں (۲) کیونکہ ابو بکرؓ نے انعام دینے سے انکار فرمایا۔ فقال ابو بکرؓ لا ہا اللہ اذا لا یعمد الی اسد من اسد اللہ یقاتل عن اللہ ورسولہ یعطیک سلبہ (بخاری شریف، نمبر ۳۱۴۲، مسلم شریف، نمبر ۱۷۵۱) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے عام حالات میں انعام دینے سے انکار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام انعام دینے کا وعدہ کرے گا تو سلب دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

ترجمہ: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر قاتل قتل کرنے والے کو مال غنیمت میں حصہ ملتا ہو اور سامنے سے حملہ کرنے والے کفار کو قتل کیا تو قتل کرنے والے مجاہد کو کفار کا سامان ملے گا، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے مقتول کو قتل کیا تو اس کا سامان قاتل کو ملے گا، اور ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ ہمیشہ کے لئے قانون بنایا ہے اس لئے کہ حضور اسی کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ امام نے انعام دینے کا اعلان کیا ہو یا نہ کیا ہو، اگر دو شرطیں پائی جائیں تو قاتل کو مقتول کا سامان ملے گا [۱] ایک شرط یہ ہے کہ قتل کرنے والا ایسا ہو کہ اس کو مال غنیمت میں حصہ ملتا ہو، عورت اور بچہ نہ ہو جسکو حصہ نہیں ملتا ہے۔ [۲] دوسری شرط یہ ہے کہ کافر سامنے سے حملہ اور ہوا ہو اس کو قتل کیا ہو۔ پیچھے سے حملہ اور نہیں ہوا اور نہ بھاگتے ہوئے کو قتل کیا ہو۔

۲. وَلَإِنَّ الْقَاتِلَ مُقْبِلًا أَكْثَرَ غِنَاءً فَيَخْتَصُّ بِسَلْبِهِ إِظْهَارًا لِلتَّفَاوُتِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ. ۳. وَلَنَا أَنَّهُ مَأْخُوذٌ بِقُوَّةِ الْجَيْشِ فَيَكُونُ غَنِيمَةً فَيَقْسَمُ الْغَنَائِمُ كَمَا نَطَقَ بِهِ النَّصُّ. ۴. وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِحَبِيبِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ "لَيْسَ لَكَ مِنْ سَلَبِ قَتِيلِكَ إِلَّا مَا طَابَتْ بِهِ نَفْسُ إِمَامِكَ"

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ جس سے مقتول کو قتل کیا تو اس کو مقتول کا سامان ملے گا، یہ حدیث ہمیشہ کے لئے ہے امام نے دینے کا اعلان کیا ہو یا نہ کیا۔ حدیث یہ ہے عن ابی قتادة قال قال رسول الله ﷺ من قتل قتيلًا له عليه بيعة فله سلبه (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن قتل قتیلًا فله سلبه، ص ۲۵۸، نمبر ۱۵۶۲/۱ ابوداؤد شریف، باب فی النفل، ج ۲، ص ۱۹، نمبر ۲۷۳۸)۔

لغت: قتلہ مقبلاً: کافر سامنے سے حملہ آور ہوا ہو اس کو مجاہد نے قتل کیا ہو۔ الظاهر انه نصب شرع لانه بعث له: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے حدیث میں، من قتل قتیلًا، کا جملہ وقتی انعام کے لئے بیان نہیں کیا ہے، بلکہ ہمیشہ کے لئے قانون بنا دیا ہے، اس لئے کہ آپ قانون بنانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

ترجمہ: ۲: اور اس لئے کہ سامنے سے حملہ کرنے والے کو قتل کرنا بہت فائدہ مند ہے اس لئے اس کے درمیان اور دوسرے کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لئے مقتول کا سامان دیکر امتیاز بخشا جائے۔

تشریح: کافر سامنے سے حملہ آور ہو رہا ہے اس کو قتل کرنا بڑی بات ہے اور اس میں مسلمانوں کا بہت فائدہ ہے اس لئے مقتول کا سامان دیکر اس کو امتیاز بخشا جائے، اس لئے اس کو مقتول کا سامان دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۳: ہماری دلیل یہ ہے کہ مقتول کا جو سامان لیا گیا ہے وہ پورے لشکر کی قوت کی وجہ سے لیا گیا ہے اس لئے یہ مال غنیمت میں جائے گا اس لئے غنیمت کی طرح تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ آیت میں ہے۔

تشریح: یہ امام شافعی کو جواب ہے۔ یہ جو قاتل نے مقتول کا سامان لیا ہے، یہ اس کی ذاتی قوت نہیں ہے بلکہ لشکر کی قوت کی وجہ سے وہ اس قابل ہوا کہ کافر کو قتل کر کے اس کا سامان چھین لیا اس لئے یہ سامان مال غنیمت کی تقسیم سب میں تقسیم ہوگا، کیونکہ آیت میں ہے کہ جو کچھ بھی مال غنیمت میں آئے اس کو سب میں تقسیم کرو۔

وجہ: یہ آیت گزر چکی ہے۔ واعلموا انما غنمتم من شيء فان لله خمسہ وللرسول ولذی القربى والیتمی والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم بالله (آیت ۴۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ جو کچھ غنیمت میں آئے اس کو اس پانچ قسموں میں تقسیم کرو۔

ترجمہ: ۴: حضور ﷺ نے حبیب مسلمہ سے کہا تھا کہ تم کو اتنا ہی ملے گا جتنا امام نے چاہا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل ہے کہ حضور نے حبیب مسلمہ سے کہا تھا امام جتنا چاہے گا وہی ملے گا، مقتول کا پورا سامان نہیں ملے گا۔

۵. وَمَا رَوَاهُ يَحْتَمِلُ نَصَبَ الشَّرْعِ وَيَحْتَمِلُ التَّنْفِيلَ فَنَحْمِلُهُ عَلَى الثَّانِي لِمَا رَوَيْنَاهُ. وَزِيَادَةُ الْغِنَاءِ لَا تُعْتَبَرُ فِي جَنْسٍ وَاحِدٍ كَمَا ذَكَرْنَاهُ.

(۲۸۱۶) وَالسَّلْبُ مَا عَلَى الْمَقْتُولِ مِنْ ثِيَابِهِ وَسِلَاحِهِ وَمَرْكَبِهِ، وَكَذَا مَا كَانَ عَلَى مَرْكَبِهِ مِنَ السَّرَجِ وَالْأَلَةِ، وَكَذَا مَا مَعَهُ عَلَى الدَّابَّةِ مِنْ مَالِهِ فِي حَقِيبَتِهِ أَوْ عَلَى وَسْطِهِ وَمَا عَدَا ذَلِكَ فَلَيْسَ بِسَلْبٍ.

وجہ: حدیث یہ ہے۔ فبلغ حبیب بن مسلمہ فان رسول الله جعل السلب للقاتل، فقال معاذ يا حبیب انی سمعت رسول الله ﷺ يقول انما للمرء ما طابت به نفس امامه۔ (طبرانی کبیر، باب حبیب بن مسلمہ الفہری، ج ۴، ص ۲۱، نمبر ۳۵۳۳) اس حدیث میں ہے کہ امام جتنا چاہے دے سکتا ہے، ہر قاتل کے لئے سلب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵: اور امام شافعیؒ نے جو، من قتل قیلا فله سلبہ، والی حدیث روایت کی ہے وہ احتمال رکھتا ہے کہ وہ قانون کے لئے ہو اور احتمال رکھتا ہے کہ وہ انعام دینے کے لئے ہو، اس لئے حبیب بن مسلمہ کی حدیث کی وجہ سے ہم اس کو انعام پر حمل کریں گے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی حدیث کا جواب ہے، امام شافعیؒ نے جو من قتل قیلا فله سلبہ، والی حدیث روایت کی ہے، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے قانون بنانے کے لئے ذکر کی کہ جب کافر کو سامنے سے قتل کرے گا تو قاتل کو اس کا سامان ملے گا، اور دوسری صورت یہ ہے کہ انعام دینے کے لئے یہ حدیث ذکر کی ہو، لیکن اوپر حبیب بن مسلمہ کی حدیث کی وجہ سے ہم اس کو انعام دینے پر محمول کریں گے، ہمیشہ دینے پر محمول نہیں کریں گے۔

ترجمہ: ۶: اور زیادہ فائدہ حملے کی صرف ایک صورت میں نہیں ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ سامنے سے حملہ آور کو قتل کرنا زیادہ فائدہ مند ہے اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بعض مرتبہ بھاگتے ہوئے کو قتل کرنا زیادہ فائدہ مند ہو تو ہے اس لئے سامنے والے کو ہی سامان دینا مخصوص نہیں رہا۔

ترجمہ: (۲۸۱۶) مقتول پر جو اس کا کپڑا ہو، ہتھیار ہو اور سواری ہو وہ سلب ہیں۔ ایسے ہی سواری پر جو زین اور آلات [لگام وغیرہ، ایسے ہی سواری پر جو تھیلی ہو اس میں جو مال ہو، یا اس کے پیٹ پر جو تھیلی وغیرہ ہو] وہ سب سلب ہیں [اور اس کے علاوہ سلب نہیں ہے۔]

تشریح: سلب میں کون کون سے سامان داخل ہیں، تو فرماتے ہیں کہ مقتول پر جو کپڑا ہے یا مقتول پر جو ہتھیار ہے اور مقتول جس سواری پر سوار ہے، پھر سواری کا لگام، اس پر جو بڑی تھیلی ہے وہ اور جو کچھ تھیلی میں سامان ہیں وہ سب سلب میں داخل ہیں، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہیں وہ سلب میں داخل نہیں ہیں۔ امام کے من قتل قیلا فله سلبہ، کہنے سے یہ سب سلب میں داخل ہوں گے۔ اور امام پر یہ سب دینا لازم ہوگا۔

۱۔ وَمَا كَانَ مَعَ غَلَامِهِ عَلَى دَابَّةٍ أُخْرَى فَلَيْسَ بِسَلْبِهِ

وجہ: (۱) ہتھیار شامل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال نفلنی رسول اللہ ﷺ یوم بدر سیف ابی جہل کان قتله (ابوداؤد شریف، باب من اجاز علی جریح مخش ینفل من سلبہ، ج ۲، ص ۱۷، نمبر ۲۲۲) اس میں ابو جہل کی تلوار نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار سلب میں داخل ہے۔ (۲) سوار سلب میں داخل ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد اللہ قال بعثنا رسول اللہ ﷺ فی سریۃ فبلغت سہمانا اثنی عشر بعیرا و نفلنا رسول اللہ ﷺ بعیرا بعیرا (ابوداؤد شریف، باب فی النفل للسرۃ یتخرج من العسکر، ج ۲، ص ۲۰، نمبر ۲۴۵) اس حدیث میں اونٹ نفل میں دیا جس سے معلوم ہوا کہ سواری سلب میں داخل ہے۔ (۳) کپڑا، لگام، گھوڑے کا زین وغیرہ بھی سلب میں داخل ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان مددیار افقہم فی غزوۃ موتہ وان رومیا کان یشد علی المسلمین ویغری بہم فتلطف لہ ذلک المددی فقعد لہ تحت صخرۃ فلما مر بہ عرقب فرسہ وخر الرومی فعلاہ بالسیف فقتلہ فاقبل بفرسہ و سیفہ و سرجہ و لجامہ و منطقہ و سلاحہ کل ذلک مذهب بالذهب والجوہر الی خالد بن الولید فاخذ منہ خالد طائفۃ و نفلہ بقیۃ، فقلت یا خالد ما ہذا؟ اما تعلم ان رسول اللہ ﷺ نفل القاتل سلب کلہ قال بلی ولكنی استکثرتہ (طحاوی شریف، باب الرجل ینقل قتیلا فی دار الحرب هل یكون لہ سلبہ م لا؟، ج ۲، ص ۱۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا، زین، لگام، پٹکا اور ہتھیار وغیرہ سب سلب میں داخل ہیں۔ البتہ نقدی، سونا، چاندی مقتول کے پاس ہو تو وہ سلب میں داخل نہیں ہیں۔

وجہ: اس کی دلیل حضرت عمرؓ کے اثر کا یہ ٹکڑا ہے۔ فکتب الی عمرؓ ان دع الناس یا کلون ویعلفون فمن باع شیئا بذهب او فضۃ فقد وجب فیہ خمس اللہ وسہام المسلمین (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲۷، فی الطعام والعلف یؤخذ منہ اشیء فی ارض العدو، ج ۶، ص ۵۰۸، نمبر ۳۱۹۳۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں سب مجاہدین کا حق ہے۔ وہ سلب میں داخل نہیں ہے۔

لغت: سلب: چھیننا ہو سامان، یہاں مراد ہے مقتول کا چھیننا ہو سامان۔ سلاح: ہتھیار۔ مرکب: سواری۔ سرج: زین۔ الآلۃ: آلات سے مراد سواری کا لگام وغیرہ مراد ہے حقیقۃً: تھیلی، گھوڑے پر بڑی تھیلی ہوتی ہے جس میں سوار اپنا سامان رکھتا ہے۔ وسطہ: گھوڑے کے درمیان میں یعنی اس کے پیٹ پر ایک تھیلی لگی ہوتی ہے جس میں سامان ہوتا ہے، یہ سب سلب میں داخل ہیں۔

ترجمہ: اور دوسرے سواری پر مقتول کے غلام کے ساتھ سامان ہو وہ سلب میں داخل نہیں ہے۔

تشریح: اس لئے کہ وہ اس مقتول کے تابع نہیں ہے۔

۲، ثُمَّ حُكِّمَ التَّنْفِيلُ قَطَعَ حَقَّ الْبَاقِينَ، ۳ فَأَمَّا الْمَلِكُ فَإِنَّمَا يَثْبُتُ بَعْدَ الْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لِمَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ، حَتَّى لَوْ قَالَ الْإِمَامُ مَنْ أَصَابَ جَارِيَةً فَهِيَ لَهُ فَأَصَابَهَا مُسْلِمٌ وَاسْتَبْرَأَهَا لَمْ يَحِلَّ لَهُ وَطُؤُهَا، وَكَذَا لَا يَبِيعُهَا. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَهُ أَنْ يَطَّأَهَا وَيَبِيعَهَا، لِأَنَّ التَّنْفِيلَ يَثْبُتُ بِهِ الْمَلِكُ عِنْدَهُ كَمَا يَثْبُتُ بِالْقِسْمَةِ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَبِالشَّرَاءِ مِنَ الْحَرَبِيِّ، ۴ وَوُجُوبُ الضَّمَانِ بِالْإِتْلَافِ قَدْ قِيلَ عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: ۲: پھر نفلی دینے کے حکم سے دوسرے مجاہدین کا حق ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: جو سامان سلب کا ہے امام کے انعام دینے کے اعلان کے بعد وہ صرف قاتل کو ملے گا، دوسرے مجاہدین کو اب نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۳: قاتل کی ملکیت ثابت ہوگی دارالاسلام میں جمع ہو جانے کے بعد جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر امام نے کہا کہ جس کو باندی ملے تو وہ اسی کی ہے، اب ایک مسلمان نے باندی پائی اور اس کو پاک بھی کر لیا تو اس سے وطی کرنا حلال نہیں ہے، اور ایسے ہی اس کو بیچنا جائز نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے۔

اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس باندی سے وطی کرنا بھی جائز ہے اور اس کا بیچنا بھی جائز ہے، اور اس لئے کہ امام محمدؒ کے یہاں دار الحرب میں ہی قاتل کی ملکیت ہو جاتی ہے، جیسے دار الحرب میں امام تقسیم کر کے دے تو مجاہد کی ملکیت ہو جاتی ہے، اور حربی سے باندی خرید لے تو ملکیت ہو جاتی ہے۔

تشریح: امام نے سلب کا اعلان کر دیا، اور قاتل نے مقتول کا سلب جمع بھی کر لیا، لیکن اس پر قاتل کی ملکیت اس وقت ہوگی جب اس سامان کو دارالاسلام میں جمع کرے گا، یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک دار الحرب میں ہی ملکیت ہو جاتی ہے، چنانچہ امام نے کہا کہ قیدی باندی جس نے پکڑی وہ اس کی ہے، اب زید نے قیدی پکڑی اور اس کو حیض سے پاک بھی کر لیا تو امام محمدؒ کے یہاں دار الحرب میں بھی اس سے وطی کرنا جائز ہوگا، کیونکہ وہ قیدی اس مجاہد کی مملوکہ بن چکی ہے، اور شیخین کے یہاں جب تک دارالاسلام میں نہیں لائے گا اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ابھی تک مملوکہ نہیں بنی ہے۔ اسی طرح امام محمدؒ کے نزدیک مجاہد اس باندی کو دار الحرب میں دوسرے سے بیچ سکتا ہے، کیونکہ وہ اس کی مملوکہ بن چکی ہے، اور شیخین کے نزدیک اس کو ابھی بیچ نہیں سکتا، کیونکہ مجاہد اس کا مالک نہیں بنا ہے۔

ترجمہ: ۴: اور اس باندی کو کوئی ہلاک کر دے تو بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔

تشریح: باندی کو اس مجاہد سے لیکر کسی نے ضائع کر دیا، تو امام محمدؒ کے نزدیک مجاہد ہی اس کا ضمان لیگا، کیونکہ اس کی مملوکہ کو ضائع کیا ہے، اور شیخین کے نزدیک مجاہد اس کا ضمان نہیں لے گا امام اس کا ضمان لیگا، کیونکہ انکے یہاں مجاہد اس کا مالک نہیں بنا ہے۔

﴿بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّارِ﴾

(۲۸۱۷) وَإِذَا غَلَبَ التُّرُكُ عَلَى الرُّومِ فَسَبِّوهُمْ وَأَخْذُوا أَمْوَالَهُمْ مَلَكَوَهَا؛ لِأَنَّ الْإِسْتِيلَاءَ قَدْ تَحَقَّقَ فِي مَالٍ مُبَاحٍ وَهُوَ السَّبَبُ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

﴿بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّارِ﴾

ترجمہ: (۲۸۱۷) اگر ترکی لوگ روم والوں پر غالب آجائیں اور ان کو قید کر لیں اور ان کے مال کو لے لیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

ترجمہ: اس لئے کہ مباح مال پر غلبہ ہو گیا اور مالک بننے کا سبب یہی ہے، جیسا کہ ہم بعد میں بیان کریں گے۔

تشریح: ترک اور اہل روم سے مراد کافر ہیں۔ یعنی ایک کافر ملک کے لوگ دوسرے کافر ملک کے لوگوں پر غالب آجائیں اور ان کے لوگوں کو قید کر لیں اور ان کے مال پر قبضہ کر لیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔

وجہ: (۱) جب مسلمان کے مال پر کافر قبضہ کر لیتے ہیں تو وہ مالک ہو جاتے ہیں تو کافر کے ملک پر قبضہ کریں گے تو کیوں مالک نہیں ہوں گے؟ (۲) مالک ہونے کی وجہ غلبہ ہونا اور اپنے ملک کے اندر لے جانا ہے اور یہ پایا گیا اس لئے وہ مالک ہو جائیں گے۔

لغت: سبو: سبی سے مشتق ہے قید کرنا، ترک: ترکی، ایک ملک ہے جو پہلے کافر ملک تھا، اب وہ مسلمان ملک ہے، روم: ترک کے پاس ایک ملک ہے جو ابھی تک کافر ملک ہی ہے۔

اصول: حربی کا مملوک چیزیں مباح ہیں اس لئے اس پر کوئی دوسرا حربی قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا، اور اس پر اگر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے تو مسلمان اس کا مالک بن جائے گا۔

اصول: جن کافروں سے اسلام کی جنگ چل رہی ہو وہ حربی ہے اس کی چیزوں پر قبضہ کرنے سے مالک بنے گا، لیکن جن حربیوں سے جنگ نہیں چل رہی ہو اس کی چیز پر زبردستی قبضہ کرنا جائز نہیں ہے، اور اس پر قبضہ کرنے سے مسلمان اس کا مالک نہیں بنے گا۔

اصول: مسلمان کسی کافر ملک میں امن لیکر کر رہ رہا ہو، تو اس کو دارالامن، کہتے ہیں، وہاں کے لوگوں کی چیزوں پر زبردستی قبضہ کرنے سے اس چیز کا مالک نہیں بنے گا، اور نہ اس پر زبردستی قبضہ کرنا جائز ہے۔

(۲۸۱۸) فَإِنْ غَلَبْنَا عَلَى التُّرْكِ حَلَّ لَنَا مَا نَجِدُهُ مِنْ ذَلِكَ ۚ اِعْتِبَارًا بِسَائِرِ أَمْلَاكِهِمْ.

(۲۸۱۹) وَإِذَا غَلَبُوا عَلَى أَمْوَالِنَا وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ وَأَحْرُزُوهَا بِدَارِهِمْ مَلَكُوهَا.

ترجمہ: (۲۸۱۸) اور ہم ترک پر غالب ہو جائیں تو حلال ہے ہمارے لئے وہ جو ہم ان میں سے پائیں۔

ترجمہ: اس کی ساری ملکیت پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: ہم حملہ کر کے ترک پر غالب ہو گئے تو جو مال ترک والوں نے روم سے لیا تھا وہ سب مال مسلمانوں کے ہاتھ آئے تو ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔ اور ترک والوں کے اصلی مال جو کچھ ہمارے ہاتھ میں آئے ہم اس کا بھی مالک بن جائیں گے۔

وجہ: (۱) جہاد میں غلبہ ہونے کے بعد وہ سب مال غنیمت ہیں اور مال غنیمت مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لئے جہاد میں ترک کا اپنا مال ہو یا روم والوں کے مال پر قبضہ شدہ ہو یعنی حربی کا اپنا مال ہو یا کسی اور حربی پر قبضہ شدہ مال ہو دونوں پر مسلمان کی ملکیت ہو جائے گی (۲) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (آیت ۷، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں ہے کہ اللہ نے جو فی یعنی مال غنیمت دیا وہ تم لوگوں کی ملکیت ہے (۳) دوسری آیت میں ہے۔ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آیت ۶۹، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے جو مال غنیمت تم کو ملا اس کو کھاؤ وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حربی کے مال پر قبضہ کرنے سے مسلمان مالک ہو جائیں گے (۴) حضورؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین میں تقسیم فرمائی کیونکہ مجاہد اس کا مالک بن چکے تھے۔ عن سهل بن ابی حثمۃ قال قسم رسول اللہ ﷺ خیبر نصفین نصفاً لنوائبہ و حاجتہ و نصفاً بین المسلمین قسمہا علی ثمانیۃ عشر سہماً (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ج ۲، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱)

ترجمہ: (۲۸۱۹) اور اگر وہ ہمارے مال پر غالب آجائیں اور دار الحرب میں لے جائیں اور اس کو دار الحرب لے کر چلے جائیں تو وہ اس کے مال ہو جائیں گے۔

وجہ: (۱) پہلے بتایا کہ غلبہ کر کے اپنے ملک میں لے جانے سے مالک بن جاتے ہیں اس لئے حربی مالک ہو جائیں گے (۲) آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا (آیت ۸، سورۃ الحشر ۵۹) اس آیت میں مکہ مکرمہ کے مہاجرین کو فقراء کہا گیا۔ حالانکہ ان کے پاس مال تھا پھر بھی فقراء کہنا اس بات پر دلالت ہے کہ اس کے مال پر کفار کا قبضہ ہو گیا اور وہ اس کا مالک بن گئے۔ اسی لئے تو مہاجرین کو فقراء

۱۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَمْلِكُونَهَا؛ لِأَنَّ الْأُسْتِيْلَاءَ مُحْظُورٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَالْمَحْظُورُ لَا يَنْتَهِضُ سَبَبًا لِلْمَلِكِ عَلَى مَا عُرِفَ مِنْ قَاعِدَةِ الْخَصْمِ.

کہا گیا ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن اسامة بن زيد انه قال يا رسول الله ! اين تنزل في دارك بمكة؟ فقال وهل ترك عقيل من ربا ع ودور (بخاری شریف، باب توریث دور مکة و بیجا و شرا نھا الخ، ص ۲۱۶، نمبر ۱۵۸۸، کتاب الحج / مسلم شریف، باب نزول الحاج بمكة و توریث دورھا، ص ۴۳۶، نمبر ۳۲۹۴/۱۳۵۱) اس حدیث میں حضورؐ نے سوال کے طور پر پوچھا کیا عقیل نے کوئی گھریا زمین کا ٹکڑا ہمارے لئے چھوڑا ہے جہاں میں ٹھہروں؟ جس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی زمین اور مکان پر حضرت عقیل جو اس وقت کافر تھے قبضے کے بعد وہ مالک ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار ہمارے مال پر قبضہ کر لے تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

ترجمہ: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کافر ہماری چیزوں کا مالک نہیں بنے گا اس لئے کہ دارالاسلام میں مالک نہیں بن سکتا ہے تو انتہاء، یعنی دارالحرب میں لیجا کر بھی مالک نہیں بنے گا، کیونکہ جو چیز محظور ہوتی ہے وہ ملک کا سبب نہیں بنتا، جیسا کہ خصم کے قاعدہ گزر چکا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفار ہمارے مالوں کے مالک نہیں بنیں گے۔

وجہ: (۱) دارالاسلام میں کافر ہماری چیزوں پر قبضہ کر لے تو وہ مالک نہیں بنے گا، جب ابتداء مالک نہیں بنے گا تو انتہاء، یعنی دارالحرب میں لیجانے سے بھی مالک نہیں بنے گا۔ (۲) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا غلام دشمن کی طرف بھاگا اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر اس پر غلبہ پایا تو اس غلام کو حضورؐ نے حضرت ابن عمرؓ کی طرف واپس کر دیا۔ اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دارالحرب کے زمانے میں بھی غلام حضرت ابن عمرؓ کی ملکیت رہی، حربی اس کا مالک نہ بن سکا۔ ان غلاما لابن عمرؓ آبق الى العدو فظهر عليه المسلمون فردہ رسول اللہ ﷺ الى ابن عمرؓ ولم یقسم (البودادہ شریف، باب فی المال یصبیہ العدو من المسلمین ثم یدرکہ صاحبہ فی الغنیمۃ، ج ۲، ص ۱۸، نمبر ۲۶۹۸/بخاری شریف، باب اذ اغنم المشرکون مال المسلم ثم وجدہ المسلم، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۸) اس حدیث میں غلام حضرت ابن عمرؓ کو واپس کیا جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک نہیں بن سکا۔

لغت: احرز: جمع کرنا، ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال لے جانا۔ استیلاء: غلبہ کرنا، قبضہ کرنا۔ ابتداء: یہاں ابتداء سے مراد ہے کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے۔ اور انتہاء سے مراد ہے کہ دارالحرب میں لیجا کر جمع کر لیا۔

۲. وَلَنَّاَنَّ اِلٰسْتِيْلَاءَ وَرَدَ عَلٰى مَالٍ مُّبَاحٍ فَيَنْعَقِدُ سَبِيًّا لِلْمَلِكِ دَفْعًا لِحَاجَةِ الْمُكَلَّفِ كَاسْتِيْلَانَا عَلٰى اَمْوَالِهِمْ، ۳. وَهَذَا لِاَنَّ الْعِصْمَةَ تَثْبُتُ عَلٰى مُنَافَاةِ الدَّلِيلِ ضَرُورَةً تَمَكِّنُ الْمَالِكِ مِنْ الْاِنْتِفَاعِ، فَاِذَا زَالَتْ الْمُكْنَةُ عَادَ مُبَاحًا كَمَا كَانَ، ۴. غَيْرَ اَنَّ اِلٰسْتِيْلَاءَ لَا يَتَحَقَّقُ اِلَّا بِالْاِحْرَازِ بِالذَّارِ؛ لِاَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنْ الْاِفْتِدَارِ عَلٰى الْمَحَلِّ حَالًا وَمَالًا.

ترجمہ: ۲: ہماری دلیل یہ ہے کہ مباح مال پر غلبہ ہوا ہے اس لئے انسانوں کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے ملک کا سبب بنے گا، جیسے ہم کفار کے مال پر غلبہ کرتے ہیں تو ہم مالک بن جاتے ہیں۔

تشریح: اس عبارت میں یہ تصور پیش کیا گیا ہے کہ بنیادی طور پر مال مسلمان اور کافر ہر ایک کے لئے مباح ہے، اس کو کوئی بھی استعمال کر سکتا ہے، ہاں کسی کی ملکیت شرعی طور پر کسی مال پر ثابت ہو جائے تو وہ مال اس کا ہوگا۔ اب مسلمان کا مال کافر دار الحرب لے گیا تو اب مسلمان کی ملکیت اس پر نہیں رہی، اب وہ مال اپنی بنیادی حیثیت کی وجہ سے کافر کے لئے بھی مباح ہو گیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ مباح مال پر کسی کا قبضہ ہو جائے تو وہ اس کا ہو جاتا ہے، یہاں مباح مال پر کافر کا قبضہ ہو گیا اس لئے وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ جیسے مسلمان کافر کے مال پر قبضہ کر لے تو مسلمان مالک بن جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳: اور ہر ایک کے لئے مال کے مباح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دلیل کے منافی کے باوجود عصمت ثابت ہے کیونکہ مالک کو فائدہ اٹھانے کی قدرت ہو، پس جب مالک کی قدرت ختم ہوگئی تو مال جیسے پہلے ہر ایک کے لئے مباح تھا پھر مباح ہو گیا۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ تم انسانوں کے لئے زمین کی تمام چیزیں پیدا کی ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان کے لئے ہر چیز جائز ہے، اور ہر ایک کے لئے مباح ہے۔ آیت یہ ہے۔ ۱۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيعًا۔ (آیت ۲۹، سورۃ البقرۃ ۲) اس دلیل کے باوجود مسلمانوں کو مال پر خصوصی قدرت دی گئی تاکہ وہ اس سے نفع اٹھائے، لیکن دار الحرب میں لیجانے کی وجہ سے اس مال پر سے مسلمانوں کی قدرت ختم ہو گئی تو مال بنیادی طور پر مباح ہو گیا، اب اس پر کافر نے قبضہ کیا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ مکنت: قدرت۔

ترجمہ: ۴: یہ اور بات ہے کہ دار الحرب لیجائے گا تب کافر کا غلبہ شمار کیا جائے گا اس لئے کہ استیلاء کا مطلب ہے کہ ابھی بھی قدرت ہو اور بعد میں بھی استعمال کرنے کی قدرت ہو۔

تشریح: کفار کی ملکیت اس وقت شمار کی جائے گی جب مال کو دار الحرب لے گیا ہو۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام میں مال ہو تو یہ خطرہ ہے کہ مسلمان اس پر حملہ کر کے واپس لے لے، اور غلبہ کا مطلب ہے کہ کفار ابھی استعمال کرے اور بعد میں بھی استعمال کر سکے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ دار الحرب میں مال جمع کر لیا ہو۔

۵. وَالْمَحْظُورُ لِغَيْرِهِ إِذَا صَلَحَ سَبَبًا لِكِرَامَةِ تَفَوُّقِ الْمَلِكِ وَهُوَ الثَّوَابُ لِأَجْلِ فَمَا ظَنُّكَ بِالْمَلِكِ الْعَاجِلِ؟

(۲۸۲۰) فَإِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُونَ فَوَجَدَهَا الْمَالِكُونَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجَدُوهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ أَخَذُوهَا بِالْقِيمَةِ إِنْ أَحْبَبُوا ۚ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِيهِ "إِنْ وَجَدْتَهُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ،

لغت: الاقتدار علی محل حال و مالا: ابھی بھی اس مال پر غلبہ ہوا اور بعد میں بھی غلبہ ہو۔

ترجمہ: محظور غیرہ ملکیت سے اوپر کرامت کا سبب ہو یعنی بعد میں ثواب تو فوری ملکیت ختم ہو جائے تو آپ کا کیا گمان ہے۔
تشریح: یہ عبارت بھی پیچیدہ ہے۔ مسلمان ابھی مال کی ملکیت چھوڑ دے گا تو اس کو آخرت میں اس کا ثواب ملے گا، دوسری بات یہ ہے کہ ابھی اوپر آیت گزری جس کا مطلب یہ تھا کہ کسی چیز پر خصوصی ملکیت ایک محظور چیز ہے، اس لئے اس کو چھوڑ دے گا، تو چیز مباح ہو جائے گی اور مباح چیز پر کافر کا غلبہ ہو گا تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۲۰) اگر اس پر مسلمان غالب آجائیں اور اس کو تقسیم سے پہلے پائیں تو وہ ان کے لئے ہوگا بغیر کسی عوض کے، اور اگر اس کو تقسیم کے بعد پایا تو اس کو قیمت سے لے کر چاہیں۔

ترجمہ: اس بارے میں حضور کے قول کی وجہ سے کہ اگر تم تقسیم ہونے سے پہلے اپنی چیز پاؤ تو بغیر کسی بدلے کے وہ تمہاری ہے، اور اگر تقسیم کے بعد پاؤ تو قیمت سے تم لے سکتے ہو۔

تشریح: حریہوں نے ہمارے مال پر قبضہ کیا تھا اب مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول کر مال واپس لے لیا تو اگر تقسیم ہونے سے پہلے مالک نے اس مال کو پایا تو اس کو مالک لے لے گا اور اس کے بدلے میں کچھ نہیں دے گا۔ اور اگر تقسیم ہو چکا تو جس کے ہاتھ میں گیا اس کو قیمت دے کر اپنی چیز لے لے۔ اور اگر قیمت دے کر نہ لینا چاہے تو نہ لے۔

وجہ: (۱) تقسیم ہونے سے پہلے مال غنیمت کا مال ہے کسی مجاہد کی ملکیت نہیں ہوئی ہے اس لئے اس کو بغیر کسی قیمت سے لے لینے میں حرج نہیں ہے (۲) چونکہ پہلے اس کی چیز تھی اس لئے اس کو ہی دے دی جائے گی (۳) اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ قال فیما احرز العدو فاستنقذه المسلمون منهم او اخذه صاحبه قبل ان یقسم فهو احق، فان وجده وقد قسم، فان شاء اخذه بالثمن (دارقطنی، کتاب السیر، ج رابع، ص ۶۲، نمبر ۴۱۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر تقسیم نہیں ہوئی ہے تو بغیر قیمت کے لیگا اور تقسیم ہو چکی ہو تو قیمت سے واپس لے لے۔ (۴) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت تھا۔ عن ابن عمرؓ ان غلاما لابن عمرؓ ابق الى العدو

۲. وَإِنْ وَجَدْتَهُ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ لَكَ بِالْقِيَمَةِ، وَلَئِنْ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ زَالَ مِلْكُهُ بِغَيْرِ رِضَاهُ فَكَانَ لَهُ حَقُّ الْآخِذِ نَظْرًا لَهُ، إِلَّا أَنْ فِي الْآخِذِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ ضَرَرًا بِالْمَاخُودِ مِنْهُ بِإِزَالَةِ مِلْكِهِ الْخَاصِّ فَيَأْخُذُهُ بِالْقِيَمَةِ؛ لِيَعْتَدَلَ النَّظَرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، ۳. وَالشَّرِكَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ عَامَّةٌ فَيَقِلُّ الضَّرَرُ فَيَأْخُذُهُ بِغَيْرِ قِيَمَةٍ. (۲۸۲۱) وَإِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرَى ذَلِكَ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَمَالِكُهُ الْأَوَّلُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي اشْتَرَاهُ بِهِ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ؛ ۱. لِأَنَّهُ يَتَضَرَّرُ بِالْآخِذِ مَجَانًّا؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ قَدْ دَفَعَ الْعَوَضَ بِمُقَابَلَتِهِ فَكَانَ اعْتِدَالُ النَّظَرِ فِيمَا قُلْنَا،

فظهر عليه المسلمون فردہ رسول اللہ ﷺ الی ابن عمرؓ ولم یقسم (ابوداؤد شریف، باب المال یصیبہ العدو من المسلمین، ج ۲، ص ۱۲، نمبر ۲۶۹۸ بخاری شریف، اذا غنم المشرکون مال المسلم ثم وجده المسلم، ص ۴۳۱، نمبر ۳۰۶۷) اس حدیث میں تقسیم سے پہلے مالک نے مال پایا تو اس کو مالک کی طرف واپس کر دیا گیا۔

ترجمہ: ۲. اور اس لئے کہ پرانے مالک کی ملک اس کی رضامندی کے بغیر زائل ہوئی ہے تو اس کی مصلحت کے لئے لینے کا حق زیادہ ہے، مگر تقسیم کے بعد جس نے لیا اس کو نقصان ہے کیونکہ اس کی خاص ملکیت زائل ہوتی ہے اس لئے پرانا مال قیمت دیکر لے گا تاکہ دونوں جانب مصلحت ہو۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ پرانے مالک کی ملکیت بغیر اس کی رضامندی کے زائل ہوئی ہے اس لئے تقسیم سے پہلے وہ زیادہ حقدار ہے، اور تقسیم ہو کر مثلاً زید کے پاس یہ چیز گئی ہے تو اب زید سے لینے میں زید کا نقصان ہے، کیونکہ اس کی ملکیت ہو چکی ہے، اس لئے اس سے لیگا تو قیمت دیکر لیگا تاکہ پرانے مالک کی بھی رعایت ہو جائے اور نئے مالک کو بھی نقصان نہ ہو۔

ترجمہ: ۳. تقسیم سے پہلے سب کی شرکت ہے اس لئے کم نقصان ہے اس لئے پرانا مال بغیر قیمت کے لیگا، [اور تقسیم کے بعد خاص آدمی کی ملکیت ہے اس لئے اس کو قیمت دیکر لیگا]

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۲۱) اگر ہمارا تاجر دار الحرب میں داخل ہوا اور اس کو خرید کر دار الاسلام لائے تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہے چاہے تو اتنی قیمت سے جتنے میں تاجر نے خریدا ہے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ مفت لینے میں تاجر کو نقصان ہوگا، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ تاجر نے اس کے مقابلے میں قیمت دی ہے اس لئے جو کچھ ہم نے کہا اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

تشریح: کسی مسلمان کا مال حربی لے گیا تھا، ہمارے مسلمان تاجر نے اس سے خرید کر دار الاسلام لایا تو مالک چاہے تو جتنی

۲. وَلَوْ اشْتَرَاهُ بِعَرَضٍ يَأْخُذُهُ بِقِيَمَةِ الْعَرَضِ، ۳. وَلَوْ وَهَبُوهُ لِمُسْلِمٍ يَأْخُذُهُ بِقِيَمَتِهِ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ لَهُ مِلْكٌ خَاصٌّ فَلَا يُزَالُ إِلَّا بِالْقِيَمَةِ، ۴. وَلَوْ كَانَ مَغْنُومًا وَهُوَ مِثْلِي يَأْخُذُهُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَلَا يَأْخُذُهُ بَعْدَهَا؛ لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالْمِثْلِ غَيْرُ مُفِيدٍ.

قیمت دے کر تاجر لایا ہے اتنی قیمت تاجر کو دے کر اپنا مال لے لے اور قیمت نہ دینا چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ: (۱) تاجر نے رقم دی ہے اس لئے اس سے مفت لینے میں اس کا گھٹا ہے جو لا ضرر ولا ضرار حدیث کے خلاف ہے۔ البتہ جتنی قیمت دی ہے اتنی قیمت دے کر اس کا بھی نقصان نہیں ہے اور مالک کا بھی فائدہ ہے۔ اس لئے قیمت دے کر مال لے ورنہ چھوڑ دے (۲) اوپر کی حدیث میں تھا۔ فان شاء اخذه بالثمن (دارقطنی، کتاب السیر، ج ۱، ص ۶۴، نمبر ۴۱۵۵) اس میں بالثمن سے اشارہ ہے کہ جتنی قیمت دی ہے وہ ادا کرے۔ کیونکہ ثمن کہتے ہیں پہلی دی ہوئی قیمت کو، جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ پہلے جو قیمت دی ہے اتنی ہی دے کر واپس لے۔

ترجمہ: ۲. اور اگر اس چیز کو سامان کے بدلے خریدا تو سامان کی قیمت دے کر لے گا۔

تشریح: یہاں سے چار مسئلے بیان کر رہے ہیں [۱] مثلاً زید نے حربی سے عمر کی تلوار سامان یعنی ایک من آٹا کے بدلے خریدا تو عمر اب ایک من آٹے کی قیمت دیکر تلوار خریدے گا، کیونکہ زید نے آٹا کے بدلے تلوار لی تھی۔

ترجمہ: ۳. اور اگر حربی نے مسلمان کو ہبہ کر دیا تو پرانا مالک اس کو اس کی قیمت دیکر لے گا، کیونکہ مسلمان کی ملکیت ثابت ہو چکی ہے تو قیمت کے بغیر اس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی۔

اصول: کسی کی خاص ملکیت ہوگئی ہو تو اس کو قیمت دے بغیر اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

تشریح: [۲] یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ مثلاً حربی نے زید کو عمر کی تلوار ہبہ کر دی، تو عمر اب زید کو تلوار کی قیمت دے گا اور لیگا، کیونکہ حربی کے ہبہ کرنے کی وجہ سے زید کی ملکیت ہوگئی ہے اس لئے قیمت کے بغیر اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۴. اور اگر مثلی چیز مال غنیمت میں آئی ہے تو تقسیم سے پہلے اس کو پرانا مالک مفت لے لے گا، اور تقسیم کے بعد لینے میں فائدہ نہیں ہے، کیونکہ مثل دیکر لے گا۔

تشریح: [۳] یہ تیسرا مسئلہ ہے۔ مثلاً عمر کا ایک من آٹا حربی لے گیا تھا، مسلمانوں نے وہ ایک من آٹا واپس دارالاسلام لایا، تو تقسیم سے پہلے عمر اپنے آٹے کو مفت لیگا، لیکن اگر یہ آٹا تقسیم ہو گیا اور زید کے حصے میں آیا، تو آٹا چونکہ مثلی ہے، یعنی آٹے کے بدلے میں آٹا ہی دینا پڑتا ہے، اس لئے عمر ایک من آٹا زید کو دے گا، اور اپنا ایک من آٹا لیگا تو اس میں عمر کو کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ عمر اپنے آٹا واپس نہ لے۔

۵ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَوْهُوبًا لَا يَأْخُذُهُ لِمَا بَيْنَا. ۶ وَكَذَا إِذَا كَانَ مُشْتَرَى بِمِثْلِهِ قَدْرًا وَوَصْفًا.

(۲۸۲۲) قَالَ: فَإِنْ أَسْرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَفَقِئَتْ عَيْنُهُ وَأَخَذَ أَرْشَهَا فَإِنَّ الْمَوْلَى يَأْخُذُهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي أَخَذَ بِهِ مِنَ الْعَدُوِّ ۚ أَمَّا الْأَخْذُ بِالثَّمَنِ فَلَمَّا قُلْنَا. وَلَا يَأْخُذُ الْأَرْشَ؛ لِأَنَّ الْمَلِكَ فِيهِ صَحِيحٌ، فَلَوْ أَخَذَهُ أَخَذَهُ بِمِثْلِهِ وَهُوَ لَا يُفِيدُ.

لغت: مغنوا: غنیمت میں۔ مثلی: سونا، چاندی، غلہ، مثلاً آٹا چاول وغیرہ یہ مثلی ہیں، یعنی آٹا کے بدلے اتنا ہی آٹا لازم ہوتا ہے، کم بیش نہیں کر سکتا ورنہ سود لازم ہوگا، جو حرام ہے۔

ترجمہ: ۵: ایسے ہی مثلی چیز ہبہ کیا ہو تو اس کو نہ لے، کیونکہ اس میں فائدہ نہیں ہے۔

تشریح: [۴] عمر کی مثلی چیز، مثلاً ایک من آٹا حریوں نے لے لیا، بعد میں یہ آٹا زید کو ہبہ کر دیا، تو اب عمر اپنے آٹے کو لینا چاہے گا تو چونکہ یہ مثلی ہے اس لئے عمر کو ایک من آٹا ہی دینا ہوگا، تو ایک من آٹا دیکر ایک من آٹا لینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶: ایسے ہی اگر مقدار اور وصف میں برابری سے خریدا ہو تو لینے میں فائدہ نہیں ہے۔

تشریح: [۵] یہ پانچواں مسئلہ ہے۔ عمر کا ایک من آٹا حریوں نے لیا، زید نے اس ایک من کو ایک من آٹا دیکر لیا تو، اب عمر اپنے آٹے کو لینا چاہے تو ایک من آٹا زید کو دے اور اپنا ایک من آٹا واپس لے، اب اس لینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے بہتر ہے کہ نہ لے۔

لغت: قدر اور وصفا: مقدار کے اعتبار سے مثلاً ایک من آٹا کے بدلے میں ایک من آٹا دیکر لیا ہو، اور وصفا کے اعتبار سے مثلاً اعلیٰ آٹا کے بدلے میں اعلیٰ آٹا دیا، اس کو وصف کی برابری، کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۸۲۲) اگر کفار غلام کو قید کر کے لے گئے، پھر کسی آدمی نے اس کو خریدا اور دارالاسلام لے آیا، اب دارالاسلام میں اس کی آنکھ پھوڑ دی اور خریدنے والے اس تاوان لیا، تو پہلا مالک اس قیمت سے لیگا جو حربی کو دیا ہے۔

ترجمہ: ۱: قیمت اس لئے دے گا جسکی دلیل پہلے گزر چکی ہے [یعنی خریدنے والے نے حربی کو قیمت دی ہے اس لئے پہلا مالک اس کو قیمت دیکر خریدے گا۔] اور مالک اول تاوان نہیں لے گا کیونکہ غلام میں دوسرے مالک کی ملکیت صحیح ہے

تشریح: عمر کے غلام کو حربی دارالحرب لے گئے، زید نے حربی سے ایک ہزار درہم میں اس غلام کو خریدا، اس درمیان زید کے یہاں کسی نے غلام کی آنکھ پھوڑ دی، اور زید نے ایک سو درہم آنکھ کا تاوان لیا، اب عمر اس غلام کو زید سے لینا چاہتا ہے تو ایک ہزار دے کر لیگا، اور زید نے ایک سو آنکھ کا تاوان لیا ہے وہ کم، بھی نہیں ہوگا، اور زید سے وہ رقم وصول نہیں کرے گا۔

وجہ: یہاں دو باتیں یاد رکھیں [۱] زید کی ملکیت صحیح ملکیت ہے اس لئے جو کچھ آنکھ کا تاوان ملا زید اس کا مالک بن گیا ہے، اس

۲ وَلَا يُحِطُ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ؛ لِأَنَّ الْأَوْصَافَ لَا يُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ، ۳ بِخِلَافِ الشُّفْعَةِ؛ لِأَنَّ الصَّفْقَةَ لَمَّا تَحَوَّلَتْ إِلَى الشَّفِيعِ صَارَ الْمُشْتَرَى فِي يَدِ الْمُشْتَرَى بِمَنْزِلَةِ الْمُشْتَرَى شِرَاءً فَاسِدًا، وَالْأَوْصَافُ تَضْمَنُ فِيهِ كَمَا فِي الْغَضَبِ، أَمَّا هَاهُنَا الْمَلِكُ صَحِيحٌ فَافْتَرَقَا.

لئے یہ تاوان عمر کی طرف حوالے کرنے ضرورت نہیں ہے [۲] دوسری بات یہ ہے کہ آنکھ کا پھوٹنا ایک صفت ہے، اور صفت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، اس لئے زید نے جو تاوان لیا ہے اس کو عمر کی طرف کی دینے کی ضرورت نہیں ہے، عمر غلام کو لینا چاہئے تو جو ایک ہزار حربی کو دیا ہے وہی ادا کر کے غلام لے۔

لغت: فلو اخذه بمنزلہ وهو لا يفيد: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تاوان درہم اور دینار مثلی چیز ہے تو عمر وہی چیز دی گا، پھر وہی چیز لیگا تو اس میں اس کا فائدہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲ اور غلام کی قیمت میں سے کچھ کم نہیں ہوگا اس لئے کہ آنکھ کا پھوٹنا صفت ہے اور صفت کے بدلے میں قیمت نہیں ہوتی۔

تشریح: غلام کی آنکھ پھوٹی وہ صفت ہے اور اس کا تاوان لینا یہ بھی صفت ہے، اور صفت کے مقابلے پر کوئی قیمت نہیں ہوتی، اس لئے آنکھ پھوٹنے سے غلام کی قیمت کم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳ بخلاف شفعة کے اس لئے کہ خریدنے والے سے جب شفیق کی طرف خریداری منتقل ہوئی تو مشتری کا خریدنا گویا کہ شرا فاسد ہوئی، اور شرا فاسد میں وصف کی قیمت ہوتی ہے، جیسا کہ غضب میں ہوتا ہے، اور یہاں ملک صحیح ہے اس لئے تاوان کی قیمت نہیں دے گا۔

اصول: ملک صحیح ہو تو آدمی تاوان کا مالک بن جاتا ہے۔ اور ملک ہی نہ ہو، یا ملک فاسد ہو تو آدمی تاوان کا مالک نہیں بنتا ہے۔

تشریح: زید نے عمر کا گھر ایک ہزار میں خریدا، کسی نے گھر کا دروازہ توڑ دیا، جسکی وجہ سے زید نے توڑنے والے سے ایک سو درہم وصول کیا، اب خالد نے حق شفعة کے ذریعہ اس گھر کو ایک ہزار میں لیا تو زید پر لازم ہوگا کہ دروازے کا جو ایک سو لیا تھا وہ بھی خالد کی طرف واپس کرے، کیونکہ جب خالد نے اس گھر کو حق شفعة کے ذریعہ لیا تو معلوم ہوا کہ زید اس گھر کا مالک صحیح نہیں تھا بلکہ ملک فاسد تھی، اور قاعدہ یہ ہے کہ ملک فاسد کے ذریعہ کسی رقم کو وصول کیا ہو تو اس رقم کو واپس کرنا پڑتا ہے، اور اوپر میں زید کی ملک صحیح تھی اس لئے آنکھ کا تاوان واپس کرنے کے لئے نہیں کہا گیا۔

اس کے لئے غضب کی ایک مثال دی ہے، مثلاً زید نے عمر کی باندی غضب کی، زید کے یہاں کسی نے باندی کی آنکھ پھوڑ دی، زید نے پھوڑنے والے سے ایک سو درہم تاوان لیا، اب زید نے باندی کو عمر کی طرف واپس کیا تو وہ ایک سو درہم تاوان کا بھی

(۲۸۲۳) [الف] وَإِنْ أَسْرُوا عَبْدًا فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ فَاسْرُوهُ ثَانِيًا وَأَدْخُلُوهُ دَارَ الْحَرْبِ فَاشْتَرَاهُ رَجُلٌ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ فَلَيْسَ لِلْمَوْلَى الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ الثَّانِي بِالشَّمَنِ؛ ۱. لِأَنَّ الْأَسْرَ مَا وَرَدَ عَلَى مَلِكِهِ. (۲۸۲۳) [ب] وَلِلْمُشْتَرِي الْأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنَ الثَّانِي بِالشَّمَنِ؛ ۱. لِأَنَّ الْأَسْرَ وَرَدَ عَلَى مَلِكِهِ ثُمَّ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِالْفَيْنِ إِنْ شَاءَ؛ ۱. لِأَنَّهُ قَامَ عَلَيْهِ بِالشَّمَنِ فَيَأْخُذُهُ بِهِمَا،

واپس کرے گا، کیونکہ زید اس تاوان کا مالک نہیں ہوگا، کیونکہ باندی پر زید کی ملکیت ہی نہیں تھی۔

ترجمہ: (۲۸۲۳) اگر دارالحرب والوں نے ایک غلام کو قید کیا، پھر ایک آدمی نے اس کو ہزار درہم میں خریدا، پھر دوبارہ اس کو دارالحرب والے قید کر کے لے گئے پھر دوسرے آدمی نے ایک ہزار میں اس کو خرید کر لائے، تو پہلے آقا کو دوسرے خریدار سے قیمت دیکر لینے کا اختیار نہیں ہے، [اس لئے کہ پہلے آقا کی ملکیت پر قید نہیں ہوا ہے، اور پہلے خریدار کو یہ حق ہوگا کہ دوسرے خریدار سے قیمت دیکر لے] اس لئے کہ اس کی ملکیت پر قید ہوا ہے [پھر پہلا چاہے تو دو ہزار میں لے۔

ترجمہ: اس لئے کہ پہلے خریدار کو دو ہزار میں پڑا ہے اس لئے دو ہزار میں لیگا۔

ترجمہ: ۲. ایسی طرح اگر دوسرا خریدار غائب ہو تو پہلے خرید کو لینے کا حق نہیں ہے، جیسے دوسرا خریدار موجود ہوتا تو پہلے خریدار کو لینے کا حق نہیں ہے۔

اصول: جس کی ملکیت سے دارالحرب والا لے گیا ہو اس کو خریدار سے لینے کا حق ہے۔

اصول: غلام جتنے میں پڑا ہے، پہلے آقا کو اتنی ہی قیمت دینی ہوگی تب اس غلام کو لے سکتا ہے، مثلاً غلام دو مرتبہ ہزار ہزار میں بکا تو پہلے آقا کو دو ہزار دیکر لینا ہوگا

تشریح: یہاں آقا سے مراد ہے پہلا آقا، اور پہلے خریدار سے مراد ہے جس نے پہلی مرتبہ دارالحرب سے خرید کر لایا۔ اور دوسرے خریدار سے مراد ہے جس نے دوسری مرتبہ دارالحرب سے خرید کر لایا۔ اس محاورے کو سمجھنے کے بعد اب مسئلہ سمجھیں۔

عمر کا غلام تھا جس کو حربی قید کر کے دارالحرب لے گئے، اب زید نے اس کو ایک ہزار میں خرید کر دارالاسلام لایا، پھر زید کے پاس سے دوبارہ حربی لوگ غلام کو قید کر کے لے گئے، پھر اس کو خالد ایک ہزار میں خرید کر لایا، تو زید کو حق ہے کہ خالد سے ایک ہزار میں خرید لے، کیونکہ زید کے پاس سے حربی لے گیا تھا، لیکن عمر خالد کے پاس سے خریدنا چاہے تو نہیں خرید سکتا ہے، کیونکہ اس دوسری مرتبہ میں عمر کے پاس سے حربی نہیں لے گیا ہے، بلکہ زید کے پاس سے لے گیا ہے۔ ہاں زید خالد کے پاس سے ایک ہزار میں خریدے، اب عمر چاہے تو زید کے پاس سے دو ہزار میں خریدے، کیونکہ زید کو پہلے ایک ہزار لگا تھا، اب دوبارہ ایک ہزار لگا، مجموعہ دو ہزار ہو گئے اس لئے اگر عمر خریدنا چاہے تو زید کے پاس سے دو ہزار میں خریدے، نوٹ یہ استنباطی مسئلہ ہے، لیکن اگر خالد عمر کے

۲. وَكَذَا إِذَا كَانَ الْمَأْسُورُ مِنْهُ الثَّانِي غَائِبًا لَيْسَ لِلأَوَّلِ أَنْ يَأْخُذَهُ اِغْتِبَارًا بِحَالِ حَضَرَتِهِ.

(۲۸۲۳) وَلَا يَمْلِكُ عَلَيْنَا أَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلْبَةِ مُدَبِّرِينَ وَأُمَهَاتٍ أَوْلَادِنَا وَمُكَاتِبِينَ وَأَحْرَارَنَا

وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيعَ ذَلِكَ؛

ہاتھ میں غلام بیچ دے اور زید کو کوئی اعتراض نہ ہو تو عمر پہلا آقا خرید سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲. اور ایسے ہی دوسرا آدمی جس سے قید کر کے لے گیا ہے وہ غائب ہو تو پہلے آقا کو لینے کا حق نہیں ہے، جیسے وہ موجود ہوتا تو لینے کا حق نہیں ہوتا۔

تشریح: مثال مذکور میں زید پہلا خریدار غائب ہے اس دوران عمر پہلا آقا اپنے غلام کو خالد سے لینا چاہتا ہے تو قاعدے کے اعتبار سے نہیں لے سکتا، کیونکہ اس مرتبہ عمر کے پاس سے قید نہیں ہوا ہے، جیسے زید حاضر ہوتا تو عمر خالد سے نہیں خرید سکتا اسی طرح اس کی غیر حاضری میں عمر خالد سے نہیں خرید سکتا۔ ہاں زید کو کوئی اعتراض نہ ہو تو عمر خالد سے خرید سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۲۴) اہل حرب ہمارے اوپر غلبہ کرنے کی وجہ سے ہمارے مدبر غلام اور ام ولد اور ہمارے مکاتب اور ہمارے آزاد کے مالک نہیں ہوں گے۔ اور ہم ان کے ان تمام کے مالک ہو جائیں گے۔

اصول: مسلمان اور اس کا ایسا غلام جس میں آزادی کا شائبہ آچکا ہو وہ فطری طور پر آزاد ہے، اس لئے کافر کے غلبے سے وہ غلام باندی نہیں بنیں گے۔

اصول: کافر اللہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے فطری طور پر غیر محفوظ ہے اس لئے اس پر غلبہ ہوگا تو وہ مملوک ہو جائیں گے۔

تشریح: اگر حربیوں نے غلبہ کر کے ہمارے مدبر غلام، ام ولد، ہمارے مکاتب غلام اور ہمارے آزاد پر قبضہ کر لیا تو وہ ان لوگوں کے مالک نہیں ہوں گے۔ یوں مجبور کر کے رکھیں گے ضرور لیکن جب کبھی ہمارے پاس واپس آئیں گے تو یہ لوگ آزاد شمار کئے جائیں گے کسی کی ملکیت نہیں ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ پرانے مالک کے مدبر، ام ولد اور مکاتب شمار کئے جائیں گے۔

وجہ: (۱) آزاد مسلمان کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا اس لئے اس پر قبضہ کرنے کی وجہ سے بھی کوئی مالک نہیں ہوگا۔ اسی طرح جن غلاموں میں آزادی کا شائبہ آچکا ہے جیسے مدبر غلام، ام ولد کہ یہ دونوں آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائیں گے۔ مکاتب مال کتابت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ اس لئے ان غلاموں میں بھی آزادی کا شائبہ آچکا ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر حربیوں نے قبضہ کر لیا تو وہ ان کے مالک نہیں بنیں گے۔ زبردستی ریغال بنائے رکھے یہ اور بات ہے (۲) قول تابعی میں ہے۔

قللت لِعطاء نساء حرائر اصابهن العدو فابتاعهن رجل أَيْصِيهِنَّ؟ قال: لا! ولا يستر قهن ولكن يعطيهن انفسهن بالذی اخذهن به ولا یرد علیهن (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۱۵۷، الحرائر یسبن ثم یشترون، ج ۶ ص ۵۲۸،

۱۔ لَأَنَّ السَّبَبَ إِنَّمَا يُفِيدُ الْمَلِكَ فِي مَحَلِّهِ، وَالْمَحَلُّ الْمَالُ الْمُبَاحُ، وَالْحُرُّ مَعْصُومٌ بِنَفْسِهِ، وَكَذَا مَنْ سِوَاهُ؛ لِأَنَّهُ تَثَبُّتُ الْحُرِّيَّةِ فِيهِ مِنْ وَجْهِ، بِخِلَافِ رِقَابِهِمْ؛ لِأَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ عَصَمَتَهُمْ جَزَاءً عَلَى جَنَائِهِمْ وَجَعَلَهُمْ أَرْقَاءً وَلَا جَنَايَةَ مِنْ هَؤُلَاءِ.

(۲۸۲۵) وَإِذَا أَبَقَ عَبْدٌ لِمُسْلِمٍ فَدَخَلَ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ لَمْ يَمْلِكُوهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا يَمْلِكُونَهُ؛

نمبر ۳۳۵۰۶) اس قول تابعی میں ہے کہ آزاد عورت کو قید کرے تو اس سے حربی نہ وطی کر سکتا ہے اور نہ اس کو باندی بنا سکتا ہے۔ اور یہی حال ان غلاموں کا ہے جن میں آزادی کا شائبہ آچکا ہے۔

ترجمہ: اس لئے کہ ملک کا فائدہ اس وقت ہوگا جبکہ اس کے محل میں ہو، اور ملک کا محل مباح مال ہے اور آزاد آدمی خود محفوظ ہے [یعنی بنیادی طور پر آزاد ہے] ایسے ہی آزاد کے علاوہ جس میں آزادی کا شائبہ آچکا ہو [وہ بھی بنیادی طور پر آزاد ہے]، بخلاف کفار کی ذات [وہ بنیادی طور پر مملوک ہے] اس لئے کہ ان لوگوں کے جرم کے بدلے میں اس کی عصمت ساقط کر دی ہے اور ان کو غلام بنا دیا ہے، اور مسلمانوں کا جرم نہیں ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ مباح مال ہو اس پر قبضہ کرے تو وہ مملوک بنتا ہے، مسلمان بنیادی طور پر آزاد ہے وہ مباح مال نہیں ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے مملوک نہیں بنے گا، اسی طرح جس غلام میں آزادی کا شائبہ آچکا ہو وہ بھی مملوک نہیں بنے گا، اس کے برخلاف کافر اللہ کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بنیادی طور پر غلام ہے اور مباح مال ہے اس لئے اس پر غلبہ ہونے سے وہ غلام بن جائے گا۔

لغت: معصوم: محفوظ، بنیادی طور پر آزاد۔

ترجمہ: (۲۸۲۵) اگر مسلمان کا غلام بھاگ جائے اور دار الحرب میں داخل ہو جائے اور وہ اس کو پکڑ لیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا مالک نہیں بنیں گے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مالک بن جائیں گے۔

وجہ: (۱) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب غلام دارالاسلام سے نکلا تو اب وہ خود اپنی ذات کا مالک بن گیا اس لئے وہ اب آزاد کی طرح ہو گیا۔ اور آزاد کا حربی مالک نہیں ہوتا اسی طرح غلام کا بھی مالک نہیں ہوگا (۲) قول صحابی میں اس کا اشارہ ہے۔ کتب الی عمر بن الخطابؓ فی عبد اسره المشرکون ثم ظهر علیہ المسلمون بعد ذلک قال صاحبه احق به مالم یقسم فاذا قسم مضی (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۰ فی العبد یا سرہ المسلمون ثم ظهر علیہ العدو، ج سادس، ص ۵۱۰، نمبر ۳۳۳۴۰) اس قول صحابی میں ہے کہ تقسیم سے پہلے مالک کو دے دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک نہیں ہوگا۔

فائدہ: صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ حربی غلام کا مالک ہو جائے گا۔

۱۔ لَإِنَّ الْعِصْمَةَ لِحَقِّ الْمَالِكِ لِقِيَامِ يَدِهِ وَقَدْ زَالَتْ، وَلِهَذَا لَوْ أَخَذُوهُ مِنْ دَارِ الْإِسْلَامِ مَلَكُوهُ.
 ۲۔ وَلَهُ أَنَّهُ ظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا؛ لِأَنَّ سُقُوطَ اعْتِبَارِهِ لِحَقِّقِ يَدِ الْمَوْلَى عَلَيْهِ
 تَمَكِينًا لَهُ مِنَ الْإِنْتِفَاعِ وَقَدْ زَالَتْ يَدُ الْمَوْلَى فَظَهَرَتْ يَدُهُ عَلَى نَفْسِهِ وَصَارَ مَعْصُومًا بِنَفْسِهِ فَلَمْ يَبْقَ
 مَحَلًّا لِلْمَلِكِ،

وجہ: (۱) وہ مال کے درجے میں ہے اور مال پر حربی کا قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ مالک ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمان کے غلام پر غلبہ ہو جائے گا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا (۲) اوپر کے اثر میں ہے کہ اگر غلام پر مسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا اور وہ تقسیم بھی ہو گیا تو جس کے حصے میں گیا وہ مجاہد اس کا مالک ہو جائے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حربی اس کا مالک ہو چکا تھا تب ہی تو حربی کے مال پر قبضے کے بعد مسلمان اس کا مالک بن گیا (۳) قول صحابی میں ہے۔ عن قتادة قال عليّ هو للمسلمين عامة لانه كان لهم مالا (مصنف ابن ابی شیبہ - ۱۳۰ فی العبد یا سرہ المسلمون ثم ظہر علیہ العدو، ج سادس، ص ۵۱۰، نمبر ۳۳۳۴۲) اس قول صحابی میں ہے کہ وہ غلام حربی کا مال بن گیا اس لئے اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو تمام مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا۔
لغت: البق: بھاگ گیا۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ غلامیت مالک کے حق کی وجہ سے تھا، اور دار الحرب جانے کی وجہ سے اس کا حق زائل ہو گیا [اس لئے حربی مالک ہو جائے گا] جیسے حربی دار الاسلام سے غلام کو پکڑ کر لیجاتا تو وہ مالک بن جاتا [اسی طرح یہاں بھی مالک بن جائے گا۔
تشریح: یہ صاحبین کی دلیل ہے۔ غلام مالک کے حق کی وجہ سے غلام تھا، اب دار الحرب جانے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو گئی اس لئے اب کافر اس کا مالک بن جائے گا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ حربی دار الاسلام سے اس غلام کو پکڑ لیتا تو وہ مالک بن جاتا، اسی طرح دار الحرب سے پکڑے گا تو وہ مالک بن جائے گا۔

ترجمہ: ۲۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ غلام جب دار الاسلام سے نکلا تو خود وہ اپنا مالک بن گیا، اس لئے کہ آقا کا قبضہ تھا اس لئے غلامیت باقی رہی تا کہ آقا فائدہ اٹھا سکے، اور آقا کا قبضہ زائل ہو گیا تو غلام کا اپنی ذات پر قبضہ ظاہر ہو گیا اور وہ آزاد ہو گیا اس لئے وہ ملک کا محل باقی نہیں رہا۔

تشریح: امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ غلام جب تک دار الاسلام میں تھا تو اس کے آقا کا قبضہ اس پر تھا، تا کہ آقا اس غلام سے فائدہ اٹھا سکے، اور جب وہ دار الاسلام سے نکل گیا تو آقا کا قبضہ زائل ہو گیا، اور غلام کا قبضہ خود اپنے اوپر ہو گیا، اور وہ مسلمان ہے اس لئے وہ ذاتی طور پر آزاد ہو گیا، اور پہلے گزر چکا کہ مسلمان پر کسی کافر کا قبضہ ہو تو وہ اس کا مالک نہیں بنتا اس لئے کافر اس غلام کا مالک نہیں بنے گا۔

۳ بخلاف المتردد؛ لَأنَّ يَدَ الْمَوْلَى بَاقِيَةٌ عَلَيْهِ لِقِيَامِ يَدِ أَهْلِ الدَّارِ فَمَنْعَ ظُهُورِ يَدِهِ ۴. وَإِذَا لَمْ يَثْبُتِ الْمَلِكُ لَهُمْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ يَأْخُذُهُ الْمَالِكُ الْقَدِيمُ بِغَيْرِ شَيْءٍ مَوْهُوبًا كَانَ أَوْ مُشْتَرَى أَوْ مَغْنُومًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَبَعْدَ الْقِسْمَةِ يُؤَدَّى عَوَضُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمَكِّنُ إِعَادَةَ الْقِسْمَةِ لِتَفَرُّقِ الْغَانِمِينَ وَتَعَدُّرِ اجْتِمَاعِهِمْ ۵. وَلَيْسَ لَهُ عَلَى الْمَالِكِ جُعْلُ الْآبِقِ؛ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ إِذْ فِي زَعْمِهِ أَنَّهُ مِلْكُهُ.

لغت: ظہرت یدہ علی نفسہ: غلام کا قبضہ اپنی ذات پر ہو گیا۔ صار معصوما بنفسہ: وہ اپنی ذات سے آزاد ہو گیا۔

ترجمہ: ۳: بخلاف اگر غلام دارالاسلام میں ادھر ادھر بھٹک رہا ہو [تو حربی کا غلام نہیں بنے گا] اس لئے کہ آقا کا قبضہ ابھی باقی ہے کیونکہ دارالاسلام کا قبضہ باقی ہے اس لئے حربی کا قبضہ ظاہر نہیں ہوگا۔

تشریح: غلام دارالاسلام میں ادھر ادھر بھٹک رہا تھا کہ حربی اس کو پکڑ کر دارالحرب لے گیا تو حربی اس کا مالک نہیں بنے گا۔
وجہ: یہاں آقا کا قبضہ بھی ہے اور دارالاسلام کا بھی قبضہ ہے اس لئے حربی کا قبضہ نہیں ہو سکے گا۔

ترجمہ: ۴: اور جب امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حربیوں کی ملک ثابت نہیں ہوئی تو پرانا مالک غلام کو مفت لیگا چاہے حربی نے ہبہ کر دیا، یا کسی مسلمان نے خرید کر لایا ہو، یا تقسیم سے پہلے غنیمت میں آ گیا ہو، اور تقسیم کے بعد بیت المال اس کی قیمت ادا کرے گا، اس لئے کہ تقسیم تو دوبارہ ہو نہیں سکتی کیونکہ مجاہدین منتشر ہو چکے ہیں، اور ان کا دوبارہ جمع ہونا ناممکن ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حربی غلام کا مالک نہیں بنا اس لئے کسی بھی طرح سے غلام دارالاسلام واپس آئے گا تو اس کے مالک کو مفت ملے گا، واپس آنے کی چار صورتیں یہاں بیان کر رہے ہیں۔ [۱] حربی نے کسی مسلمان کو یہ غلام ہبہ کر دیا تو مالک اس سے مفت لے گا [۲] کسی مسلمان نے حربی سے خرید لیا تو مالک اس کو مفت لیگا، کیونکہ حربی اس کا مالک نہیں بنا تھا اس لئے اس کا بیچنا ہی صحیح نہیں ہوا۔ [۳] غلام مال غنیمت میں دوبارہ دارالاسلام آ گیا تو تقسیم سے پہلے مالک اس کو مفت لیگا۔ [۴] غلام مال غنیمت میں آیا اور تقسیم بھی ہو گیا تو یہ غلام مالک کو مفت دیا جائے گا، کیونکہ اسی کا غلام ہے، اور جس آدمی کے حصے میں آیا ہے اس کو اس کی قیمت بیت المال سے دیا جائے گا، تاکہ اس کو نقصان نہ ہو، کیونکہ اس تقسیم کو اب تو نہیں سکتے کیونکہ مجاہد بکھر چکے ہیں تو یہی شکل باقی رہی کہ عوام کی رقم یعنی بیت المال سے قیمت دی جائے۔

ترجمہ: ۵: بھاگنے والے غلام کو جس نے واپس لایا تو واپس لانے کی مزدوری مالک پر لازم نہیں ہوگی، کیونکہ جس نے لایا ہے وہ اپنے لئے لایا ہے۔

تشریح: ہبہ سے لایا ہو، یا خرید کر لایا ہو، یا مال غنیمت میں لایا ہو، ان کو لانے کی مزدوری نہیں ملے گی۔

وجہ: کیونکہ لاتے وقت اس کا گمان یہ تھا کہ یہ غلام اپنے لئے لارہا ہوں، مالک کے لئے نہیں لایا ہے اس لئے مالک سے اس

(۲۸۲۶) وَإِنْ نَدَّ بَعِيرٌ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ مَلَكُوهُ ۖ لِحَقِّقِ الْإِسْتِيلَاءِ إِذْ لَا يَدَ لِلْعَجَمَاءِ لِنَظَرِهِ عِنْدَ الْخُرُوجِ مِنْ دَارِنَا، بِخِلَافِ الْعَبْدِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا.

(۲۸۲۷) وَإِنْ اشْتَرَاهُ رَجُلٌ وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْإِسْلَامِ فَصَاحِبُهُ يَأْخُذُهُ بِالْثَمَنِ إِنْ شَاءَ ۖ لِمَا بَيْنَا

کولانے کی مزدوری نہیں دلوائی جائے گی۔۔ جعل: مزدوری۔

ترجمہ: (۲۸۲۶) اگر کوئی اونٹ بدک کر ان کی طرف چلا جائے اور وہ اس کو پکڑ لیں تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

تشریح: جنگ چل رہی تھی ایسی حالت میں اونٹ بدک کر اس کی طرف چلا گیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) یہ انسان نہیں ہے مال ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمانوں کے مال پر حربی کا قبضہ ہو جائے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے (۲) ان علیا کان یقول فیما احرز العدو من اموال المسلمین انه بمنزلة اموالهم، قال وکان الحسن یقضى بذالک۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی العبد یا سرہ المسلمون ثم ظہر علیہ العدو، ج سادس، ص ۵۱۰، نمبر ۳۳۳۴۳) اس قول صحابی میں ہے کہ حربی ہمارے مال پر قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔

لغت: ند: اونٹ کا بدکنا۔

ترجمہ: اس لئے کہ اونٹ پر کفار کا قبضہ ہو گیا ہے اور جانور کو اپنا قبضہ نہیں ہے کہ دارالاسلام سے نکلے تو یہ قبضہ ظاہر ہو، بخلاف غلام کے، جسکو ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح: غلام پر سے مالک کا قبضہ ختم ہوتا ہے تو چونکہ وہ انسان ہے اس لئے اس کو اپنا قبضہ ہو جاتا ہے اس لئے وہ کفار کا مملوک نہیں بنتا، اور جانور کو اپنا قبضہ نہیں ہے، اس لئے جب مسلمان مالک کا قبضہ ختم ہوا تو کفار کا قبضہ ہو جائے گا اور وہ اس کا مملوک بن جائے گا۔ عجماء: جو بول نہ سکتا ہو، مراد ہے جانور۔

ترجمہ: (۲۸۲۷) اگر اس اونٹ کو کسی آدمی نے خرید لیا اور دارالاسلام لے آیا تو اس کے مالک کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو قیمت دیکر لے۔

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ [کہ تاجر اس کا مالک بن چکا ہے]

اصول: کافر مسلمان کی چیزوں کا مالک بن جاتا ہے، مسلمان انسان کا مالک نہیں بنتا۔

تشریح: اونٹ کافر کی ملکیت میں جا چکا ہے اور وہ اس کا مالک بھی بن چکا ہے، اب اس کو کسی مسلمان نے خرید کر لایا تو پہلا مالک اگر چاہے تو خریدی ہوئی قیمت دیکر لے، تاکہ اس کو نقصان نہ ہو۔

(۲۸۲۸) فَإِنْ أَبَى عَبْدٌ إِلَيْهِمْ وَذَهَبَ مَعَهُ بِفَرَسٍ وَمَتَاعٍ فَأَخَذَ الْمُشْرِكُونَ ذَلِكَ كُلَّهُ وَاشْتَرَى رَجُلٌ ذَلِكَ كُلَّهُ، وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّ الْمَوْلَى يَأْخُذُ الْعَبْدَ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَالْفَرَسَ وَالْمَتَاعَ بِالْثَمَنِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يَأْخُذُ الْعَبْدَ وَمَا مَعَهُ بِالْثَمَنِ إِنْ شَاءَ ۚ اِعْتِبَارًا لِحَالَةِ الْاجْتِمَاعِ بِحَالَةِ الْإِنْفِرَادِ وَقَدْ بَيَّنَّا الْحُكْمَ فِي كُلِّ فَرْدٍ.

(۲۸۲۹) وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَاشْتَرَى عَبْدًا مُسْلِمًا وَأَدْخَلَهُ دَارَ الْحَرْبِ عَتَقَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَا يُعْتَقُ ۚ لِأَنَّ الْإِزَالَهَ كَانَتْ مُسْتَحَقَّةً بِطَرِيقِ مُعَيَّنٍ وَهُوَ الْبَيْعُ وَقَدْ انْقَطَعَتْ وَلَايَةُ الْجَبْرِ عَلَيْهِ فَبَقِيَ فِي يَدِهِ عَبْدًا.

ترجمہ: (۲۸۲۸) اگر مسلمان غلام حربی کی طرف بھاگا اور اپنے ساتھ گھوڑا اور سامان لے گیا اور مشرکوں نے یہ سب لے لیا، پھر مسلمان نے یہ سب خریدا اور دارالاسلام لے آیا تو آقا غلام کو مفت لے گا اور گھوڑا اور سامان قیمت سے لیگا، اور صاحبین نے کہا کہ غلام اور سامان اگر چاہے تو قیمت سے لیگا۔

ترجمہ: اجتماع حالت انفرادی حالت پر قیاس کیا جائے گا، اور ہر ایک کا حکم ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حربی مسلمان غلام کا مالک نہیں بنے گا اس لئے پہلا آقا اس کو مفت لیگا، اور صاحبین کے نزدیک حربی غلام کا مالک بن جاتا ہے اس لئے پہلا آقا غلام کو قیمت سے لیگا، اور حربی سامان کا مالک سب کے نزدیک ہو جاتا ہے اس لئے پہلا آقا اس کو قیمت سے لیگا۔ جو حال انفرادی کا ہے وہی حال اجتماعی کا ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۲۹) حربی دارالاسلام میں امن لیکر داخل ہوا اور مسلمان غلام کو خریدا اور دارالحرب لے گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غلام آزاد ہو جائے گا، اور صاحبین نے فرمایا کہ آزاد نہیں ہوگا۔

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ مسلمان کسی حال میں حربی کا مملوک نہیں ہوگا اس لئے وہ آزاد ہو جائے گا، اور صاحبین کا نظریہ ہے کہ غلام حربی کا مملوک ہو سکتا ہے اس لئے وہ غلام ہی باقی رہے گا۔

تشریح: حربی امن لیکر دارالاسلام میں گیا اور یہاں مسلمان غلام خریدا اور دارالحرب لے گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ غلام آزاد ہو جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو حربی کی ذلت سے بچانا ضروری ہے اس لئے وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور صاحبین کے یہاں وہ حربی کا غلام باقی رہے گا، اس کی وجہ یہ ہے وہ خرید کر لے گیا، اور ہے بھی غلام اس لئے غلامیت باقی رہے گی۔

ترجمہ: اس لئے کہ غلامیت کو زائل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کو بیچوئے، اور دارالاسلام سے باہر ہونے کی وجہ سے یہ بھی نہیں کروا سکتا ہے، اس لئے حربی کے ہاتھ میں غلام رہے گا۔

۲ وَلَآئِبِ حَنِيفَةٍ اَنْ تَخْلِيَصَ الْمُسْلِمَ عَنْ ذُلِّ الْكَافِرِ وَاجِبٌ، فَيَقَامُ الشَّرْطُ وَهُوَ تَبَايُنُ الدَّارَيْنِ مَقَامَ الْعِلَّةِ وَهُوَ الْإِعْتَاقُ تَخْلِيَصًا لَهُ، كَمَا يَقَامُ مُضِيُّ ثَلَاثِ حِيَصٍ مَقَامَ التَّفْرِيقِ فِيمَا إِذَا أَسْلَمَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ فِي دَارِ الْحَرْبِ.

(۲۸۳۰) وَإِذَا أَسْلَمَ عَبْدٌ لِحَرْبِيٍّ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا أَوْ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَهُوَ حُرٌّ، وَكَذَلِكَ إِذَا خَرَجَ عِبْدُهُمْ إِلَى عَسْكَرِ الْمُسْلِمِينَ فَهُمْ أَحْرَارٌ ۚ لِمَا رُوِيَ "أَنَّ عَبِيدًا مِنْ عِبِيدِ الطَّائِفِ أَسْلَمُوا وَخَرَجُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَقَضَى بِعِتْقِهِمْ وَقَالَ: هُمْ عِتْقَاءُ اللَّهِ، وَلِأَنَّهُ أَحْرَزَ نَفْسَهُ بِالْخُرُوجِ إِلَيْنَا مُرَاعِمًا لِمَوْلَاهُ أَوْ بِالِالْتِحَاقِ بِمَنْعَةِ الْمُسْلِمِينَ، إِذَا ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ، وَاعْتِبَارُ يَدِهِ أَوْلَى مِنْ اعْتِبَارِ يَدِ الْمُسْلِمِينَ؛ لِأَنَّهَا أَسْبَقُ ثُبُوتًا عَلَى نَفْسِهِ، فَالْحَاجَةُ فِي حَقِّهِ إِلَى زِيَادَةِ تَوْكِيدٍ وَفِي حَقِّهِمْ إِلَى إِنْبَاتِ الْيَدِ ابْتِدَاءً فَلِهَذَا كَانَ أَوْلَى، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

تشریح: یہ صاحبین کی دلیل ہے، کہ حربی کے ہاتھ سے غلام کو نکالنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قاضی کے ذریعہ اسکو بیچنے پر مجبور کرے، لیکن چونکہ وہ دارالاسلام سے باہر ہے اسلئے اسکو بیچنے پر مجبور نہیں کر سکتا، اسلئے اب حربی کے ہاتھ میں غلام باقی رہے گا۔
ترجمہ: ۲: امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کی ذلت سے نکالنا واجب ہے اس لئے غلام کو چھٹکارا دلانے کے لئے شرط یعنی اختلاف دارین کو آزادی کا قائم مقام قرار دے دیا جائے، جیسے تین حیض گزرنے کو تفریق کے قائم مقام کرتے ہیں جبکہ دارالحرب میں میان بیوی میں سے ایک مسلمان ہو جائے۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کی ذلت سے بچانا ضروری ہے، اور اسکی ایک ہی صورت ہے کہ اختلاف دارین یعنی دارالحرب میں داخل ہونے کو آزادی کا سبب مان لیا جائے اور دارالحرب میں جانے سے غلام کو آزاد قرار دیا جائے، اسکی ایک مثال دیتے ہیں کہ دارالحرب میں میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو جائے تو تین حیض گزرنے سے تقریق ہو جاتی ہے، اور تین حیض کو تفریق کے قائم مقام قرار دیا ایسی طرح یہاں دارالحرب میں جانے کو آزاد ہونے کا سبب قرار دے دیا جائے۔

ترجمہ: (۲۸۳۰) حربی کا غلام مسلمان ہو گیا اور ہماری طرف آ گیا، یا دارالحرب پر ہم غلبہ پا گئے تو غلام آزاد ہو جائے گا، ایسے ہی حربیوں کا غلام مسلمان کے لشکر کی طرف آ گیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱: کیونکہ روایت ہے کہ طائف کے کچھ غلام مسلمان ہوئے اور حضور کی طرف آئے تو آپ نے ان کو آزاد کرنے کا فیصلہ کیا، اور یوں فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد شدہ ہیں۔

اصول: قاعدہ یہ ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے حربیوں پر قبضہ کر لے تو وہ غلام بن جاتا ہے، لیکن قبضہ کرنے سے پہلے وہ مسلمان ہو جائے تو وہ آزاد ہوگا، حربی کے ان غلاموں پر قبضہ کرنے سے پہلے مسلمان ہو گئے ہیں اسلئے یہ آزاد شمار کئے جائیں گے۔

تشریح: حربی کا غلام مسلمان ہو گیا، اور وہ دارالاسلام آ گیا، یا ہم دارالحرب پر قابض ہو گئے، یا غلام مسلمانوں کے لشکر میں آ گیا تو ان صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا، کیونکہ حدیث میں کہ طائف کے موقع پر حربی کے غلام کو آزاد قرار دیا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان عبدین خرجا یوم الطائف و النبی ﷺ محاصرہم فاعتقہما رسول اللہ ﷺ۔ (طبرانی، باب مقسم عن ابن عباس، ج ۱۱، ص ۳۰۹، نمبر ۱۲۰۹۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے غلام کو آزاد کر دیا۔

ترجمہ: ۲۔ اس لئے کہ آقا کو چھوڑ کر ہماری طرف نکلنے کی وجہ سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا، اس لئے کہ اس کی ذات پر پہلے قبضہ ہے، اس کے حق میں زیادہ موکد ہونے کی ضرورت ہے، اور پہلے ہی سے غلام کے حق میں قبضہ ثابت کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: غلام آقا کو چھوڑ کر ہماری طرف آیا تو اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے سے پہلے وہ مسلمان ہو گیا ہے اس لئے اب اس کو غلام نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

وجہ: کیونکہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے سے پہلے اس کا قبضہ اپنی ذات پر ہو چکا ہے، صرف اتنی بات تھی کہ اس قبضے کو موکد کیا جائے، پس مسلمانوں کے غلبہ ہونے کی وجہ سے غلام کا قبضہ موکد ہو گیا اس لئے وہ آزاد ہو جائے گا۔

لغت: احرز نفسه: اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ مراغما: رگم سے مشتق ہے، اس کو چھوڑ دیا۔ منعة المسلمین: مسلمانوں کا لشکر۔

و فی حقہم الی اثبات الید ابتداء فکان اولی: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غلام کا اپنی ذات پر قبضہ پہلے ہے اور اس پر مسلمانوں کا قبضہ بعد میں ہے، اس لئے غلام کا قبضہ برقرار رکھا جائے، یہ زیادہ بہتر ہے، اس کی وجہ سے وہ آزاد ہو جائے گا۔

﴿بَابُ الْمُسْتَأْمَنِ﴾

(۲۸۳۱) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ لَشَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ دِمَائِهِمْ؛ لِأَنَّهُ ضَمِنَ أَنْ لَا يَتَعَرَّضَ لَهُمْ بِالْإِسْتِثْمَانِ، فَالْتَعَرُّضُ بَعْدَ ذَلِكَ يَكُونُ عَدْرًا وَالْعَدْرُ حَرَامٌ، إِلَّا إِذَا عَدَرَ بِهِمْ مِلْكُهُمْ فَأَخَذَ أَمْوَالَهُمْ أَوْ حَبَسَهُمْ أَوْ فَعَلَ غَيْرَهُ بِعِلْمِ الْمَلِكِ وَلَمْ يَمْنَعْهُ؛ لِأَنََّّهُمْ هُمُ الَّذِينَ نَقَضُوا الْعَهْدَ.

﴿بَابُ الْمُسْتَأْمَنِ﴾

ترجمہ: (۲۸۳۱) اگر مسلمان دارالحرب میں تاجر بن کر داخل ہوا تو ان کے لئے حلال نہیں ہے کہ مال یا جان کو چھیڑے۔
ترجمہ: اس لئے کہ ضمان لیا ہے کہ ہم اسکو نہیں چھیڑیں گے، اسلئے اسکے بعد اسکو چھیڑنا عذر کوگا، اور عذر حرام ہے، ہاں حربیوں کا بادشاہ مسلمانوں کے ساتھ عذر کرے، اور انکے مال کو لے لے، اور انکو قید کر دے، یا بادشاہ کے جانتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی عذر کرے اور بادشاہ اسکو نہ روکے [تو مسلمان امن کے خلاف ورزی کر سکتا ہے] کیونکہ انہوں نے ہی عہد توڑا ہے۔
تشریح: مسلمان تاجر دارالحرب میں امن لیکر گیا تو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کے مال کو اور جان کو نہ چھیڑے اور نہ نقصان پہنچائے، کیونکہ امن لیتے وقت اس کا عہد کیا ہے، اگر ایسا کیا تو یہ دھوکا ہوگا، اور دھوکا کرنا شریعت میں حرام ہے، ہاں حربیوں کا بادشاہ مسلمان تاجروں کے ساتھ دھوکا کرے، یا کوئی حربی دھوکا کرے، مثلاً تاجر کے مال کو لے لے، یا تاجر کو قید کر لے، اور بادشاہ کو اس کا علم ہو پھر بھی نقصان پہنچانے والے کو نہ روکے تو اب تاجر کے لئے اپنے عہد پر قائم رہنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں نے ہی پہلے عہد توڑا ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں اس کا ثبوت ہے۔ و اما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء۔ (آیت ۵۸، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ اگر وہ خیانت کرے تو تم اس کو بتلا کر عہد توڑ دو۔ (۲) عذر نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن سليمان بن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ اذا امر اميرا على جيش ... قاتلوا من كفر بالله اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليدا (مسلم شریف، باب تا میر الامام الامراء علی البعوث ووصیتہ ایاہم بآداب الغزو وغیرہا، ج ۲، ص ۸۲، نمبر ۱۷۳۱/۴۵۲۲/۱۷۳۱) ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دارالحرب میں بھی عذر اور دھوکا نہیں کرنا چاہئے۔

۲. بِخِلَافِ الْأَسِيرِ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَأْمِنٍ فَيَبَاحُ لَهُ التَّعَرُّضُ، وَإِنْ أَطْلَقُوهُ طَوْعًا.
(۲۸۳۲) فَإِنْ غَدَرَ بِهِمْ ۱. أَغْنَى التَّاجِرُ فَأَخَذَ شَيْئًا وَخَرَجَ بِهِ مَلَكَهٖ مَلَكًا مَحْظُورًا ۱. لَوْ رُودِ
الْأُسْتِيْلَاءِ عَلَى مَالٍ مُّبَاحٍ، إِلَّا أَنَّهُ حَصَلَ بِسَبَبِ الْغَدْرِ فَأَوْجَبَ ذَلِكَ خُبْنًا فِيهِ.

ترجمہ: ۲. بخلاف قیدی کے اس لئے کہ اس نے امن نہیں لیا ہے اس لئے اس کے لئے تعارض کرنے کی گنجائش ہوگی، چاہے حربی اس کو خوشی سے چھوڑ دیا۔

تشریح: حربی مسلمانوں کو قید کر کے دارالحرب لے گیا، تو اس نے امن نہیں لیا ہے، اور نہ تعارض کرنے کا عہد لیا ہے، بلکہ یہ تو قیدی ہے اس لئے اس کے لئے تعارض کرنے کی گنجائش ہوگی

ترجمہ: (۲۸۳۲) پس اگر ان سے غداری کی اور کچھ لے لیا تو اس کا مالک بن جائے گا ممنوع طریقہ پر اور حکم دیا جائے گا کہ اس کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ مباح مال پر قبضہ ہو گیا [اس لئے تاجر مالک بن جائے گا] لیکن غدر کے سبب سے حاصل ہوا ہے اس لئے اس میں خباثت ہوگئی اس لئے صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

تشریح: تاجر کو غدر نہیں کرنا چاہئے، لیکن غدر کر کے حربیوں کا مال دار الاسلام لے آیا تو تاجر اس کا مالک بن جائے گا، لیکن چونکہ محظور طریقے سے لایا ہے اس لئے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

وجہ: (۱) اور حربیوں کے مال کو غدر کر کے لیا تو ملک محظور ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن المسور بن مخرمة قال خرج رسول الله ﷺ زمن الحديدية في بضع عشرة مائة من اصحابه ... وكان المغيرة صحب قوما في الجاهلية فقتلهم واخذ اموالهم ثم جاء فاسلم فقال النبي ﷺ اما الاسلام فقد قبلنا واما المال فانه مال غدر لا حاجة لنا فيه (ابوداؤد شریف، باب فی صلح العدو، ج ۲، ص ۲۴، نمبر ۶۵۶۷/بخاری شریف، باب الشروط فی الجہاد والمصالحة مع اہل الحرب وکتابہ الشروط، ص ۳۷۷، نمبر ۲۷۳۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنے کافر ساتھیوں کو دھوکا دے کر قتل کیا اور ان کے مالوں کو ساتھ لیکر حضور کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا اسلام تو قبول ہے۔ لیکن مال دھوکے کا ہے اس لئے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اور آپ نے اس میں سے خمس لینے سے بھی انکار کر دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ملکیت محظور ہے۔ پھر آپ نے اس مال کو مالک کے ورثہ کی طرف واپس کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مالک ہو گیا (۲) پہلے گزر چکا ہے کہ مسلمان حربیوں کے مال کا مالک بن جائے تو وہ مالک ہو جاتا ہے کیونکہ وہ مال غنیمت کے درجے میں ہے۔ جس طرح حربی مسلمان کے مال کا مالک بن جائے تو مالک ہو جاتا ہے (۳) دارالحرب لے جا کر

۲. فَيُؤْمَرُ بِالتَّصَدُّقِ بِهِ وَهَذَا: لِأَنَّ الْحَظَرَ لِعَیْرِهِ لَا يَمْنَعُ انْعِقَادَ السَّبَبِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ.

(۲۸۳۳) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَأَدَانَهُ حَرْبِيٌّ أَوْ أَدَانَهُ هُوَ حَرْبِيًّا أَوْ غَضَبَ أَحَدَهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَاسْتَأْمَنَ الْحَرْبِيُّ لَمْ يَقْضَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ بِشَيْءٍ ۚ أَمَّا الْإِدَانَةُ فَلِأَنَّ الْقَضَاءَ يَعْتَمِدُ الْوِلَايَةَ وَلَا وِلَايَةَ وَقْتُ الْإِدَانَةِ أَصْلًا وَلَا وَقْتُ الْقَضَاءِ عَلَى الْمُسْتَأْمَنِ؛ لِأَنَّهُ مَا التَزَمَ حُكْمَ الْإِسْلَامِ فِيمَا مَضَى مِنْ أَفْعَالِهِ وَإِنَّمَا التَزَمَ ذَلِكَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ.

واپس کرنا بھی ایک مشکل کام ہے اس میں جان کا خطرہ ہے اس لئے بھی مسلمان کو مالک قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن ملک صحیح نہیں ہے اس لئے مال کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

لغت: تعرض : عرض سے مشتق ہے چھیڑنا، غدر : دھوکا دینا، محذور : خبیث۔

ترجمہ: ۲: صدقہ کرنے کا حکم اس لئے دیا جائے گا غیر کی وجہ سے ممانعت آئی ہے اس لئے سبب منعقد ہونے سے نہیں روکے گا۔

تشریح: غدر نہیں کرنا چاہئے، لیکن کر لیا تو مال کا مالک بن جائے گا، لیکن چونکہ یہ محذور ہے اس لئے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۳۳) مسلمان امن لیکر دار الحرب گیا، پھر حربی نے قرضہ دیا، یا اس نے حربی کو قرضہ دیا، یا دونوں میں سے ایک نے دوسرے کا مال غصب کیا پھر یہ مسلمان دار الاسلام آیا اور حربی بھی امن لیکر دار الاسلام آیا تو قاضی دونوں میں سے کسی پر فیصلہ نہیں کرے گا۔

ترجمہ: ۱: بہر حال قرض کا معاملہ تقاضا کا معاملہ ولایت پر ہے اور قرض لیتے وقت بالکل ولایت نہیں ہے، اور امن لیکر آنے والے حربی پر بھی ولایت نہیں ہے اس لئے کہ قرض دیتے وقت اسلام کا حکم لازم نہیں کیا ہے، صرف مستقبل میں فیصلے کا معاملہ لازم کیا ہے۔

اصول: یہاں دو مسئلے دار الحرب میں پیش آئے ہیں اور دار الحرب میں قاضی کی ولایت نہیں ہے اس لئے قاضی اس مسئلے میں کوئی فیصلہ نہیں دے پائے گا۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں [۱] ایک ہے باہمی رضامندی سے قرض کے لین دین کا۔ پھر اس کی بھی تین شکلیں ہیں (۱) ایک مسلمان بن کر قاضی کے پاس آئے اور دوسرا حربی بن کر قاضی کے پاس آئے (۲) دونوں حربی بن کر قاضی کے پاس آئے۔ (۳) دونوں مسلمان بن کر قاضی کے پاس آئے [۲] اور دوسرا ہے غصب کرنے کا۔

۲ وَأَمَّا الْغَضَبُ فَلِأَنَّهُ صَارَ مَلَكًا لِلَّذِي غَضَبَهُ وَاسْتَوَلَى عَلَيْهِ لِمُصَادَفَتِهِ مَا لَا غَيْرَ مَعْصُومٍ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، ۳ وَكَذَلِكَ لَوْ كَانَا حَرْبِيَيْنِ فَعَلَا ذَلِكَ ثُمَّ خَرَجَا مُسْتَأْمِنَيْنِ لِمَا قُلْنَا (۲۸۳۴) وَلَوْ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ قُضِيَ بِالذَّيْنِ بَيْنَهُمَا وَلَمْ يُقْضَ بِالْغَضَبِ ۱ أَمَّا الْمَدَائِنَةُ فَلِأَنَّهَا وَقَعَتْ صَحِيحَةً لَوْ قُوعَهَا بِالْتَرَاضَى، وَالْوَلَايَةُ ثَابِتَةٌ حَالَةَ الْقَضَاءِ لَا لِتَزَامِهِمَا الْأَحْكَامَ بِالْإِسْلَامِ.

[۱] مسلمان امن لیکر دار الحرب میں داخل ہوا اور حربی کو قرض دیا یا حربی سے قرض لیا، پھر مسلمان دار الاسلام آیا اور حربی بھی امن لیکر دار الاسلام آیا اور قاضی کے سامنے قرض کا مقدمہ پیش کیا تو قاضی کچھ فیصلہ نہیں کرے گا۔

وجہ: (۱) یہ معاملہ دار الحرب میں پیش آیا ہے اور وہاں قاضی کی ولایت نہیں ہے، اس لئے فیصلہ نہیں دیگا۔ (۲) دوسری بات یہ ہے کہ حربی امن لیکر آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں قاضی کا فیصلہ ماننے کے حق میں نہیں ہے، البتہ آج کے بعد آئندہ کے بارے میں جب تک دار الاسلام میں رہے گا اس وقت تک قاضی کا فیصلہ ماننے کا وعدہ کرتا ہے، تاہم قرض دیتے وقت فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے قاضی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے گا۔

ترجمہ: ۲: بہر حال غصب کا معاملہ۔ مسلمان نے غصب کیا تو وہ مالک بن گیا ہے، اس لئے کہ غیر محفوظ مال پر اس کا قبضہ ہو گیا، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: مسلمان تاجر کو حربی کا مال غصب نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہ امن لیکر داخل ہوا ہے، لیکن اگر کر لیا تو وہ مالک بن جائے گا، کیونکہ حربی کا مال مسلمان کے حق میں غیر محفوظ ہے اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے مالک بن جائے گا، اگرچہ منظور مال ہوگا۔ غیر معصوم: محفوظ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳: اگر دو حربیوں نے یہ کام کیا [قرضہ لیا یا دیا] پھر وہ دونوں امن لیکر دار الاسلام آئے تو [تو فیصلہ نہیں کیا جائے گا]

تشریح: [۲] یہ قرض کا دوسرا مسئلہ ہے [دو حربی آپس میں قرض کا لین دین کئے، اس میں دونوں کا اختلاف ہو گیا، پھر دونوں امن لیکر دار الاسلام آئے اور قاضی کے سامنے مقدمہ رکھا تو وہ کوئی فیصلہ نہیں دیں گے، کیونکہ یہ مسئلہ دار الحرب میں پیش آیا تھا اور وہاں قاضی کی ولایت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۳۴) اگر دونوں مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے تو دونوں کے درمیان قرض کا تو فیصلہ کیا جائے گا، لیکن غصب کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱: قرض کا فیصلہ اس لئے کیا جائے گا کہ دونوں کی رضامندی سے صحیح واقع ہوا ہے اور فیصلے کے وقت قاضی کی ولایت ثابت ہے کیونکہ دونوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ولایت مان بھی رہا ہے۔

۲. وَأَمَّا الْغَضَبُ فَلَمَّا بَيَّنَّا أَنَّهُ مِلْكُهُ وَلَا خُبْتُ فِي مِلْكِ الْحَرْبِيِّ حَتَّى يُؤْمَرَ بِالرَّدِّ.

(۲۸۳۵) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَغَضِبَ حَرْبِيًّا ثُمَّ خَرَجَا مُسْلِمَيْنِ أَمْرَ بَرْدِ الْغَضَبِ وَلَمْ يَقْضَ عَلَيْهِ ۱. أَمَّا عَدَمُ الْقَضَاءِ فَلَمَّا بَيَّنَّا أَنَّهُ مِلْكُهُ، وَأَمَّا الْأَمْرُ بِالرَّدِّ وَمُرَادُهُ الْفَتْوَى بِهِ فَلَأَنَّهُ فَسَدَ الْمِلْكُ لَمَّا يُقَارِنُهُ مِنَ الْمُحَرَّمِ وَهُوَ نَقْصُ الْعَهْدِ.

تشریح: دونوں مسلمان بن کر دارالاسلام آئے تو قاضی قرض کا فیصلہ کرے گا۔

وجہ: دونوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے فیصلے کے وقت دونوں قاضی کی ولایت مان رہے ہیں اس لئے قاضی قرض کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔

ترجمہ: ۲. بہر حال غضب کے بارے میں مسلمان کی ملکیت ہو جائے گی اور حربی کے مال پر ملکیت ہونے میں کوئی خجست نہیں ہے اس لئے اس کو واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: یہاں صورت حال یہ ہے کہ مسلمان نے حربی کے مال کو دارالحرب میں غضب کیا، پھر حربی مسلمان ہو گیا، اور دونوں مسلمان بن کر قاضی کے پاس آئے، تو مسلمان جس وقت حربی کے مال پر قبضہ کر رہا تھا اس وقت وہ غیر محفوظ مال تھا اس لئے مسلمان کی ملکیت ہو گئی، اس لئے اب اس کو لوٹانے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۳۵) مسلمان دارالحرب میں امن لیکر داخل ہوا پھر حربی کا مال غضب کر لیا پھر مسلمان ہو کر دونوں قاضی کے پاس آئے تو دیانۃ غضب شدہ مال کو لوٹانے کا حکم دیا جائے گا، لیکن اس کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱. لوٹانے کا فیصلہ اس لئے نہیں کیا جائے گا کہ مسلمان غیر محفوظ مال کا مالک بنا ہے، لیکن دیانۃ مال لوٹانے کا حکم اس لئے دیا جائے گا کہ فاسد طریقے سے مسلمان مالک بنا ہے کیونکہ اس نے عہد توڑا ہے۔

تشریح: اس مسئلے کی صورت اوپر بیان کی ہے، کہ مسلمان نے دارالحرب میں حربی کا مال کا مال غضب کیا، پھر حربی مسلمان ہو گیا، اور دونوں مسلمان ہو کر قاضی سے فیصلہ چاہا تو قاضی مال لوٹانے کا فیصلہ نہیں کرے گا، لیکن دیانت کے طور پر کہے گا کہ اس کے مال کو حربی کی طرف واپس کرو۔

وجہ: فیصلہ اس لئے نہیں کرے گا کہ حربی کا غیر معصوم مال پر مسلمان کا قبضہ ہوا ہے اس لئے وہ اس کا مالک بن گیا ہے لیکن مسلمان نے عہد توڑ کر ایسا کیا ہے اس لئے محظوظ طریقے سے مالک بنا ہے اس لئے دیانت کے طور پر کہا جائے گا کہ مال کو حربی کی طرف واپس کرو۔

لغت: مرادہ الفتویٰ ب: امام محمدؒ کی مراد یہ ہے کہ لوٹانے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا، لیکن دیانۃ لوٹانے کے لئے کہا جائے گا۔

(۲۸۳۶) وَإِذَا دَخَلَ مُسْلِمَانِ دَارَ الْحَرْبِ بِأَمَانٍ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ عَمْدًا أَوْ خَطَاً فَعَلَى الْقَاتِلِ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَا ۚ أَمَّا الْكَفَّارَةُ فَلِلْإِطْلَاقِ الْكِتَابِ، وَأَمَّا الدِّيَةُ فَلِأَنَّ الْعِصْمَةَ الثَّابِتَةَ بِالْإِحْرَازِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الدُّخُولِ بِالْأَمَانِ، وَإِنَّمَا لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمَكِّنُ اسْتِيفَاؤُهُ إِلَّا بِمَنْعَةٍ، وَلَا مَنَعَةَ دُونَ الْإِمَامِ وَجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ فِي دَارِ الْحَرْبِ، وَإِنَّمَا تَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ فِي الْعَمْدِ؛ لِأَنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْعَمْدَ؛ وَفِي الْخَطَا لِأَنَّهُ لَا قُدْرَةَ لَهُمْ عَلَى الصِّيَانَةِ مَعَ تَبَايُنِ الدَّارَيْنِ وَالْوُجُوبِ عَلَيْهِمْ عَلَى اعْتِبَارِ تَرْكِهَا.

ترجمہ: (۲۸۳۶) دو مسلمان امن لیکر دار الحرب گئے، اور ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا، جان کر قتل کیا ہو، یا بھول میں تو قاتل پر اس کے مال میں دیت لازم ہوگی، اور قتل خطا کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا۔

ترجمہ: کفارہ اس لئے لازم ہوگا کہ آیت میں مطلق ہے [یعنی دار الاسلام، اور دار الحرب کی قید نہیں ہے۔ اور دیت اس لئے لازم ہوگی کہ وہ پہلے سے دار الاسلام میں تھا، جو امن لیکر دار الحرب میں داخل ہونے سے ختم نہیں ہوگا، اور قصاص اس لئے لازم نہیں ہوگا، کہ اس کے وصول کرنے کے لئے مضبوط اسلامی حکومت چاہئے، اور دار الحرب میں جماعت مسلمین اور امام نہیں ہے] اس لئے قصاص وصول کون کرے گا [اور قتل عمد میں دیت قاتل کے مال میں لازم ہوگا، کیونکہ عمد کی دیت خاندان والوں پر لازم نہیں ہوتی۔ اور قتل خطا میں بھی دیت قاتل کے مال ہی پر لازم ہوگی] خاندان والوں پر اس لئے لازم نہیں ہوگی [کہ دار الحرب کی وجہ سے قتل سے بچانے کی خاندان والوں کو قدرت نہیں ہے۔ اور خاندان والوں پر اسی لئے دیت لازم ہوتی ہے کہ اس نے قتل کرنے سے روکا نہیں۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں سب کے احکام اور دلیل سمجھیں۔

[۱] دو مسلمان دار الحرب میں داخل ہوئے اور ایک نے دوسرے کو قتل عمد کر دیا، تو قاعدے کے اعتبار سے اس پر قصاص لازم ہونا چاہئے، لیکن قصاص وصول کرنے کے لئے قاضی چاہئے اور دار الحرب میں قاضی نہیں ہے اس لئے قصاص لازم نہیں ہوگا، لیکن دیت لازم ہوگی، اس کی وجہ ہے کہ دونوں مسلمان ہیں اس لئے دیت کے احکام کو قاتل بھی اپنے اوپر لازم کیا ہوا ہے اس لئے دیت [جان کی قیمت] لازم ہوگی۔ لیکن یہ دیت خود قاتل کے مال میں لازم ہوگی، کیونکہ قتل عمد کی دیت عاقلہ [خاندان] پر لازم نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ مقتول کی جان مفت میں نہ چلی جائے اس لئے قاتل پر کم سے کم دیت تو لازم ہوگی۔

[۲] اگر قتل خطا [غلطی] سے قتل کیا تو اس میں دو چیزیں لازم ہوتی ہیں دیت اور کفارہ۔ کفارہ اس لئے لازم ہوگا کہ آیت میں

(۲۸۳۷) وَإِنْ كَانَا أُسِيرَيْنِ فَقَتَلَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمٌ تَاجِرًا أُسِيرًا فَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ إِلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: فِي الْأُسِيرَيْنِ الدِّيَّةُ فِي الْخَطَا وَالْعَمْدِ؛ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الْأُسْرِ كَمَا لَا تَبْطُلُ بِعَارِضِ الْإِسْتِثْمَانِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَامْتِنَاعُ الْقِصَاصِ؛ لِعَدَمِ الْمَنْعَةِ وَيَجِبُ الدِّيَّةُ فِي مَالِهِ لِمَا قُلْنَا. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ بِالْأُسْرِ صَارَ تَبَعًا لَهُمْ؛ لِصِرُّورَتِهِ مَقْهُورًا فِي أَيْدِيهِمْ، وَلِهَذَا يَصِيرُ مُقِيمًا بِإِقَامَتِهِمْ وَمُسَافِرًا بِسَفَرِهِمْ فَيَبْطُلُ بِهِ الْإِحْرَازُ أَصْلًا وَصَارَ كَالْمُسْلِمِ الَّذِي لَمْ يَهَاجِرْ إِلَيْنَا، وَخَصَّ الْخَطَا بِالْكَفَّارَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا كَفَّارَةَ فِي الْعَمْدِ عِنْدَنَا.

کفارہ لازم کیا ہے، اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ دار الحرب میں نہ ہو اس لئے دار الحرب میں قتل کیا تب بھی کفارہ لازم ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ قاتل مسلمان ہے جس نے دار الحرب میں بھی اپنے اوپر کفارہ لازم کیا ہے، اس کے لئے آیت یہ ہے۔ و من قتل مومنا خطاء فتحرير رقبة مومنة ودية مسلمة الى اهله۔ (آیت ۹۲، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں دیت کا بھی ذکر ہے اور کفارے کا بھی ذکر ہے۔

قتل خطاء میں قاعدے کے اعتبار سے عاقلہ یعنی قاتل کے خاندان والوں پر دیت لازم ہوتی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے قاتل کو قتل سے نہیں روکا، لیکن یہاں خود قاتل کے مال میں دیت لازم ہوگی، کیونکہ عاقلہ دار الحرب جا کر قتل سے نہیں روک سکتا اس لئے اس پر دیت لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۲۸۳۷) اگر دونوں قیدی ہوں اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا، یا مسلمان تاجر نے قیدی کو قتل کیا تو قاتل پر کچھ نہیں ہوگا، ہاں قتل خطاء میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ لازم ہوگا، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں قیدی ہوں تو قتل خطاء اور قتل عمد میں دیت لازم ہوگی۔

ترجمہ: اس لئے کہ قیدی کی وجہ سے مقتول کی عصمت باطل نہیں ہوتی، جیسا کہ امن لینے کی وجہ سے عصمت باطل نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے بیان کیا۔ قصاص تو اس لئے نہیں لیا جائے گا کہ اسلامی حکومت نہیں ہے، اور دیت قاتل کے مال میں لازم ہوگی، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیدی کی وجہ سے دار الحرب کا تابع ہو گیا، اس لئے کہ اس کے ہاتھ میں مجبور ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ اس کے قابض کے مقیم ہونے سے یہ مقیم ہوگا، اور اس کے مسافر ہونے سے یہ مسافر ہوگا، اس لئے دار الاسلام کی حفاظت باطل ہو گئی، اور اس مسلمان کی طرح ہو گیا جو دار الاسلام تک ہجرت نہیں کی، اور قتل خطاء میں کفارہ اس لئے ہے کہ قتل عمد میں ہمارے نزدیک کفارہ نہیں ہے۔

اصول: یہاں امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قید ہونے کی وجہ سے یہ قتل کے قانون میں دارالحرب کے تابع ہو گیا، اب اس پر حرب کا قانون چلے گا اسلامی قانون نہیں چلے گا، البتہ چونکہ یہ مسلمان ہے اس لئے قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

اصول: صاحبین کا اصول یہ ہے کہ قید ہونے کے باوجود چونکہ یہ مسلمان ہے اس لئے قتل میں اسلامی قانون چلے گا، اور قاتل کو دیت دینی ہوگی۔ اور قتل خطاء میں کفارہ بھی دینا ہوگا۔

تشریح: دو مسلمان آدمی قید ہو کر دارالحرب گئے، اب ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ قتل عمد میں دیت لازم ہوگی، اور نہ قتل خطاء میں دیت لازم ہوگی، صرف قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ: جب یہ دارالحرب والوں کے ہاتھ میں قید ہو گیا تو وہ حربی قانون کے تحت میں مجبور ہو گیا، اس لئے اب اس پر حربی قانون کی بنیاد پر قتل کی قیمت وغیرہ دینی ہوگی، اسلامی قانون کی بنیاد پر نہ قتل خطاء کی دیت ہے، اور نہ قتل عمد کا قصاص ہے، اور نہ اس کی دیت ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔ اگر دارالحرب میں کوئی مسلمان ہو جائے اور قتل کر دے تو اس پر دیت لازم نہیں ہے۔ ایسے ہی یہاں ہوگا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ، جس طرح دارالحرب میں امن لینے سے اسلامی قانون ختم نہیں ہوتا اسی طرح قید ہونے سے بھی اس سے اسلامی قانون ختم نہیں ہوگا، اس لئے اسلامی قانون کے تحت قاتل کو قتل عمد کی دیت ہوگی، کیونکہ دارالحرب میں قاضی نہ ہونے کی وجہ سے قصاص نہیں لیا جاسکتا ہے، اس لئے مفت جان نہ جائے اس لئے اس کی دیت لازم ہوگی، اور قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوگا، اور دیت خود قاتل پر لازم ہوگی، اور اس کے خاندان پر لازم نہیں ہوگی، کیونکہ وہ دارالحرب میں قتل سے روکنے نہیں جاسکیں گے۔

﴿فَصَلِّ فِي حُكْمِ الْمُسْتَأْمِنِ﴾

(۲۸۳۸) قَالَ: وَإِذَا دَخَلَ الْحَرَبِيُّ إِلَيْنَا مُسْتَأْمِنًا لَمْ يُمَكِّنْ أَنْ يُقِيمَ فِي دَارِنَا سَنَةً وَيَقُولَ لَهُ الْإِمَامُ: إِنَّ أَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَصَعْتُ عَلَيْكَ الْجَزِيَّةَ.

﴿فصل فی بیان حکم المستامن من اہل الحرب﴾

ترجمہ: (۲۸۳۸) اگر حربی ہمارے ملک میں امن لے کر آیا تو ممکن نہیں ہے کہ وہ ہمارے ملک میں ایک سال ٹھہرے۔ اور امام اس کو کہے کہ اگر تم سال بھر ٹھہرے تو تم پر جزیہ مقرر کروں گا۔

تشریح: حربی کو دارالاسلام میں زیادہ دیر تک ٹھہرانے سے وہ جاسوسی کر سکتا ہے اور دارالاسلام کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لیکن آنے جانے کا راستہ بالکل بند کر دیا جائے تو تجارت بند ہو سکتی ہے اسلئے امن لیکر آ تو سکتا ہے۔ لیکن سال بھر تک نہیں ٹھہر سکتا اس سے پہلے دارالحرب چلا جائے۔ اور اگر سال بھر ٹھہر گیا تو اس کو اب ذمی بنا لیا جائے گا اور اس پر جزیہ مقرر کر دیا جائے گا۔ اور واپس دارالحرب جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) حربی قلبی اعتبار سے نجس ہے۔ اس کا ہمارے یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم هذا (آیت ۲۸، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ مشرک ناپاک ہے اسکو مسجد حرام کے قریب نہ ہونے دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دارالاسلام میں بھی نہیں آنے دینا چاہئے۔ (۲) اس حدیث میں مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم ہے۔ سمع ابن عباسؓ یقول یوم الخمیس وما یوم الخمیس ... فامرهم بثلاث قال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب (بخاری شریف، باب اخراج الیہودی من جزیرۃ العرب، ص ۴۴۹، نمبر ۳۱۶۸ مسلم شریف، باب اخراج الیہود والنصارى من جزیرۃ العرب، ج ۲، ص ۹۴، نمبر ۱۷۶۷۱۷۹۴) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مشرکین دارالاسلام میں نہ رہیں (۳) قول صحابی میں ہے۔ ان عمرؓ بن الخطاب ضرب للیہود والنصارى والمجوس بالمدينة اقامة ثلاثة ايام يتسوقون بها ويقضون حوائجهم ولا یقیم احد منهم فوق ثلاث لیل (سنن اللیبی، باب الذمی یمر بالحجاز مارا لا یقیم ببلد منها اکثر من ثلاث لیل، ج ۵، ص ۳۵۳، نمبر ۱۸۷۲۷۱۸) اس اثر میں ہے کہ نصاریٰ اور مجوس تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے (۴) اور سال ٹھہرنے پر ذمی بنا لیا جائے گا اسکی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ عن زیاد بن حدیر قال کتبت الی عمر فی اناس من اهل العرب یدخلون ارضنا ارض الاسلام فقیمون قال فکتب الی عمر ان اقاموا ستة اشهر فخذ منهم العشر وان اقاموا سنة فخذ منهم نصف العش (سنن اللیبی، باب ما یدخل من الذمی اذا تجر فی غیر

۱۔ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْحَرْبِيَّ لَا يُمَكِّنُ مِنْ إِقَامَةٍ دَائِمَةٍ فِي دَارِنَا إِلَّا بِالْأَسْتِرْقَاقِ أَوْ الْجِزْيَةِ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ عَيْنًا لَهُمْ وَعَوْنًا عَلَيْنَا فَتَلْتَحِقُ الْمَضَرَّةُ بِالْمُسْلِمِينَ، وَيُمَكِّنُ مِنَ الْإِقَامَةِ الْيَسِيرَةِ؛ لِأَنَّ فِي مَنَعِهَا قُطْعَ الْمِيرَةِ وَالْجَلْبَ وَسَدَّ بَابِ التَّجَارَةِ، فَفَصَلْنَا بَيْنَهُمَا بِسَنَةٍ؛ لِأَنَّهَا مُدَّةٌ تَجِبُ فِيهَا الْجِزْيَةُ فَتَكُونُ الْإِقَامَةُ لِمَصْلَحَةِ الْجِزْيَةِ، ۲. ثُمَّ إِنْ رَجَعَ بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ قَبْلَ تَمَامِ السَّنَةِ إِلَى وَطَنِهِ فَلَا سَبِيلَ عَلَيْهِ، وَإِذَا مَكَثَ سَنَةً فَهُوَ ذِمِّيٌّ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَامَ سَنَةً بَعْدَ تَقَدُّمِ الْإِمَامِ إِلَيْهِ صَارَ مُلْتَزِمًا الْجِزْيَةِ فَيَصِيرُ ذِمِّيًّا،

بلدہ والحرابی اذا دخل بلاد الاسلام بامان، ج تاسع، ص ۳۵۴، نمبر ۱۸۷۷ اس اثر میں ہے کہ اگر حربی سال بھر ٹھہر جائے تو اس پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ لازم کرو۔ اور بیسواں ذمی سے لیا جاتا ہے۔ اور دسواں حصہ حربی سے لیا جاتا ہے۔ اسلئے سال بھر ٹھہرنے سے بیسواں حصہ اور چھ ماہ ٹھہرنے سے دسواں حصہ لینے کا مطلب یہ ہوا کہ چھ مہینے تک میں حربی رہے گا اور سال بھر رہنے میں ذمی بن جائے گا۔ اور جو ذمی بن جاتا ہے اسکو ہمیشہ دارالاسلام میں رہنا پڑتا ہے۔ دارالحرب جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

ترجمہ: اصل بات یہ ہے کہ حربی کو دارالاسلام میں ہمیشہ ٹھہرانا ممکن نہیں ہے مگر غلام بنا کر یا جزیہ مقرر کر کے، اس لئے کہ وہ ہمارے خلاف جاسوس بن سکتا ہے، اور ہمارے خلاف مدد کر سکتا ہے جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا، اور تھوڑی دیر تک رہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے اس لئے کہ اس سے منع کرنے میں غلے کی کمی ہوگی، اور حیوانات کے آنے میں کمی آجائے گی اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس لئے ہم نے ایک سال کی حد مقرر کی ہے، اس لئے کہ یہ مدت اتنی ہے جس میں جزیہ واجب ہوتا ہے، اس لئے اس کا ٹھہرنا جزیہ کی مصلحت کی وجہ سے ہے۔

تشریح: اصل بات یہ ہے کہ حربی کو دارالاسلام میں نہیں رہنے دینا چاہئے، کیونکہ وہ ہمارے خلاف جاسوسی کر سکتا ہے اور ہمارے خلاف مدد کر سکتا ہے، جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوگا، لیکن مکمل بند کرنے میں غلہ کہاں سے آئے گا، حیوانات کا آنا بند ہو جائے اور تجارت کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس لئے کچھ دنوں تک رہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اور اس کی مدت ایک سال مقرر کی گئی ہے، کیونکہ ایک سال میں جزیہ لازم ہوتا ہے۔

لغت: عین: جاسوس: آنکھ۔ عوناً علینا: ہمارے خلاف مدد کر سکتا ہے۔ میرۃ: کھانا، غلہ جسکو ذخیرہ کر کے رکھے۔ جلب: جو چیز ہانک کر دوسرے ملکوں سے لایا جائے، مثلاً گھوڑا، بکری وغیرہ۔ سد: بند کرنا۔

ترجمہ: پھر اگر امام کے کہنے کے بعد سال پورا ہونے سے پہلے دارالحرب چلا گیا تو اس پر کچھ نہیں ہوگا اور اگر سال بھر ٹھہر گیا تو وہ ذمی ہے، اسلئے کہ امام کے کہنے کے بعد سال بھر تک ٹھہرا ہوا تو اس نے خود ہی جزیہ لازم کر لیا اسلئے وہ ذمی ہو جائے گا۔
تشریح: امام کے کہنے کے بعد حربی دارالحرب چلا گیا تو کوئی بات نہیں ہے، لیکن کہنے کے باوجود ایک سال تک رہ گیا تو گویا

۳ وَلِلْإِمَامِ أَنْ يُؤَقَّتَ فِي ذَلِكَ مَا دُونَ السَّنَةِ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرَيْنِ.

(۲۸۳۹) وَإِذَا أَقَامَهَا بَعْدَ مَقَالَةِ الْإِمَامِ يَصِيرُ ذِمِّيًّا لِمَا قُلْنَا ثُمَّ لَا يَتْرُكُ أَنْ يَرْجَعَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ؛ لِأَنَّ

عَقْدَ الذِّمَّةِ لَا يَنْقُضُ، كَيْفَ وَأَنَّ فِيهِ قَطْعَ الْجَزِيَّةِ وَجَعَلَ وَلَدَهُ حَرْبًا عَلَيْنَا وَفِيهِ مَضَرَّةٌ بِالْمُسْلِمِينَ.

(۲۸۴۰) فَإِنْ دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَاشْتَرَى أَرْضَ خَرَجٍ فَإِذَا وَضَعَ عَلَيْهِ الْخَرَجَ فَهُوَ ذِمِّيٌّ؛

کہ خود اپنے سے جزیہ لازم کیا ہے، اس لئے وہ ذمی بن جائے گا۔

لغت: تقدم اليه: اس کو اس کا حکم دیا۔

ترجمہ: ۳ امام کو یہ بھی حق ہے کہ سال سے کم کی مدت متعین کر دے، مثلاً ایک ماہ دو ماہ کے اندر اندر دار الحرب چلے جاؤ۔

تشریح: سال کی مدت تو زیادہ سے زیادہ ہے، لیکن امام کو یہ بھی حق ہے کہ ایک دو ماہ کی مدت متعین کرے اور کہے کہ اس کے

اندر اندر دار الحرب چلے جاؤ۔

ترجمہ: (۲۸۳۹) پس اگر سال بھر ٹھہرا تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ بھی ذمی ہوگا۔ اور اب دار الحرب واپس ہونے کی

اجازت نہیں دے گا۔

ترجمہ: ۱: پھر عقد ذمہ ٹوٹتا نہیں ہے، اور کیسے توڑیں اس سے جزیہ کم ہو جائے گا، اور اس کی نسل حربی بن جائے گی جس میں

مسلمانوں کا نقصان ہے۔

تشریح: امام کے کہنے کے باوجود حربی ایک سال تک دار الاسلام میں رہ گیا تو یہ اب خود ہی ذمی بن گیا، اب اس کو دار الحرب

کو جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) کیونکہ دار الحرب جائے گا تو اس سے جزیہ کم ہو جائے گا۔ اس کی نسل پھر حربی بن جائے گی جس کی وجہ سے مسلمانوں کا

نقصان ہوگا، اس لئے اس کو دوبارہ دار الحرب جانے کی اجازت نہیں ہوگی (۲) ذمی پر جزیہ لازم کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔

عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الى اليمن امره ان ياخذ من كل عالم يعني محتلما دينارا او عدله من

المعافى ثياب تكون باليمن (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزية، ص ۷۴، نمبر ۳۸۳۸ بخاری شریف، باب الجزية

والموادعة مع اهل الذمة والحرب، ص ۴۴۶، نمبر ۳۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کے سر پر جزیہ لازم کیا جائے گا۔

نوٹ: جو ذمی ہوتا ہے اس کے سر پر جزیہ لازم ہوتا ہے جو ہر سال میں ایک دینار ہے۔ اور اس کی تجارت کے مال میں بیسواں

حصہ خراج لازم ہوگا۔ اور مسلمانوں کی تجارت کے مال میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ لازم ہوتی ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۰) حربی دار الاسلام میں امن لیکر داخل ہوا اور اس نے خراجی زمین خریدی اور اس پر خراج لازم کر دیا گیا تو

۱۔ لِأَنَّ خَرَاجَ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاجِ الرَّأْسِ، فَإِذَا التَّزَمَهُ صَارَ مُلتَزِمًا الْمَقَامَ فِي دَارِنَا. أَمَّا بِمَجَرَّدِ الشَّرَاءِ لَا يَصِيرُ ذِمِّيًّا؛ لِأَنَّهُ قَدْ يَشْتَرِيهَا لِلتَّجَارَةِ، ۲. وَإِذَا لَزِمَهُ خَرَاجُ الْأَرْضِ فَبَعْدَ ذَلِكَ تَلَزَمَهُ الْجِزْيَةُ لِسَنَةِ مُسْتَقْبَلَةٍ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ ذِمِّيًّا بِلُزُومِ الْخَرَاجِ فَتُعْتَبَرُ الْمُدَّةُ مِنْ وَقْتِ وُجُوبِهِ. وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ فَإِذَا وُضِعَ عَلَيْهِ الْخَرَاجُ فَهُوَ ذِمِّيٌّ تَصْرِيحٌ بِشَرْطِ الْوَضْعِ فَيَتَخَرَّجُ عَلَيْهِ أَحْكَامُ جَمَّةٍ فَلَا تَغْفُلُ عَنْهُ. (۲۸۴۱) وَإِذَا دَخَلَتْ حَرْبِيَّةٌ بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجَتْ ذِمِّيًّا صَارَتْ ذِمِّيَّةً؛ ۱. لِأَنَّهَا التَّزَمَتْ الْمَقَامَ تَبَعًا لِلزَّوْجِ.

حربی ذمی بن گیا۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ زمین پر خراج سر پر خراج لازم کرنے کے درجے میں ہے، پس جب خراج لازم کر لیا تو دارالاسلام میں رہنے کا ٹھکانا لیا، صرف خراجی زمین خریدنے سے ذمی نہیں بنے گا اس لئے کہ کبھی تجارت کے لئے بھی خراجی زمین خریدتا ہے۔
اصول: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خراجی زمین خریدنے اور اس پر خراج واجب کرنے سے بھی حربی ذمی بن جاتا ہے۔ جس طرح ایک سال ٹھہرنے سے ذمی بنتا ہے۔

تشریح: حربی ہمارے یہاں آیا اور خراجی زمین خریدی اور اس پر خراج واجب کیا تو جس وقت خراج واجب کیا اسی وقت سے وہ ذمی بن گیا، محض خراجی زمین خریدنے سے ذمی نہیں بنے گا کیونکہ کبھی تجارت کے لئے بھی خراجی زمین خریدتا ہے، ہاں خراج واجب کرے گا تب جا کر وہ ذمی بنے گا اور اس پر ذمی کے سارے احکام لاگو ہوں گے۔

ترجمہ: ۲۔ اور جب زمین پر خراج لازم ہوا تو اس کے بعد اگلے سال کا جزیہ بھی لازم ہو جائے گا، اس لئے کہ خراج لازم ہونے سے ذمی ہو گیا تو خراج واجب ہونے کے وقت سے جزیہ کا اعتبار ہوگا۔

تشریح: جب سے خراج لازم ہوا اس وقت سے یہ ذمی بن گیا، اور اس وقت سے اگلے سال تک میں ایک سال پورا ہوگا، اور ذمی پر ایک سال کا جزیہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۳۔ جامع صغیر میں یہ جملہ ہے کہ جب خراج لازم ہوا تو وہ ذمی بن گیا یہ اس بات کی تصریح ہے کہ خراج واجب ہونے کی شرط سے ذمی بن جاتا ہے، اور اس پر ذمی کے بہت سے احکام متفرع ہوں گے اس لئے اس نکتہ کو نہیں بھولنا چاہئے۔

تشریح: متن میں ہے۔ فاذا وضع عليه الخراج فهو ذمی: یہ قاعدہ کلیہ ہے، کہ جب حربی پر خراج لازم ہوا تو وہ ذمی بن گیا، اور جب سے ذمی بنا تو اس وقت سے اس پر ذمی کے تمام احکام نافذ ہوں گے، اس لئے یہ جملہ قاعدہ کلیہ ہے اس کو بھولنا نہیں چاہئے۔

ترجمہ: (۲۸۴۱) اگر حربی عورت امن لیکر دارالاسلام داخل ہوئی اور کسی ذمی سے نکاح کر لیا تو وہ ذمیہ بن جائے گی۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ شوہر کے تابع ہو کر یہاں رہنے کا التزام کر لیا [اس لئے وہ ذمی ہو جائے گی]

(۲۸۴۲) وَإِذَا دَخَلَ حَرْبِي بِأَمَانٍ فَتَزَوَّجْ ذِمِّيَّ لَمْ يَصِرْ ذِمِّيًّا؛ ۱. لِأَنَّهُ يُمَكِّنُهُ أَنْ يُطْلَقَهَا فَيَرْجِعَ إِلَى بَلَدِهِ فَلَمْ يَكُنْ مُتَنَزِّمًا الْمَقَامَ.

(۲۸۴۳) وَلَوْ أَنَّ حَرْبِيًّا دَخَلَ دَارَنَا بِأَمَانٍ ثُمَّ عَادَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَكَ وَدِيعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ أَوْ دِينًا فِي ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ ذِمَّةً مُبَاحًا بِالْعَوْدِ؛ لِأَنَّهُ أَبْطَلَ أَمَانَهُ

اصول: ذمی کے تابع ہو جائے تب بھی ذمی بن جائے گی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۲) حربی امن لیکر دارالاسلام میں داخل ہوا اور ذمیہ سے شادی کی تو ذمی نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کو طلاق دے دے اور اپنے شہر [دارالحرب] کی طرف لوٹ جائے اس لئے یہاں رہنے کا التزام نہیں کیا ہے [اس لئے وہ ذمی نہیں بنے گا]

اصول: مرد و عورت کے تابع نہیں ہوتا اس لئے ذمیہ سے شادی کرنے سے حربی ذمی نہیں بنے گا، ہاں سال بھر تک رہ جائے گا تو اس سال بھر کے رہنے سے ذمی بن جائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۴۳) اگر دارالحرب لوٹ گیا اور مسلمان یا ذمی کے پاس امانت چھوڑ گیا یا ان کے ذمہ قرض چھوڑ گیا تو واپس جانے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہوگا۔

ترجمہ: ۱. کیونکہ دارالحرب جانے کی وجہ سے اس کا امن ختم ہو گیا۔

تشریح: جو حربی دارالاسلام میں آکر ذمی بن گیا اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ دارالحرب واپس نہ جائے۔ لیکن اگر چلا گیا تو شرط توڑنے کی وجہ سے ذمی نہیں رہا بلکہ حربی ہو گیا اور اس کا خون مباح ہو گیا۔

وجہ: (۱) ذمی کو دارالحرب میں گھر بنانے کی اجازت دی جائے تو وہ جاسوسی کرے گا اور ہمارے خلاف تعاون کرے گا اس

لئے یا ذمی بن کر دارالاسلام میں ہمیشہ رہے یا دارالحرب میں رہائش پذیر ہو جائے اور حربی ہو جائے۔ پس اگر وہ حربی ہو گیا تو اس پر حربی کا حکم جاری ہوگا اور وہ یہ کہ اس کو قتل کرنا حلال ہوگا (۲) شرط کے خلاف کرنے سے مباح الدم ہو جاتا ہے حدیث

میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خيبر فغلب على الارض والنخل والجاهم الى

قصرهم فصالحوه على ان لرسول الله ﷺ الصفراء والبيضاء والحلقة ولهم ما حملت ركابهم على

ان لا يكتسبوا ولا يغيبوا شيئا فان فعلوا فلا ذمة لهم ولا عهد فغيبوا مسكاً لحبي بن اخطب ... فوجدوا

(۲۸۴۴) وَمَا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ مِنْ مَالٍ عَلَى خَطَرٍ، فَإِنْ أَسِرَ أَوْ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَقَتِلَ سَقَطَتْ ذِيُونُهُ وَصَارَتْ الْوَدِيعَةُ فَيْئًا.

المسک فقتل ابن ابی الحقیق و سبی نساء ہم و ذرارہم (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں جی بن اخطب کے مشک کو چھپا کر عہد کی خلاف ورزی کی تو ابن ابی حقیق کو قتل کیا گیا اور اس کی اولاد کو قید کر لیا گیا۔ اسی طرح یہاں ذمی نے عہد کی خلاف ورزی کی تو وہ حربی بن جائے گا اور اس کا خون مباح ہو جائے گا (۳) قول تابعی میں ہے۔ سئل عن عطاء عن الرجل من اهل الذمة یؤخذ فی اهل الشرک وقد اشترط علیہم ان لا یأتیہم فیقول لم اردعونہم فکفرہ قتله الا ببینۃ فقال له بعض اهل العلم اذا نقض شیئا واحدا مما علیہ فقد نقض الصلح (مصنف عبدالرزاق، باب المشرک یا قی المسلم بغیر عہد، ج خامس، ص ۱۹۸، نمبر ۹۷۱۷) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ گیا اس لئے وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہو گیا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو دار الحرب بھاگ گیا وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون اور اس کا مال مباح ہو گیا۔

لغت: ودیعة: امانت۔

ترجمہ: (۲۸۴۴) اور جو دار الاسلام میں اس کا مال ہو وہ خطرے میں ہو گیا۔ پس اگر قید کر لیا گیا یا دار الحرب پر غلبہ ہو گیا اور قتل کیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہو جائے گا اور امانت غنیمت ہو جائے گی۔

تشریح: اس حربی کی دو حالتیں ہیں، اور دونوں کا حکم الگ الگ ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں

[۱] پہلی حالت۔ یہاں دار الحرب مجاہدین کے قبضے میں آ گیا اس لئے حربی کا جو مال دار الاسلام میں تھا وہ سب مال غنیمت میں آیا گیا، پھر حربی نے مجاہدین سے جنگ کیا تھا اور اس میں قتل بھی ہوا ہے اس لئے وہ محکوم ہوا اور اس کے تابع ہو کر اس کا مال بھی غنیمت میں شمار ہو گیا، اس لئے جو مال امانت کا تھا وہ مال غنیمت ہو گیا، اور جو قرض کا تھا وہ مقروض کے پاس ہی رہ جائے گا۔

وجہ: (۱) قرض کا مال قرض والے کے پاس اس لئے رہ جائے گا کہ مال مباح پر جس کا قبضہ ہو جائے وہ اسی کا ہو جاتا ہے۔ یہاں قرض والے کا پہلے سے قبضہ ہے اس لئے قرض والے کے پاس ہی رہ جائے گا۔ اس سے واپس لیکر مال غنیمت میں تقسیم نہیں کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابیہا اسمر بن مضر س قال اتیت النبی ﷺ فبايعته فقال من سبق الی ما لم یسبقہ الیہ سلم فهو له (ابوداؤد شریف، باب فی اقطاع الارضین، ص ۷۸، نمبر ۳۰۷۱) اس حدیث میں ہے کہ جس کا پہلے قبضہ ہو جائے وہ مال اسی کا ہے۔

۱۔ اَمَّا الْوَدِيعَةُ فَلَانَهَا فِي يَدِهِ تَقْدِيرًا؛ لَأَنَّ يَدَ الْمُودِعِ كَيْدُهُ فَيَصِيرُ فَيَتَّبَعًا لِنَفْسِهِ، ۲۔ وَأَمَّا الدِّينُ فَلَأَنَّ
إِتْبَاتَ الْيَدِ عَلَيْهِ بِوَاسِطَةِ الْمُطَالَبَةِ وَقَدْ سَقَطَتْ، وَيَدٌ مَنْ عَلَيْهِ أُسْبِقُ إِلَيْهِ مِنْ يَدِ الْعَامَّةِ فَيَخْتَصُّ بِهِ.
(۲۸۴۵) وَإِنْ قُتِلَ وَلَمْ يُظْهَرْ عَلَى الدَّارِ فَالْقَرْضُ الْوَدِيعَةُ لَوَرَثَتِهِ ۱۔ وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ؛ لَأَنَّ نَفْسَهُ لَمْ
تَصِرْ مَغْنُومَةً فَكَذَلِكَ مَالُهُ، وَهَذَا لَأَنَّ حُكْمَ الْأَمَانِ بَاقٍ فِي مَالِهِ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ أَوْ عَلَى وَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ.

اور امانت کا مال کسی کے قبضے میں نہیں ہے وہ تو حقیقت میں حربی ہی کا ہے اس لئے وہ غنیمت میں آکر مجاہدین میں تقسیم ہوگا۔
وجہ: اور ابن ابی الحقیق والی حدیث میں گزرا کہ عہد توڑنے کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا اور اس کی اولاد اور بیوی قید کر لی گئی۔ عن
ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قاتل اهل خيبر فغلب على الارض والنخل ... فوجدوا المسك فقتل ابن ابی
الحقیق و سبی نساء هم و ذرا یهم (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۰۶) اس حدیث میں
ہے کہ عہد توڑنے والے کا مال غنیمت ہوگا۔ کیونکہ یہودیوں کے ساتھ شرط یہ تھی کہ کوئی چیز چھپائے نہیں۔ اور ابن ابی الحقیق نے
جی بن اخطب کا مشک چھپایا اور عہد توڑا اس لئے وہ قتل کیا گیا۔

ترجمہ: امانت کے بارے میں صورت یہ ہے کہ امین کا قبضہ گویا کہ حربی کا قبضہ ہے، اس لئے مال حربی کے تابع ہو کر
غنیمت ہو جائے گا۔

تشریح: حربی نے جس کے پاس امانت رکھا تھا اس امین کا قبضہ گویا کہ حربی کا قبضہ ہے اس لئے حربی کے تابع ہو کر یہ مال بھی
غنیمت میں شامل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲۔ اور قرضہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جس کے پاس قرضہ ہے اس کا قبضہ ثابت ہے مطالبہ کی وجہ سے اور ربی کی
موت کی وجہ سے اس کا مطالبہ ختم ہو گیا، اور عام لوگوں کے قبضے کی بنسبت مقرض کا قبضہ پہلے ہے اس لئے چیز اسی کی رہ جائے گی۔

تشریح: حربی مطالبہ کرے گا تو قرضہ والے کے پاس سے قرضہ ملے گا، اور حربی کی موت کی وجہ سے اس کا مطالبہ ساقط ہو
گیا، اس لئے جس کے پاس رقم تھی اسی کی رہ گئی، دوسری وجہ یہ ہے کہ مجاہدین کا قبضہ بعد میں ہے اور مقرض کا قبضہ پہلے ہے اس
لئے مقرض کو رقم مل جائے گی۔

ترجمہ: (۲۸۴۵) اور اگر دار الحرب پر قبضہ نہیں ہوا، اور وہ حربی قتل کیا گیا تو قرض اور امانت کا مال حربی کے ورثہ کو ملے گا۔

ترجمہ: ۱۔ ایسے ہی حربی خود بخود مر گیا اور اس کا مال غنیمت نہیں بنا تو اس کا مال اس کے ورثہ کو ملے گا، اور اس کی وجہ یہ ہے
کہ امن کا حکم اس کے مال کے بارے میں کسی نہ کسی درجے میں باقی ہے، اس لئے مال حربی کو لوٹا دیا جائے گا، اور اس کے
مرنے کے بعد اس کے ورثہ کو ملے گا۔

(۲۸۴۶) قَالَ: وَمَا أُوجِفَ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهِ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفَ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَمَا يُصْرَفُ الْخَرَاجُ ۚ قَالُوا: هُوَ مِثْلُ الْأَرَاضِي الَّتِي أَجْلَوْا أَهْلَهَا عَنْهَا وَالْجَزْيَةُ وَلَا خُمْسَ فِي ذَلِكَ.

اصول: دار الحرب پر قبضہ نہیں ہوا تو اس حربی کا مال غنیمت نہیں ہوا اس لئے اس کا مال اس کے ورثہ کو ملے گا۔

تشریح: [۲] یہ دوسری صورت ہے۔ دار الحرب پر قبضہ نہیں ہوا اس لئے حربی کی جان اور اس کا مال غنیمت نہیں ہوئی، اس لئے حربی قتل کیا گیا ہو، یا اپنی موت مراہودوں صورتوں میں اس کا مال اس کے ورثہ کو ملے گا۔

وجہ: کیونکہ پچھلے امن لینے کا اثر ابھی بھی باقی ہے، اس لئے حربی زندہ ہے اس کو ملے گا، اور وہ مر گیا ہے تو اس کے ورثہ کو ملے گا۔

لغت: اسرو: قید کیا گیا، مشتق ہے اسیر سے، فینا: مال غنیمت۔

ترجمہ: (۲۸۴۶) مسلمانوں نے جو کچھ اہل حرب کا مال لیا بغیر قتال کے تو وہ مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا، جیسے کہ خراج کا مال خرچ کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: علماء نے فرمایا جیسے وہ زمین جس سے وہاں کے لوگوں کو بھگادیا گیا، یا جزیہ کا مال، اور اس میں خمس نہیں ہے۔

اصول: اس متن میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس مال کو مجاہدین لڑکر حاصل نہ کیا ہو بلکہ بغیر لڑے حاصل ہوا ہو اس میں خمس بھی نہیں ہے، اور وہ مال مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں ہوگا، پورا مال مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ ہوگا۔

تشریح: قتال کے بغیر صرف رعب سے وہ لوگ جھک گئے اور صلح کر لی تو اس مال کو فی کفہتے ہیں۔ اس میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم نہیں کریں گے۔ بلکہ پورا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا اور مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا۔ جس طرح خراج کا مال مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔

وجہ: (۱) مال غنیمت اور مال فی کافرق اس قول تابعی میں مذکور ہے۔ عن الثوری قال الفی والغنیمۃ مختلفان، اما الغنیمۃ فما اخذ المسلمون فصار فی ایدیہم من الکفار والخمس فی ذلک الی الامیر، یضعہ حیث ما امر اللہ، والاربعة الاخماس الباقیۃ للذین غنموا الغنیمۃ، والفی ما وقع من صلح بین الامام والکفار فی اعناقہم وارضہم وزرعہم وفیما صولحوا علیہ مما لم یأخذہ المسلمون عنوة، ولم یحوزوہ ولم یقہروہ علیہ حتی وقع فیہ بینہم صلح، قال فذلک الصلح الی الامام یضعہ حیث امر اللہ (مصنف عبدالرزاق، باب الغنیمۃ والفی مختلفان، ج خامس، ص ۲۰۹، نمبر ۸۷۷۹) اس قول تابعی میں مال غنیمت اور مال فی کوا لگ الگ بیان کیا گیا ہے اور بتایا کہ صلح کے مال کو مال فی کہتے ہیں۔ مال فی کو امور المسلمین میں خرچ کرے (۱) اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من

۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: فِيهِمَا الْخُمْسُ اِعْتِبَارًا بِالْغَنِيْمَةِ. ۳ وَلَنَا مَا رَوَى ”أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَخَذَ الْجَزِيَّةَ“ وَكَذَا عُمَرُ وَمُعَاذٌ، وَوُضِعَ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَلَمْ يُخْمَسْ،

اہل القری فلله وللرسول ولذی القربی والیتیمی والمساکین وابن السبیل کی لا یكون دولة بین الاغنیاء منکم (آیت ۷، سورۃ الاحشر ۵۹) اس آیت میں ہے۔ اللہ نے جو فی دیا وہ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس میں خمس بھی نہیں ہے۔ اور مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ امت کی مصلحت میں خرچ کیا جائے گا (۲) حدیث میں اس کی تائید ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال ایما قریة افتتحها الله ورسوله فهی لله ولسوله، وایما قریة افتتحها المسلمون عنوة فخمسةا لله ولسوله وبقیتها لم قاتل علیها (ج) (سنن للبیہقی، باب من رای قسمة الاراضی المغنومة ومن لم یرها، ج ۱، ص ۲۳۴، نمبر ۱۸۳۹۳) اس حدیث میں ہے جس کو مجاہدین نے فتح کیا اس میں مجاہدین کے چار حصے ہیں، اور جس کو مجاہدین نے فتح نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے رعب سے دشمن نے صلح کر لی وہ سب مال نواب المسلمین کے لئے ہوگا اور اس کی مصلحتوں میں خرچ کیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ عن ابن عباس قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران على الفئ حلة النصف في صفر والنصف في رجب يودونها الى المسلمين (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیة، ج ۲، ص ۷۴، نمبر ۳۰۴۱) اس حدیث میں ہے کہ اہل نجران سے صلح ہوئی تھی اس مال میں خمس نہیں لیا جاتا تھا۔ اور نہ مجاہدین میں تقسیم ہوتا تھا۔ بلکہ پورا مال مسلمانوں کے کام آتا تھا۔ (۴) اس کی طرف بھی صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ ان عمر بن عبد العزیز کتب ان من سال عن مواضع الفتی فهو ما حکم فیہ عمر ابن الخطاب فراه المومنون عدلا موافقا لقول النبی ﷺ جعل الله الحق على لسان عمر و قلبه، فرض الاعطية للمسلمين و عقد لاهل الاديان ذمة بما فرض عليهم من الجزية لم يضرب فیها بخمس ولا مغنم۔ (ابوداؤد شریف، باب فی تدوین العطاء، ج ۲، ص ۴۳۰، نمبر ۲۹۶۱) اس حدیث میں ہے کہ جو مال غنیمت کا نہ ہو اس میں خمس نہیں ہے اور مجاہدین میں بھی تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

لغت: اوبھ : گھوڑا دوڑانا، یہاں مراد ہے دوڑ کر مال جمع کر لینا۔

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس مال میں خمس ہوگا مال غنیمت پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اس مال میں بھی خمس کے قائل ہیں، جس طرح مال غنیمت میں خمس دیا جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے مقام ہجر کے محسوس سے جزیہ لیا تھا، ایسے ہی حضرت عمرؓ نے اہل عراق سے جزیہ لیا تھا، اور حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو جزیہ لینے کا حکم دیا تھا اور اس کو بیت المال میں رکھا اور اس میں خمس نہیں لیا گیا۔

۴ وَلِأَنَّهُ مَالٌ مَّاخُودٌ بِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ، بِخِلَافِ الْغَنِيمَةِ؛ لِأَنَّهُ مَمْلُوكٌ بِمُبَاشَرَةِ الْغَانِمِينَ وَبِقُوَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَاسْتَحَقَّ الْخُمْسَ بِمَعْنَى وَاسْتَحَقَّهُ الْغَانِمُونَ بِمَعْنَى، وَفِي هَذَا السَّبَبِ وَاحِدٌ، وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا مَعْنَى لِإِيجَابِ الْخُمْسِ.

(۲۸۴۷) وَإِذَا دَخَلَ الْحَرَبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ وَلَهُ امْرَأَةٌ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَأَوْلَادٌ صِغَارٌ وَكِبَارٌ وَمَالٌ أَوْ دَعَا بَعْضُهُ ذِمِّيًّا وَبَعْضُهُ حَرْبِيًّا وَبَعْضُهُ مُسْلِمًا فَأَسْلَمَ هَاهُنَا ثُمَّ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَذَلِكَ كُلُّهُ فِيءٌ ۚ أَمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَادُهَا الْكِبَارُ فَظَاهِرٌ؛ لِأَنَّهُمْ حَرْبِيُّونَ كِبَارٌ وَلَيْسُوا بِأَتْبَاعٍ، وَكَذَلِكَ مَا فِي بَطْنِهَا لَوْ

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ نے اور حضرت معاذؓ نے جزیہ لیا اور اسکو بیت المال میں رکھا اور اس میں خمس نہیں نکالا، اسی طرح وہ مال جو بغیر لڑے حاصل ہوا ہے اس میں خمس نہیں نکالا جائے گا، بلکہ پورا مال مسلمانوں کی مصلحت میں صرف کیا جائے گا۔

وجہ: حضورؐ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا، حضرت معاذؓ نے اہل یمن سے جزیہ لیا اسکا ذکر اس حوالے میں ہے (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیہ، ص ۴۲۵، نمبر ۳۰۴۱/۳۰۳۸/۳۰۴۲) اور اس لئے کہ یہ مال بغیر قتال کے مسلمانوں کی قوت سے لیا گیا ہے، بخلاف غنیمت کے اس لئے کہ وہ مجاہدین کی شرکت سے آئی ہے اور مسلمانوں کی قوت سے بھی آئی ہے اس لئے اس میں خمس کا مستحق ہوا اور ایک معنی سے مجاہد بھی اس کے مستحق ہوئے، اور یہاں فئی میں ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے جس کو ہم نے ذکر کیا اس لئے خمس کے واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

تشریح: اس لمبی عبارت میں یہ کہہ رہے ہیں۔ مال غنیمت دو آدمیوں کی کوشش سے حاصل ہوتا ہے، ایک ہے مسلم امہ کا رعب، اور دوسرا ہے مجاہدین کا قتال، چونکہ یہ دونوں کی شراکت سے مال غنیمت حاصل ہوتا ہے، اس لئے ایک خمس مسلم امہ کو دیا گیا، اور باقی چار حصے مجاہدین کو دیا گیا۔ اور فئی کا مال صرف مسلم امہ کے رعب سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے اس میں خمس نہیں ہے، پورا مال مسلم امہ کو دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۴۷) اگر کوئی حربی دارالاسلام میں داخل ہو جائے اور اس کی بیوی، اور چھوٹی اولاد، اور بڑی اولاد دارالحرب میں ہیں۔ اور مال ذمی کے پاس، اور حربی کے پاس، اور مسلمان کے پاس امانت رکھا اور حربی دارالاسلام میں مسلمان ہو گیا پھر دارالحرب پر قبضہ ہو گیا تو سب مال غنیمت ہو جائے گا۔

ترجمہ: بیوی اور بڑی اولاد تو اس لئے کہ وہ حربی ہیں بڑے ہیں اور باپ کے تابع نہیں ہیں، ایسے ہی جو حمل ماں کے پیٹ میں ہے وہ بھی ماں کے تابع ہے اس لئے دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا کہ یہ باپ کے تابع نہیں ہے [اور چھوٹی اولاد اس

كَانَتْ حَامِلًا لِمَا قُلْنَا مِنْ قَبْلُ. وَأَمَّا أَوْلَادُهَا الصَّغَارُ فَلِأَنَّ الصَّغِيرَ إِنَّمَا يَصِيرُ مُسْلِمًا تَبَعًا لِإِسْلَامِ أَبِيهِ إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ وَتَحْتَ وَلَا يَتَّهِ، وَمَعَ تَبَائِنِ الدَّارَيْنِ لَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ، وَكَذَا أَمْوَالُهُ لَا تَصِيرُ مُحَرَّرَةً بِإِحْرَازِهِ نَفْسَهُ لِاخْتِلَافِ الدَّارَيْنِ فَبَقِيَ الْكُلُّ فَيْئًا وَغَنِيمَةً.

(۲۸۴۸) وَإِنْ أُسْلِمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ فَظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَأَوْلَادُهَا الصَّغَارُ أَحْرَارٌ مُسْلِمُونَ ۖ تَبَعًا لِأَبِيهِمْ؛ لِأَنَّهُمْ كَانُوا تَحْتَ وَلَا يَتَّهِ حِينَ أُسْلِمَ إِذِ الدَّارُ وَاحِدَةٌ.

وقت مسلمان کے تابع ہوتی ہے جب اس کے قبضے میں ہو اور اس کی ولایت میں ہو اور یہاں چھوٹی اولاد دار الحرب میں ہے اس لئے تابع نہیں ہوگی، ایسے ہی ذات کو محفوظ کرنے سے مال محفوظ نہیں ہوگا اس لئے کہ اختلاف دارین ہے اس لئے سب فنی اور غنیمت ہو جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ حربی دار الاسلام میں مسلمان ہونے کی وجہ سے دار الحرب کی کوئی چیز اس کے تابع نہیں ہوگی، اس لئے دار الحرب پر قبضہ ہونے کی وجہ سے سب مال غنیمت ہو جائے گی۔

تشریح: حربی امن لیکر دار الاسلام آیا اور یہاں مسلمان ہو گیا، اب اس کی بیوی، اس کی بڑی اولاد، اس کی چھوٹی اولاد دار الحرب میں ہیں، اور اس کا مال کچھ ذمی کے پاس، کچھ حربی کے پاس اور کچھ مسلمان کے پاس دار الحرب میں امانت ہے، اس دوران دار الحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، تو یہ سب فنی ہو جائے گی۔ یہاں پانچ قسم کی چیزیں ہیں پانچوں کے احکام سنیں۔

وجہ: [۱] بیوی تو دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے اس کے تابع نہیں ہے، [۲] اسی طرح بڑی اولاد بڑی ہونے کی وجہ سے اس کے تابع نہیں ہیں، اس لئے دار الحرب جب مال غنیمت ہوا تو یہ دونوں بھی مال غنیمت میں شمار ہوں گے۔ [۳] اور چھوٹی اولاد اس وقت اس کے تابع ہوتی جب وہ دار الاسلام میں ہوتی، وہ تو دار الحرب میں ہیں اس لئے وہ دار الحرب کے تابع ہو کر غنیمت ہوں گی [۴] بیوی کے اندر جو حمل ہے وہ بھی بیوی کے تابع ہے اس لئے وہ بھی بیوی کے ساتھ فنی ہوگی [۵] جو مال ہے وہ بھی دار الحرب میں ہونے کی وجہ سے اس مسلمان کے تابع نہیں ہے اور محفوظ نہیں ہے اس لئے دار کے ساتھ وہ بھی فنی ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۴۸) اگر حربی نے دار الحرب میں اسلام لایا پھر وہ دار الاسلام چلا آیا بعد میں اس کے ملک پر قبضہ ہو گیا تو چھوٹی اولاد آزاد ہوگی اور باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگی۔

ترجمہ: اس لئے کہ باپ جب دار الحرب میں مسلمان ہوا بچہ اس کی ولایت میں تھی، کیونکہ وہ دار الحرب ہی میں تھا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باپ کے مسلمان ہوتے وقت چھوٹی اولاد اس کی ولایت میں ہو تو وہ مسلمان ہو گئی اس لئے بعد میں بھی وہ باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگی۔

(۲۸۴۹) وَمَا كَانَ مِنْ مَّالٍ أَوْ دَعَا مُسْلِمًا أَوْ ذِمِّيًّا فَهُوَ لَهُ؛ ۱ لِيَأْتِيَهُ فِي يَدٍ مُحْتَرَمَةٍ وَيَدُهُ كَيْدِهِ
 (۲۸۵۰) وَمَا سِوَى ذَلِكَ فِيَّ ۱ أُمَّا الْمَرْأَةُ وَأَوْلَاذُهَا الْكِبَارُ فَلِمَّا قُلْنَا. وَأَمَّا الْمَالُ الَّذِي فِي يَدِ
 الْحَرْبِيِّ؛ فَلِأَنَّهُ لَمْ يَصِرْ مَعْصُومًا؛ لِأَنَّ يَدَ الْحَرْبِيِّ لَيْسَتْ يَدًا مُحْتَرَمَةً.
 (۲۸۵۱) وَإِذَا أَسْلَمَ الْحَرْبِيُّ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَقَتَلَهُ مُسْلِمٌ عَمْدًا أَوْ خَطَاً وَلَهُ وَرَثَةٌ مُسْلِمُونَ هُنَاكَ
 فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ إِلَّا الْكَفَّارَةُ فِي الْخَطَا

تشریح: حربی باپ دارالحرب ہی میں مسلمان ہوا، اس لئے اس چھوٹا بچہ مسلمان شمار کیا گیا، اس لئے اب دارالحرب پر قبضے کے بعد بچہ مسلمان سمجھا جائے گا اور آزاد ہوگا، کیونکہ مسلمان کو غلام نہیں بنایا جاتا ہے۔
ترجمہ: (۲۸۴۹) مسلمان اور ذمی کے پاس جو مال امانت ہے وہ اس آدمی کا ہوگا۔
ترجمہ: ۱: کیونکہ مسلمان اور ذمی کا قبضہ محترم قبضہ ہے۔

تشریح: حربی دارالحرب میں مسلمان ہوا تھا اور اس کا مال مثلاً زید مسلمان اور عمر ذمی کے پاس امانت ہے تو مسلمان کا اور ذمی کا قبضہ محترم ہے اس لئے ان دونوں کا قبضہ حربی مسلمان کے قبضے کی طرح محفوظ ہے اس لئے یہ مال حربی مسلمان کو مل جائے گا، دارالحرب کے مقبوض کی وجہ مال فنی نہیں بنے گا۔
ترجمہ: (۲۸۵۰) اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فنی ہوگا۔

ترجمہ: ۱: بہر حال بیوی اور بڑی اولاد تو فنی ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا کہ [وہ حربی مسلمان کے تابع نہیں ہے] اور مال جو حربی کے قبضے میں ہے تو محفوظ نہیں ہے اس لئے کہ حربی کا قبضہ محترم قبضہ نہیں ہے۔
تشریح: بیوی اور بڑی اولاد حربی مسلمان کے تابع نہیں ہیں اس لئے دارالحرب کے تابع ہو کر وہ فنی بنے گی، اور جو مال حربی کے پاس امانت ہے، تو حربی کا قبضہ محترم قبضہ نہیں ہے اس لئے وہ بھی حربی کے تابع ہو کر فنی بن جائے گا۔ یہ مال حربی مسلمان کے تابع نہیں ہے اس لئے یہ فنی بنے گا۔

ترجمہ: (۲۸۵۱) حربی آدمی دارالحرب میں مسلمان ہو گیا، اور اس کو کسی مسلمان نے جان کر قتل کر دیا، یا غلطی سے قتل کر دیا، اور دارالحرب میں اس کا مسلمان ورثہ موجود ہے تو قاتل پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے، صرف قتل خطا میں کفارہ ہے۔
اصول: امام ابوحنیفہ کا اصول۔ چونکہ دارالحرب میں مسلمان ہوا ہے اور دارالحرب ہی میں قتل ہوا ہے اس لئے دارالاسلام کا قانون قصاص یا دیت لازم نہیں ہوگا، بلکہ دارالحرب کا قانون لازم ہوگا، البتہ چونکہ قاتل مسلمان ہے اس لئے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس پر قتل خطا میں کفارہ لازم ہوگا۔

۱۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَجِبُ الدِّيَةُ فِي الْحَطِّ وَالْقِصَاصُ فِي الْعَمْدِ؛ لِأَنَّهُ أَرَأَيْكَ دَمًا مَعْصُومًا لَوْ جُودَ الْعَاصِمُ وَهُوَ الْإِسْلَامُ لِكُونِهِ مُسْتَجْلِبًا لِلْكَرَامَةِ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْعِصْمَةَ أَصْلُهَا الْمُؤَثَمَةُ؛ لِحُصُولِ أَصْلِ الزَّجْرِ بِهَا وَهِيَ ثَابِتَةٌ إِجْمَاعًا، وَالْمُقَوِّمَةُ كَمَالٍ فِيهِ لِكَمَالِ الْإِمْتِنَاعِ بِهِ فَيَكُونُ وَصْفًا فِيهِ فَتَعَلَّقَ بِمَا عُلِّقَ بِهِ الْأَصْلُ.

اصول: امام شافعی کا اصول یہ ہے کہ چونکہ قتل کرنے والا مسلمان ہے، اور مقتول بھی مسلمان ہے اس لئے اسلام کا قانون دار الحرب میں بھی چلے گا، اور قاتل پر قتل عمد میں دیت لازم ہوگی اور قتل خطا میں دیت بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔

تشریح: حربی دار الحرب میں اسلام لایا، اس کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا اور دار الحرب میں اس کا ورثہ بھی موجود ہے تو قتل عمد میں قاتل پر قصاص لازم نہیں ہوگا اور نہ دیت لازم ہوگی، اور قتل خطا میں دیت لازم نہیں ہوگی، صرف قتل خطا میں کفارہ لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) اوپر بتایا کہ یہ قتل دار الحرب میں ہوا ہے اس لئے وہاں کا قانون چلے گا، وہاں اسلام کا قانون نہیں چلے گا۔ (۲) آیت میں ہے کہ دوسری قوم یعنی دار الحرب میں ہو اور قتل ہو گیا تو اس کا تاوان صرف غلام آزاد کرنا کفارہ ہے، دیت نہیں ہے، آیت یہ ہے۔ فان كان من قوم عدو لكم و هو مو من فتحير رقبة مومنة (آیت ۹۲، سورۃ النساء ۴)

ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا کہ قتل خطا میں دیت لازم ہوگی، اور قتل عمد میں قصاص لازم ہوگا اس لئے کہ معصوم خون کو بہایا ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے، کیونکہ اسلام عزت کو کھینچتا ہے، اس لئے کہ عصمت کی اصل ہے کہ وہ گنہگار ہوگا، کیونکہ اسلام کی وجہ سے اس کو گناہ سے روکنے والی چیز موجود ہے، اور یہی اجماعاً ثابت ہے، اور قیمت کا لازم ہونا اس میں کمال ہے کیونکہ اسلام کی وجہ سے اس میں امتناع کمال ہے اس لئے کہ قیمت لازم ہونا صفت بنے گی، اور جس پر اصل معلق ہے اس پر صفت بھی معلق ہوگی۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ امام شافعی کے یہاں چونکہ قاتل مسلمان ہے اس لئے دار الحرب میں بھی اسلامی قانون نافذ ہوگا، اور قتل عمد میں قصاص اور قتل خطا میں دیت لازم ہوگی۔

وجہ: قاتل مسلمان ہے اور مقتول بھی مسلمان ہے، اس لئے قتل کرنے کی وجہ سے گناہ ہوگا، اور گناہ کو دھونے کے لئے قصاص اور دیت لازم ہوگی۔

لغت: معصوم: یہاں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں اسکی وضاحت یہ ہے۔ معصوم: محفوظ، یعنی اس اسلام کی وجہ سے اس کا خون بہانا گناہ ہے۔ مؤثمة: اثم سے مشتق ہے، گناہ کی چیز۔ مقومة: جس کی قیمت لگتی ہو، مسلمان کی جان کی قیمت لگتی ہے یعنی اسکی دیت یا قصاص ہے اسلئے وہ مقومة ہے۔ فتعلق بما علق به الاصل: اصل جس سے متعلق ہے، یعنی گناہ، اسی سے وصف بھی

۲ وَلَنَّا قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ الْآيَةَ. جَعَلَ التَّحْرِيرَ كُلَّ الْمُوجِبِ رُجُوعًا إِلَى حَرْفِ الْفَاءِ أَوْ إِلَى كَوْنِهِ كُلُّ الْمَذْكُورِ فَيَنْتَفِي غَيْرُهُ، ۳ وَلَئِنَّ الْعِصْمَةَ الْمُؤْتَمَةَ بِالْأَدَمِيَّةِ لِأَنَّ الْأَدَمِيَّ خُلِقَ مُتَحَمِّلًا أَعْبَاءَ التَّكْلِيفِ، وَالْقِيَامَ بِهَا بِحُرْمَةِ التَّعَرُّضِ، وَالْأَمْوَالُ تَابِعَةٌ لَهَا. أَمَّا الْمُقَوِّمَةُ فَالْأَصْلُ فِيهَا الْأَمْوَالُ؛ لِأَنَّ التَّقْوَمَ يُؤْذَنُ بِجَبْرِ الْفَائِتِ وَذَلِكَ فِي الْأَمْوَالِ دُونَ النَّفُوسِ؛ لِأَنَّ مِنْ شَرْطِهِ التَّمَاثُلُ، وَهُوَ فِي الْمَالِ دُونَ النَّفْسِ فَكَانَتْ النَّفُوسُ تَابِعَةً، ثُمَّ الْعِصْمَةُ الْمُقَوِّمَةُ فِي الْأَمْوَالِ بِالْإِحْرَازِ بِالْإِدَارِ؛ لِأَنَّ الْعِزَّةَ بِالْمَنْعَةِ فَكَذَلِكَ فِي النَّفُوسِ.

متعلق ہوگا، یعنی قیمت لازم ہوگی۔

ترجمہ: ۲: ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ فان كان من قوم عدو لكم وهو مؤمن فتحرير رقبة مومنة) آیت ۹۲، (سورۃ النساء ۴) اس آیت میں غلام آزاد کرنے کو پورا بدلہ قرار دیا ہے، کیونکہ تحریر رقبتہ، میں حرف فاء ہے، یا اس وجہ سے کہ پورا بدلہ یہی بیان کیا ہے تو دوسرے کی نفی ہو جائے گی۔

تشریح: اس آیت میں تحریر رقبتہ، کہا ہے یعنی فاستعمال کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ دار الحرب میں قتل کی سزا صرف غلام آزاد کرنا ہے، اور یہ بھی واضح ہوا کہ صرف یہی سزا ہے، اور دوسرے کی نفی ہے، اس لئے دیت اور قصاص لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳: اور اس لئے کہ گناہ والی حفاظت آدمی کے ساتھ ہے اس لئے کہ آدمی اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ احکام شرع کو بجالائے اور اس پر قائم رہے اس طرح کہ تعرض کرنا اپنے اوپر حرم سمجھے اور مال اس کے تابع ہوتا ہے اور قیمت میں اصل مال ہے کیونکہ کسی چیز کی قیمت مقرر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو چیز جاتی رہے اس کو پورا کیا جائے، اور یہ مال میں ہوتا ہے جان میں نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کی شرط یہ ہے کہ برابری ہو اور وہ مال میں ہوتا ہے جان میں نہیں ہوتا اس لئے یہاں نفس تابع ہے۔ پھر مال کی جو قیمت لگتی ہے وہ دارالاسلام کی وجہ سے دی جاتی ہے اس لئے کہ عزت قوت کی وجہ سے ہوتی ہے، اسی طرح جان کی قیمت دارالاسلام کی وجہ سے ہوگی۔

تشریح: عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ امام شافعی کو جواب ہے، آدمی کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ شریعت کی پابندی کرے، اور قتل کرنے کو حرام جانے، اور اس کی قیمت میں اصل مال ہے اور نفس اس کا تابع ہے، اور مال نفس کے برابر نہیں ہے اس لئے نفس کے بدلے میں مال لازم نہیں ہونا چاہئے، لیکن دارالاسلام کی وجہ سے مال سے قیمت لگتی ہے اور اسی طرح جان کی بھی قیمت ہوتی ہے، اور دار الحرب دارالاسلام نہیں ہے اس لئے جان کی قیمت نہیں لگے گی۔

۴ إِلَّا أَنَّ الشَّرْعَ أَسْقَطَ اعْتِبَارَ مَنَعَةِ الْكُفْرَةِ؛ لِمَا أَنَّهُ أَوْجَبَ إِبْطَالَهَا. وَالْمُرْتَدُّ وَالْمُسْتَأْمَنُ فِي دَارِنَا مِنْ أَهْلِ دَارِهِمْ حُكْمًا لِقَصْدِهِمَا الْإِتِّقَالَ إِلَيْهَا.

(۲۸۵۲) وَمَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا خَطَا لَا وَلِيَّ لَهُ أَوْ قَتَلَ حَرْبِيًّا دَخَلَ إِلَيْنَا بِأَمَانٍ فَأَسْلَمَ فَالِدِّيَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ لِلْإِمَامِ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ؛ ۱ لِأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُومَةً خَطَا فُتُّعْتَبِرَ بِسَائِرِ النَّفُوسِ الْمَعْصُومَةِ، وَمَعْنَى قَوْلِهِ لِلْإِمَامِ أَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لَهُ؛ لِأَنَّهُ لَا وَارِثَ لَهُ.

(۲۸۵۳) وَإِنْ كَانَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْإِمَامُ قَتَلَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَّةَ؛ ۱ لِأَنَّ النَّفْسَ مَعْصُومَةً، وَالْقَتْلَ

ترجمہ: ۴ مگر شریعت نے کافر کی عزت کو ساقط کیا ہے اس لئے کہ اس کی عزت کو باطل کیا ہے اور مرتد اور امن لیکر دار الاسلام میں آنے والا حربی حکما دار الحرب کا ہے، کیونکہ اس کا واپس جانے کا ارادہ ہے۔

تشریح: شریعت نے کافر کی عزت نہیں رکھی ہے اس لئے اس کی دیت نہیں ہے، اور مرتد اور جو حربی امن لیکر آیا ہے وہ بھی دار الحرب لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے اس کی بھی قیمت نہیں ہے یعنی اس کی دیت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۵۲) کسی نے مسلمان کو قتل کر دیا اور اس کا ولی نہیں ہے، یا ہمارے یہاں امن لیکر حربی داخل ہوا پھر اسلام لایا تو قاتل کے خاندان پر جو دیت ہوگی وہ امام وصول کرے گا، اور قاتل پر کفارہ لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ معصوم نفس کو غلطی سے قتل کیا ہے اس لئے اور معصوم نفس پر قیاس کیا جائے گا، اور اس کے قول کا معنی یہ ہے کہ امام کو دیت وصول کرنے کا حق ہوگا اس لئے کہ مقتول کا وارث نہیں ہے۔

اصول: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس مقتول کا وارث نہیں ہو اس کی دیت امام وصول کرے گا، اور قصاص بھی وصول کرے گا، لیکن بہتر یہ ہوگا کہ قاتل سے صلح کر کے دیت لے لے کیونکہ مال لینے میں مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ہے۔

تشریح: مالمان نے ایسے آدمی کو غلطی سے قتل کر دیا جس کا کوئی وارث نہیں ہے، یا حربی دار الاسلام آیا اور یہاں آ کر مسلمان ہوا، جس کی وجہ سے یہاں اس کا کوئی وارث نہیں ہے اس کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا تو اس کی دیت امام وصول کرے گا۔

وجہ: یہ بھی معصوم نفس ہے اس لئے اس کا قصاص بھی لیا جائے گا، اور قتل خطاء میں اس کی دیت بھی لی جائے گی، اور قاتل چونکہ مسلمان ہے اس لئے قاتل پر کفارہ بھی لازم ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۵۳) اگر قتل عمد کیا ہے تو امام چاہے تو قصاص میں قاتل کو قتل کر دے، اور چاہے تو دیت لے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ نفس معصوم ہے اور قتل عمد ہے اور ولی معلوم ہے۔ اور وہ ہے عام لوگ اور بادشاہ، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس کا ولی نہیں بادشاہ اس کا ولی ہے۔

عَمْدٌ، وَالْوَلِيُّ مَعْلُومٌ وَهُوَ الْعَامَّةُ أَوِ السُّلْطَانُ. قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "السُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَ لَهُ"،
 ۲ وَقَوْلُهُ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الدِّيَّةَ مَعْنَاهُ بِطَرِيقِ الصُّلْحِ؛ لِأَنَّ مُوجِبَ الْعَمْدِ وَهُوَ الْقَوْدُ عَيْنًا، وَهَذَا؛ لِأَنَّ
 الدِّيَّةَ أَنْفَعُ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ مِنَ الْقَوْدِ فَلِهَذَا كَانَ لَهُ وَلَايَةُ الصُّلْحِ عَلَى الْمَالِ. ۳ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ
 يَعْفُو؛ لِأَنَّ الْحَقَّ لِلْعَامَّةِ وَوَلَايَتُهُ نَظَرِيَّةٌ وَلَيْسَ مِنَ النَّظَرِ إسْقَاطُ حَقِّهِمْ مِنْ غَيْرِ عَوَضٍ.

تشریح: اگر اس مسلمان کو جان کر قتل کر دیا تو امام اس کا قصاص لے گا کیونکہ اس کا کوئی ولی اور وارث نہیں ہے، اور یہ بھی ہو
 سکتا ہے کہ قاتل سے صلح کر کے دیت لے لے کیونکہ اس میں مسلمانوں کا مالی فائدہ ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عائشة.... فان تشاجروا فالسلطان ولي من لا ولي له. (ابوداؤد
 شریف، باب فی الولی ص ۲۹۱ نمبر ۲۰۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے۔

ترجمہ: ۲: اور متن میں جو کہا کہ، چاہے تو دیت لے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صلح کر کے دیت لے اس لئے قتل عمد کا سبب تو
 صرف قصاص ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں قصاص سے زیادہ فائدہ دیت میں ہے اس لئے امام کو صلح کر کے دیت
 لینا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: قتل عمد کا اصل بدلہ تو قصاص ہے، لیکن متن میں کہا کہ امام دیت لینے کو ترجیح دے تو اس کا مطلب بتایا کہ قاتل سے
 صلح کر کے دیت لے سکتا ہے، اور اس میں زیادہ فائدہ اس طرح ہے کہ وارث کے دل کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قصاص لیا جاتا
 ہے، اور یہاں وارث نہیں ہے اس لئے یہ دیکھا جائے گا کہ مسلمانوں کو مالی فائدہ مال میں ہے اس لئے دیت لینے کو ترجیح دے
 سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳: امام کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ حق عام لوگوں کے لئے ہے، اور اس کی جگہ پر امام کی ولایت
 مصلحت کے لئے ہے، اور بغیر بدلے کے حق ساقط کرنا مصلحت کا تقاضہ نہیں ہے۔

تشریح: قتل میں وارث کو یہ بھی حق ہے کہ دیت، یا قصاص معاف کر دے، لیکن امام کی ولایت چونکہ مصلحت کے لئے ہے
 اس لئے بغیر بدلے کے معاف نہیں کر سکتا، کم سے دیت ضرور لے گا۔ - نظریہ: مصلحت۔

﴿بَابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَجِ﴾

(۲۸۵۴) قَالَ: أَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا أَرْضُ عُشْرِ، وَهِيَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى أَقْصَى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ بِمَهْرَةٍ إِلَى حَدِّ الشَّامِ وَالسَّوَادِ أَرْضُ خَرَجٍ، وَهُوَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى عَقْبَةِ حُلَوَانَ، وَمِنْ الثَّعْلَبِيَّةِ. وَيُقَالُ مِنَ الْعَلَثِ إِلَى عِبَادَانَ؛

﴿بَابُ الْعُشْرِ وَالْخَرَجِ﴾

﴿عشرى اور خراجی زمین کے احکام﴾

ترجمہ: (۲۸۵۴) عرب کی زمین کل کی کل عشری ہیں۔ وہ عذیب سے لیکر یمن میں جو مقام حجر ہے وہاں تک ہے اور مہرہ سے لیکر شام کی حد تک ہے، اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو مقام عذیب سے مقام عقبہ حلوان تک اور ثعلبہ اور بعض لوگ کہتے ہیں مقام علث سے عبادان تک۔

تشریح: اس متن میں تین مسئلے ہیں [۱] عرب کی زمین عشری ہے۔ [۲] دوسری بات یہ ہے کہ عرب کی زمین لبائی میں کہاں سے کہاں تک ہے، اور چوڑائی میں کہاں سے کہاں تک ہے [۳] اور تیسری بات یہ ہے کہ عراق کی زمین خراجی ہے، پھر اس کی لبائی کیا ہے اور چوڑائی کیا ہے۔ ان سب کی تفصیل سمجھیں۔

[۱] عرب کی زمین عشری ہے اس کی تفصیل۔ عرب میں دوسرا دین رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور خراج اس وقت ہوتا ہے جب وہاں کافر رہائش پذیر ہو اور عرب میں کافر کا رکھنا جائز نہیں۔ اس لئے اس پر خراج لگانا بھی جائز نہیں۔ اس لئے وہ ساری زمینیں عشری ہیں۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ جزیرہ عرب سے تمام مشرکین کو نکال دو۔ عن ابن عباسؓ انه قال يوم الخميس وما يوم الخميس... اخر جوا المشركين من جزيرة العرب (بخاری شریف، باب هل يستشفع الى اهل الذمة ومعاہمتهم، ص ۴۲۹، نمبر ۳۰۵۳) مسلم شریف، باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شیء یوصی فیہ، ص ۴۲، نمبر ۴۲۳۲/۱۶۳۷) اس حدیث میں ہے کہ مشرکین کو عرب سے نکال دو اس لئے وہ عشری ہے (۲) حدیث میں ہے۔ سمع عمر بن عبد العزیز یقول بلغنی انه کان آخر ماتکلم به رسول اللہ ﷺ ان قال قاتل اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبور انبیائہم مساجد، لا یقین دینان بارض العرب (سنن للبیہقی، باب لا یسکن ارض الحجاز مشرک، ج ۳، ص ۳۵۰، نمبر ۱۸۷۵) اس حدیث مرسل سے بھی تائید ہوتی ہے کہ عرب کی زمین عشری ہے۔ یعنی اس زمین میں خراج نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کی

۱۔ لَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالْخُلَفَاءُ الرَّاشِدِينَ لَمْ يَأْخُذُوا الْخَرَجَ مِنْ أَرْضِي الْعَرَبِ،

پیداوار میں دسواں حصہ لیا جائے گا۔ عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ لئن عشت لا خرجن اليهود والنصارى من جزيرة العرب لا اترك فيها الا مسلما۔ (سنن بیہقی، باب لا یسکن ارض الحجاز مشرک، ج ۱، ص ۳۴۹، نمبر ۱۸۷۴۸) اس حدیث میں ہے کہ عرب میں اسلام کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔

نوٹ: ابھی تو ساری زمین امریکی ہو گئی ہے وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔

[۲] عرب کی زمین کہاں سے کہاں تک ہے۔ اور وہ مقام عذیب سے انتہائے حجر یمن تک ہے۔ اور مہرہ سے مشارق شام کی حد تک ہے۔

تشریح: جزیرہ عرب کہاں سے کہاں تک ہے اس کی تفصیل ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ مقام عذیب سے لیکر یمن میں ایک مقام حجر ہے وہاں تک ہے۔ یہ چوڑائی کی مقدار ہوئی۔ اور لمبائی میں مہرہ سے لیکر شام کی حد تک ہے۔ یہ دیکھن سے اتر ہوا۔

وجہ: (۱) قول تابعی میں اس کی تصریح اس طرح ہے۔ قال سعید بن عبد العزيز جزيرة العرب ما بين الوادي الى اقصى اليمن الى تخوم العراق الى البحر (۲) دوسری روایت میں ہے۔ وقال الاصمعي جزيرة العرب من اقصى عدن ابين الى ريف العراق في الطول واما العرض فمن جدة وما والاها من ساحل البحر الى اطراف الشام (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی تفسیر ارض الحجاز وجزیرۃ العرب، ج ۱، ص ۳۵۱، نمبر ۱۸۷۴۵۶/۱۸۷۴۵۵) ان دونوں روایتوں کا حاصل تقریباً ایک ہی ہے کہ عرب کی حد لمبائی میں شام سے لیکر یمن تک اور چوڑائی میں بحرین سے لیکر جدہ تک ہے۔ اس حد میں کافروں کو مستقل رہائش دینا ناجائز ہے۔ اور اس میں ذمی رکھنا بھی ناجائز ہے اور یہ زمین عشری ہے۔

لغت: عذیب : یہ عراق کے پاس ہے اور عراق کے حاجی وہاں سے گزرتے تھے۔

[۳] عراق کی زمین خراجی ہے اس کی تفصیل۔ اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو مقام عذیب سے عقبہ حلوان تک اور ثعلبہ اور بعض لوگ کہتے ہیں مقام علث سے عبادان تک۔

تشریح: اس زمانے میں عراق کی زمین میں کاشت بہت ہوتی تھی اس لئے اس کو زرخیز یعنی کالا کہتے تھے۔ عراق کی حد عذیب سے عقبہ حلوان تک اور علث سے عبادان تک تھی۔ اس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور یہ زمین خراجی سمجھی جاتی تھی۔

لغت: سواد : کالا، یہاں مراد ہے زرخیز زمین۔

ترجمہ: اس لئے کہ حضورؐ نے اور خلفاء راشدین نے عرب کی زمین سے خراج نہیں لیا۔

تشریح: حضورؐ اور خلفاء راشدین نے عرب کی زمین سے خراج نہیں لیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عرب کی زمین عشری ہے۔

۲. وَلَئِنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْفَيْءِ فَلَا يَثْبُتُ فِي أَرْضِهِمْ كَمَا لَا يَثْبُتُ فِي رِقَابِهِمْ، ۳. وَهَذَا؛ لِأَنَّ وَضْعَ الْخَرَاجِ مِنْ شَرْطِهِ أَنْ يُقَرَّرَ أَهْلُهَا عَلَى الْكُفْرِ كَمَا فِي سَوَادِ الْعِرَاقِ وَمُشْرِكُو الْعَرَبِ لَا يَقْبَلُ مِنْهُمْ إِلَّا الْإِسْلَامُ أَوْ السَّيْفُ، وَعُمَرُ حِينَ فَتَحَ السَّوَادَ وَضَعَ الْخَرَاجَ عَلَيْهَا بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ، وَوَضَعَ عَلَى مِصْرَ حِينَ افْتَتَحَهَا عُمَرُو بْنُ الْعَاصِ، وَكَذَا اجْتَمَعَتِ الصَّحَابَةُ عَلَى وَضْعِ الْخَرَاجِ عَلَى الشَّامِ.

(۲۸۵۵) قَالَ: وَأَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوكَةٌ لِأَهْلِهَا يَجُوزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيهَا؛

ترجمہ: ۲. اور اس لئے کہ عرب کی زمین فئی کی طرح ہے اس لئے اس کی زمین پر خراج نہیں ہوگا، جیسے اس کے لوگوں پر جزیہ لازم نہیں ہوگا۔

تشریح: عرب کی زمین مال غنیمت اور فئی کی طرح ہے اس لئے جیسے وہاں کے رہنے والے لوگوں پر جزیہ نہیں ہے اسی طرح وہاں کی زمین پر خراج نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳. اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خراج کی شرط میں سے یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والوں کو کفر پر برقرار رکھا جائے جیسے کہ عراق میں ہوا، اور عرب کے مشرک اسلام لائیں یا تلوار سے قتل کر دئے جائیں گے اس کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں ہے، اور حضرت عمر نے جس وقت عراق فتح کیا تو صحابہ کی موجودگی میں ان پر خراج متعین کیا، اور جس وقت مصر فتح کیا تو حضرت عمر بن العاص نے خراج لازم کیا ایسے ہی شام کے اوپر خراج لازم کرنے پر صحابہ کا اتفاق ہے۔

تشریح: زمین پر خراج متعین کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے کو کفر پر برقرار رہنے دیا جائے، اور عرب کے باشندے کے بارے میں ہے کہ یا وہ اسلام قبول کریں یا پھر تلوار سے قتل کر دیا جائے گا، چونکہ ان کو کفر پر باقی نہیں رکھا جائے گا اس لئے ان پر خراج بھی لاگو نہیں کر سکتے۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی موجودگی میں عراق پر خراج لازم کیا اسی طرح مصر پر اور شام پر خراج لازم کیا، اگر عرب کی زمین پر خراج ہوتا تو یہ حضرات ضرور لازم کرتے، لیکن نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عرب عسری ہے۔

وجہ: عراق پر خراج کی روایت یہ ہے۔ ان عمر بن الخطاب بعث عمار بن یاسر و مسح سواد الكوفة من ارض اهل الذمة فجعل على الجريب من النخل عشرة درهم. الخ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب ما اخذ من الارض عنوة، ج سادس، ص ۸۰، نمبر ۱۰۱۶۲) اس روایت میں ہے کہ کوفہ کی زمین پر خراج لازم کیا تھا۔

ترجمہ: (۲۸۵۵) عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملکیت ہے۔ ان کے لئے اس کا بیچنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

۱۔ لِأَنَّ الْإِمَامَ إِذَا فَتَحَ أَرْضًا عَنْوَةً وَقَهْرًا لَهُ أَنْ يُقَرَّ أَهْلُهَا عَلَيْهَا وَيَضَعَ عَلَيْهَا وَعَلَى رُءُوسِهِمُ الْخَرَاجَ فَيَبْقَى الْأَرْضُ مَمْلُوكَةً لِأَهْلِهَا وَقَدْ قَدْ مُنَاهُ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ: اس لئے کہ امام جب زبردستی فتح کرتا ہے تو اس کے باشندے کو اس پر برقرار رکھتا ہے اور اس کی زمین اور اس کی ذات پر خرچ واجب کرتا ہے اس لئے زمین اس کی مملوک ہوتی ہے، اس کی تفصیل ہم نے پہلے بیان کیا۔
تشریح: عراق کی زمین کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض سے پتا چلتا ہے کہ اس کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کی تھی۔ اور بعض سے پتا چلتا ہے کہ تقسیم نہیں کی تھی۔ اور جو حصہ تقسیم کی تھی اس کو بھی بعد میں واپس لے لیا اور مسلمانوں کے فائدے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور تمام زمین پر خراج مقرر کیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کوئی کسی زمین کا مالک ہو اور اس کا خراج ادا کرتا ہو تو اس زمین کو بیچ سکتا ہے اور تصرف کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ عن ابن سيرين قال السواد منه صلح ومنه عنوة، فما كان منه عنوة فهو للمسلمين وما كان منه صلح فلهم اموالهم (سنن للبيهقي، باب السواد، ج ۹، ص ۲۲۵، نمبر ۱۸۳۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عراق کا بعض حصہ غلبہ سے فتح ہوا تھا اور بعض حصہ صلح سے۔ جو غلبہ سے فتح ہوا تھا اس کو مسلمانوں کے لئے تقسیم کر دیا۔ اور جو صلح سے فتح ہوا تھا وہ مالک کا مال رہا۔ اور جب مالک کا مال رہا تو اس کو بیچ بھی سکتا ہے (۲) عن عمرؓ انه اراد ان يقسم اهل السواد بين المسلمين وامر بهم ان يحصوا فوجدوا الرجل المسلم يصيبه ثلاثة من الفلاحين يعني العلوج فشاور اصحاب النبي ﷺ في ذلك فقال عليؓ دعهم يكونون مادة للمسلمين فبعث عثمان بن حنيف فوضع عليهم ثمانية واربعين، واربعة وعشرين واثنى عشر (سنن للبيهقي، باب السواد، ج ۹، ص ۲۲۶، نمبر ۱۸۳۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے مشورے سے عراق کی زمین تقسیم نہیں کی گئی۔ اس لئے وہاں کے لوگ اس کے مالک رہے۔

عراق وغیرہ کے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے اس لئے ان سے اب خراج ساقط ہو گیا۔

وجہ: اثر میں ہے۔ قال كتب عمر بن عبد العزيز الى عبد الحميد بن عبد الرحمن فذكره فقال فيه ولا خراج على من اسلم من اهل الارض (سنن للبيهقي، باب من اسلم اهل الصلح سقط الخراج عن ارضه، ج ۹، ص ۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے صلح کی اس کا پورا ملک مسلمان ہو جائے تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا۔ اور زمین عشری ہو جائے گی۔ اس لئے عراق وغیرہ کی زمین ابھی عشری ہے۔

لغت: عنوة، وقهرة: زبردستی فتح کیا ہو۔

(۲۸۵۶) قَالَ: وَكُلُّ أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا أَوْ فُتِحَتْ عَنُودَ وَقَسَمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فَهِيَ أَرْضُ عُسْرٍ؛ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْمُسْلِمِ وَالْعُسْرُ أَلْيَقُ بِهِ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى الْعِبَادَةِ، وَكَذَا هُوَ أَخَفُّ حَيْثُ يَتَعَلَّقُ بِنَفْسِ الْخَارِجِ.

ترجمہ: (۲۸۵۶) جس زمین کے باشندے اسلام لے آئے یا بزور بازو فتح کی گئی ہو اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کردی گئی ہو تو وہ عسری زمین ہے۔

ترجمہ: اس لئے کہ مسلمان پر ابتدائی طور پر عشر واجب کرنا زیادہ لائق ہے، اس لئے کہ اس میں عبادت کا معنی ہے، اور ایسے ہی وہ زیادہ آسان ہے، کیونکہ جو پیداوار ہوتی ہے اس پر عشر ہے۔

تشریح: خراج مقرر کرنے سے پہلے کسی ملک کے باشندے مسلمان ہو جائیں تو اس کی زمین پر عشر لازم کریں گے۔ یا اس ملک کو بزور بازو فتح کیا ہو اور اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا تو اس صورت میں بھی اس زمین پر عشر لازم کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) اگر مسلمان خراجی زمین خریدے تب تو اس پر خراج لازم ہوگا۔ لیکن ابتدائی طور پر مسلمان کی زمین پر خراج مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ذلت کی چیز ہے۔ عن نافع ان عبد الله بن عمر كان اذا سئل عن الرجل من اهل

الاسلام يأخذ الارض من اهل الذمة بما عليها من الخراج يقول لا يحل لمسلم او لا ينبغي لمسلم ان يكتب على نفسه الذل والصغار (سنن للبيهقي، باب الارض اذا كانت صلحاً رقاباً لا اهلها وعليها خراج، ورواه فاخذها منهم

مسلم براء، ج ۳، ص ۲۳۶، نمبر ۱۸۳۹) اس اثر میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔ اس لئے مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن العلاء بن الحضرمي قال بعثني رسول الله

ﷺ الى البحرين او الى هجر فكنت اتى الحائط يكون بين الاخوة يسلم احدهم فاخذ من المسلم

العشر ومن المشرك الخراج (ابن ماجه شريف، باب العشر والخراج، ص ۲۶۲، نمبر ۱۸۳۱) اس حدیث میں ہے کہ مسلمان سے عشر اور مشرک سے خراج لیا جائے گا۔ اس لئے جو زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوگئی ہو اس پر عشر لازم ہوگا

۔ (۳) حتى يعطو الجزية عن يد و هم صاغرون (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ جزیہ دینا ذلت کی

چیز ہے اس لئے مسلمان پر ابتدائی طور پر جزیہ یا خراج لازم نہیں کرنا چاہئے

کوئی مسلمان ہو جائے تو اس سے خراج ساقط ہو جائے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ كتب عمر بن عبد العزيز الى

عبد الحميد بن عبد الرحمن فذكره فقال فيه ولا خراج على من اسلم من اهل الارض (سنن للبيهقي، باب

من اسلم من اهل الصلح سقط الخراج على ارضه، ج ۳، ص ۲۳۸، نمبر ۱۸۴۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی ملک والا مسلمان

(۲۸۵۷) وَكُلُّ أَرْضٍ فَتَحَتْ عَنْوَةً فَأَقِيرَ أَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ أَرْضُ خَرَجٍ ۚ وَكَذَا إِذَا صَلَحَهُمْ؛ لِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى ابْتِدَاءِ التَّوْظِيفِ عَلَى الْكَافِرِ وَالْخَرَجُ أَلْيَقُ بِهِ، وَمَكَّةٌ مَخْصُوصَةٌ مِنْ هَذَا، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَحَهَا عَنْوَةً وَتَرَكَهَا لِأَهْلِهَا، وَلَمْ يُوظَّفْ الْخَرَجَ.

ہو جائے تو اس پر خراج نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۵۷) جس زمین کو بزور طاقت فتح کیا ہو اور اس کے باشندے کو وہیں رکھا ہو تو وہ خراجی زمین ہے۔

تشریح: کسی زمین کو طاقت سے فتح کیا یا رعب سے فتح کیا لیکن اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی بلکہ اس پر کفار ہی کا قبضہ بحال رہنے دیا تو اس زمین پر خراج لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) عشر ایک قسم کی عبادت ہے اور کفار عبادت کا اہل نہیں ہے اس لئے ان پر خراج لازم ہوگا (۲) اوپر ابن ماجہ شریف کی حدیث گزری۔ عن العلاء بن الحضرمی ... فاخذ من المسلم العشر ومن المشرك الخراج (ابن ماجہ شریف، باب العشر والخراج، ص ۲۶۲، نمبر ۱۸۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کی زمین پر خراج ہے (۳) عراق کے لوگ مشرک تھے اور ان کو اس کی زمین پر بحال رکھا گیا تھا تو اس کی زمین پر حضرت عمرؓ نے خراج مقرر کیا۔ (سنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج ۲، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۲)

ترجمہ: ایسے ہی اگر ملک والوں سے صلح ہوئی ہو [تو خراج لازم کیا جائے گا] اس لئے کہ کافر پر ابتدائی طور پر وظیفہ مقرر کیا جا رہا ہے اور خراج اس کے زیادہ لائق ہے، اور اس سے مکہ مکرمہ مخصوص ہے اس لئے کہ حضورؐ نے اس کو بزور طاقت فتح کیا تھا پھر وہاں کے لوگوں کو اس پر قابض چھوڑ دیا اور ان پر خراج لازم نہیں کیا۔

تشریح: ملک والوں سے صلح ہوئی، اور صلح کر کے فتح کیا، اور وہ لوگ کافر ہیں تو ان پر خراج لازم کیا جائے گا، کیونکہ کافر پر ابتدائی طور پر ٹیکس متعین کیا جا رہا ہے تو اس کے لائق خراج ہی ہے۔ البتہ مکہ مکرمہ اس سے مخصوص ہے، کیونکہ اس کو بزور طاقت فتح کیا پھر بھی اس پر خراج لازم نہیں کیا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال وفدت وفودالی معاویۃ وذالک فی رمضان فقال یارسول اللہ أبییحت خضراء قریش ل قریش بعدالایوم ثم قال من دخل دارابی سفیان فهو آمن۔ (مسلم شریف، باب فتح مکہ، ص ۹۲، نمبر ۴۶۲۲/۷۸۰) اس حدیث میں ہے کہ اگر قریش کے لوگوں کا خون مباح کر دیا جائے تو وہ ختم ہو جائیں گے، جس سے معلوم ہوا کہ مکہ بزور طاقت فتح ہوا ہے، اسکے باوجود اس پر خراج لازم نہیں کیا، بلکہ وہ عسری رہا۔

(۲۸۵۸) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: كُلُّ أَرْضٍ فَتَحَتْ عَنُوهَ فَوَصَلَ إِلَيْهَا مَاءُ اللَّأْنَهَارِ فَهِيَ أَرْضٌ خَرَجَ، وَمَا لَمْ يَصِلْ إِلَيْهَا مَاءُ اللَّأْنَهَارِ وَاسْتَخْرَجَ مِنْهَا عَيْنٌ فَهِيَ أَرْضٌ عُشْرٌ؛ ۱- لِأَنَّ الْعُسْرَ يَتَعَلَّقُ بِالْأَرْضِ النَّامِيَةِ، وَنَمَاؤُهَا بِمَائِهَا فَيُعْتَبَرُ السَّقْيُ بِمَاءِ الْعُسْرِ أَوْ بِمَاءِ الْخَرَجِ.

(۲۸۵۹) قَالَ: وَمَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا، فَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ أَرْضِ الْخَرَجِ ۱- وَمَعْنَاهُ بِقُرْبِهِ فَهِيَ خَرَجِيَّةٌ،

ترجمہ: (۲۸۵۸) جامع صغیر میں ہے کہ ہر وہ زمین جو بردستی فتح ہوئی ہو اور اس میں نہر کا پانی پہنچا تو وہ زمین خراجی ہے، اور اگر اس میں نہر کا پانی نہیں پہنچا بلکہ زمین میں ہی کنواں نکال کیا گیا تو وہ عشری زمین ہے۔

ترجمہ: ۱- اس لئے کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے اور پیداوار پانی سے ہوتی ہے اس لئے عشری پانی سے پیدا ہوتو زمین عشری ہے، اور خراجی پانی سے پیدا ہوتو زمین خراجی ہے۔

اصول: پہلے بتایا کہ امیر نے خراج متعین کیا ہو تو زمین خراجی ہوگی، اب بتا رہے کہ دواور طریقے سے زمین خراجی، یا عشری ہوتی ہے [۱] خراجی پانی سے زمین سیراب ہو تو زمین خراجی ہوتی ہے، اور عشری پانی سے زمین سیراب کیا ہو تو زمین عشری ہوگی، یعنی پانی کا اعتبار ہے [۲] اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پڑوس میں زمین خراجی ہے تو یہ زمین بھی خراجی ہو جائے گی، اور پڑوس میں زمین عشری ہے تو یہ زمین بھی عشری ہو جائے گی، یعنی پڑوس کی زمین کا اعتبار ہوگا۔

تشریح: زبردستی زمین فتح کیا اور امیر نے اس پر خراج متعین نہیں کیا تو اسمیں کافروں کا کھودا ہوا نہر کے پانی سے زمین سیراب کی تو اس پر خراج لازم ہوگا، اور اگر زمین میں کنواں کھودا یا تالاب کھودا اور اس سے سیراب کیا تو زمین عشری ہوگی، کیونکہ کنواں اور تالاب کا پانی عشری پانی شمار کیا جاتا ہے۔

وجہ: غلہ پانی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے پانی کا اعتبار ہے وہ عشری ہو تو عشر اور وہ خراجی ہو تو خراج لازم ہوگا۔

لغت: انہار: اس لامی حکومت سے پہلے کافروں کو نے بڑا بڑا نہر کھودا تھا، چونکہ وہ کافر کا نہر تھا اس لئے اس کا پانی خراجی پانی ہے۔ عین: کنواں، چشمہ، اس کا پانی عشری پانی سمجھا جاتا ہے

ترجمہ: (۲۸۵۹) جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا اعتبار برابر والی زمین سے ہوگا۔ پس اگر برابر والی زمین خراجی ہے تو وہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اگر برابر والی زمین عشری ہو تو وہ بھی عشری ہوگی۔ اور بصرہ ان کے نزدیک عشری ہے اجماع صحابہ کی وجہ سے۔

تشریح: مردہ زمین کو زندہ کیا اور آباد کیا تو اس کو عشری قرار دیں یا خراجی قرار دیں؟ اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ

۱۔ وَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيْزِ أَرْضِ الْعُسْرِ فَهِيَ عُسْرِيَّةٌ. وَالْبَصْرَةُ عِنْدَهُ عُسْرِيَّةٌ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ؛ لِأَنَّ حَيْزَ الشَّيْءِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُهُ، كَفِنَاءِ الدَّارِ يُعْطَى لَهُ حُكْمُ الدَّارِ حَتَّى يَجُوزَ لَصَاحِبِهَا الْإِنْتِفَاعُ بِهِ. وَكَذَا لَا يَجُوزُ أَخْذُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ،

ہے کہ کون سے پانی سے سیراب کرتے ہیں اس کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اس کے قریب میں کیسی زمین ہے اس کا اعتبار ہے۔ اگر مردہ زمین کے قریب میں خراجی زمین ہے تو یہ بھی خراجی ہوگی۔ اور اگر وہ عسری زمین کے درمیان ہے تو یہ بھی عسری ہوگی۔

وجہ: اس زمین کا پہلے سے کوئی ریکارڈ نہیں ہے اس لئے وہ ملک کیسا ہے یا وہ ایریا کیسا ہے اس کا اعتبار ہے۔ اگر قریب کی زمین مجاہدین کی ملکیت ہوگی یا مسلمان کی ملکیت ہوگی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مردہ زمین بھی مجاہدین کی ملکیت تھی اس لئے اس پر بھی عسرا لازم ہوگا۔ اور اگر وہ ملک کفار کی ملکیت رہا ہے جس کی وجہ سے اس پر خراج لازم ہے تو یہ مردہ زمین بھی کسی نہ کسی درجہ میں کفار ہی کی ملکیت ہے اس لئے اس پر بھی خراج لازم ہونا چاہئے۔

اصول: مردہ زمین کی اصلیت کا اندازہ برابر کی زمین کیسی ہے خراجی، یا عسری اس سے لگایا جائے گا۔

بصرہ ان کے یہاں عسری زمین ہے۔ اس کا اشارہ اس اثر سے ملتا ہے۔ عن محمد بن عبید اللہ الثقفی، قال خرج رجل من اهل البصرة من ثقیف یقال له نافع ابو عبد الله، وكان اول من افتلا الفلا، فقال لعمر بن الخطاب ان قبلنا ارضا بالبصرة لیست من ارض الخراج ولا تضر باحد من المسلمین، فان رأیت ان تقطعنیها اتخذ فیها قضا لخیلی فافعل، قال فكتب عمر الی ابی موسی الاشعری ... فان لم تکن ارض جزیه ولا ارضا یجرى الیها ماء جزیه فاعطها ایاه (رواہ عبیدنی الاموال، ص ۲۷۷، اعلاء السنن، باب من احیاء ارضا مواتا بماء الخراج فخرابیة والافعشریة، ج الثانی عشر، ص ۴۲۵، نمبر ۴۰۹۱) اس اثر میں ہے کہ جزیرہ کی زمین نہ ہو اس سے معلوم ہوا کہ بصرہ خراجی زمین نہیں تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مردہ زمین میں خراجی پانی جائے تو وہ زمین بھی خراجی ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگلے مسئلے میں امام محمد کی رائے کہ جس پانی سے سیراب کیا جائے زمین وہی شمار کی جائیگی۔

لغت: حیز: ارد گرد، برابر کی زمین۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ کسی چیز کے قریب ہو اس کو اس کا حکم دیا جاتا ہے، جیسے گھر کے آگن کو گھر کا حکم دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ گھر والوں کو اس سے نفع اٹھانا جائز ہوتا ہے، اور ایسے ہی آبادی کے جو قریب زمین ہو اس کو آباد کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جس کے قریب ہوتی ہے اس کو اس کا حکم دیا جاتا ہے، جیسے گھر کے پاس جگہ ہو جس کو فناء دار کہتے ہیں اس کا حکم گھر کا حکم ہے، یہی وجہ ہے کہ گھر والا اس کو استعمال کر سکتا ہے، اسی طرح آبادی گاؤں کے قریب خالی جگہ ہو

۲. وَكَانَ الْقِيَاسُ فِي الْبَصْرَةِ أَنْ تَكُونَ خَرَجِيَّةً؛ لِأَنَّهَا مِنْ حَيْزِ أَرْضِ الْخَرَجِ، إِلَّا أَنَّ الصَّحَابَةَ وَظَفَوْا عَلَيْهَا الْعُسْرَ فَتَرَكَ الْقِيَاسُ لِإِجْمَاعِهِمْ.

(۲۸۶۰) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: إِنَّ أَحْيَاهَا بِيَسْرِ حَفَرَهَا أَوْ بَعَيْنٍ اسْتَخْرَجَهَا أَوْ مَاءٍ دَجَلَةً أَوْ الْفِرَاتِ أَوْ

الْأَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِي لَا يَمْلِكُهَا أَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَكَذَا إِنَّ أَحْيَاهَا بِمَاءِ السَّمَاءِ وَإِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ

الْأَنْهَارِ الَّتِي اخْتَفَرَهَا الْأَعَاجِمُ مِثْلَ نَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجِرْدَ فَهِيَ خَرَجِيَّةٌ ۱. لَمَّا ذَكَرْنَا مِنْ

اعْتِبَارِ الْمَاءِ إِذْ هُوَ السَّبَبُ لِلنَّمَاءِ.

تو وہ آبادی کے حکم میں ہے اور گاؤں والے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے اس زمین میں گھر وغیرہ نہیں بنا سکتے وہ بھی آبادی کے حکم میں ہے، جس طرح یہاں پاس والے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح برابر میں خراجی زمین ہو تو اس کو خراج کا حکم دیا جائے گا، اور عشری زمین ہو تو اس کو عشر کا حکم دیا جائے گا۔

لغت: حیز: جو قریب میں ہو۔ فناء الدار: گھر کے پاس جو چھوٹی ہوئی زمین ہوتی ہے اس کو فناء الدار، کہتے ہیں۔ عامر: آبادی۔

ترجمہ: ۲. اور بصرہ کے بارے میں قیاس یہ تھا کہ وہ خراجی ہو کیونکہ وہ کوفہ کے قریب ہے جو خراجی ہے، مگر صحابہ نے اس پر عشر متعین کیا اس لئے ان کے اجماع کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا گیا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۰) امام محمدؒ نے فرمایا اگر زمین کو زندہ کیا کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جن کا کوئی مالک نہیں ہے تو وہ عشری ہے۔ اور اگر زندہ کیا ان نہروں کے پانی سے جن کو عجمیوں نے کھودا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یزدجرد تو وہ خراجی ہے۔

ترجمہ: ۱. جیسے کہ پہلے ذکر کیا کہ پانی پلانے کا اعتبار ہے اس لئے کہ وہی پیداوار کا سبب ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ پانی کس قسم کا استعمال کرتا ہے اس کے اعتبار سے مردہ زمین خراجی یا عشری ہوگی۔ پس اگر

خرابی پانی ڈال کر مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ زمین خراجی ہوگی چاہے وہ عشری زمین کے درمیان ہو۔ اور اگر عشری پانی ڈال کر

زندہ کیا تو وہ عشری ہوگی۔ آگے تفصیل ہے کہ کون سا پانی عشری ہے اور کون سا خراجی ہے۔ کسی نے خود کنواں کھودا یا چشمہ نکالا

تو ان دونوں کا پانی عشری ہے۔ اس سے مردہ زمین زندہ کیا تو زمین عشری ہوگی۔ یا نہر دجلہ، نہر فرات یا وہ نہر جن کا کوئی مالک نہیں

اس کا پانی عشری ہے اس لئے اس پانی سے جو مردہ زمین زندہ کرے گا وہ عشری ہوگی۔ اور وہ نہر جس کو عجمیوں نے کھودا ہو جیسے نہر

ملک اور نہر یزدجرد ان کا پانی خراجی ہے۔ اس پانی سے مردہ زمین زندہ کرے گا تو وہ خراجی ہوگی۔

۲. وَلَئِنَّهُ لَا يُمْكِنُ تَوْظِيفُ الْخَرَاجِ ابْتِدَاءً عَلَى الْمُسْلِمِ كَرَهَا فَيُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ الْمَاءُ؛ لِأَنَّ السَّقْيَ بِمَاءِ الْخَرَاجِ دَلَالَةُ التِّزَامِهِ.

(۲۸۶۱) قَالَ: وَالْخَرَاجُ الَّذِي وَضَعَهُ عُمَرُ عَلَى أَهْلِ السَّوَادِ مِنْ كُلِّ جَرِيبٍ يَبْلُغُهُ الْمَاءُ قَفِيزٌ هَاشِمِيٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ، وَمِنْ جَرِيبِ الرُّطْبَةِ خُمُسَةُ دِرَاهِمٍ وَمِنْ جَرِيبِ الْكُرْمِ الْمُتَصِلِ وَالنَّخِيلِ الْمُتَصِلِ عَشْرَةُ دِرَاهِمٍ ۱. وَهَذَا هُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ عُمَرَ، فَإِنَّهُ بَعَثَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيفٍ حَتَّى يَمْسَحَ سَوَادَ الْعِرَاقِ، وَجَعَلَ حُدُوفَهُ مُشْرِفًا عَلَيْهِ، فَمَسَحَ فَبَلَغَ سِتًّا وَثَلَاثِينَ أَلْفَ أَلْفِ جَرِيبٍ وَوَضَعَ عَلَى ذَلِكَ مَا قُلْنَا. وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ فَكَانَ إِجْمَاعًا مِنْهُمْ.

وجہ: اوپر حضرت عمرؓ کا قول گزرا۔ فان لم تكن ارض جزية ولا ارضا يجرى اليها ماء جزية فاعطها اياه (رواہ عبید فی الاموال، ص ۲۷، اعلاء السنن، نمبر ۴۰۹۱) اس قول صحابی میں ہے کہ بصرہ کی اس زمین میں جزیرہ یعنی خراجی پانی نہ جاتا ہو تو نافع ابو عبید اللہ کو دے دو۔ اس سے اشارہ ہوتا ہے خراجی زمین بننے میں پانی کا اعتبار ہے قرب و جوار کا اعتبار نہیں۔

لغت: اخفر: حفر سے مشتق ہے کھودنا۔

ترجمہ: ۲. اس لئے کہ ابتداءً مسلمان پر خراج لازم کرنا مکروہ ہے اس لئے پانی پلانے کا اعتبار کیا جائے گا اس لئے کہ خراج کا پانی پلانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر خراج لازم کر رہا ہے۔

تشریح: یہ پانی کے اعتبار کرنے کی دلیل ہے۔ مسلمان پر ابتداءً خراج لازم کرنا مکروہ ہے، اس لئے پانی پلانے کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ وہ خراجی پانی پلا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود ہی اپنے اوپر خراج لازم کر رہا ہے، حکومت اس پر خراج لازم نہیں کر رہی ہے اس لئے پانی پلانے کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۶۱) وہ خراج جو حضرت عمرؓ نے اہل عراق پر مقرر کیا وہ ایک جریب جس میں پانی پہنچا ہو اور کھیتی کے قابل ہو ایک قفیز ہاشمی یعنی ایک صاع اور ایک درہم اور ترکاریوں کے ایک جریب میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور جو گھنے ہوں دس درہم۔

ترجمہ: ۱. یہی حضرت عمرؓ سے منقول ہے، اس لئے کہ انہوں نے حضرت عثمان بن حنیفؓ کو عراق کی زمین ناپنے کے لئے بھیجا اور حضرت حذیفہؓ کو اس پر نگرماں بنایا پھر انہوں نے ناپا تو 36000000 تین کڑور ساٹھ لاکھ جریب زمین ہوئی، اور اس پر وہ خراج مقرر کیا جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا، اور یہ بات صحابہ کے سامنے بغیر انکار کے ہوئی اس لئے اس پر اجماع ہو گیا۔

تشریح: حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کے مشورے سے اہل عراق پر جو خراج مقرر کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ کھیتی کی زمین جس میں

پانی جاتا ہو اور زراعت کے قابل ہو ایک جریب میں ایک صاع [3.538 کیلو] غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اور ترکاریوں کی زمین میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور یا کھجور جو گھٹے ہوں اس کی ایک جریب زمین میں دس درہم یعنی 30.61 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج ہے۔

وجہ: ان عمر بن الخطابؓ بعث عثمان بن حنیف علی السواد فوضع علی کل جریب عامر او غامر ینالہ الماء درهما وقفیزا یعنی الحنطة والشعیر وعلی جریب الکرم عشرة وعلی جریب الرطاب خمسة (مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۷۷ ماقالو فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰ سنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج تاسع، ص ۲۳۰، نمبر ۱۸۳۸۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ عامر کھیتی میں ایک صاع اور ایک درہم، ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم اور انگور اور کھجور کے باغ میں دس درہم خراج ہے۔ گویا کہ ایک جریب عام کی کھیتی میں ایک صاع غلہ اور ایک درہم یعنی 3.061 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور ترکاری کی کھیتی میں پانچ درہم یعنی 15.305 گرام چاندی یا اس کی قیمت اور انگور اور کھجور کی باغ میں دس درہم یعنی 30.61 گرام چاندی یا اس کی قیمت خراج لازم ہوگا۔

نوٹ: چاندی کا حساب اپنے اپنے سکوں سے کر لیں۔

نوٹ: مصنف ابن ابی شیبہ کے دوسرے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ درہم کے ساتھ پانچ صاع غلہ اور دس درہم کے ساتھ دس صاع غلہ بھی خراج میں لازم ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۷۷ ماقالو فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج سادس، ص ۴۳۸، نمبر ۳۲۷۰)

لغت: الرطبة: تر، یہاں ترکاری مراد ہے، الکرم: انگور، المستصل: ملا ہوا یعنی گھنا باغ، قفیز ہاشمی: ایک صاع ہوتا ہے۔ ایک صاع 3.538 یعنی تین کیلو اور 538 گرام کا ایک صاع ہوتا ہے۔

﴿ جریب اور ایک ایکڑ کی تحقیق ﴾

جریب کتنی لمبی چوڑی ہے اس کے بارے میں رد المحتار علی الدر المختار میں لکھا ہے کہ کسری کے ہاتھ سے 60 ہاتھ لمبی اور 60 ہاتھ چوڑی زمین ہو تو وہ ایک جریب ہوتی ہے۔ اور 60 ہاتھ کو 60 ہاتھ میں ضرب دیں تو مجموعہ 3600 مربع ہاتھ ایک جریب ہوگی۔ عبارت یہ ہے کما وضع عمر رضی اللہ عنہ علی السواد لکل جریب ہو ستون ذراعا فی ستین بذراع کسری (سبع قبضات) (رد المحتار مطلب فی خراج المقاسمة، کتاب الجہاد، ج سادس، ص ۲۹۲)

ایک قبضہ 3 انچ کا ہوتا ہے اس لئے 7 قبضے 21 انچ ہوئے۔ یعنی اس کا ایک ہاتھ 1.75 پونے دو فٹ کا ہوا۔ اور ساٹھ ہاتھ 105 فٹ کا ہوا۔ گویا کہ 105 فٹ لمبی اور 105 فٹ چوڑی مجموعہ 11025 مربع فٹ کی ایک جریب ہوئی۔ اور تین فٹ کا ایک گز ہوتا ہے اس لئے اس کو گز میں لے جائیں تو 35 گز لمبی اور 35 گز چوڑی مجموعہ 1225 مربع گز کی ایک جریب ہوئی۔
(میٹر کے حساب سے جریب کی تحقیق)

2.54 سینٹی میٹر کا ایک انچ ہوتا ہے اس لئے 21 انچ کا 53.34 سینٹی میٹر ہوا۔ گویا کہ کسری کا ایک ہاتھ 53.34 سینٹی میٹر کا ہوا۔ اب اس کو ساٹھ ہاتھ میں ضرب دیں تو 32.004 میٹر لمبی ہوئی۔ اور وہی 32.004 چوڑی بھی ہے۔ اس لئے 32.004 کو 32.004 میں ضرب دیں تو مجموعہ 1024.25 مربع میٹر کی ایک جریب ہوگی۔
(ایکڑ اور جریب میں فرق)

آج کل پوری دنیا میں ایکڑ کا حساب رائج ہے۔ اسی سے زمین کی پیمائش کرتے ہیں اس لئے ایکڑ اور جریب میں موازنہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ ایک ایکڑ میں کتنا خراج لازم ہوگا۔

63.614 میٹر لمبا اور 63.614 میٹر چوڑا مجموعہ 4046.856 مربع میٹر کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

اسی طرح 69.57 گز لمبا اور 69.57 گز چوڑا مجموعہ 4840 مربع گز کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

گریب چونکہ ایکڑ سے چھوٹا ہوتا ہے اس لئے ایک جریب 1024.25 مربع میٹر کو ایک ایکڑ 4046.856 مربع میٹر میں تقسیم دیں تو 3.951 گنا بڑا ایکڑ جریب سے ہوگا۔ اس لئے ایک ایکڑ زمین میں اگر عام کاشتکاری ہو تو 3.951 صاع غلہ اور 3.951 درہم خراج لازم ہوگا۔ جس کا وزن 12.094 گرام چاندی یا اس کی قیمت ہوگی۔

(عام آدمی کا ہاتھ)

عام آدمی کا ہاتھ چھ قبضہ ہوتا ہے۔ اور ایک قبضہ 3 انچ کا ہے اس لئے ایک ہاتھ 18 انچ یعنی 1.50 ڈیڑھ فٹ کا ہوگا۔

چونکہ ایک انچ 2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اس لئے 18 انچ کا 45.72 سینٹی میٹر ایک ہاتھ ہوا۔

نوٹ: پوری تفصیل آئندہ صفحات پر دیکھئے۔

﴿جریب اور ایکڑ کا حساب ایک نظر میں﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے	
ایک انچ	2.54	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	39.37	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	18	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	1.50	ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔
ایک فٹ	12	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک گز	36	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	3	انچ کا ہوتا ہے۔
ایک قبضہ	7.62	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک عام ہاتھ	45.72	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

﴿کسری کا ہاتھ﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے	
کسری کا ہاتھ	7	قبضے کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	21	انچ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	1.75	پونے دو فٹ کا ہوتا ہے۔
کسری کا ہاتھ	53.34	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	100	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔

﴿ کسری جریب کتنی ہوتی ہے ﴾

جریب	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک جریب	60 ہاتھ	x	60 ہاتھ	=	3600	مربع کسری ہاتھ
ایک جریب	105 فٹ	x	105 فٹ	=	11025	مربع فٹ کا ہوتا ہے
ایک جریب	35 گز	x	35 گز	=	1225	مربع گز کا ہوتا ہے
ایک جریب	32.004 میٹر	x	32.004 میٹر	=	1024.25	مربع میٹر کا ہوتا ہے

﴿ ایکڑ کتنا ہوتا ہے ﴾

ایکڑ	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز کا ہوتا ہے
ایک ایکڑ	69.57 گز	x	69.57 گز	=	4840	مربع گز کا ہوتا ہے
ایک ایکڑ	63.614 میٹر	x	63.614 میٹر	=	4046.856	مربع میٹر کا ہوتا ہے
ایک ڈسمل	6.3614 میٹر	x	6.3614 میٹر	=	40.4685	مربع میٹر کا ہوتا ہے

نوٹ: 100 سو ڈسمل کا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔

﴿ جھار کھنڈ کا سیکر ﴾

میرے صوبہ جھار کھنڈ میں لوہے کی ایک لمبی زنجیر سے زمین کی پیمائش کرتے ہیں جس کو سیکر کہتے ہیں۔ اور بعض لوگ جریب بھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو Chain کہتے ہیں۔

اس سیکر میں 100 کڑی ہوتی ہے

ایک کڑی کی لمبائی 7.92 انچ ہوتا ہے

ایک کڑی کی لمبائی 20.11 سینٹی میٹر ہوتا ہے

پورے سیکر کی لمبائی 22 گز ہوتا ہے

پورے سیکر کی لمبائی 66 فٹ ہوتا ہے

پورے سیکر کی لمبائی 20.116 میٹر ہوتا ہے۔

۲. وَلَئِنَّ الْمُؤْنَ مُتَفَاوِتَةً فَالْكَرْمُ أَخْفَهَا مُؤْنَةً وَالْمَزَارِعُ أَكْثَرُهَا مُؤْنَةً وَالرُّطْبُ بَيْنَهُمَا، وَالْوُطَيْفَةُ تَتَفَاوَتْ بِتَفَاوُتِهَا فَجُعِلَ الْوَجِبُ فِي الْكَرْمِ أَغْلَاهَا وَفِي الزَّرْعِ أَذْنَاهَا وَفِي الرُّطْبَةِ أَوْسَطَهَا.

دس سیکر لمبا اور ایک سیکر چوڑا، گویا کہ 100000 ایک لاکھ ٹری کا ایک ایکڑ ہوتا ہے
ایک ایکڑ 4840 مربع گز کا ہوتا ہے۔

ایک ایکڑ 4046.856 مربع میٹر کا ہوتا ہے

دس سیکر لمبا اور ایک سیکر چوڑا ایک ایکڑ ہوتا ہے۔ اور سیکر کی لمبائی 20.1168 میٹر ہے۔ اس طرح 20.1168 چوڑا اور 201.168 لمبا کو ضرب دیں تو مجموعہ 4046.856 مربع میٹر ہوتا ہے جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔ اور گز کے اعتبار سے ایک سیکر 22 گز لمبا ہوتا ہے۔ اس کو دس سیکر یعنی 220 گز میں ضرب دیں تو 4840 مربع گز نکل آئے گا جو ایک ایکڑ کا رقبہ ہے۔

﴿سیکر کا حساب﴾

سیکر	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
ایک سیکر	20.1168 میٹر ہے	-	-	-	-	-
ایک سیکر	22 گز کا ہوتا ہے	-	-	-	-	-
ایک ایکڑ	20.1168 میٹر	x	201.168 میٹر	=	4046.86	مربع میٹر ایک ایکڑ
ایک ایکڑ	22 گز	x	220 گز	=	4840	مربع گز ایک ایکڑ

نوٹ: طلبہ کی معلومات کے لئے میں نے ہر جگہ فارمولوں اور حسابات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ کلکیولیٹر سے حساب کر لیں۔

ثمیر الدین غفرلہ

ترجمہ: ۲. اور اس لئے کہ محنت کا خرچ متفاوت ہے، انگور میں کم محنت ہے، اور کاشتکاری میں زیادہ محنت ہے اور سبزی میں درمیانی محنت ہے اس لئے محنت کے تفاوت سے خراج میں تفاوت ہوتا ہے، اس لئے انگور میں زیادہ خراج لازم کیا، اور کاشتکاری میں کم اور سبزی میں درمیانی خراج لازم کیا۔

تشریح: خراج کا معاملہ محنت پر ہے، انگور کو ایک مرتبہ لگا دو تو کئی سال چلتا ہے، اس لئے اس میں محنت کم ہے اس لئے اس میں خراج اعلیٰ یعنی دس درہم ہے، دوسری بات یہ ہے کہ انگور قیمتی چیز ہوتی ہے اس لئے بھی اس میں خراج زیادہ ہے۔ اور کاشتکاری میں محنت زیادہ ہے اور اس کی قیمت کم ہوتی ہے اس لئے اس میں خراج ادنیٰ، یعنی ایک درہم ہے۔ اور سبزی اور پھل فروٹ میں محنت

(۲۸۶۲) قَالَ: وَمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَصْنَافِ كَالزَّعْفَرَانِ وَالْبُسْتَانِ وَغَيْرِهِ يُوضَعُ عَلَيْهَا بِحَسَبِ الطَّاقَةِ؛ ۱. لَأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ تَوْطِيفُ عُمَرُ وَقَدْ اُعْتَبِرَ الطَّاقَةُ فِي ذَلِكَ فَتَعْتَبِرُهَا فِيمَا لَا تَوْطِيفَ فِيهِ.

درمیانی ہے، اور اس کی قیمت بھی انگور اور غلہ سے درمیانی ہے اس لئے اس پر خراج درمائی یعنی پانچ درہم ہے۔

لغت: مؤن: محنت کا خرچ، اخراجات۔ کرم: انگور۔ مزارع: کاشتکاری۔ رطاب: سبزی اور پھل فروٹ۔

ترجمہ: (۲۸۶۲) اس کے علاوہ جو اور قسم کی چیز ہے، مثلاً زعفران اور باغات وغیرہ اس میں طاقت کے مطابق خراج لگایا جائے گا۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ اس میں حضرت عمر کا مقرر کردہ وظیفہ نہیں ہے اور اس میں زمین کی طاقت کا اعتبار کیا ہے تو جس میں وظیفہ متعین نہیں کیا ہے اس میں ہم طاقت کا اعتبار کریں گے۔

تشریح: اوپر جو متعین کردہ مقدار زمین کی عام پیداوار کے اعتبار سے ہے۔ اس لئے اگر اس سے کم پیداوار ہو تو کم خراج متعین کیا جاسکتا ہے۔ اور جو متعین کیا ہے اگر رعیت اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو امام اس سے کم بھی کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) حضرت عمرؓ نے خراج متعین کرنے کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمان اور عثمان بن حنیف سے دریافت کیا کہ یہ خراج کہیں زیادہ تو نہیں ہے؟ اس پر حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ اس سے زیادہ بھی رکھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ رأیت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بایام المدينة ووقف علی حذیفہ بن الیمان وعثمان بن

حنیف قال کیف فعلتما حملناہا امراہی لہ مطیقة ما فیہا کبیر فضل قال انظر ان تکونا حملتما الارض مالا تطیق قال قال لا (بخاری شریف، باب قصۃ البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان، ص ۵۲۳، نمبر ۳۷۰، مصنف ابن ابی شیبہ ۲، ماقالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج ۶، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زیادہ ہو گیا ہو تو دیکھ لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مقدار سے کم بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور زمین کی پیداوار کے مطابق خراج لازم کیا جائے گا

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ کے اثر میں حضرت حذیفہؓ کا یہ جملہ بھی ہے 'لو شئت لا ضعفت ارضی، جس سے معلوم ہوا کہ اگر چاہیں تو اس سے زیادہ بھی خراج متعین کر سکتے ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس سے زیادہ متعین نہیں فرمایا۔ اس سے بھی معلوم ہوا

کہ طاقت سے زیادہ ہو جائے تو کم بھی کیا جاسکتا ہے (۳) دوسرے قول صحابی میں ہے۔ فوضع عثمان علی الجریب من الکرم عشرۃ دراهم وعلی جریب النخل ثمانیۃ دراهم وعلی جریب القصب ستۃ دراهم یعنی الرطبۃ وعلی جریب البر اربعۃ دراهم وعلی جریب الشعیر درہمین (مصنف ابن ابی شیبہ، ۲، ماقالوا فی الخمس والخراج کیف یوضع، ج ۶، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۴، سنن للبیہقی، باب قدر الخراج الذی وضع علی السواد، ج ۹، ص ۲۳۰، نمبر

۲ قَالُوا: وَنَهَايَةُ الطَّاقَةِ أَنْ يَبْلُغَ الْوَجِبُ نِصْفَ الْخَارِجِ لَا يُزَادُ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ التَّنْصِيفَ عَيْنُ الْإِنْصَافِ لِمَا كَانَ لَنَا أَنْ نُقَسِّمَ الْكُلَّ بَيْنَ الْغَانِمِينَ. ۳ وَالْبُسْتَانُ كُلُّ أَرْضٍ يَحُوطُهَا حَائِطٌ وَفِيهَا نَخِيلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَأَشْجَارٌ أُخَرُ، ۴ وَفِي دِيَارِنَا وَظَفُوا مِنَ الدَّرَاهِمِ فِي الْأَرَاضِي كُلِّهَا وَتَرِكَ كَذَلِكَ؛ لِأَنَّ التَّقْدِيرَ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ مِنْ أَى شَيْءٍ كَانَ.

(۲۸۶۳) قَالَ فَإِنْ لَمْ تُطِيقْ مَا وُضِعَ عَلَيْهَا نَقَصَهُمُ الْإِمَامُ ۱ وَالنَّقْصَانُ عِنْدَ قَلَّةِ الرِّبْعِ جَائِزٌ بِالْإِجْمَاعِ؛ أَلَا تَرَى إِلَى قَوْلِ عُمَرَ: لَعَلَّكُمْ حَمَلْتُمَا الْأَرْضَ مَا لَا تُطِيقُ، فَقَالَا: لَا بَلْ حَمَلْنَاهَا مَا تُطِيقُ، وَلَوْ رَزَدْنَا لَأَطَاقَتْ. وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى جَوَازِ النَّقْصَانِ،

(۱۸۳۸۲) اس قول صحابی میں مختلف پیداوار کا خراج مختلف ہے جس سے معلوم ہوا کہ خراج کم بیش کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲: علماء نے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ طاقت یہی خراج میں آدھی کاشت لے اس سے زیادہ نہ لے اس لئے کہ آدھا صحیح انصاف ہے، کیونکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پوری زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے۔

تشریح: علماء نے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ جو خراج لیا جاسکتا ہے وہ آدھا غلہ ہے، اس سے زیادہ خراج نہ لے، کیونکہ یہ عین انصاف ہے، کیونکہ ہماری زمین ہے اور اس کی محنت ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمین کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے، اس لئے جب محنت اس کی ہے تو آدھا غلہ اس کو دینا چاہئے

ترجمہ: ۳: باغ وہ زمین ہے جس کی چاروں طرف دیوار ہو، اس میں کھجور کا درخت اور دوسرے درخت ہوں۔

تشریح: متن میں بستان کا لفظ ہے یہ اس کی تشریح ہے۔

ترجمہ: ۴: اور ہمارے ملک میں تمام زمینوں کا خراج درہم سے لیتے ہیں اور اسی پر چھوڑ دیا ہے، اس لئے کہ اندازہ یہ ہے کہ زمین کی طاقت کے مطابق ہو چاہے کسی چیز سے ہو۔

تشریح: صاحب ہدایہ کا ملک فرمانہ ہے جو ابھی عجمستان میں ہے جس میں تمام خراج درہم سے لیا کرتے تھے۔ ابھی ساری دنیا میں یہی حال ہے کہ روپیے سے محصول لیا جاتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۳) غلہ کم پکتا ہو تو بالا جماع خراج کم لگایا جائے گا۔

ترجمہ: ۱: کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ اور ابن حنیف سے فرمایا کہ ایسا تو نہیں کیا کہ زمین جس کی طاقت نہیں رکھتی ہوتا خراج مقرر کر دیا، تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم نے اتنا ہی مقرر کیا جتنی طاقت رکھتی ہو، اگر

۲. وَأَمَّا الزِّيَادَةُ عِنْدَ زِيَادَةِ الرِّيعِ يَجُوزُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ اِعْتِبَارًا بِالنَّقْصَانِ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ عُمَرَ لَمْ يَزِدْ حِينَ أُخْبِرَ بِزِيَادَةِ الطَّاقَةِ.

(۲۸۶۳) وَإِنْ غَلَبَ عَلَى أَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ أَوْ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنْهَا أَوْ اصْطَلَمَ الزَّرْعُ آفَةً فَلَا خَرَاجَ عَلَيْهِ ۱. لِأَنَّهُ فَاتَ التَّمَكُّنُ مِنَ الزَّرَاعَةِ، وَهُوَ النَّمَاءُ التَّقْدِيرِيُّ الْمُعْتَبَرُ فِي الْخَرَاجِ،

اس سے زیادہ مقرر کریں تو زمین میں اس کی بھی طاقت ہے، یہ جملہ دلالت کرتا ہے کہ خراج کم ہو سکتا ہے۔

تشریح: اگر زمین میں طاقت کم ہے تو حضرت عمرؓ نے جو خراج متعین کیا ہے اس سے کم بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ انہوں نے حضرت حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف سے پوچھا تھا کہ خراج کہیں زیادہ تو نہیں رکھ دیا، تو انہوں نے کہا تھا اس سے زیادہ کی طاقت ہے، تو اس جملے سے پتہ چلتا ہے کہ خراج اس سے کم بھی ہو سکتا ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ رأیت عمرؓ بن الخطاب قبل ان یصاب بایام المدینة ووقف علی حذیفۃ بن الیمان وعثمان بن حنیف قال کیف فعلتما حملناہا امراہی لہ مطیقۃ ما فیہا کبیر فضل قال انظرا ان تکونا حملتما الارض مالا تطیق قال لا لا (بخاری شریف، باب قصۃ البیعۃ والا اتفاق علی عثمان بن عفان، ص ۵۲۳، نمبر ۳۷۰۰ / مصنف ابن ابی شیبہ ۲، ماقالوا فی الخمس والخراج کیف یوضح، ج سادس، ص ۴۳۹، نمبر ۳۲۷۰۸) اس اثر میں ہے کہ اگر زیادہ ہو گیا ہو تو دیکھ لو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس مقدار سے کم بھی کیا جاسکتا ہے۔ اور زمین کی پیداوار کے مطابق خراج لازم کیا جائے گا۔۔ ریع: غلہ، پیداوار۔

ترجمہ: ۲. غلہ زیادہ ہو تو خراج زیادہ کرنا امام محمدؒ کے یہاں جائز ہے، وہ نقصان پر قیاس کرتے ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں زیادہ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ حضرت عمرؓ کو زیادہ طاقت رکھنے کی خبر دی گئی تو انہوں نے زیادہ نہیں کیا۔

تشریح: کھیت میں غلہ زیادہ ہو تو حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ خراج سے زیادہ کرنا بھی امام محمدؒ کے یہاں جائز ہے، جیسے غلہ کم ہو تو خراج کم بھی کیا جاسکتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں زیادہ نہیں کیا جاسکتا۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ نے جب حضرت عمرؓ کو خبر دی کہ زمین اس سے زیادہ کی طاقت رکھتی ہے تب بھی انہوں نے خراج زیادہ نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ غلہ زیادہ ہو تب بھی خراج کو زیادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۳) اگر خراجی زمین پر پانی غالب آ گیا یا اس سے پانی منقطع ہو گیا یا آفت نے کھیتی برباد کر دی تو ان پر خراج نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ کھیتی کرنے کی قدرت ختم ہو گئی اور وہ ہے تقدیری بڑھوتری، خراج میں یہی معتبر ہے۔

۲. وَفِيمَا إِذَا اضْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَاتِ النَّمَاءِ التَّقْدِيرُ فِي بَعْضِ الْحَوْلِ وَكَوْنُهُ نَامِيًا فِي جَمِيعِ الْحَوْلِ شَرْطٌ كَمَا فِي مَالِ الزَّكَاةِ أَوْ يُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى الْحَقِيقَةِ عِنْدَ خُرُوجِ الْخَرَجِ.
(۲۸۶۵) قَالَ: وَإِنْ عَطَلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَجُ؛ ۱. لَأَنَّ التَّمَكُّنَ كَانَ ثَابِتًا وَهُوَ الَّذِي فَوَّتَهُ.

تشریح: پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ پیداوار کے مطابق خراج ہوگا۔ اس قاعدے پر قیاس کرتے ہوئے اگر کسی مصیبت کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں ہو پائی تو خراج ساقط ہو جائے گا۔ مثلاً سیلاب نے کھیتی برباد کر دی۔ یا بارش ہی نہیں ہوئی یا کوئی آفت آگئی جس کی وجہ سے کھیتی اجڑ گئی تو اہل خراج پر خراج نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) جب کھیتی ہی نہیں ہوئی تو خراج کہاں سے دے گا (۲) اوپر کے اثر میں تھا کہ طاقت کے مطابق خراج ہو اور یہاں آفت کی وجہ سے طاقت باقی نہیں رہی اس لئے خراج ساقط ہو جائے گا (۳) اوپر کے اثر کے علاوہ یہ اثر بھی ہے۔ قَالَ الْحَسَنُ وَامَّا اِرَاضِيهِمْ فَعَلَيْهَا الْخَرَجُ الَّذِي وَضَعَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَإِنْ احْتَمَلُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَلَا يَزَادُ عَلَيْهِمْ وَإِنْ عَجَزُوا عَنْ ذَلِكَ خَفَّفَ عَنْهُمْ وَلَا يَكْلِفُونَ فَوْقَ طَاقَتِهِمْ كَمَا قَالَ عُمَرُ (رواہ ترمذی بن آدم فی الخراج، ص ۳۳، نمبر ۲۸، اعلاء السنن، ج ثانی عشر، ص ۴۳۷، نمبر ۴۱۰) اس اثر میں ہے کہ اگر خراج دینے والا عاجز ہو جائے تو اس سے کم کیا جائے۔ یہاں کھیتی ہوئی ہی نہیں اس لئے اس سے خراج معاف ہو جائے گا۔
لغت: اصطلم: صلح سے مشتق ہے جڑ سے اکھیڑنا، کھیتی برباد ہونا، الزرع: کھیتی۔

ترجمہ: ۲. اور جس صورت میں آفت نے کھیتی برباد کر دی تو بعض سال میں تقدیری بڑھوتری ختم ہوگئی حالانکہ پورے سال میں بڑھوتری ہونا خراج کے لئے شرط ہے، جیسے کہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے، اور حکم کا دار مدار پیداوار نکلنے کی حقیقت پر ہے۔

تشریح: اس عبارت میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حقیقت میں پیداوار کا امکان ہو تب خراج ہے، اور یہاں آفت نے پیداوار کے امکان کو ختم کر دیا اس لئے خراج نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۶۵) اور اگر بیکار چھوڑ دیا زمین کے مالک نے تو اس پر خراج ہے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ پیداوار کی قدرت ثابت تھی لیکن خود زمین والے نے اس کو ختم کیا ہے [اس لئے اس پر خراج لازم ہوگا]
تشریح: کھیتی کرنے کی تمام سہولتیں میسر تھیں لیکن زمین کے مالک نے سستی کی وجہ سے کھیتی ہی نہیں کی تو اس پر خراج ہوگا۔
وجہ: (۱) اس سے اس کی سستی دور ہوگی (۲) غلطی خود مالک زمین کی ہے اس لئے خراج ساقط نہیں ہوگا۔

اصول: مالک زمین کی غلطی ہو تو خراج ساقط نہیں ہوگا۔

لغت: عطل: بیکار چھوڑ دیا۔

۲. قَالُوا: مَنْ انْتَقِلَ إِلَى أَحْسَسِ الْأُمْرَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُدْرٍ فَعَلَيْهِ خَرَا جُ الْأَعْلَى؛ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي صَيَّعَ الزِّيَادَةَ، وَهَذَا يُعْرَفُ وَلَا يُفْتَى بِهِ كَي لَا يَتَجَرَّأَ الظَّلْمَةُ عَلَى أَخْذِ أُمُوالِ النَّاسِ.

(۲۸۶۶) وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْخَرَا جِ أَخَذَ مِنْهُ الْخَرَا جُ عَلَى حَالِهِ؛ ۱. لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ فَيُعْتَبَرُ مُؤْنَةً فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ فَأَمَّا إِبْقَاؤُهُ عَلَى الْمُسْلِمِ.

ترجمہ: ۲. علماء نے فرمایا کہ بغیر عذر کے کوئی ادنیٰ کا شکاری کی طرف منتقل ہوا تو اس پر اعلیٰ کا شکاری کا خراج لازم ہوگا اس لئے کہ اس نے زیادہ غلے کو ضائع کیا ہے، اس کا علم ہونا چاہئے لیکن اس کا فتویٰ نہیں دینا چاہئے تاکہ ظالم لوگ مال لینے پر جرأت نہ کریں۔

تشریح: مثلاً کوئی کھیت میں زعفران بوتا تھا جس پر زیادہ خراج تھا، اب بغیر کسی عذر کے اس نے گیہوں بودیا تو اس سے زعفران کا یہی خراج لیا جائے گا، کیونکہ بغیر کسی عذر کے زیادہ پیداوار کو ضائع کیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس کا علم تو علماء کو ہونا چاہئے، لیکن اس کا فتویٰ نہیں دینا چاہئے، کیونکہ ظالم حکمران لوگوں سے زیادہ خراج وصول کرنے کے لئے تنگ کریں اور ظلم کریں گے۔

ترجمہ: (۲۸۶۶) اگر خراج دینے والا مسلمان ہو جائے تو اس سے بدستور خراج لیا جائے گا۔

وجہ: (۱) مسلمانوں پر ابتدائی طور پر خراج لازم کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن اگر پہلے سے خراج لازم ہے اور زمین کا مالک مسلمان ہو گیا تو خراج لازم ہی رہے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ عن عمر و علیؓ قالوا اذا اسلم وله ارض وضعنا عنه الجزية واخذنا خراجها (مصنف ابن ابی شیبہ، ۶۵، ما قالوا فی الرجل من اهل الذمة یسلم من قال یرفع عنه الجزية، ج ۱، ص ۶۷، نمبر ۳۲۹۳۲) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے سے جزیہ تو ساقط ہو جائے گا لیکن خراج ساقط نہیں ہوگا (۳) کیونکہ جزیہ کافر کے سر پر ہے جو ذلت کی چیز ہے، اور خراج اس کی زمین پر ہے جو اتنی ذلت کی چیز نہیں ہے۔

اصول: ابتداءً تو مسلمان پر خراج صحیح نہیں ہے، لیکن بقاء ہو سکتا ہے، اسی طرح خراج کا سبب اختیار کرے، مثلاً خراجی زمین خریدے تب بھی خراج ہو سکتا ہے، کیونکہ مسلمان نے خود ہی اپنے اوپر خراج لازم کیا ہے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ خراج میں محصول کا معنی ہے اس لئے بقاء کی حالت میں محصول کا معنی کا اعتبار کیا جائے گا اس لئے مسلمان پر خراج باقی رکھنا ممکن ہے۔

تشریح: بقاء کی حالت میں مسلمان پر خراج صحیح ہونے کی دلیل عقلی ہے۔ خراج کا دوسرا معنی محصول کے ہیں اس لئے بقاء کی حالت میں محصول مسلمان پر ہو سکتا ہے۔

(۲۸۶۷) وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِيَ الْمُسْلِمُ أَرْضَ الْخَرَاجِ مِنَ الدَّمِيِّ وَيُؤْخَذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ لِمَا قُلْنَا، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ الصَّحَابَةَ اشْتَرَوْا أَرْضِي الْخَرَاجِ وَكَانُوا يُؤْخَذُونَ خَرَاجَهَا، فَقَدْ لَّ عَلَى جَوَازِ الشِّرَاءِ وَأَخِذَ الْخَرَاجِ وَأَدَّاهُ لِلْمُسْلِمِ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ (۲۸۶۸) ۵ وَلَا عُشْرَ فِي الْخَرَاجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ.

ترجمہ: (۲۸۶۷) جائز ہے کہ مسلمان ذمی سے خراجی زمین خریدے اور اس سے خراج لیا جائے۔

ترجمہ: اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے کہا [کہ خراج کا معنی محصول کے ہے اس لئے مسلمان پر بقاء ہو سکتا ہے] اور صحیح روایت میں ہے کہ صحابہ نے خراج کی زمین خریدی اور وہ خراج ادا کیا کرتے تھے، یہ دلالت کرتا ہے کہ خریدنا جائز ہے، اور خراج کا لینا اور مسلمانوں کا خراج ادا کرنا بغیر کراہیت کے ٹھیک ہے۔

تشریح: خراجی زمین کو خریدنا جائز ہے، کیونکہ صحابہ نے اس کو خریدا ہے اور خراج ادا کیا ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کا عمل صحابہ یہ ہے۔ عن ابن ابی لیلی قال اشتری الحسن بن علیؓ ملحۃ او ملحاً واشتری الحسن بن علی بریدین من ارض الخراج وقال قد رد الیہم عمر ارضہم وصالہم علی الخراج (سنن للبیہقی، باب من رخص فی شراء ارض الخراج، ج ۹، ص ۲۳۷، نمبر ۱۸۴۰۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے خراجی زمین خریدی اور حضرت عمرؓ نے اس پر خراج لازم فرمایا۔ قال اشتری عبد اللہ [بن الحسن] ارضاً من ارض خراج۔ (سنن للبیہقی، باب من رخص فی شراء ارض الخراج، ج ۹، ص ۲۳۷، نمبر ۱۸۴۰۳) اس عمل صحابہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے خراجی زمین خریدی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی طور پر مسلمان پر خراج لازم کرنا صحیح نہیں، لیکن خراجی زمین خریدے گا تو اس کے واسطے سے مسلمان پر خراج لازم ہو جائے گا۔

فائدہ: حضرت عمرؓ خراجی زمین خریدنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ عن نافع ان عبد اللہ بن عمرؓ کان اذا سئل عن الرجل من اهل الاسلام يأخذ الارض من اهل الذمة بما علیہا من الخراج یقول لا یحل لمسلم او لا ینبغی لمسلم ان یکتب علی نفسه الذل والصغار (سنن للبیہقی، باب الارض اذا کانت صلیحاً رقاً بھا لاهلھا وعلیھا خراج یؤدونها فاخذھا منهم مسلم بکراء، ج ۹، ص ۲۳۶، نمبر ۱۸۳۹۷) اس قول صحابی میں ہے کہ خراجی زمین خریدنا ذلت کی چیز ہے۔

ترجمہ: (۲۸۶۸) خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

وجہ: (۱) خراجی زمین میں خراج بھی لازم ہو اور عشر بھی لازم ہو تو دو گنی رقم ہو جائے گی جو جائز نہیں (۲) اور خراج ساقط کر کے عشر لازم نہیں کر سکتے جیسا کہ پہلے گزرا۔ اس لئے اس پر خراج ہی لازم ہوگا (۳) قول تابعی میں ہے جس کو آگے صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ عن الشعبي قال لا یجتمع خراج وعشر فی ارض (مصنف ابن ابی شیبہ، باب ۱۱۱

۱۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُجْمَعُ بَيْنَهُمَا؛ لِأَنَّهُمَا حَقَّانِ مُخْتَلِفَانِ وَجَبَا فِي مَحَلِّينِ بِسَبَبَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ فَلَا يَتَنَافَيَانِ. ۲۔ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا يَجْتَمِعُ عُشْرٌ وَخَرَاجٌ فِي أَرْضٍ مُسْلِمٍ"، ۳۔ وَلَئِنْ أَحَدًا مِنْ أَيْمَةِ الْعَدْلِ وَالْجَوْرِ لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَهُمَا، وَكَفَى بِاجْمَاعِهِمْ حُجَّةً؛ ۴۔ وَلَئِنْ الْخَرَاجُ يَجِبُ فِي أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةٌ فَهَرَّاءَ، وَالْعُسْرُ فِي أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا طَوْعًا، وَالْوَصْفَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ، ۵۔ وَسَبَبُ الْحَقِّينِ وَاحِدٌ وَهُوَ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي الْعُسْرِ تَحْقِيقًا وَفِي الْخَرَاجِ تَقْدِيرًا، وَلِهَذَا يُضَافَانِ إِلَى الْأَرْضِ،

من قال لا تجتمع خراج وعشر على ارض، ج ثانی ص ۴۱۹، نمبر ۱۰۶۰۸ اس اثر سے معلوم ہوا کہ خراجی زمین میں عشر نہیں ہے۔

ترجمہ: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عشر اور خراج دونوں جمع ہو سکتے ہیں اس لئے کہ دونوں مختلف حق ہیں محل بھی دو ہیں اور سبب بھی دو ہیں اس لئے دونوں میں تنافی نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی زمین پر عشر اور خراج لازم ہو سکتے ہیں۔

وجہ: عشر اس غلے میں لازم ہوتا ہے، جو پیدا ہو چکا ہے اس میں دسواں حصہ ہے، اور خراج زمین پر لازم ہوتا ہے، اس لئے دونوں کی جگہ الگ الگ ہیں اس لئے دونوں چیزیں لازم ہو سکتی ہیں۔

ترجمہ: ۲۔ ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ مسلمان کی زمین میں خراج اور عشر جمع نہیں ہو سکتے۔

تشریح: یہ قول صحابی اوپر گزر چکا ہے۔

ترجمہ: ۳۔ اور اس لئے کہ کسی عادل یا ظالم حکمران نے دونوں کو جمع نہیں کیا اور ان حضرات کی اجماع ہی ہمارے لئے حجت کافی ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴۔ اور اس لئے کہ خراج اس زمین واجب ہوتا ہے جس کو زبردستی فتح کیا ہوا اور عشر اس زمین میں ہوتا ہے جس کے لوگ خوشی سے اسلام لائے ہوں، اور دونوں صفت ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ یہاں دونوں دو صفتیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ خراج کی وجہ زمین پر زبردستی قبضہ کرنا ہے اور عشر کی وجہ خوشی سے اسلام لانا ہے، اور دونوں ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتی، اسلئے دونوں ایک ساتھ لازم نہیں ہوں گے۔

ترجمہ: ۵۔ دونوں کا حق ایک ہے اور وہ ہے پیدا کرنے والی زمین، البتہ عشر اس وقت ہوگا جب واقعی غلہ پیدا ہو چکا ہو، اور خراج اس وقت لازم ہوتا ہے جبکہ زمین میں پیدا کرنے کی صلاحیت ہو، یہی وجہ ہے کہ دونوں کو زمین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

۲. وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الزَّكَاةُ مَعَ أَحَدِهِمَا.

(۲۸۶۹) وَلَا يَتَكَرَّرُ الْخَرَجُ بِتَكَرُّرِ الْخَارِجِ فِي سَنَةٍ؛ ۱. لِأَنَّ عُمَرَ لَمْ يُوظِّفْهُ مُكَرَّرًا، بِخِلَافِ الْعُسْرِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَحَقَّقُ عُسْرًا إِلَّا بِوُجُوبِهِ فِي كُلِّ خَارِجٍ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

تشریح: یہ بھی امام شافعی کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ عشر اور خراج دو حق ہیں، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ دونوں زمین ہی کا حق ہے، البتہ عشر میں واقعی پیدا ہو چکا ہو تب لازم ہوتا ہے، اور خراج میں پیدا ہونا ممکن ہو تو لازم ہو جاتا ہے، لیکن دونوں حق زمین کا ہی ہے، اس لئے ایک ہی زمین میں دو حق جمع نہیں ہو سکتے۔

ترجمہ: ۱. اسی اختلاف پر عشر اور خراج کے ساتھ زکوٰۃ ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے تجارت کی نیت سے عشری زمین خریدی تو تجارت کی نیت کی وجہ سے زکوٰۃ لازم ہو، اور وہ زمین عشری ہے اس لئے عشر بھی لازم ہو، امام شافعی کے یہاں یہ دونوں ایک ساتھ لازم ہو سکتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یا زکوٰۃ لازم ہو گی، یا عشر لازم ہوگا، دونوں لازم نہیں ہوں گے۔ دوسری صورت۔ ایک آدمی نے تجارت کی نیت سے خراجی زمین خریدی تو تجارت کی نیت کی وجہ سے زکوٰۃ لازم ہو، اور وہ زمین خراجی ہے اس لئے خراج بھی لازم ہو، امام شافعیؒ کے یہاں یہ دونوں ایک ساتھ لازم ہو سکتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یا زکوٰۃ لازم ہوگی، یا خراج لازم ہوگا، دونوں لازم نہیں ہوں گے۔

ترجمہ: (۲۸۶۹) سال میں دو مرتبہ پیداوار ہونے کی وجہ سے دو مرتبہ خراج لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲. اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے زمین کا وظیفہ مکرر نہیں کیا، بخلاف عشر کے، اس لئے کہ عشر تو پیداوار میں ہوتا ہے [اس لئے دو مرتبہ پیداوار ہوگی تو دو مرتبہ عشر لازم ہوگا۔

تشریح: سال میں دو مرتبہ پیداوار ہوئی تو دو مرتبہ خراج نہیں لیا جائے گا، بلکہ سال میں ایک ہی مرتبہ خراج لازم ہوگا، البتہ عشر چونکہ پیداوار میں ہوتا ہے اس لئے جتنی مرتبہ پیداوار ہوگی اتنی ہی مرتبہ عشر لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) حضرت عمرؓ نے دو مرتبہ خراج نہیں لیا اس لئے دو مرتبہ خراج نہیں لیا جائے گا۔ (۲) قول صحابی میں ہے۔ جاء نصرانی الى عمر فقال ان عاملک عشر فی السنة مرتین فقال من انت؟ فقال انا الشیخ النصرانی فقال له عمر و انا الشیخ الحنیف فکتب الی عامله ان لا تعشر فی السنة الا مرة (مصنف ابن ابی شیبہ، باب من کان لا یری العشر فی السنة الامر، ج ثانی، ص ۴۱۸، نمبر ۱۰۵۸۹) اس قول صحابی میں ہے کہ سال میں ایک ہی مرتبہ خراج لیا جائے گا، یہاں قول صحابی میں عشر سے مراد خراج ہے، کیونکہ نصرانی پر عشر لازم نہیں ہوتا۔

﴿بَابُ الْجَزِيَّةِ﴾

(۲۸۷۰) وَهِيَ عَلَى ضَرْبَيْنِ: جَزِيَّةٌ تَوْضَعُ بِالْتَّرَاضَى وَالصَّلَاحِ فَتَقْدَرُ بِحَسَبِ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ الْإِتِّفَاقُ
 ۱۔ كَمَا ”صَالِحُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ نَجْرَانَ عَلَى أَلْفٍ وَمِائَتَيْ حُلَّةٍ“، ۲۔ وَلِأَنَّ
 الْمُوجِبَ هُوَ التَّرَاضَى فَلَا يَجُوزُ التَّعَدَّى إِلَى غَيْرِ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ الْإِتِّفَاقُ.

﴿جِزِیہ کے احکام﴾

ضروری نوٹ: زمین پر جو ٹیکس مقرر ہو اس کو خراج کہتے ہیں، اور انسان کی ذات پر جو ٹیکس مقرر ہو اس کو جزیہ کہتے ہیں۔
 اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا
 يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ
 ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر جزیہ مقرر کیا جائے گا

ترجمہ: (۲۸۷۰) جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جزیہ وہ کہ رضا مندی اور صلح سے مقرر کرے، پس مقرر کیا جائے گا جس پر
 اتفاق ہو جائے۔

ترجمہ: جیسے حضورؐ نے نجران والوں سے بارہ سو حلے پر صلح کی تھی۔

تشریح: امیر المومنین اور ذمی کے درمیان جزیہ کے جس مقدار پر صلح ہو جائے اتنا جزیہ جائز ہو جائے گا۔

وجہ: قبیلہ نجران سے حضورؐ نے دو ہزار حلے کے جزیے پر صلح فرمائی تھی صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ
 قَالَ صَالِحُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَهْلَ نَجْرَانَ عَلَى الْفَيْ حُلَّةِ النِّصْفِ فِي صَفَرٍ وَالنِّصْفِ فِي رَجَبٍ يُؤَدُّونَهَا إِلَى
 الْمُسْلِمِينَ (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیۃ، ص، نمبر ۳۰۴۱) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اہل نجران سے دو ہزار
 حلے پر صلح کی، اور یہی جزیہ مقرر رہا۔

ترجمہ: ۲۔ اور اس لئے کہ جزیہ کا سبب رضا مندی ہے اس لئے جس پر اتفاق ہوا ہے اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ یہ معاملہ رضا مندی سے طے ہوا ہے اس لئے جس پر اتفاق ہو جائے وہی لازم ہوگا اس سے
 آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔

(٢٨٤١) وَجِزْيَةُ يَبْتَدِئُ الْإِمَامُ وَضَعَهَا إِذَا غَلَبَ الْإِمَامُ عَلَى الْكُفَّارِ، وَأَقْرَهُمْ عَلَى أُمْلَاكِهِمْ، فَيَضَعُ عَلَى الْغَنِيِّ الظَّاهِرِ الْغَنَى فِي كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةَ وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُمْ فِي كُلِّ شَهْرٍ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ. وَعَلَى وَسْطِ الْحَالِ أَرْبَعَةَ وَعَشْرِينَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دَرَاهِمَيْنِ، وَعَلَى الْفَقِيرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دَرْهَمًا ١. وَهَذَا عِنْدَنَا ٢. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَضَعُ عَلَى كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ مَا يَعْدِلُ الدِّينَارَ، وَالْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ ”لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِمُعَاذٍ خُذْ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ وَحَالِمَةٍ دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ مَعَاوِرَ“ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ.

ترجمہ: (۲۸۷۱) اور وہ جزیہ جو امام ابتداء مقرر کرے جب وہ غالب آئے کفار اور مالکوں کو ان کی ملکیتوں پر برقرار رکھے تو ظاہری مالدار پر ہر سال اڑتالیس درہم مقرر کرے، اور اس سے ہر مہینے میں چار درہم لے۔ اور اوسط درجے کے آدمی پر چوبیس درہم، ہر مہینے میں دو درہم۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم، ہر مہینے میں ایک درہم لے۔

تشریح: اگر کفار سے جزیہ کے بارے میں بات طے نہ ہوئی ہو اور امام کفار پر غلبہ کرنے کے بعد اپنے طور پر جزیہ مقرر کرے تو اس کی مقدار یہ ہو کہ جو اچھا مالدار ہے اس پر سالانہ اڑتالیس درہم اور ہر ماہ میں چار درہم وصول کرے۔ اور درمیانی حال والے پر چوبیس درہم ہر ماہ میں دو درہم وصول کرے۔ اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم ہر ماہ میں ایک درہم وصول کرے۔

وجہ: (۱) جزیہ مقرر کرے اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ قاتلو الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اتوا الكتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید وہم صاغرون (آیت ۲۹، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر جزیہ مقرر کیا جائے گا (۲) اور مقدار کے بارے میں یہ قول صحابی ہے۔ قال وضع عمر بن الخطاب فی الجزیة علی رءوس الرجال علی الغنی ثمانیۃ واربعمین درهما وعلی الوسط اربعة وعشرین وعلی الفقیر اثنی عشر درهما (مصنف ابن ابی شیبہ، ۷۱۷ اما قالوا فی وضع الجزیۃ والقتال علیہا، ج ۶ ص ۴۳۲، نمبر ۳۲۶۳ سنن للبیہقی، باب الزیادۃ علی الدینار بالصلح، ج ۳ ص ۳۲۹، نمبر ۱۸۶۸۵) اس اثر سے مقدار کی تفصیل معلوم ہوئی (۳) اس میں مالدار اور فقیر کی رعایت ہے کہ مالدار پر زیادہ ہے اور فقیر پر کم ہے۔

لغت: المعتمل: عمل سے مشتق ہے کام کرنے والا۔

ترجمہ: ۲۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر بالغ پر ایک دینار لازم ہوگا، یا دینار کی قیمت کے جو برابر ہوگا وہ لازم ہوگا اور اس میں فقیر اور مالدار برابر ہے، حضرت معاذ کو حضورؐ نے فرمایا۔ بالغ مرد اور بالغ عورت سے ایک دینار لو یا اس کے برابر معاف کر یا

۳ وَلِأَنَّ الْجَزِيَّةَ إِنَّمَا وَجِبَتْ بَدَلًا عَنِ الْقَتْلِ حَتَّى لَا تَجِبَ عَلَى مَنْ لَا يَجُوزُ قَتْلُهُ بِسَبَبِ الْكُفْرِ كَالذَّرَارِيِّ وَالنُّسْوَانِ، وَهَذَا الْمَعْنَى يَنْتَظِمُ الْفَقِيرَ وَالْغَنَى. ۴ وَمَذْهَبُنَا مَنْقُولٌ عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ، وَلَمْ يُنْكَرْ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ؛ ۵ وَلِأَنَّهُ وَجِبَ نُصْرَةٌ لِلْمُقَاتِلَةِ فَتَجِبَ عَلَى التَّفَاوُتِ بِمَنْزِلَةِ خَرَاكِ الْأَرْضِ، ۶ وَهَذَا لِأَنَّهُ وَجِبَ بَدَلًا عَنِ النُّصْرَةِ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَذَلِكَ يَتَفَاوَتْ بِكَثْرَةِ الْوَفْرِ وَقِلَّتِهِ، فَكَذَا أُجْرَتُهُ هُوَ بَدَلُهُ،

لو، اس میں غریب اور مالدار کا فرق نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں غریب اور مالدار کا فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں سے سالانہ ایک دینار لیا جائے گا، یا دینار کی قیمت میں جو معافیر کپڑا آتا ہو وہ لیا جائے گا۔

وجہ: حدیث میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ عن معاذ ان النبی ﷺ لما وجهه الى اليمن امره ان ياخذ من كل حاله يعنى محتلما دينارا او عدله من المعافى ثياب تكون باليمن. (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزية، ص ۷۴، نمبر ۳۰۳۸، ترمذی شریف، باب ما جاء فی زکوة البقر، ص ۱۶۱، نمبر ۶۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مرد پر سالانہ ایک دینار لازم ہو گا چاہے مالدار ہو یا غریب۔

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں واجب ہے، یہی وجہ ہے کہ کفر کی وجہ سے جس کا قتل کرنا واجب نہیں جیسے بچہ اور عورت ان پر جزیہ واجب نہیں ہے، اور یہ معنی فقیر اور مالدار دونوں کو شامل ہے۔

تشریح: یہ شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے کہ جزیہ قتل کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کفر کی وجہ سے جس کا قتل کرنا جائز نہیں، جیسے بچے اور عورتیں ان پر جزیہ واجب نہیں ہے، اور قتل میں مالدار اور غریب برابر ہیں اسلئے دونوں پر ایک سا جزیہ واجب ہو گا۔

ترجمہ: ۴ اور ہمارا مذہب حضرت عمر، عثمان اور علیؓ سے منقول ہے اور ان پر کسی مہاجر اور انصار نے انکار نہیں کیا۔

تشریح: اس کے بارے میں حضرت عمر کا قول پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

ترجمہ: ۵ اور اس لئے کہ یہ جزیہ مجاہدین کی مدد کے لئے واجب ہوا ہے اس لئے زمین کے خراج کی طرح [غریب اور مالدار میں] فرق کے ساتھ واجب ہو گا۔

تشریح: ہمارا نظریہ یہ ہے کہ جزیہ مجاہدین کی مدد کے لئے واجب ہوا ہے، اس لئے جس طرح خراج میں انگوڑ میں دس درہم اور غلے میں ایک درہم ہے تاکہ مجاہدین کی مدد ہو سکے اسی طرح جزیہ میں فرق ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۶ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ جزیہ نفس اور مدد کی حفاظت کے بدلے میں ہے اور یہ مال کسی کے پاس زیادہ ہوتا ہے

عَلَىٰ وَمَا رَوَاهُ مُحْمُوْلٌ عَلَىٰ أَنَّهُ كَانَ ذَلِكَ صُلْحًا، وَلِهَذَا أَمَرَهُ بِالْأَخْذِ مِنَ الْحَالِمَةِ وَإِنْ كَانَتْ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا الْجِزْيَةُ.

(۲۸۷۲) قَالَ: وَتَوْضُوعُ الْجِزْيَةِ عَلَىٰ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوسِ لِـ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ الْآيَةَ، ”وَوَضَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجِزْيَةَ عَلَى الْمَجُوسِ“.

اور کسی کے پاس کم ہوتا ہے، اس لئے اس بدلہ [جزیہ] بھی کم پیش ہوگا۔

تشریح: یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے، کہ جزئیہ نفس اور مال کی حفاظت کے بدلے میں ہے، اور مال کسی کے پاس زیادہ ہوتا ہے اور کسی کے پاس کم ہوتا ہے اس لئے جزئیہ میں بھی فرق ہونا چاہئے۔

ترجمہ: عے اور امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ صلح پر محمول ہے، کہ اسی صلح ہوئی ہوگی یہی وجہ ہے کہ حدیث میں عورتوں سے بھی لینے کا حکم ہے، حالانکہ عورتوں سے جزئیہ نہیں لیا جاتا ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے ہو سکتا ہے کہ اسی صلح ہوئی ہو، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں حالمہ کا لفظ ہے کہ عورت سے بھی جزئیہ لیا جائے۔ حالانکہ عورت سے جزئیہ نہیں لیا جاتا ہے۔

نوٹ: امام شافعیؒ نے جو حضرت معاذ والی حدیث پیش کی ہے وہ صلح کے طور پر نہیں ہے، بلکہ حضورؐ نے اس کو یہ لینے کا حکم دیا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ عام حدیث میں حالمہ کا لفظ نہیں ہے، صرف حالم کا لفظ ہے، دارقطنی میں معمر کے قول میں حالمہ کا لفظ ہے۔ دارقطنی کی حدیث یہ ہے۔ عن معاذ بن جبل و من كل حالم دينارا او عدله معافر اور دوسری حدیث میں ہے۔ و قال معمر حالمۃ۔ (دارقطنی، کتاب الزکوٰۃ، ج ثانی، ص ۸۷، نمبر ۱۹۱۸، نمبر ۱۹۱۹) یہاں دوسری حدیث میں معمر کا ایک قول حالمہ کی ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۲) جزئیہ مقرر کیا جائے گا اہل کتاب پر اور مجوسیوں پر اور عجم کے بت پرستوں پر۔

ترجمہ: ﷻ اللہ تعالیٰ کے قول کی وجہ سے کہ وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں ان سے یہاں تک قتال کرو کہ وہ جزئی دینے پر مجبور ہو جائیں۔ اور حضورؐ نے ہجر کے مجوس پر جزئیہ مقرر کیا۔

تشریح: یہود اور نصاریٰ اور مجوسی چاہے عرب میں رہتے ہوں یا عجم میں رہتے ہوں۔ اگر وہ ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان پر جزئیہ مقرر ہوگا۔ اسی طرح عجم کے بت پرست ذمی بن کر رہنا چاہیں تو ان کے سروں پر جزئیہ مقرر ہوگا۔ البتہ عرب کے بت پرستوں پر جزئیہ نہیں ہے یا وہ اسلام لائیں یا قتل کے لئے تیار رہیں ذمی بن کر عرب میں نہیں رکھا جاسکتا۔

(۲۸۷۳) قَالَ: وَعَبْدَةُ الْوُثَانِ مِنَ الْعَجَمِ ۚ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ. هُوَ يَقُولُ: إِنَّ الْقِتَالَ وَاجِبٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَقَاتِلُوهُمْ﴾ إِلَّا أَنَا عَرَفْنَا جَوَازَ تَرْكِهِ فِي حَقِّ أَهْلِ الْكِتَابِ بِالْكِتَابِ وَفِي حَقِّ الْمَجُوسِ بِالْخَبَرِ فَبَقِيَ مَنْ وَرَاءَهُمْ عَلَى الْأَصْلِ.

وجہ: (۱) اہل کتاب کیلئے جزیہ کیلئے یہ آیت ہے۔ قاتلوا الذین لایومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الكتاب حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون (آیت ۲۹، سورۃ التوبہ ۹) اس آیت میں ہے کہ اہل کتاب یعنی یہودی اور نصاریٰ سے اس وقت تک قتال کیا جائے جب تک وہ جزیہ نہ دینے لگیں۔ اور یہ عرب اور غیر عرب کے قید سے عام ہے اس لئے عرب کے اہل کتاب پر بھی جزیہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ مجوسی سے جزیہ لینے کیلئے یہ حدیث ہے۔ سمعت عمرا قال ... فاتانا کتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة فرقوا بین کل ذی محرم من المجوس ولم یکن عمر اخذ الجزیة من المجوس حتی شہد عبد الرحمن بن عوفؓ ان رسول اللہ ﷺ اخذھا من مجوس ہجر (بخاری شریف، باب الجزیة والموادعة مع اہل الذمۃ، ص ۴۲۶، نمبر ۳۱۵۶/۳۱۵۷ ابوداؤد شریف، باب اخذ الجزیة من المجوس، ص ۷۵، نمبر ۳۰۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجوس ہجر سے آپؐ نے جزیہ لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے مجوس سے جزیہ لیا جاسکتا ہے (۳) عن ابن عباس قال صالح رسول اللہ ﷺ اهل نجران على الفئ حلة النصف في صفر والنصف في رجب يؤدونها الى المسلمين (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزیة، ص ۴۱، نمبر ۳۰۴۱) اہل نجران عرب کے عیسائی تھے ان سے جزیہ لیا جس سے معلوم ہوا کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۳) اور عجم کے بت پرست سے جزیہ لیا جائے گا۔

وجہ: عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جائے اس کی دلیل لمبی حدیث کا یہ ٹکڑا ہے۔ قال بعث عمرؓ الناس في افناء الامصار یقاتلون المشرکین ... فامرنا نبینا رسول ربنا صلی اللہ علیہ وسلم ان نقاتلکم حتی تعبدوا اللہ وحده او تؤدوا الجزیة (بخاری شریف، باب الجزیة والموادعة مع اہل الذمۃ والحرب، ص ۴۲۶، نمبر ۳۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ افناء الامصار سے معلوم ہوا کہ عجم کے بت پرستوں سے جہاد کرنے گئے تھے۔

لغت: عبدالوثنان : وثن کی جمع ہے، بت کے بندے یعنی بت پرست، المجوس : جو قوم آگ کی پوجا کرتی ہے۔

ترجمہ: : اس بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عجم کے بت پرستوں سے قتال واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان لوگوں سے قتال کرو، مگر اہل کتاب کے حق میں ہم کو آیت سے معلوم ہوا کہ قتال نہ کریں، اور مجوس کے حق

۲ وَلَنَّا أَنَّهُ يَجُوزُ اسْتِرْقَاقُهُمْ فَيَجُوزُ ضَرْبُ الْجَزِيَّةِ عَلَيْهِمْ إِذْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَشْتَمِلُ عَلَى سَلْبِ النَّفْسِ مِنْهُمْ فَإِنَّهُ يَكْتَسِبُ وَيُؤَدِّي إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَنَفَقَتُهُ فِي كَسْبِهِ.

میں حدیث سے معلوم ہوا تو باقی لوگ اپنی اصل پر باقی رہے کہ ان سے قتال کیا جائے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عجم کے بت پرستوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ یا اسلام قبول کریں یا قتال کے لئے تیار ہو جائیں، جیسے عرب کے بت پرستوں کے بارے میں ہے کہ یا وہ اسلام قبول کریں یا وہ قتال کے لئے تیار ہو جائیں۔

وجہ: ان کا استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ ہم کو آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اہل کتاب، بت پرست، اور مجوس سے قتال کرو، پھر اوپر آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب سے جزیہ لے سکتے ہو، اور حدیث میں گزری کہ حضورؐ نے مجوس سے جزیہ لیا اس لئے یہ دونوں قتال سے نکل گئے، تو اب بت پرست رہ گئے جس سے قتال واجب رہا، چاہے وہ عجم کے بت پرست ہوں چاہے وہ عرب کے بت پرست ہوں۔

وجہ: (۱) اس آیت میں ہے کہ بت پرست، اہل کتاب اور مجوس سے قتال کرو۔ وقاتلوهم حتی لا تكون فتنة و يكون الدين لله۔ (آیت ۱۹۳، سورۃ البقرۃ ۲) (۲) وقاتلوهم حتی لا تكون فتنة و يكون الدين كله لله۔ (آیت ۳۹، سورۃ الانفال ۸)

ترجمہ: ۲: ہماری دلیل یہ ہے کہ جب عجم کے بت پرستوں کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے تو اس پر جزیہ بھی مقرر کرنا جائز ہو گا، اس لئے کہ غلام بنانے اور جزیہ وصول کرنے دونوں میں اس کے نفس کو چھیننا ہے اس لئے کہ وہ کماتا ہے اور اپنی کمائی میں سے مسلمان کو نفع ادا کرتا ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ جب عجم کے بت پرستوں کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے تو اس پر جزیہ متعین کرنا بھی جائز ہوگا، کیونکہ غلام بھی کما کر مسلمان آقا کو دیتا ہے، اور جزیہ والا بھی کما کر مسلمان کو دیتا ہے اس لئے جب غلام بنا سکتے ہیں تو اس پر جزیہ مقرر کرنا بھی جائز ہوگا۔

وجہ: - عجیبوں سے جزیہ لینے کی حدیث یہ ہے۔ قال بعث عمرؓ الناس في افناء الامصار يقاتلون المشركين ... فامرنا نبينا رسول ربنا صلى الله عليه وسلم ان نقاتلكم حتى تعبدوا الله وحده او تؤدوا الجزية (بخاری شریف، باب الجزية واموادة مع اهل الذمة والحرب، ص ۴۲۶، نمبر ۳۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عجم کے مشرکوں سے جزیہ لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ افناء الامصار سے معلوم ہوا کہ عجم کے بت پرستوں سے جہاد کرنے گئے تھے۔

(۲۸۷۴) وَإِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ قَبْلَ ذَلِكَ فَهُمْ وَنِسَاؤُهُمْ وَصِبْيَانُهُمْ فِيءٌ ۖ أَلِ لِحَوَازِ اسْتِرْقَاقِهِمْ
(۲۸۷۵) وَلَا تَوْضِعْ عَلَى عَبْدَةٍ الْأُوثَانَ مِنْ الْعَرَبِ وَلَا الْمُزَنَّدِينَ ۚ لِأَنَّ كُفْرَهُمَا قَدْ تَغَلَّظَ، أَمَّا
مُشْرِكُو الْعَرَبِ فَلِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَشَأَ بَيْنَ أَظْهَرِهِمْ وَالْقُرْآنُ نَزَلَ بِلُغَتِهِمْ فَالْمُعْجَزَةُ
فِي حَقِّهِمْ أَظْهَرُ.

ترجمہ: (۲۸۷۴) اگر جزیہ مقرر کرنے سے پہلے عجم کے بت پرستوں پر غالب آجائے تو ان کی عورتیں اور انکے بچے مال غنیمت میں آجائیں گے۔

ترجمہ: کیونکہ ان کو غلام بنانا جائز ہے۔

تشریح: آگے آ رہا ہے کہ عرب کے بت پرست یا اسلام لائیں یا قتل کر دئے جائیں، ان کو غلام بنا کر رکھنا جائز نہیں ہے، لیکن عجم کے بت پرست پر جزیہ مقرر کرنے سے پہلے قبضہ ہو جائے تو انکے بچے اور عورتیں مال غنیمت میں آجائیں گے، کیونکہ ان کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے۔ دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۵) اور جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا عرب کے بت پرستوں پر اور نہ مرد پر۔

ترجمہ: کیونکہ ان لوگوں کا کفر شدید ہے، عرب کے مشرک کا تو اس لئے کہ حضور انکے سامنے پیدا ہوئے اور ان کی زبان میں قرآن نازل ہوا اس لئے انکے حق میں معجزہ بہت ظاہر ہے [پھر بھی ایمان نہ لائیں تو بہت بڑی غلطی ہے، اور مرد کا کفر اس لئے شدید ہے کہ اسلام لانے کے بعد اور اس کے محاسن جاننے کے بعد اس نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، اس لئے سزا میں زیادتی کے لئے یا تو وہ اسلام لائیں یا تلوار سے قتل کر دئے جائیں۔

وجہ: (۱) آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ عرب کے مشرکین یا تو اسلام قبول کریں یا قتل کے لئے تیار ہیں۔ ذمی بن کر جزیہ دینا اس کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ آیت میں ہے۔ فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد فان تابوا واقاموا الصلوة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم (آیت ۵، سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں ہے کہ نماز قائم کرنے یعنی اسلام لانے تک قتال کرتے رہو اور یہ مشرکین عرب کے بارے میں ہے۔ اس لئے مشرکین عرب کو جزیہ دیکر جزیہ عرب میں رہنے کا حق نہیں ہے (۲) دوسری آیت میں بھی اس کی تائید ہے۔ وقاتلوهم حتی لا تكون فتنة ويكون الدين كله لله (آیت ۳۹، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں کفار عرب کے بارے میں اشارہ ہے کہ ان سے اتنا قتال کرو کہ پورا دین صرف اللہ کا ہو جائے۔ اس لئے بھی ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا (۳) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس انه عليه السلام قال لا يقبل

۲. وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ؛ فَلِأَنَّهُ كَفَرَ بِرَبِّهِ بَعْدَ مَا هُدِيَ لِلْإِسْلَامِ وَوَقَفَ عَلَى مَحَاسِنِهِ فَلَا يُقْبَلُ مِنَ الْفَرِيقَيْنِ إِلَّا الْإِسْلَامُ أَوْ السَّيْفُ زِيَادَةً فِي الْعُقُوبَةِ. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُسْتَرْقُ مُشْرِكُو الْعَرَبِ، وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا (۲۸۷۶) وَإِذَا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَنَسَاؤُهُمْ وَصَبْيَانُهُمْ فِيءٌ ۱. لِأَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصَّدِيقَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ اسْتَرْقَى نِسْوَانَ بَنِي حَنِيفَةَ وَصَبْيَانَهُمْ لَمَّا ارْتَدُّوا وَقَسَمَهُمْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ.

من مشرکی العرب الا الاسلام او السیف (فتح القدیر، ج خامس، ص ۲۹۳/اعلاء السنن، نمبر ۴۱۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین عرب سے قتل یا اسلام دونوں میں سے ایک ہے اس لئے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ مرتد پر جزیہ اس لئے نہیں ہے کہ اگر مرد ہے تو یا دوبارہ اسلام قبول کرے یا اس کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ اور جزیہ کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی حالت میں جزیہ دے کر زندہ رہے حالانکہ اس کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے اس لئے اس سے جزیہ بھی نہیں لیا جائے گا۔ چاہے عرب کا مرتد ہو چاہے عجم کا مرتد ہو۔

وجہ: (۱) اسلام کو سمجھنے کے بعد مرتد ہونا کفر سے بھی اغلظ ہے اس لئے اس کو تو بدرجہ اولیٰ قتل کیا جائے گا یا پھر اسلام لے آئے (۲) قتل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عكرمة قال اتى على بن ناذقة فاحرقهم فبلغ ذلك ابن عباس فقال لو كنت انا لم احرقهم لنهي رسول الله ﷺ لا تعذبو بعذاب الله، ولقتلتهم لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدة واستناتھم، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دیا جائے گا۔ اگر مرتدہ عورت ہو تو توبہ کرنے تک قید میں رکھا جائے گا۔ اور کفر کی حالت میں رہنے نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ (۳) بخاری کی آگے دوسری حدیث ہے۔ ثم اتبعه معاذ بن جبل ... قال لا اجلس حتى يقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات (بخاری شریف، نمبر ۶۹۲۳) کہ مرتد کے قتل کرنے تک میں نہیں بیٹھوں گا۔

ترجمہ: ۲. امام شافعیؒ کے یہاں عرب کے مشرک کو غلام بنا کر رکھنا جائز ہے، اور اس کا جواب ہم نے پہلے دیا۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جاسکتا ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جاسکتا ہے اسی پر قیاس کر کے اہل عرب کے مشرکین سے بھی جزیہ لیا جاسکتا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ان کا کفر بہت شدید ہے اس لئے اس کو جزیہ لیکر نہیں چھوڑا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۶) اگر ان لوگوں پر غلبہ ہو جائے تو اس کی عورتیں اور بچے مال غنیمت ہوں گے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ حضرت ابوبکرؓ بنی حنیف کی عورتوں اور ان کے بچوں کو غلام بنایا جب وہ مرتد ہوئے اور ان کو مجاہدین کے

ترجمہ: اسلئے کہ جزی قتل کے بدلے میں واجب ہوتا ہے، یا وہ قتل کرے اسکی وجہ سے جزیہ واجب ہوتا ہے، اور عورت اور بچے کو قتل نہیں کیا جاتا، اور نہ دونوں قتل کرتے ہیں اسلئے کہ ان میں قتل کی اہلیت نہیں ہے [اسلئے ان دونوں پر جزیہ بھی نہیں ہے۔

(۲۸۷۹) قَالَ وَلَا زَمِينَ وَلَا أَعْمَى ۚ وَكَذَا الْمَفْلُوجُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيرُ لِمَا بَيَّنَّا. ۲ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ تَجِبُ إِذَا كَانَ لَهُ مَالٌ لِأَنَّهُ يُقْتَلُ فِي الْجُمْلَةِ إِذَا كَانَ لَهُ رَأْيٌ (۲۸۸۰) وَلَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ.

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ جزیہ اس لئے واجب ہوتا ہے کہ اس کو قتل کرنا تھا اس کے بدلے میں جزیہ واجب ہوتا ہے، اور عورت اور بچے کو قتل نہیں کیا جاتا اس لئے ان پر جزیہ بھی واجب نہیں ہوگا، دوسری وجہ ہے کہ وہ خود قتل کرتے ہوں اس کی وجہ سے اس پر جزیہ واجب ہوتا ہے، اور عورت اور بچے خود قتل نہیں کرتے کیونکہ ان میں قتال کرنے کی اہلیت نہیں ہوتی اس لئے ان پر جزیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

اصول: جو کام نہیں کر سکتے ان پر جزیہ نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۸۷۹) اور نہ پاچ پر اور نہ اندھے پر

ترجمہ: ایسے ہی مفلوج پر اور بہت بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا کہ وہ قتل نہیں کیا جاتا۔

تشریح: پاچ، اندھا اور بہت بوڑھا پر جزیہ نہیں ہے۔

وجہ: (۱) ان لوگوں کو قتل نہیں کیا جاتا ہے، اور جزیہ قتل کا بدلہ ہے اس لئے ان لوگوں پر جزیہ بھی نہیں ہے۔ (۲) بوڑھے پر جزیہ نہیں ہے اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ قال ابصر عمرٌُ شيخا كبيرا من اهل الذمة يسأل فقال له مالک؟ قال ليس لي مال وان الجزية توخذ مني فقال له عمرٌُ ما انصفناك اكلنا شبيبتك ثم ناخذ منك الجزية ثم كتب الى عماله ان لا يأخذوا الجزية من شيخ كبير (رواۃ زنجویۃ فی الاموال راعلاء السنن، باب لا جزیۃ علی صبی ولا امرأۃ الخ، ج ثانی عشر، ص ۵۰۹، نمبر ۴۱۷۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ بہت بوڑھے سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اور اسی پر پاچ اور اندھے کو قیاس کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں بھی کم نہیں سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر بوڑھے کے پاس مال ہو تو اس سے جزیہ لیا جائے گا، اس لئے کہ اگر اس کی رائے ہو تو اس کو قتل بھی کیا جاتا ہے [اس لئے جزیہ بھی لیا جائے گا]

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بوڑھے کے پاس مال ہو تو اس سے جزیہ لیا جائے گا، اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں اگر بوڑھا جنگ میں رائے دیتا ہو تو ایسے بوڑھے کو قتل کیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ نکلا کہ کسی نہ کسی درجے میں بوڑھے کو قتل کیا جاتا ہے اس لئے اس سے جزیہ بھی لیا جائے گا

ترجمہ: (۲۸۸۰) اور نہ ایسے فقیر پر جو کام نہ کرتا ہو۔

وجہ: قال ابصر عمرٌُ شيخا كبيرا من اهل الذمة يسأل فقال له مالک؟ قال ليس لي مال وان الجزية

تشریح: واضح ہے۔

(۲۸۸۱) وَلَا تُوضَعُ عَلَى الْمَمْلُوكِ وَالْمُكَاتَبِ وَالْمُدَبِّرِ وَأُمُّ الْوَلَدِ ۚ لِأَنَّهُ بَدَلٌ عَنِ الْقَتْلِ فِي حَقِّهِمْ وَعَنِ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا، وَعَلَى اعْتِبَارِ الثَّانِي لَا تَجِبُ فَلَا تَجِبُ بِالشَّكِّ (۲۸۸۲) وَلَا يُؤَدَّى عَنْهُمْ مَوَالِيهِمْ ۚ لِأَنَّهُمْ تَحَمَّلُوا الزِّيَادَةَ بِسَبَبِهِمْ (۲۸۸۳) وَلَا تُوضَعُ عَلَى الرَّهْبَانِ الَّذِينَ لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ ۚ كَذَا ذَكَرَ هَاهُنَا.

ترجمہ: (۲۸۸۱) مملوک پر مکاتب پر، مدبر پر اور ام ولد پر جزیہ نہیں ہے۔

تشریح: یہ لوگ مملوک ہیں ان لوگوں کے پاس اپنا پیسہ نہیں ہوتا اس لئے ان لوگوں پر جزیہ بھی واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں قتل کا بدلہ ہے اور ہمارے حق میں وہ لوگ مدد کریں اس کا بدلہ ہے اور دوسرے اعتبار سے واجب نہیں ہوتا ہے اس لئے شک کی بنیاد پر جزیہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: دو وجہ سے جزیہ واجب ہوتا ہے، [۱] قتل نہیں کیا اس کے بدلے میں جزیہ ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ہم کفار کے غلاموں کو قتل کرتے ہیں اب ان کو چھوڑ دیا اس لئے اس پر جزیہ ہونا چاہئے [۲] دوسری وجہ ہے کہ ہم جزیہ سے مجاہدین کی مدد کرتے ہیں، لیکن ان مملوک کے پاس تو مال ہی نہیں ہے اس لئے یہ جزیہ کیا ادا کریں گے، اس اعتبار سے ان پر جزیہ واجب نہیں ہونا چاہئے اس لئے ان پر جزیہ واجب نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۸۲) اور ان غلاموں کی جانب سے ان کے مالک بھی ادا نہیں کریں گے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ ان مالکوں پر زیادہ بوجھ ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۸۳) اور نہ ایسے راہب پر جو لوگوں سے نہ ملتا ہو۔

ترجمہ: ۱: امام محمدؒ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے

وجہ: (۱): جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو وہ بھی کما نہیں سکتا ہے اس لئے اس سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا (۲) قول تابعی میں اسکا ثبوت ہے۔ عن خالد بن وليد انه صالح اهل الحيرة على تسعين ومائة الف درهم تقبل كل سنة جزاء عن ايديهم في الدنيا رهبانهم وقسيسهم الا من كان غير ذي يد حببسا عن الدنيا تاركا لها وسائحا تاركا للدنيا (مختصر رواه الطبري في تاريخه، ج رابع، ص ۱۴۱ اعلاء السنن، باب لا توضع الدنيا على الرهبان لا يخالطون الناس، ج ثانی عشر، ص ۵۱۳، نمبر ۹۷۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو اس پر جزیہ نہیں ہے۔

لغت: زمن : اپانچ، الرهبان : راہب کی جمع ہے، يخالطون : خلط سے ہے ملنا جلنا۔

۲ وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُوضَعُ عَلَيْهِمْ إِنْ كَانُوا يَقْدِرُونَ عَلَى الْعَمَلِ، وَهُوَ وَقَوْلُ أَبِي يُوسُفَ. وَجَهُ الْوَضْعِ عَلَيْهِمْ أَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى الْعَمَلِ هُوَ الَّذِي ضَيَعَهَا فَصَارَ كَتَعْطِيلِ الْأَرْضِ الْخَرَجِيَّةِ. ۳ وَوَجَهُ الْوَضْعِ عَنْهُمْ أَنَّهُ لَا قَتْلَ عَلَيْهِمْ إِذَا كَانُوا لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ، وَالْجَزِيَّةُ فِي حَقِّهِمْ لِإِسْقَاطِ الْقَتْلِ، ۴ وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمُعْتَمِلُ صَحِيحًا وَيَكْتَفِي بِصِحَّتِهِ فِي أَكْثَرِ السَّنَةِ. (۲۸۸۴) وَمَنْ أَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جَزِيَّةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ ۱ وَكَذَلِكَ إِذَا مَاتَ كَافِرًا.

ترجمہ: ۲: امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر راہب کام کر سکتا ہو تو اس پر جزیہ متعین کیا جائے گا، اور امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے، اور اس پر جزیہ متعین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کام کرنے پر قدرت تھی لیکن اس نے خود اس کو ضائع کر دیا، تو جیسے خراجی زمین کو ضائع کر دے تو اس پر خراج لازم ہوتا ہے ویسے ہی یہاں ہوگا۔
تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳: اور جزیہ نہ متعین کرنے کی وجہ یہ ہے کہ راہب کو قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ لوگوں سے ملتا نہیں ہے، اس لئے اس پر قتل نہیں ہے تو جزیہ بھی نہیں ہے۔
تشریح: راہب پر جزیہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، جب قتل نہیں ہے تو اس کے بدلے میں جزیہ بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴: اور کام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سال کے اکثر حصے میں تندرست ہو۔
تشریح: یہاں مصنف فقیر غیر معتمل: کا مطلب بیان کر رہے ہیں کہ سال کے اکثر حصے میں کام کرنے کی صلاحیت ہو تو اس پر جزیہ لازم ہوگا، اور اگر اکثر حصے میں بیمار ہو تو اس پر جزیہ لازم نہیں ہوگا۔
ترجمہ: (۲۸۸۴) کوئی ایسا آدمی اسلام لائے کہ اس پر جزیہ ہو تو وہ ساقط ہو جائے گا۔
ترجمہ: ۱: ایسے ہی کافر مر جائے تو اس سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

تشریح: پہلے ذمی تھا جس کی وجہ سے اس کے سر پر جزیہ تھا اب وہ مسلمان ہو گیا تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ البتہ اگر اس کی زمین پر خراج تھا تو وہ باقی رہے گا۔ اسی طرح مثلاً ایک سال سے کافر نے جزیہ نہیں دیا تھا اب وہ مر گیا تو اب اس کی وراثت سے جزیہ نہیں لیا جائے گا وہ معاف ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) یہ کفر کی وجہ سے اس کی ذلت کی چیز ہے اور مسلمان ہونے کے بعد اس ذلت کا اہل نہیں رہا اس لئے ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ليس على مسلم جزية سئل

۲. خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِيهِمَا. لَهُ أَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ الْعِصْمَةِ أَوْ عَنِ السُّكْنَى وَقَدْ وَصَلَ إِلَيْهِ الْمُعَوَّضُ فَلَا يَسْقُطُ عَنْهُ الْعَوَّضُ بِهَذَا الْعَارِضِ كَمَا فِي الْأُجْرَةِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ. ۳. وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَيْسَ عَلَى مُسْلِمٍ جَزِيَّةٌ" ۴. وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ عُقُوبَةً عَلَى الْكُفْرِ وَلِهَذَا تُسَمَّى جَزِيَّةً وَهِيَ وَالْجَزَاءُ وَاحِدٌ، وَعُقُوبَةُ الْكُفْرِ تَسْقُطُ بِالْإِسْلَامِ وَلَا تَقَامُ بَعْدَ الْمَوْتِ،

سفیان عن تفسیر هذا فقال اذا اسلم فلا جزية عليه (ابوداؤد شریف، باب فی الذمی الذی یسلم فی بعض السنة هل علیہ جزية، ص ۷۷، نمبر ۳۰۵۳/ترمذی شریف، باب ما جاء لیس علی المسلمین جزية، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی مسلمان ہو جائے تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۲. دونوں کے بارے میں امام شافعی کا اختلاف ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ خون کی حفاظت کے بدلے میں جزیہ واجب ہوا ہے، یا دارالاسلام میں رہنے کے بدلے میں واجب ہوا ہے، اور ان کو عوض پہنچ چکا ہے اس لئے اس عارض [مسلمان ہونے اور موت ہونے سے] بدل ساقط نہیں ہوگا، جیسے اجرت ساقط نہیں ہوتی ہے یا دم عمد کے بارے میں صلح کی تو ساقط نہیں ہوتا ہے۔

تشریح: امام شافعی کی رائے ہے کہ کافر مسلمان ہونے سے، یا مرجانے سے جزیہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ خون کی حفاظت کی اس لئے جزیہ واجب ہوتا ہے، یا دارالاسلام میں رہا ہے اس لئے جزیہ واجب ہوتا ہے، اور اس کے خون کی حفاظت ہوئی، یا دارالاسلام میں رہا اس لئے اس کا بدلہ جزیہ ساقط نہیں ہوگا (۲) اس ی دو مثالیں دیتے ہیں ایک یہ کہ اجرت پر کسی چیز کو لیا تو مرنے سے یا مسلمان ہونے سے اجرت ساقط نہیں ہوتی اسی طرح جزیہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔ یا جان کر خون کیا اور اس کے بدلے میں مال پر صلح کر لیا، تو مرنے سے یا مسلمان ہونے سے یہ مال ساقط نہیں ہوتا اسی طرح جزیہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳. ہماری دلیل حضور کا قول ہے کہ مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔

تشریح: یہ حدیث ابھی اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۴. اور اس لئے کہ جزیہ کفر پر سزا کے لئے واجب ہوا ہے اسی لئے اس کا نام جزیہ ہے، یعنی کفر کا بدلہ، اور کفر کا بدلہ اسلام لانے سے ساقط ہو جاتا ہے، اور موت کے بعد باقی نہیں رہتا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، کہ جزیہ یہ کفر کی سزا ہے، اسی لئے اس کو جزیہ یعنی بدلہ قرار دیا، اور جب مسلمان ہو گیا تو یہ بدلہ ختم ہو جائے گا کیونکہ اب کفر ہی نہیں رہا تو اس کا بدلہ کیسا، اور موت ہو گئی تو یہ بدلہ اب جاری نہیں رہے گا، اس لئے اسلام لانے اور مرجانے سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

۵. وَلَئِنْ شَرَعَ الْعُقُوبَةُ فِي الدُّنْيَا لَا يَكُونُ إِلَّا لِدَفْعِ الشَّرِّ وَقَدْ اُنْذِفَعَ بِالْمَوْتِ وَالْإِسْلَامِ؛ ۶. وَلَئِنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنِ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا وَقَدْ قَدَّرَ عَلَيْهَا بِنَفْسِهِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ. ۷. وَالْعِصْمَةُ تَثْبُتُ بِكُونِهِ آدَمِيًّا وَالذَّمُّ يَسْكُنُ مِلْكَ نَفْسِهِ فَلَا مَعْنَى لِإِيْجَابِ بَدَلِ الْعِصْمَةِ وَالشُّكْنِ.

(۲۸۸۵) وَإِنْ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ تَدَاخَلَتْ.

ترجمہ: ۵. اور اس لئے کہ جزیہ دنیا میں سزا کے لئے مشروع ہوا ہے، اور اس کی شرارت کو دفع کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے، اور وہ مر گیا، یا مسلمان ہو گیا تو اس کی شرارت ختم ہو گئی اس لئے اب جزیہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔ کہ کفار پر جزیہ اس لئے مشروع کیا کہ وہ شرارت نہ کر سکے، اور جب مسلمان ہو گیا تو اس کی شرارت ختم ہوگی، اسی طرح جب وہ مر گیا تو اس کی شرارت ختم ہو گئی اس لئے اب جزیہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۶. اور اس لئے کہ ہمارے حق میں مدد کے بدلے میں جزیہ واجب ہوا ہے اور اسلام کے بعد وہ خود مدد پر قادر ہو گیا ہے [اس لئے جزیہ ساقط ہو جائے گا]

تشریح: یہ تیسری دلیل ہے کہ جب تک وہ کافر رہا اس بات کا محتاج رہا کہ ہم اس کی مدد کریں اور اس کے بدلے میں جزیہ لیں، لیکن جب وہ مسلمان ہو گیا تو اپنی حفاظت پر قادر ہو گیا، اس لئے اس سے جزیہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۷. اور کافر آدمی ہے اس لئے حفاظت ثابت ہے، اور ذمی اپنی ملکیت میں رہتا ہے، اس لئے عصمت اور رہنے کے بدلے کے واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

تشریح: یہ امام شافعی کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ جزیہ حفاظت اور رہنے کا بدلہ ہے اس لئے مسلمان ہونے کے بعد وہ ساقط نہیں ہوگا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ آدمی ہونے کی وجہ سے وہ خود ہی محفوظ ہے، اور اپنی ملکیت کی زمین میں رہا ہے اس لئے سکونت کے بدلے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے جزیہ عصمت اور سکونت کا بدلہ ہے ہی نہیں۔

ترجمہ: (۲۸۸۵) اگر اس پر دو سال کا جزیہ چڑھ جائے تو ان میں تداخل ہو جائے گا۔

تشریح: اگر دو سال تک جزیہ نہیں دے سکا تو اب ایک سال کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اور ایک سال ہی کا جزیہ لازم ہوگا۔

وجہ: (۱) قول تابعی میں ہے۔ عن طاؤس انه قال اذا تداركت الصدقات فلا تؤخذ الاولى كالجزية (مصنف

ابن ابی شیبہ، ۳۲ من قال لا تؤخذ الصدقة في السنة الامرة واحدة، ج ثانی، ص ۴۳۱، نمبر ۳۳۳۷۰ (۲) ایک اور قول تابعی میں ہے۔ عن الزهري قال لم يبلغنا من احدمن ولاية هذه الامة الذين كانوا بالمدينة ابوبكر وعمر وعثمان انهم

كانوا لا يشنون العشور لكن يعثون عليها كل عام في الخصب والجذب لان اخذها سنة من رسول الله ﷺ

۱۔ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَمَنْ لَمْ يُؤْخِذْ مِنْهُ خَرَجَ رَأْسِهِ حَتَّى مَضَتْ السَّنَةُ وَجَاءَتْ سَنَةٌ أُخْرَى لَمْ يُؤْخِذْ. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: يُؤْخِذُ مِنْهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ.

(۲۸۸۶) وَإِنْ مَاتَ عِنْدَ تَمَامِ السَّنَةِ لَمْ يُؤْخِذْ مِنْهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا، وَكَذَلِكَ إِنْ مَاتَ فِي بَعْضِ السَّنَةِ ۱۔ اَمَامِ سَأَلَةُ الْمَوْتِ فَقَدْ ذَكَرْنَا هَا.

(مصنف ابن ابی شیبہ، من قال لا توخذ الصدقة فی السنة الامرة واحدة، ج ثانی، ص ۴۳۱، نمبر ۳۲۷۱) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ایک سال میں دو مرتبہ عشر نہیں لیتے تھے۔ اور دو سال کا ایک سال میں لیں گے تو دو مرتبہ جزیہ لینا ہوگا۔ اس لئے ایک جزیہ ساقط ہوگا اور ایک جزیہ لازم ہوگا (۳) اس میں ذمی کیلئے سہولت ہے جس میں اسلام میں بڑا خیال رکھا گیا ہے۔

ترجمہ: جامع صغیر میں ہے، کسی سے جزیہ نہیں لیا گیا یہاں تک کہ سال گزر گیا اور دوسرا سال آ گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے پچھلے سال کا جزیہ نہیں لیا جائے گا، اور صاحبینؒ نے فرمایا اس سے پچھلے سال کا جزیہ بھی لیا جائے گا، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

تشریح: جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ وَمَنْ لَمْ يُؤْخِذْ مِنْهُ خَرَجَ رَأْسِهِ حَتَّى مَضَتْ السَّنَةُ لَمْ يُؤْخِذْ مِنْهُ۔ (۴۷۰) اس عبارت میں ہے کہ سال گزر جائے تو اباحنفیہؒ کے نزدیک پچھلے سال کا جزیہ ساقط ہو جائے گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ساقط نہیں ہوگا

وجہ: امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دو سال کا جمع ہوا ہے اس لئے دو سال کا جزیہ لیا جائے گا۔ ورنہ حکومت کو نقصان ہوگا اور ذمی ساقط کرنے کے لئے خواہ مخواہ ٹال مٹول کرے گا۔

ترجمہ: (۲۸۸۶) اگر سال کے پورا ہونے پر ذمی مر گیا تو سب کے نزدیک جزیہ نہیں لیا جائے گا، اسی طرح اگر سال کے درمیان میں مر گیا تب بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

اصول: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جزیہ کفر کی سزا ہے اور مر جائے تو سزا ساقط ہو جاتی ہے اس لئے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔

اصول: صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ جزیہ نصرت کا بدلہ ہے اس لئے مر گیا تب بھی مدد کرنے بدلہ لیا جائے گا۔

تشریح: سال پورا ہوا اور ذمی کا انتقال ہو گیا تو یہ جزیہ ساقط ہو جائے گا، اسی طرح سال کے درمیان میں ذمی مر گیا تو اس کا جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ مرنے سے سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جزیہ کفر کی سزا ہے اس لئے یہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: بہر حال موت کے مسئلے کے بارے میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مرنے سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

۲. وَقِيلَ خَرَجُ الْأَرْضِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ. وَقِيلَ لَا تَدْخُلُ فِيهِ بِالْإِتِّفَاقِ. ۳. لَهُمَا فِي الْخِلَافِيَّةِ أَنَّ الْخَرَاجَ وَجِبَ عَوْضًا، وَاللُّغَوَاضُ إِذَا اجْتَمَعَتْ وَأُمُكِّنَ اسْتِيفَاؤُهَا تَسْتَوْفَى، وَقَدْ أُمُكِّنَ فِيمَا نَحْنُ فِيهِ بَعْدَ تَوَالِي السِّنِينَ، ۴. بِخِلَافِ مَا إِذَا أَسْلَمَ؛ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ اسْتِيفَاؤُهُ. ۵. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا وَجِبَتْ عُقُوبَةٌ عَلَى الْإِصْرَارِ عَلَى الْكُفْرِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَلِهَذَا لَا يُقْبَلُ مِنْهُ لَوْ بَعَثَ عَلَى يَدِ نَائِبِهِ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَاتِ، بَلْ يُكَلِّفُ أَنْ يَأْتِيَ بِهِ بِنَفْسِهِ فَيُعْطَى قَائِمًا، وَالْقَابِضُ مِنْهُ قَاعِدٌ. وَفِي رِوَايَةٍ: يَأْخُذُ بِتَلْبِيهِ وَيَهْزُهُ هَزًّا وَيَقُولُ: أَعْطِ الْجَزِيَّةَ يَا ذِمِّي فَتَبَّتْ أَنَّهُ عُقُوبَةٌ، وَالْعُقُوبَاتُ إِذَا اجْتَمَعَتْ تَدَاخَلَتْ كَالْحُدُودِ.

ترجمہ: ۲. کہا گیا ہے کہ خراج بھی اسی اختلاف پر ہے، اور کہا گیا ہے کہ خراج میں بالاتفاق داخل نہیں ہوگا۔

تشریح: خراج کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ اس میں اختلاف ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ درمیان سال میں مرنے سے خراج ساقط ہو جائے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بالاتفاق ساقط نہیں ہے، کیونکہ یہ زمین کا بدلہ ہے جو ابھی موجود ہے۔

ترجمہ: ۳. اختلافی صورت میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ مدد کرنے کے بدلے میں لیا جاتا ہے اور بدلہ جب جمع ہو جائے اور اس کا وصول کرنا بھی ممکن ہو تو وصول کیا جائے گا اور ہم جس مسئلے کے بارے میں بات کر رہے ہیں اس میں کئی سال گزر جانے کے بعد بھی وصول کرنا ممکن ہے اس لئے وصول کیا جائے گا۔

تشریح: جزیہ کے بارے میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہاں جزیہ ذمی کو زندہ رکھنے کے بدلے میں ہے، اور کئی سالوں کا خراج وصول کرنا ممکن ہے اس لئے وصول کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴. بخلاف جبکہ مسلمان ہو جائے۔ کہ اب وصول کرنا ممکن نہیں رہا۔

تشریح: اگر ذمی مسلمان ہو جائے تو چونکہ جزیہ ذلت کی چیز ہے اسلئے اب اس کا وصول کرنا ناممکن ہے اسلئے وہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۵. امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ کفر پر اصرار کے بدلے میں واجب ہوا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اسی لئے اگر نائب کے ہاتھ سے بھیجا تو قبول نہیں کیا جائے گا صحیح روایت یہی ہے بلکہ ذمی کو اس بات کا مکلف بنایا جائے گا کہ جزیہ دینے کے لئے خود آئے اوکھڑے ہو کر دیں، اور لینے والا بیٹھا ہو، اور ایک روایت میں ہے کہ سینے کے پاس اس کا کپڑا پکڑ کر ہلائے گا اور کہے گا کہ اے ذمی جزیہ دو! اور بعض نے کہا کہ یوں کہے گا کہ اے اللہ کے دشمن! جزیہ دو، اس سے ثابت ہوا کہ جزیہ سزا ہے اور سزا جب جمع ہو جائے تو حدود کی طرح اس میں داخل ہو جائے گا [یعنی ایک ہی جزیہ لازم ہوگا]

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جزیہ سزا ہے، جیسے حدود سزا ہے، اور عقوبات کا قاعدہ یہ ہے کہ کئی جمع ہو جائیں تو ایک ہی

۶ وَلِأَنَّهَا وَجَبَتْ بَدَلًا عَنْ الْقَتْلِ فِي حَقِّهِمْ وَعَنْ النُّصْرَةِ فِي حَقِّنَا كَمَا ذَكَرْنَا، لَكِنْ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَا فِي الْمَاضِي؛ لِأَنَّ الْقَتْلَ إِنَّمَا يُسْتَوْفَى لِحَرَابٍ قَائِمٍ فِي الْحَالِ لَا لِحَرَابٍ مَاضٍ، وَكَذَا النُّصْرَةُ فِي الْمُسْتَقْبَلِ؛ لِأَنَّ الْمَاضِيَ وَقَعَتِ الْغَنِيَّةُ عَنْهُ. ۷ ثُمَّ قَوْلُ مُحَمَّدٍ فِي الْجَزِيَّةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَجَاءَتْ سَنَةً أُخْرَى، حَمَلَهُ بَعْضُ الْمَشَايِخِ عَلَى الْمَضِيِّ مَجَازًا. وَقَالَ: الْوُجُوبُ بِآخِرِ السَّنَةِ، فَلَا بَدَلَ مِنَ الْمَضِيِّ لِتَحَقُّقِ الْاجْتِمَاعِ فَتَدَاخَلَ. وَعِنْدَ الْبَعْضِ هُوَ مُجَرَّى عَلَى حَقِيقَتِهِ، وَالْوُجُوبُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بِأَوَّلِ الْحَوْلِ فَيَتَحَقَّقُ الْاجْتِمَاعُ بِمُجَرَّدِ الْمَجِيءِ. ۸ وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْوُجُوبَ عِنْدَنَا فِي ابْتِدَاءِ الْحَوْلِ، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ فِي آخِرِهِ اعْتِبَارًا بِالزَّكَاتِ. وَلَنَا أَنَّ مَا وَجَبَ بَدَلًا عَنْهُ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا فِي الْمُسْتَقْبَلِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فَتَعَدَّرَ إِيجَابُهُ بَعْدَ مُضِيِّ الْحَوْلِ فَأَوْجَبْنَاهُ فِي أَوَّلِهِ.

لازم ہوتی ہے اس لئے کئی جزئیہ جمع ہو جائیں تو تداخل ہو کر ایک ہی جزئیہ لازم ہوگا، سزا ہونے کی مثال بتائی کہ جزئیہ لیتے وقت خود آدمی کو بلائے اور اس کے سینے کے پاس کپڑا پکڑ کر ہلائے اور کہے کہ اے ذمی جزئیہ دویہ سزا ہونے کی دلیل ہے۔

لغت: ہیزہ: ہزہ سے مشتق ہے، ہلانا، یہاں مراد ہے کپڑا پکڑ کر ہلانا۔ تلبیب: لب سے مشتق ہے، گریبان۔

ترجمہ: ۶ اور اس لئے کہ کفار کے حق میں قتل کے بدلے میں جزئیہ واجب ہے، اور ہمارے حق میں مدد کے بدلے میں جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، لیکن مستقبل میں قتل نہ کرے اس پر جزئیہ ہے، ماضی میں قتل نہیں کیا اس پر جزئیہ نہیں ہے اس لئے کہ جو جنگ قائم ہے اس میں قتل کیا جاتا ہے جو جنگ گزر گئی اس میں قتل نہیں کیا جاتا اس لئے کہ ماضی کی بات تو ختم ہو گئی۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ نصرت کے بدلے اور قتل نہ کرنے کے بدلے میں ہم جزئیہ لیتے ہیں تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ آئندہ قتل نہ کرے اسکے بدلے جزئیہ ہے جو زمانہ گزر گیا اسکے بدلے جزئیہ نہیں ہے وہ بات تو ختم ہو گئی اس لئے گزرے ہوئے وقت کا جزئیہ ساقط ہو جائے گا۔ حراب: جنگ۔ غنیۃ عنہ: اس کے بارے میں تو بات بن چکی ہے۔

ترجمہ: ۷ پھر جزئیہ کے بارے میں جامع صغیر میں یہ جو جملہ ہے، وجائت سنۃ اخری، بعض مشائخ نے اس کا ترجمہ کیا کہ دوسرا سال بھی گزر چکا ہو اور یہ بھی کہا کہ سال گزر جانے کے بعد جزئیہ واجب ہوتا ہے، اس لئے دوسرے سال کا گزر جانا بھی ضروری ہے تاکہ دو سال جمع ہو جائیں تاکہ دوسرا سال پہلے میں داخل ہو جائیں۔ اور بعض کے نزدیک وجائت سنۃ اخری، کا جملہ حقیقت پر ہے، یعنی دوسرا سال شروع ہو گیا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سال کے شروع ہونے پر جزئیہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے سال کے آجانے یعنی شروع ہونے پر دونوں سالوں کا اجتماع ہو جائے گا۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے نزدیک سال کے شروع میں جزیہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے سال کے آخر میں جزیہ واجب ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں واجب ہوا ہے اس لئے وہ آئندہ کے بدلے میں واجب ہوگا جیسا کہ ہم نے پہلے ثابت کیا اس لئے سال گزرنے پر واجب کرنا مشکل ہے اس لئے سال کے شروع میں واجب کیا۔

تشریح: متن نمبر ۲۸۸۵، کی شرح میں تھا، و جائت سنة اخوی۔ یہ جملہ جامع صغیر میں نہیں ہے، یہ عبارت صاحب ہدایہ نے لگائی ہے۔

اس عبارت کا دو مطلب ہیں [۱] ایک یہ کہ دوسرا سال بھی گزر گیا ہو تب دو سالوں کا جزیہ جمع ہوگا اور تداخل ہو کر ایک سال کا جزیہ لازم ہوگا، امام شافعیؒ کے یہاں یہی مطلب ہے، کیونکہ انکے یہاں سال گرجانے پر جزیہ واجب ہوتا ہے۔ [۲] اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ دوسرا سال ابھی شروع ہوا ہو تو دو سال کا جزیہ جمع ہو گیا، اس صورت میں جزیہ سال کے شروع میں واجب ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے کہ سال کے شروع ہوتے ہی جزیہ واجب ہو جاتا

وجہ: اس کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ قتل کے بدلے میں ہے، یعنی سال کے شروع میں قتل نہیں کیا اس کے بدلے میں جزیہ واجب ہے اور یہ بات سال کے شروع ہوتے ہی ہو سکتی ہے۔

﴿فَصَلِّ فِيمَا يُنْبَغِي الذِّمَّةُ﴾

(۲۸۸۷) وَلَا يُجُوزُ إِحْدَاثُ بَيْعَةٍ وَلَا كَنِيسَةٍ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ . ۱۔ لَقَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ”لَا خِصَاءَ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا كَنِيسَةٍ“ وَالْمُرَادُ إِحْدَاثُهَا (۲۸۸۸) وَإِنْ أَنْهَدِمَتْ الْبَيْعُ وَالْكَنَائِسُ الْقَدِيمَةُ أَعَادُوهَا.

﴿فصل فی بیان ما یجوز لہم ان یفعلوا﴾

ترجمہ: (۲۸۸۷) دارالاسلام میں یہودی اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ بنانا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اسلام میں انسان کا خفی کرنا نہیں ہے اور نہ کنیسہ بنانا ہے، اور یہاں حدیث میں کنیسہ بنانا مراد ہے۔

تشریح: دارالاسلام کے شہروں میں یہودی کا اور نصرانی کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

وجہ: (۱) اس سے اس کی شوکت بڑھے گی اور دوسرے دین کی اشاعت ہوگی۔ اس لئے ان کا نیا عبادت خانہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان رسول الله قال لا اخصاء فی الاسلام ولا بنیان کنیسہ۔ (سنن بیہقی، باب کراہیۃ خضاء البہائم، ج ۱، ص ۴۱، نمبر ۱۹۷۳) اس حدیث میں ہے کہ کنیسہ کو نہ بنائے۔ (۳) حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا تصلح قبلتان فی ارض واحدۃ ولس علی المسلمین جزیۃ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء لیس علی المسلمین جزیۃ، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمیوں کو بہت زیادہ اس کے دین کی اشاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔ اور نیا کنیسہ یا بیعہ بنانا دین کی اشاعت ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں ہوگی (۵) قول صحابی میں ہے۔ عن ابن عباس قال کل مصر مصرہ المسلمون لا ینبئ فیہ بیعۃ ولا کنیسۃ ولا یضرب فیہ بناقوس ولا یباع فیہ لحم خنزیر (سنن للبیہقی، باب یشرط علیہم ان لا یحد ثوانی امصار المسلمین کنیسۃ ولا یجمعوا لصلواتہم ولا صوت ناقوس ولا حمل خنزیر ولا ادخال خنزیر، ج ۱، ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۴ / مصنف ابن ابی شیبہ، ۷۰۷ ماقالوا فی ہدم البیوع والکنائز و بیوت النار، ج ۱، ص ۴۷۱، نمبر ۳۲۹۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس شہر کو مسلمانوں نے بسایا ہے اس میں ذمیوں کا نیا عبادت خانہ نہ بنانے دیا جائے۔

لغت: بیعۃ: یہودی کا عبادت خانہ، کنائس: کنیسۃ کی جمع ہے نصرانی کا عبادت خانہ۔

ترجمہ: (۲۸۸۸) اگر پھر منہدم ہو جائیں پرانی گرجائیں تو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔

۱۔ لَأَنَّ الْأَبْنِيَّةَ لَا تَبْقَى دَائِمًا، وَلَمَّا أَقْرَهُمُ الْإِمَامُ فَقَدَّعَهُدِإِلَيْهِمُ الْإِعَادَةَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَا يُمَكِّنُونَ مِنْ نَقْلِهَا، لِأَنَّهُ إِحْدَاثٌ فِي الْحَقِيقَةِ، ۲ وَالصَّوْمَعَةُ لِلتَّخْلِ فِيهَا بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعَةِ، بِخِلَافِ مَوْضِعِ الصَّلَاةِ فِي الْبَيْتِ، لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلشُّكْنَى، ۳ وَهَذَا فِي الْأَمْصَارِ دُونَ الْقُرَى، لِأَنَّ الْأَمْصَارَ هِيَ الَّتِي تُقَامُ فِيهَا الشَّعَائِرُ فَلَا تُعَارَضُ بِإِظْهَارِ مَا يَخَالِفُهَا.

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ عمارت ہمیشہ باقی نہیں رہتی اور جب امام نے اس کو اسلامی ملک میں رکھا ہے تو اس سے عہد کیا کہ عمارت دوبارہ بنانے کی اجازت دیں گے، لیکن اس کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، اس لئے کہ یہ حقیقت میں نئی عبادت گاہ بنانا ہے۔

تشریح: یہودی یا نصرانی کی پرانی عبادت خانہ گر گئی تو اس کو دوبارہ بنائی جاسکتی ہے۔ البتہ اسی عبادت گاہ کو دوسری جگہ بنانا چاہے تو اس کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ گویا کہ نئی عبادت گاہ بنانا ہے جس کی اجازت نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) جو پہلے سے ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ اس لئے اس کو دوبارہ بنائی جاسکتی ہے (۲) حدیث میں ہے اہل نجران سے صلح میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ گر جائیں نہیں گرائیں گے۔ ان کے راہبوں کو نہیں نکالیں گے۔ اور ان کے دین کے بارے میں فتنے میں نہیں ڈالیں گے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابن عباسؓ قال صالح رسول الله ﷺ اهل نجران على الفئ حلة ... على ان لا تهدم لهم بيعة ولا يخرج لهم قس ولا يفتنوا عن دينهم ما لم يحدثوا حدثا او ياكلوا الربا (ابوداؤد شریف، باب فی اخذ الجزية، ص ۷۴، نمبر ۳۰۴۱ سنن للبیہقی، باب لا تهدم لهم كنيسة ولا بيعة، ج ۳، ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پرانی عبادت گاہیں بنا سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲۔ اور صومعہ جو تنہائی میں عبادت کرنے کی جگہ ہوتی ہے وہ بیعہ کی طرح ہے [یعنی اس کو بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، بخلاف گھر میں عبادت کرنے کی جگہ وہ گھر کے تابع ہے۔

تشریح: عیسائیوں کے یہاں صومعہ ہوتی ہے، جس میں تنہائی میں عبادت کرتے ہیں، اس کا حکم کنیسہ کی طرح ہے، یعنی شہر میں اس کو نئی بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ کوئی عیسائی اپنے گھر میں عبادت کرنے کی جگہ بنائے تو اس کی اجازت ہوگی، کیونکہ وہ گھر کے تابع ہے، اور گھر بنانے کی اجازت ہے تو شہر میں گھر کے اندر عبادت کی جگہ بنانے کی بھی اجازت ہوگی۔

وجہ: گھر کے اندر عبادت کی جگہ ہے تو اس کا اظہار مسلمانوں کے سامنے نہیں ہوگا، اور نہ وہ عیسائیت پھیلانے کا ذریعہ بنے گا اس لئے اس کی اجازت ہوگی، تاکہ عیسائی اپنی عبادت گھر کے اندر کر سکے۔

ترجمہ: ۳۔ یہ بات کہ نئی بیعہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، یہ شہر میں ہے دیہات میں نہیں ہے اس لئے کہ شہر میں اسلامی

۴ وَقِيلَ فِي دِيَارِنَا يُمْنَعُونَ مِنْ ذَلِكَ فِي الْقُرَى أَيْضًا؛ لِأَنَّ فِيهَا بَعْضَ الشَّعَائِرِ. ۵ وَالْمَرْوِيُّ عَنْ صَاحِبِ الْمَذْهَبِ فِي قُرَى الْكُوفَةِ لِأَنَّ أَكْثَرَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ. ۶ وَفِي أَرْضِ الْعَرَبِ يُمْنَعُونَ مِنْ ذَلِكَ فِي أَمْصَارِهَا وَقُرَاهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا يَجْتَمِعُ دِينَانٌ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ".

شعائر ہوتے ہیں، اس لئے شہر کے مخالف دیہات میں نئی کنیسہ بنانے میں کوئی معارض نہیں ہے۔

وجہ: شہر میں اسلامی شعائر زیادہ واضح ہوتے ہیں، اور یہ اسلامی دعوت کا ذریعہ ہوتے ہیں اس لئے شہر میں نئی کنیسہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

نوٹ: اس وقت پوری دنیا میں یہود اور نصاری کا غلبہ ہے، اور اسلامی حکومت برائے نام ہے اس لئے اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔

ترجمہ: ۴: شمس الائمہ سرحدی نے فرمایا کہ ہمارے دیہات میں نئی کنیسہ بنانے سے روکا جائے گا اس لئے دیہات میں کچھ شعائر موجود ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۵: اور صاحب مذہب یعنی امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ کوفہ کی دیہات میں نئی کنیسہ بنانا جائز ہے اس لئے کہ وہاں اکثر لوگ ذمی ہیں۔

ترجمہ: ۶: اور عرب کی زمین میں اس کی دیہات اور شہر میں نئی کنیسہ بنانے سے روکا جائے گا اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔

وجہ: (۱) عرب کی سرزمین کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ وہاں سے یہود اور نصاری کو نکال دو اس لئے وہاں کے شہر اور

دیہات میں کنیسہ بنانا جائز نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ اخبر عمر بن الخطابؓ انه سمع رسول الله ﷺ يقول لا يخرجن اليهود والنصارى من جزيرة العرب فلا اترك فيها الامسلا۔ (ابوداؤد شریف، باب فی اخراج اليهود من جزيرة العرب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۰۳۰) اس حدیث میں ہے کہ یہود اور نصاری کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔

(۳) سمع عمر بن عبد العزيز يقول آخر ما تكلم به رسول الله ﷺ قال قاتل الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مسجدا، لا يبقى او لا يجتمع بارض العرب دينان۔ (مصنف عبد الرزاق، باب اجلاء

اليهود من المدينة، ج ۶، ص ۴۴، نمبر ۲۷۸۲) اس حدیث میں ہے کہ عرب میں دو دین نہیں ہو اس لئے نہ یہود اور نصاری کو رکھا جائے گا اور نہ اس کی عبادت گاہ بنانے کی اجازت ہوگی۔ (۴) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا تكون

(۲۸۸۹) قَالَ: وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِالتَّمْيِيزِ عَنِ الْمُسْلِمِينَ فِي زِيَّهِمْ وَمَرَائِكِهِمْ وَسُرُوجِهِمْ وَقَلَانِسِهِمْ فَلَا يَرْكَبُونَ الْخَيْلَ وَلَا يَعْمَلُونَ بِالسَّلَاحِ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِإِظْهَارِ الْكُسْتِيجَاتِ وَالرُّكُوبِ عَلَى السَّرُوجِ الَّتِي هِيَ كَهَيْئَةِ الْأَكْفِ.

قبلیتان فی بلد واحد۔ (ابوداؤد شریف، باب فی اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، ص ۴۴۴، نمبر ۳۲۳۲، ترمذی شریف، باب ماجاء لیس علی المسلمین جزئیۃ، ص ۱۳۸، نمبر ۶۳۳، کتاب الزکوۃ) اس حدیث میں ہے کہ جزیریہ عرب میں دو قبلہ نہ ہوں، یعنی دو قسم کی عبادت گاہیں نہ ہوں، اس لئے عرب میں یہود اور نصاریٰ کی عبادت گاہ نہیں بنانے دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۸۸۹) عہد لیا جائے گا ذمیوں سے ممتاز رہنے کا مسلمانوں سے پوشاک میں سوار یوں میں زمینوں میں اور ٹوپوں میں۔ اور وہ سوار نہ ہوں گے گھوڑوں پر اور نہ ہتھیار اٹھائیں گے۔

تشریح: ذمیوں کو دارالاسلام میں رکھا جائے گا لیکن وہ ہر اعتبار سے مسلمانوں سے متمیز رہے تاکہ کوئی مسلمان ان پر سلام نہ کرے ان کیلئے دعائیں نہ کرے۔ اور ایک اندازے میں ذلت کے ساتھ رہے تاکہ اسکو احساس ہو اور جلدی مسلمان ہو جائے۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا تبدوا الیہود ولا النصارى بالسلام واذا لقیتم احدہم فی طریق فاضطروہ الی اضیقہ (مسلم شریف، باب انھی عن ابتداء اهل الکتاب بالسلام وکیف یرد علیہم، ص ۲۱۳، نمبر ۱۲۱۶، ابوداؤد شریف، باب فی السلام علی اهل الذمۃ، ص ۳۶۰، نمبر ۵۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کو ابتدائی طور پر سلام نہ کرے۔ اور اس کو راستے کے کنارے سے چلنے کے لئے کہے تاکہ اس کی شان و شوکت کا اظہار نہ ہو (۲) قول صحابی میں ہے کہ ذمیوں پر مہر لگائے تاکہ دور سے پتا چل جائے کہ وہ ذمی ہے۔ اثر یہ ہے۔ کتب عمرؓ الی امراء الاجناد ان اختموا رقاب اهل الجزية فی اعناقهم (سنن للبیہقی، باب یشترط علیہم ان یقرّوا بین یدیہم وہیئۃ المسلمین، ج ۳، ص ۳۴۰، نمبر ۱۸۷۱۸) (۳) حضرت عمرؓ نے اہل شام سے صلح کی تو اس میں شرط لگائی کہ لباس، ٹوپی، عمامہ، جوتے میں متمیز رہے۔ باتوں میں بھی متمیز رہے۔ قول صحابی کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن عبد الرحمن بن غنم قال کتبت لعمر بن الخطابؓ حین صالح اهل الشام بسم الله الرحمن الرحيم ... وان نوقر المسلمين وان نقوم لهم من مجالسنا ان ارادوا جلوسا ولا نتشبه بهم فی شیء من لباسهم من قلنسوة ولا عمامة ولا نعلین ولا فرق شعر ولا نتکلم بکلامهم ولا نتکنی بکنہم ولا نرکب السروج ولا نتقلد السیوف ولا نتخذ شیئا من السلاح ولا نحملة معنا ولا ننقش خواتیمنا بالعربیۃ (سنن للبیہقی، باب الامام یکتب کتابا لصلح علی الجزیۃ، ج ۳، ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱۷) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ ذمی ہر اعتبار سے مسلمانوں

۱۔ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُونَ بِذَلِكَ إِظْهَارًا لِلصَّغَارِ عَلَيْهِمْ وَصِيَانَةً لِّصَعْفَةِ الْمُسْلِمِينَ؛ وَلَئِنَّ الْمُسْلِمَ يُكْرَمُ،
وَالذَّمُّ يُهَانُ، ۲۔ وَلَا يُتَدَأُّ بِالسَّلَامِ وَيُضَيِّقُ عَلَيْهِ الطَّرِيقُ، فَلَوْ لَمْ تَكُنْ عَلَامَةً مُمَيَّزَةً فَلَعَلَّهُ يُعَامَلُ
مُعَامَلَةَ الْمُسْلِمِينَ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ.

سے متمیز رہے۔ اور ہتھیار اس لئے نہ اٹھائے کہ کہیں دوبارہ جنگ کرنے کی صلاحیت نہ پیدا کر لے۔ اور مسلمانوں کے لئے مشکلات نہ پیدا کرے۔

نوٹ: انفس کہ عالم عرب پر امریکیوں نے اس طرح قبضہ کر لیا کہ یہ سب مسائل خواب و خیال بن گئے۔

لغت: زبھم: بیت، لباس، مراکب: مرکب کی جمع ہے رقب سے مشتق ہے سوار، سروج: سرج سے مشتق ہے زین، قلانس: قلنسوة سے مشتق ہے ٹوپی۔

ترجمہ: ۱۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ ذمی پر دباؤ ڈالا جائے گا کہ وہ اپنی زنا رظاہر کریں اور ایسی زینوں پر سوار جو جو نچروں اور گدھوں کے پالان کی صورت میں ہو، اور دباؤ محض اس لئے ڈالا جائے گا کہ ان کا حقیر ہونا ظاہر ہو اور مسلمانوں کی کمزوری کی حفاظت ہو سکے اس لئے کہ مسلمانوں کی عزت کی جاتی ہے اور ذمی کی توہین کی جاتی ہے

تشریح: جامع صغیر میں یہ عبارت نہیں ہے۔ ذمیوں کو ذلت کا سامنا ہے، اور مسلمانوں کی عزت ہے اس لئے دارالاسلام میں ذمیوں پر ایسی ہیئت ہو جس سے ذلت کا اظہار ہو، اس لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے

نوٹ: یہ سب چیزیں مصنف نے اپنے زمانے کے دارالاسلام کے لئے لکھی ہے جو واجب نہیں ہیں، اس وقت پوری دنیا میں ہیومن رائٹ ہے، کہ سب کو برابر کے حقوق دو اس لئے یہ نہ کر سکے تو اس پر کوئی شرعی گرفت نہیں ہے۔

لغت: کستیجات: کالی ٹوپی اور اون کے موٹے دھاگے کے زنا کو کستیجات، کہتے ہیں۔ زنا: اون کا موٹا دھاگا ہوتا ہے جس کو ذمی لوگ اپنی کمر پر باندھتے ہیں، اس کو زنو، کہتے ہیں، یہ ہندو ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ اکف: یہ گھوڑے کا پالان کی طرح خوبصورت اور شاندار نہیں ہوتا، بلکہ گدھے کے پالان کی طرح ہوتا ہے، گدھے کا زین۔

ترجمہ: ۲۔ اور انکو پہلے سلام نہ کرے، اور ان کا راستہ تنگ رکھا جائے، کیونکہ اگر ذمی پر واضح علامت نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ انکے ساتھ مسلمان کے جیسا معاملہ کرے جو جائز نہیں ہے۔

وجہ: عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال لا تبدوا اليهود ولا النصارى بالسلام واذا لقيتم احدهم فى طريق فاضطروه الى اضيقه (مسلم شریف، باب النھی عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام وكيف یرد علیہم، ص ۲۱۳، نمبر ۲۱۶، ابوداؤد شریف، باب فی السلام علی اهل الذمۃ، ص ۳۶۰، نمبر ۵۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کو ابتدائی طور پر سلام نہ

۳ وَالْعَلَامَةُ يَجِبُ أَنْ تَكُونَ خَيْطًا غَلِيظًا مِنَ الصُّوفِ يَشُدُّهُ عَلَى وَسْطِهِ دُونَ الزُّنَّارِ مِنَ الْإِبْرَيْسَمِ فَإِنَّهُ جَفَاءٌ فِي حَقِّ أَهْلِ الْإِسْلَامِ. ۴ وَيَجِبُ أَنْ يَتَمَيَّزَ نِسَاؤُهُمْ عَنْ نِسَائِنَا فِي الطَّرَقَاتِ وَالْحَمَامَاتِ، وَيُجْعَلَ عَلَى دُورِهِمْ عَلَامَاتٌ كَمَا لَا يَقِفُ عَلَيْهَا سَائِلٌ يَدْعُو لَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ. ۵ قَالُوا: الْأَحَقُّ أَنْ لَا يُتْرَكُوا أَنْ يَرْكَبُوا إِلَّا لِلضَّرُورَةِ. وَإِذَا رَكَبُوا لِلضَّرُورَةِ فَلْيَنْزِلُوا فِي مَجَامِعِ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ لَزِمَتْ الضَّرُورَةُ اتَّخَذُوا سُرُوجًا بِالصِّفَةِ الَّتِي تَقَدَّمَتْ،

کرے۔ اور اس کو راستے کے کنارے سے چلنے کے لئے کہہ تاکہ اس کی شان و شوکت کا اظہار نہ ہو اگر وہ سلام کر دے تو وہ علیکم کہہ دے، یا اطال اللہ حیاتک واکثر مالک، جیسے الفاظ کہہ دے، یا غیر مسلم کی زبان میں جو رائج ہو وہ کہہ دے، مثلاً گڈ مورنگ۔

ترجمہ: ۳ اور علامت یہ ہے کہ اُون کا مونٹا دھاگہ [زنار] ہو جس کو اپنی کمر پر باندھے، ریشم کی زنار نہ ہوا لئے کہ وہ مسلمان کے حق میں ظلم ہے [کیونکہ اس سے ذمی کی بڑائی ظاہر ہوگی]

تشریح: ذمی کی کمر پر اون، یا سوت کے موٹے کی زنار ہو، وہ ریشم کی نہ ہو، کیونکہ ریشم کے دھاگے میں اس کی عظمت ہے جو مسلمانوں کے ظلم کی چیز ہے اس لئے ریشم کی زنار نہ ہو

وجہ: عن عبد الرحمن بن غنم قال كتبت لعمر بن الخطاب حين صالح اهل الشام بسم الله الرحمن الرحيم... وان نشد الزنانيير على اوساطنا وان لا نظهر صلبنا وكتبتنا في شيء من طريق المسمين ولا اسواقهم (سنن للبيهقي، باب الامام يكتب كتاب الصلح على الجزية، ج ۳، ص ۳۳۹، نمبر ۱۸۷۱) اس قول صحابی میں ہے کہ ہم ذمی کمر پر زنار باندھیں گے۔

ترجمہ: ۴ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی عورتیں ہماری عورتوں سے راستے اور حمام میں متمیز ہوں، ان کے گھروں پر علامات لگا دئے جائیں تاکہ سائل اس کے پاس کھڑا ہو کر اس کے لئے مغفرت کی دعا نہ کر لے لیں۔

تشریح: واضح ہے۔ انکے دلائل پہلے گر چکے ہیں

ترجمہ: ۵ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ضرورت کے بغیر وہ گھوڑے پر سوار نہ ہوں، اور ضرورت کی وجہ سے گھوڑے پر سوار ہوں تو جہاں مجمع ہو تو وہاں اتر جائیں، پھر کسی کو لازمی ضرورت ہو جائے تو وہ اکاف کی صورت کی زین پر بیٹھے۔

وجہ: اس قول صحابی میں ہے۔ عن عبد الرحمن بن غنم قال كتبت لعمر بن الخطاب حين صالح اهل الشام

بسم الله الرحمن الرحيم... ولا نركب السروج ولا نتقلد السيوف ولا نتخذ شيئا من السلاح ولا نحمله معنا ولا ننقش خواتمنا بالعربية (سنن للبيهقي، باب الامام يكتب كتاب الصلح على الجزية، ج ۳، ص ۳۳۹،

۶ وَيُمْنَعُونَ عَنْ لِبَاسٍ يَخْتَصُّ بِهِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالزُّهْدِ وَالشَّرَفِ.

(۲۸۹۰) وَمَنْ أَمْتَنَعَ مِنَ الْجَزِيَّةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَوْ زَنَى بِمُسْلِمَةٍ

لَمْ يُنْتَقِضْ عَهْدُهُ،

نمبر ۱۸۷۱) اس قول صحابی میں ہے کہ ہم ذمی گھوڑے کے پالان پر نہیں بیٹھیں گے۔

ترجمہ: ۱۔ اہل علم اور اہل زہد اور شرف کی طرح لباس سے بھی منع کئے جائیں۔

تشریح: جو لباس اہل علم کے لئے خاص ہے، یا زہد و تقویٰ والے کے لئے خاص ہے وہ لباس ذمی نہ پہنے، تاکہ لوگ اس کو اہل علم یا اہل تقویٰ سمجھ کر تعظیم نہ کریں

ترجمہ: (۲۸۹۰) کوئی جزیہ کی ادائیگی سے باز رہے یا مسلمان کو قتل کر دے یا حضورؐ کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کر لے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح: کوئی جزیہ دینے کا اقرار تو کرتا ہے لیکن جزیہ دیتا نہیں ہے تو اس سے ذمی ہونے سے خارج نہیں ہوگا۔ اسی طرح کسی مسلمان کو قتل کر دے یا حضورؐ کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کر لے تو اس سے ذمی ہونے کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔ البتہ ان جرموں کی سزا کا مستحق ہوگا۔ مثلاً جزیہ ادا نہیں کرتا ہے تو جزیہ وصول کیا جائے گا۔ مسلمان کے قتل کے بدلے اس کو قتل کیا جائے گا۔ یا حضورؐ کو گالی دینے سے وہ خود مباح الدم ہو جائے گا۔ اور مسلمہ سے زنا کرنے کی وجہ سے حد زنا کا مستحق ہوگا۔

وجہ: (۱) عہد ٹوٹتا ہے جنگ پر اتر آنے سے، یا کسی چیز کی شرط لگائی تھی اور اس نے اس کے خلاف کیا تو عہد ٹوٹے گا ورنہ نہیں (۲) حدیث میں ہے کہ اہل قریظہ جنگ پر اتر آئے تب ان کا عہد ٹوٹا اور حضورؐ نے قتال کر کے ان کو قتل کیا۔ اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ حاربت قریظۃ والنضیر فاجلی بنی النضیر وافر قریظۃ ومن علیہم حتی حاربت قریظۃ فقتل رجالہم وقسم نسائہم واولادہم واموالہم بین المسلمین (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ لہم فی دینہ الرجلین وارادوا من الغدر رسول اللہ ﷺ، ص ۵۷، نمبر ۴۰۲۸) مسلم شریف، باب اجلاء الیہود من الحجاز، ص ۹۴، نمبر ۶۶۲۱/۴۵۹۲) اس حدیث میں ہے کہ قریظہ نے محاربت کی تب ان کا عہد ٹوٹا۔ اور اوپر کے مسئلے میں ذمی نے محاربت نہیں کی ہے اس لئے ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

البتہ حضورؐ کو اعلانیہ گالی دے گا تو اس کو قتل کیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن علیؓ ان یهودیۃ کانت تشتم النبی ﷺ وتقع فیہ فخنقہا رجل حتی ماتت فابطل رسول اللہ ﷺ دمہا (ابوداؤد شریف، باب الحکم فیمن سب النبی ﷺ، ص ۲۵۱، نمبر ۴۳۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی حضورؐ کو گالی دے تو وہ مباح الدم ہو جاتا ہے۔

۱۔ لِأَنَّ الْغَايَةَ الَّتِي يَنْتَهِي بِهَا الْقِتَالُ التَّزَامُ الْجَزِيَّةُ لَا أَدَاؤُهَا وَالْإِلْتِزَامُ بَاقٍ. ۲۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: سَبَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ نَقْضًا. لِأَنَّهُ يَنْقُضُ إِيْمَانَهُ فَكَذَا يَنْقُضُ أَمَانَهُ إِذْ عَقَدَ الذِّمَّةَ خَلْفَ عَنْهُ. ۳۔ وَلَنَا أَنَّ سَبَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفْرٌ مِنْهُ، وَالْكُفْرُ الْمُقَارِنُ لَا يَمْنَعُهُ فَالطَّارِءُ لَا يَرْفَعُهُ. (۲۸۹۱) قَالَ: وَلَا يَنْقُضُ الْعَهْدُ إِلَّا أَنْ يَلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ يَغْلِبُوا عَلَى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُونَنَا. ۱۔ لِأَنَّهُمْ صَارُوا حَرْبًا عَلَيْنَا فَيَعْرِى عَقْدُ الذِّمَّةِ عَنْ الْفَائِدَةِ وَهُوَ دَفْعُ شَرِّ الْحَرَابِ.

لغت: سب : غالی دینا۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ جزیہ کے لازم کرنے سے قتال رکتا ہے، اس کو ادا کرنے کوئی مطلب نہیں ہے اور لازم کرنا ابھی باقی ہے اس لئے ذمی کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ حربی سے جنگ ختم ہوئی تھی وہ اس لئے ہوئی تھی کہ وہ جزیہ دینا قبول کر لیں، اور اس نے جزیہ دینا قبول کیا ہے گرچہ دے نہیں رہا ہے اس لئے ابھی اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۲۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حضور کو گالی دینے سے بھی ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ اگر مومن ہوتا تو حضورؐ کو گالی دینے سے ایمان ختم ہو جاتا ایسے ہی ذمی کا عہد ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ ذمی کا عہد ایمان کے قائم مقام ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حضور کو گالی دینے سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان حضورؐ کو گالی دے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے اور دارالاسلام میں امن دینا ایمان کے قائم مقام ہے اس لئے حضورؐ کو گالی دینے سے امن دینے کا عہد ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ۳۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کو گالی دینے سے کافر ہو جائے گا ذمی کے دل میں تو پہلے سے کفر ہے پھر بھی جزیہ کا عہد ہوا تو اب کفر ہونے سے عہد کیسے ٹوٹے گا۔

تشریح: ہمارا جواب یہ ہے کہ ذمی کے دل میں پہلے سے کفر تھا پھر بھی اس کو امن ملا تو اب گالی دینے سے مزید کفر آئے گا تو عہد کیسے ٹوٹے گا۔

ترجمہ: (۲۸۹۱) اور عہد نہیں ٹوٹے گا مگر یہ کہ دارالحرب چلا جائے یا کسی جگہ پر غلبہ پا کر ہم سے جنگ کرے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ ہم سے جنگ کرنے کی وجہ سے اب ذمی بنانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ ذمی بنانے کا مطلب یہ تھا کہ جنگ نہ ہو [اور اس نے جنگ کر ہی لیا تو ذمی بننے کا کوئی فائدہ نہیں رہا، اس لئے اب عہد ٹوٹ جائے گا]

تشریح: ذمی کا عہد دو وجہ سے ٹوٹتا ہے [۱] ایک دارالحرب چلا جائے اور وہاں بس جائے۔ [۲] دوسرا دارالاسلام میں ہی

(۲۸۹۲) وَإِذَا نَقَضَ الذَّمُّ الْعَهْدَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ ۱ مَعْنَاهُ فِي الْحُكْمِ بِمَوْتِهِ بِاللَّحَاقِ؛ لِأَنَّهُ التَّحَقُّقُ بِالْأُمُوتِ، ۲ وَكَذَا فِي حُكْمِ مَا حَمَلَهُ مِنْ مَالِهِ، إِلَّا أَنَّهُ لَوْ أُسِرَ يُسْتَرْقُ بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ.

ذمیوں کا جتھنا کر مسلمانوں سے جنگ کرنے لگ جائے۔

وجہ: (۱) ذمی بننے کا مطلب یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرے گا، اور وہ جتھنا کر جنگ کرنے لگا تو اب امن دینے سے کیا فائدہ ہوگا، یاد دار الحرب چلا گیا تو گویا کہ وہ جنگ کرنے والوں کا ساتھی بن گیا تو بھی امن دینے سے کیا فائدہ ہوگا اس لئے اب عہد ٹوٹ جائے گا۔ (۲) اوپر قریطہ کی حدیث گزری کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہوئے تو عہد ٹوٹ گیا۔ پھر حضورؐ نے اس پر چڑھائی کی اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا اور مال تقسیم کر لیا۔ عن ابن عمرؓ ... حتی حاربت قريظة فقتل رجالهم وقسم نسائهم واؤلا دهم واموالهم بين المسلمين (بخاری شریف، نمبر ۴۰۲۸) مسلم شریف، نمبر ۶۶۱۷۷۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محاربت سے عہد ٹوٹ جاتا ہے۔

اور دار الحرب چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ سئل عن عطاء عن الرجل من اهل الذمة يوخذ في اهل الشرك وقد اشترط عليهم ان لا يأتيهم فيقول لم اردعونهم فكره قتله الا ببينة فقال له بعض اهل العلم اذا نقض شيئا واحدا مما عليه فقد نقض الصلح (مصنف عبد الرزاق، باب المشرک یا قی المسلم بغیر عہد، ج خامس، ص ۱۹۸، نمبر ۹۷۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ذمی حربیوں کے درمیان چلا جائے تو عہد ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے کہ وہ حربی ہو گیا اور اس کا خون حربیوں کی طرح مباح ہو گیا۔

لغت: يلحق : لاحق ہو جائے، چلا جائے۔

ترجمہ: (۲۸۹۲) جب ذمی کا عہد ٹوٹ گیا تو اس کا حکم مرتد کی طرح ہو گیا۔

ترجمہ: یعنی گویا کہ وہ مرتد ہو گیا [اس لئے اس کی جائداد اس کے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے گا]

تشریح: جب ذمی کا عہد ٹوٹ گیا تو وہ مرتد کی طرح ہو گیا، اور مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو مردہ شمار کیا جاتا ہے، اور اس کی جائداد اس کے وارثین میں تقسیم کر دی جاتی ہے، اس کی بیوی بائنے ہو جاتی ہے، اسی طرح اس ذمی کا جو مال دار الاسلام میں رہ گیا اس کو وارثین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اس کی بیوی بائنے ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲ ایسے ہی جو مال وہ ساتھ لیکر دار الحرب گیا [اس پر غلبہ ہونے پر مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو جائے گا]

تشریح: ذمی جو مال لیکر دار الحرب گیا ہے اگر وہ مجاہدین کے قبضے میں آجائے تو حربی کے مال کی طرح اس مال کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ مال غنیمت ہو گیا، کیونکہ ذمی عہد ٹوٹ چکا ہے اور وہ حربی بن چکا ہے

ترجمہ: ۳۔ یہ اور بات ہے کہ اگر ذمی قید ہوا تو اس کو غلام بنایا جائے گا، اور مرتد کو غلام نہیں بنایا جاتا، بلکہ یا تو وہ اسلام لائے ورنہ قتل کر دیا جائے گا، اس کو غلام بنا کر زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

وجہ: حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ حاربت قريظة والنضير فاجلى بنى النضير واقرب قريظة ومن عليهم حتى حاربت قريظة فقتل رجالهم وقسم نسائهم واولادهم واموالهم بين المسلمين (بخاری شریف، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ ﷺ اليهم في دية الرجلين وارادوا من الغدر رسول الله ﷺ، ص ۵۷، نمبر ۴۰۲۸/مسلم شریف، باب اجلاء اليهود من الحجاز، ص ۹۴، نمبر ۶۶۱۷/۴۵۹۲) اس حدیث میں ہے کہ عہد کے ٹوٹنے کے بعد اس کی عورتوں کو باندی بنادی گئی اور بچے کو غلام بنادیا گیا، اور اس کا مال غنیمت کا مال ہے اس لئے اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

﴿فَصْلٌ﴾

(۲۸۹۳) وَنَصَارَى بَنِي تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الزَّكَاةِ ؛ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ صَالَحَهُمْ عَلَى ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ (۲۸۹۴) وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ لِأَنَّ الصُّلْحَ وَقَعَ عَلَى الصَّدَقَةِ الْمَضَاعَفَةِ، وَالصَّدَقَةُ تَجِبُ عَلَيْهِمْ دُونَ الصَّبِيَّانِ فَكَذَا الْمَضَاعَفُ.

﴿فصل فی نصاری بنی تغلب﴾

ترجمہ: (۲۸۹۳) بنی تغلب کے نصاری سے اس کے مال میں دو گنا لیا جائے گا جتنی مسلمانوں سے زکوٰۃ لی جاتی ہے۔
ترجمہ: صحابہ کے سامنے حضرت عمر نے اسی پر ان لوگوں سے صلح کی تھی۔

تشریح: مسلمانوں سے زکوٰۃ چالیس درہم میں ایک درہم یعنی ڈھائی فی صد ہے تو بنی تغلب سے اس کا دو گنا لیا جائے گا یعنی بیس درہم میں ایک درہم یعنی پانچ فی صد لیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عمر نے اپنے زمانے میں اسی پر صلح کی تھی۔ اس دور میں بنی تغلب نہیں رہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ عن عمر بن الخطاب انه صالح نصاری بنی تغلب علی ان تضعف علیہم الزکوٰۃ مرتین وعلی ان لا ینصروا صغیرا وعلی ان لا یکرهوا علی دین غیرہم (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۰۵، انی نصاری بنی تغلب ما یؤخذ منهم، ج ۲، ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۱) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے زکوٰۃ کے دو گنے پر صلح فرمائی۔

ترجمہ: (۲۸۹۴) بنی تغلب کی عورتوں سے یہ جزیہ لیا جائے گا لیکن اس کے بچوں سے نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: اس لئے کہ دو گنا صدقے پر صلح ہوئی تھی اور صدقہ عورتوں پر واجب ہوتا ہے، بچوں پر واجب نہیں ہوتا، ایسے ہی جو دو گنا ہے وہ بھی عورتوں پر واجب ہوگا، بچوں پر واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: یہاں یہ بحث ہے کہ بنی تغلب سے جو کچھ لیا جا رہا ہے وہ زکوٰۃ ہے یا جزیہ ہے، اگر وہ زکوٰۃ ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا تو زکوٰۃ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے یہ جزیہ بھی ان کی عورتوں سے لیا جائے گا۔ اور اگر وہ جزیہ ہے جیسا کہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا تو جزیہ عورتوں سے نہیں لیا جاتا اس لئے ان کی عورتوں سے نہیں لیا جائے گا۔

۲. وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ أَيْضًا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ؛ لِأَنَّهُ جَزِيَّةٌ فِي الْحَقِيقَةِ عَلَى مَا قَالَ عُمَرُ: هَذِهِ جَزِيَّةٌ فَسَمُّوْهَا مَا شِئْتُمْ، وَلِهَذَا تُصَرَّفُ مَصَارِفُ الْجَزِيَّةِ وَلَا جَزِيَّةٌ عَلَى النَّسْوَانِ. ۳. وَلَنَا أَنَّهُ مَالٌ وَجَبَ بِهِ الصُّلْحُ، وَالْمَرْأَةُ مِنْ أَهْلِ وَجُوبٍ مِثْلِهِ عَلَيْهَا.

وجہ: اوپر کے قول صحابی میں اس کو زکوٰۃ کہا اس لئے ان کی عورتوں سے بھی لی جائے گی، قول صحابی یہ ہے۔ عن عمر بن الخطابؓ انہ صالح نصاری بنی تغلب علی ان تضعف علیہم الزکوٰۃ مرتین وعلی ان لا ینصروا صغیرا وعلی ان لا یکرہوا علی دین غیرہم (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۰۵ فی نصاری بنی تغلب ما یؤخذ منہم، ج ۲، ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۱) اس میں ہے کہ زکوٰۃ کے دو گنے پر صلح ہوئی، اور جب زکوٰۃ ہے تو بنی تغلب کی عورتوں پر بھی واجب ہوگی۔

ترجمہ: ۲. امام زفرؒ نے فرمایا کہ بنی تغلب کی عورتوں سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ حقیقت میں جزیہ ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ جزیہ ہے اب تم لوگ اس کا جو نام دے لو، اسی لئے یہ جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوتا ہے، اور عورت پر جزیہ نہیں ہے۔

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ جزیہ ہے اور عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا ہے اس لئے بنو تغلب کی عورتوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

وجہ: اس کی دو دلیلیں دیتے ہیں (۱) حضرت عمرؓ نے اس کو جزیہ کہا ہے اس لئے یہ جزیہ ہے، اس کا اشارہ اس قول صحابی میں ہے جس کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ و ساقوه احسن من هذا السياق فقالوا رايهم على الجزية فقالوا نحن عرب لا نؤدى ما يؤدى العجم ولكن خذ منا كما يأخذ بعضكم من بعض يعنون الصدقة فقال عمرؓ لا هذا فرض على المسلمين فقالوا فرد ما شئت بهذا الاسم لا باسم الجزية ففعل فتراضى هو و هم على ضعف عليهم الصدقة۔ (سنن بیہقی، باب نصاری العرب تضعف علیہم الصدقة، ج ۲، ص ۳۶۳، نمبر ۱۸۷۹۷) اس میں ہے کہ اس صدقے کے نام سے تم جتنا زیادہ دے دو۔ (۲) اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ رقم جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوتی ہے اس لئے یہ جزیہ ہے۔

ترجمہ: ۳. اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مال صلح کے ذریعہ سے واجب ہوا ہے اور عورت پر بھی صلح کا اطلاق ہوتا ہے [اس لئے عورت پر بھی یہ جزیہ لازم ہوگا]

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مال صلح کے ذریعہ واجب ہوا ہے، اور عورت بھی صلح میں شریک ہو سکتی ہے اس لئے عورت پر بھی واجب ہوگا۔

۴. وَالْمَصْرَفُ مَصَالِحُ الْمُسْلِمِينَ؛ لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ وَذَلِكَ لَا يَخْتَصُّ بِالْجَزِيَّةِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يُرَاعَى فِيهِ شَرَائِطُهَا.

(۲۸۹۵) وَيُوضَعُ عَلَى مَوْلَى التَّغْلِبِيِّ الْخَرَاجُ ۱. أَيْ الْجَزِيَّةُ (۲۸) وَخَرَاجُ الْأَرْضِ بِمَنْزِلَةِ مَوْلَى الْقُرَشِيِّ ۲. وَقَالَ زُفَرٌ: يُضَاعَفُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "إِنَّ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ"؛ أَلَا تَرَى أَنَّ مَوْلَى

ترجمہ: ۴. اور اس مال کو مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جاتا ہے اسلئے کہ یہ بیت المال کا مال ہے، اور کوئی ضروری نہیں ہے کہ جزیہ ہی کا مال بیت المال میں ہو، آپ نہیں دیکھتے کہ اس مال کو لیتے وقت جزیہ کی شرائط ملحوظ نہیں رکھتے [مثلاً دینے والا خود جا کر دے، لینے والا دینے والے کے سینے پر ہاتھ رکھے، ان سب کی رعایت نہیں ہے، جس کا مطلب نکلا کہ یہ جزیہ نہیں ہے بلکہ دو گنا صدقہ ہے۔

تشریح: یہ امام شافعی کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ یہ مال جزیہ کے مصرف میں خرچ ہوتا ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ مال مسلمان کی مصلحت میں خرچ کیا جاتا، کیونکہ یہ بیت المال کا مال ہو گیا، اس لئے یہ جزیہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ آگے دوسری بات فرماتے ہیں کہ اس مال کے وصول کرتے وقت جزیہ کی شرائط نہیں لگاتے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ مال جزیہ کا نہیں ہے، اس لئے عورت سے بھی لیا جائے گا، مثلاً جزیہ دینے والا خود جا کر جزیہ دے یہ شرط ہے لیکن اس مال کے دیتے وقت یہ بھی جائز ہے کہ نائب کے ذریعہ بھیج دے، یا جزیہ لینے والا امام جزیہ دینے والے کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ہلائے، اور کہے کہ اے اللہ کا دشمن جزیہ دو، لیکن اس مال کے دیتے وقت ایسا کرنا ضروری نہیں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ جزیہ کا مال نہیں ہے۔

لغت: بنی تغلب: ایک قوم کا نام ہے جن سے حضرت عمرؓ نے دو گنی زکوٰۃ پر صلح کی تھی، اب یہ قوم نہیں رہی۔

ترجمہ: (۲۸۹۵) اور تغلبی کے آزاد کردہ غلام پر ایک گنا جزیہ لازم کیا جائے گا، اور زمین پر بھی خراج ہوگا، جیسے قریشی کے آزاد کردہ غلام پر ایک گنا جزیہ لازم کیا جاتا ہے۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے یہاں تغلبی کے آزاد کردہ غلام سے دو گنا جزیہ نہیں لیا جائے گا بلکہ ایک گنا جزیہ لیا جائے گا اور ایک گنا خراج لیا جائے گا، جس طرح ہاشمی کے آزاد کردہ غلام سے ایک گنا جزیہ اور ایک گنا خراج لیا جاتا ہے۔ اور امام زفرؒ کے یہاں جس طرح تغلبی سے دو گنا لیا جاتا ہے اسی طرح اس کے غلام سے بھی دو گنا جزیہ لیا جائے گا۔

اصول: امام ابوحنیفہؒ کے یہاں۔ جزیہ واجب کرنے میں غلام آقا کی طرح نہیں ہوگا۔

اصول: امام زفرؒ کے یہاں جزیہ واجب کرنے میں غلام آقا کی طرح ہوگا۔

ترجمہ: ۱. اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دو گنا جزیہ لازم ہوگا، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ قوم کا آزاد کردہ غلام کا حکم اس کے آقا کی

الْهَاشِمِيُّ يُلْحَقُ بِهِ فِي حَقِّ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ. ۲ وَلَنَا أَنَّ هَذَا تَخْفِيفٌ وَالْمَوْلَى لَا يُلْحَقُ بِالْأَصْلِ فِيهِ، وَلِهَذَا تَوَضَّعُ الْجَزِيَّةُ عَلَى مَوْلَى الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ نَصْرَانِيًّا، ۳ بِخِلَافِ حُرْمَةِ الصَّدَقَةِ لِأَنَّ الْحُرْمَاتِ تَثْبُتُ بِالشُّبُهَاتِ فَالْحَقُّ الْمَوْلَى بِالْهَاشِمِيِّ فِي حَقِّهِ، ۴ وَلَا يَلْزَمُ مَوْلَى الْغَنِيِّ حَيْثُ لَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ، لِأَنَّ الْغَنِيَّ مِنْ أَهْلِهَا، وَإِنَّمَا الْغَنِيُّ مَانِعٌ وَلَمْ يُوجَدْ فِي حَقِّ الْمَوْلَى. أَمَّا الْهَاشِمِيُّ فَلَيْسَ بِأَهْلٍ لِهَذِهِ الصَّلَةِ أَصْلًا لِأَنَّهُ صَنِيعٌ لَشَرَفِهِ وَكَرَامَتِهِ عَنْ أَوْسَاخِ النَّاسِ فَالْحَقُّ بِهِ مَوْلَاهُ.

طرح ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہاشمی کا غلام زکوۃ کے حرام ہونے میں ہاشمی کے ساتھ ہوتا ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی رافع ان رسول اللہ ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة... فقال ان الصدقة لا تحل لنا وان موالی القوم من انفسهم (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقة للنبی واهل بیته وموالیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷/۱ ابوداؤد شریف، باب الصدقة علی بنی ہاشم، ص ۲۳۵، نمبر ۱۶۵۰) اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے۔ اس لئے بنی تغلب سے دو گنا جزیہ لیا جاتا ہے، اس لئے اس کے آزاد کردہ غلام سے بھی دو گنا جزیہ لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲: ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ میں تخفیف ہے اس لئے آزاد کردہ غلام اس بارے میں آقا کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا یہی وجہ ہے کہ مسلمان کا آزاد کردہ غلام نصرانی ہو تو اس پر جزیہ واجب ہوتا ہے، کیونکہ اس بارے میں غلام آقا کے ساتھ ملحق نہیں ہوتا ہے۔
تشریح: جزیہ میں تخفیف ہوتا ہے اس لئے اس بارے میں غلام آقا کے ساتھ نہیں ملے گا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ آقا مسلمان ہو تو اس پر جزیہ نہیں ہوگا، لیکن اس کا غلام نصرانی ہو تو اس پر جزیہ ہوگا، دیکھئے یہاں غلام آقا کے تابع نہیں ہوا اسی طرح تغلبی میں غلام آقا کے تابع نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳: بخلاف زکوۃ کے حرام ہونے کے اس لئے کہ اس لئے کہ حرمت شبہ کی وجہ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے، اس لئے زکوۃ کے بارے میں ہاشمی کا آزاد کردہ غلام ہاشمی کے ساتھ ملحق ہو جائے گا۔

تشریح: یہ امام زفر کو جواب ہے، کہ زکوۃ شبہ سے بھی حرام ہوتی ہے اس لئے جس طرح ہاشمی پر زکوۃ حرام ہے اسی طرح اسکے آزاد کردہ غلام پر بھی زکوۃ حرام کر دی گئی، لیکن جزیہ کے بارے میں یہ بات نہیں ہے کہ تغلبی کے تحت میں اسکے غلام شامل کیا جائے۔

ترجمہ: ۴: اور مالدار کا غلام پر زکوۃ حرام نہیں ہے اس لئے کہ مالدار بھی بنیادی طور پر زکوۃ لے سکتا ہے، صرف مالدار کی وجہ سے نہیں لے رہا ہے اس لئے اس کا غلام بھی زکوۃ لے گا اور ہاشمی کا حال یہ ہے کہ وہ بنیادی طور پر زکوۃ لینے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا ہے، اس لئے کہ انکی شرافت کی وجہ سے لوگوں کے میل کچیل سے محفوظ رکھا گیا ہے، تو اسکے آزاد کردہ غلام کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا ہے۔

(۲۸۹۶) قَالَ: وَمَا جَبَاهُ الْإِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ أَمْوَالِ بَنِي تَغْلِبَ وَمَا أَهْدَاهُ أَهْلُ الْحَرْبِ إِلَى الْإِمَامِ وَالْجَزِيَّةُ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَسَدِّ الثُّغُورِ وَبِنَاءِ الْقَنَاظِرِ وَالْجُسُورِ، وَيُعْطَى قِصَاصُ الْمُسْلِمِينَ وَعَمَّالُهُمْ وَعِلْمَاؤُهُمْ مِنْهُ مَا يَكْفِيهِمْ، وَيُدْفَعُ مِنْهُ أَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذُرَارِيَّتِهِمْ؛ لِأَنَّهُ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنَّهُ وَصَلَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ مِنْ غَيْرِ قِتَالٍ وَهُوَ مُعَدٌّ لِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ وَهَؤُلَاءِ عَمَلَتْهُمْ وَنَفَقَةُ الذَّرَارِيِّ عَلَى الْآبَاءِ، فَلَوْ لَمْ يُعْطُوا كِفَايَتَهُمْ لَاحْتِاجُوا إِلَى الْاِكْتِسَابِ فَلَا يَنْفَرُ غَوْنٌ لِلْقِتَالِ.

تشریح: یہ بھی ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ مالدار کے لئے زکوٰۃ لینا حرام ہے تو شبکی وجہ سے اس کے آزاد کردہ غلام کے لئے بھی زکوٰۃ لینا حرام ہونا چاہئے، تو اس کو جواب دیا جا رہا ہے مالدار آدمی بنیادی طور پر زکوٰۃ لے سکتا ہے، لیکن چونکہ ابھی مالدار ہے اس لئے اس مالدار کی وجہ سے ابھی زکوٰۃ نہیں لے سکتا ہے، پس چونکہ بنیادی طور پر زکوٰۃ لے سکتا ہے اس لئے اس کا آزاد کردہ غلام غریب ہے تو زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس کے برخلاف ہاشمی آدمی میں حدیث کی بنیاد پر زکوٰۃ لینے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اس لئے اس کے غلام کو بھی زکوٰۃ لینے کا حق نہیں ہوگا، چاہے وہ غریب ہو۔

ترجمہ: (۲۸۹۶) امام نے جو کچھ جمع کیا خراج سے، بنی تغلب کے مال سے، اور جو امام کو اہل حرب نے ہدیہ دیا، اور جزیہ دیا وہ خرچ کرے گا مسلمانوں کی مصلحت میں۔ پس اس سے سرحدیں بند کی جائیں گی، پل بنائیں جائیں گے۔ اور اس سے مسلمانوں کے قاضیوں کو، ان کے عاملوں کو اور ان کے علماء کو جتنا ان کو کافی ہو دیا جائے گا۔ اور دیا جائے گا اس سے غازیوں اور ان کی اولاد کا روزینہ۔

ترجمہ: اس لئے کہ یہ بیت المال کا مال ہے مسلمانوں کو بغیر قتال کے ملا ہے، اور بیت المال مسلمان کی مصلحتوں کے لئے بنایا گیا ہے، اور اوپر کے جو لوگ ذکر کئے گئے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے کام کرنے والے ہیں، اور بچوں کا نفقہ ان کے باپ پر ہے، تو اگر ان لوگوں کو اتنا مال نہ دو جو ان کے لئے کافی ہو تو یہ لوگ مال کمانے میں مشغول ہو جائیں گے اور قتال کے لئے فارغ نہیں ہوں گے۔

تشریح: خراج کا مال، بنی تغلب کا مال، حرابیوں کا ہدیہ اور جزیہ وغیرہ عشر کی طرح عبادت والا مال نہیں ہے اس لئے ان مالوں کو مسلمانوں کے فائدے میں خرچ کرے۔ مثلاً کفار کے ساتھ جو سرحدیں ہیں ان کو بند کرے، پل بنائے، مسلمانوں کے قاضیوں کو اتنی روزی اور وظیفہ دے کہ ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے کافی ہو جائے۔ اسی طرح جو لوگ مسلمانوں کے لئے کام کرتے ہوں یا وہ علماء جو تبلیغ دین کا کام کرتے ہوں یا جو مجاہدین جہاد میں مشغول ہیں ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے جتنی روزی کافی ہو وہ ادا کرے۔

وجہ: (۱) کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے فائدے کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اور اوپر کے سب مال انہیں کاموں میں خرچ کئے

(۲۸۹۷) وَمَنْ مَاتَ فِي نَصْفِ السَّنَةِ فَلَا شَيْءَ لَهُ مِنَ الْعَطَاءِ ۚ لِأَنَّهُ نَوَّعَ صَلَٰةٍ وَلَيْسَ بِدَيْنٍ؛ وَلِهَذَا سُمِّيَ عَطَاءً فَلَا يُمْلَكُ قَبْلَ الْقَبْضِ وَيَسْقُطُ بِالْمَوْتِ،

جاتے ہیں۔ ان سب کاموں کو نوائب المسلمین کہتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن بشیر بن یسار مولى الانصار ... وعزل النصف الباقي لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی حکم ارض خیبر، ص ۶۸، نمبر ۳۰۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت بھی نوائب المسلمین کے لئے رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے خراج کا مال وغیرہ بھی امور مسلمین میں خرچ کیا جائے گا۔

لغت: جباہ: وصول کیا، جمع کیا، تد: سد سے مشتق ہے بند کرنا، اشغور: شغری جمع ہے سرحد، القناطر: قطرة کی جمع ہے پل، جسر: پل، مقاتلة: قتال سے مشتق ہے جہاد کرنے والے، ذراری: ذریعہ سے مشتق ہے اولاد۔

ترجمہ: (۲۸۹۷) کوئی کارکن درمیان سال میں مر جائے تو اس کو کوئی عطیہ نہیں ملے گا۔

ترجمہ: اس لئے کہ یہ ایک قسم کا صلہ ہے قرض نہیں ہے اسی لئے تو اس کو عطیہ، کہتے ہیں اس لئے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے مالک نہیں بنے گا اور قبضہ سے پہلے مرنے سے عطیہ ساقط ہو گیا۔

اصول: یہاں دو وصول ہیں ایک تو یہ کہ عطیہ سال بھر کام کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔ [۲] اور دوسرا اصول یہ ہے کہ یہ بہہ کا مال ہے قرض کا مال نہیں اس پر قبضہ کرنے کے بعد مالک ہوگا اس سے پہلے مالک نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) ان احادیث میں عطیہ کا ثبوت ہے۔ ان عبد اللہ بن عمر دخل علی معاویۃ فقال حاجتک یا ابا عبد الرحمن فقال عطاء المحررين فانی رأیت رسول اللہ ﷺ اول ما جاء شیء بدأ بالمحررين۔ (ابوداؤد شریف، باب فی قسم الفئ، ص ۴۲۹، نمبر ۲۹۵۱) اس حدیث میں ہے کہ تحریر کرنے والے کو عطیہ دے۔ (۲) قال کان رسول اللہ ﷺ یقول انا اولی بالمؤمنین من انفسهم من ترک مالا فلاھلہ و من ترک دینا او ضیاعا فالی و علی۔ (ابوداؤد شریف، باب فی ارزاق الذریۃ، ص ۴۲۹، نمبر ۲۹۵۴) اس حدیث میں ہے کہ جو غریب ہے اس کو بیت المال سے مال دو۔ (۳) ان عمر بن عبد العزیز کتب جعل اللہ الحق علی لسان عمر و قلبہ، فرض الاعطیۃ للمسلمین و عقد لاهل الا دیان ذمۃ بما فرض علیہم من الجزیۃ لم یضرب فیہا بخمس ولا مغنم۔ (ابوداؤد شریف، باب فی تدوین العطايا، ص ۴۳۰، نمبر ۲۹۶۱) اس حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کو عطیہ دو۔

۲. وَأَهْلُ الْعَطَاءِ فِي زَمَانِنَا مِثْلُ الْقَاضِي وَالْمُدْرَسِ وَالْمُفْتِي، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: ۲. اور ہمارے زمانے میں عطیہ دینے کے لائق لوگ قاضی ہے، مدرس ہے اور مفتی ہے۔

تشریح: یہ لوگ قوم کی خدمت کرتے ہیں اس لئے یہ حضرات عطیہ کے حقدار ہیں۔

﴿بَابُ أَحْكَامِ الْمُرْتَدِّينَ﴾

(۲۸۹۸) قَالَ: وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ كَشِفَتْ عَنْهُ ۚ لِأَنَّهُ عَسَاهُ اخْتَرَتْهُ شُبْهَةٌ فَتُزَاحُ، وَفِيهِ دَفْعُ شَرِّهِ بِأَحْسَنِ الْأَمْرَيْنِ، إِلَّا أَنْ الْعُرْضَ عَلَى مَا قَالُوا غَيْرُ وَاجِبٍ؛ لِأَنَّ الدَّعْوَةَ بَلَّغَتْهُ.

(۲۸۹۹) قَالَ: وَيُحْبَسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ أَسْلَمَ وَإِلَّا قُتِلَ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: الْمُرْتَدُّ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ أَبَى قُتِلَ.

﴿مرتد کا بیان﴾

ترجمہ: (۲۸۹۸) کوئی مسلمان اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ پس اگر اس کو کوئی شبہ ہو تو دور کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کو کوئی شبہ پیش آیا ہو تو اس کو دور کیا جائے گا، اور قتل کرنے سے سمجھا کر حل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

وجہ: قول صحابی میں ہے۔ عن علیؑ انه اتى بمستورد العجلى وقد ارتد فعرض عليه الاسلام فابى قال فقتله وجعل ميراثه بين ورثته المسلمين (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۲۷ ما قاتل فی المرتد ما جاء فی میراثہ، ج ۶ ص ۴۳۵، نمبر ۳۲۷۵۳ سنن للبیہقی، باب من قال فی المرتد یستتاب مکانہ فان تاب والاقبل، ج ۸ ص ۳۵۸، نمبر ۱۶۸۸۵) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت علیؑ نے مرتد پر اسلام پیش کیا اور اس کے شبہ کو دور کیا۔

ترجمہ: ۲۔ یہ بات بھی کہی ہے کہ مرتد کو دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے دوبارہ دعوت پیش کرنا واجب نہیں ہے۔ مستحب ہے۔ **تشریح:** واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۸۹۹) تین دن قید رکھا جائے گا، پس اگر اسلام لائے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کیا جائے گا چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، پھر اگر اسلام لانے سے انکار کر دے تو قتل کر دیا جائے گا۔ اور اس کی تاویل یہ ہے کہ مرتد مہلت مانگے تو تین دن کی مہلت دی جائے گی، اس لئے کہ یہ مدت ایسی ہے جو عذر کو آزمانے کے لئے متعین کی گئی ہے۔

۱۔ وَتَأْوِيلُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يَسْتَمَهْلُ فَيَمَهْلُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لِّأَنَّهَا مُدَّةٌ ضُرِبَتْ لِإِبْلَاءِ الْأَعْدَارِ. ۲. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُوجَّهَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ طَلَبَ ذَلِكَ أَوْ لَمْ يَطْلُبْ. ۳. وَعَنْ الشَّافِعِيِّ أَنَّ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يُوجَّهَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَقْتُلَهُ قَبْلَ ذَلِكَ؛ لِأَنَّ ارْتِدَادَ الْمُسْلِمِ يَكُونُ عَنْ شُبْهَةٍ ظَاهِرَةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ مُدَّةٍ يُمْكِنُهُ التَّأَمُّلُ فَقَدَّرْنَاهَا بِالثَّلَاثَةِ.

تشریح: جامع صغیر میں یہ عبارت نہیں ہے۔ متن میں جو عبارت ہے کہ تین دن کی مہلت دی جائے اس کا مطلب بیان کر رہے ہیں کہ مرتد کو تین دن کی مہلت مانگے تو اس کو تین دن کی مہلت دے دی جائے کیونکہ عذر کو ختم کرنے کیلئے یہ مہلت کافی ہے۔
وجہ: (۱) تین دن اس لئے قید رکھا جائے گا تاکہ اتنے دنوں میں سمجھایا جاسکے اور مرتد کو سوچنے کا موقع مل سکے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے ضروری نہیں (۲) قول صحابی مین ہے۔ عن علیؓ قال يستتاب المرتد ثلاثا (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۰۰ ماقالوا فی المرتد کم یستتاب، ج ۱، ص ۴۴۴، نمبر ۳۲۷۷، سنن للبیہقی، باب من قال تحبس ثلاثا ایام، ج ۱، ص ۳۵۹، نمبر ۱۶۸۸۷) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ تین دن تک مہلت دے۔

مرتد کو تین دن کے بعد قتل کر دے (۱) اس کا اشارہ آیت میں ہے۔ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فِيمَتَ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (آیت ۲۱، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مرتد ہوا تو اس کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور وہ کافر کے درجے میں ہو گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ حربی مباح الدم ہوتا ہے اور مرتد حربی سے بھی زیادہ سخت ہے اس لئے یہ بھی مباح الدم ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ قال اتی علیؓ بزنادة فاحرقهم ... لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه (۳) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت معاذؓ نے فرمایا مرتد کو فوراً قتل کرو تو بیٹھوں گا ورنہ نہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابی موسیٰؓ قال ... ثم اتبعه معاذ بن جبل فلما قدم عليه القى له وسادة قال انزل فاذا رجل عنده موثق، قال ما هذا؟ قال كان يهوديا فاسلم ثم تهود، قال اجلس! قال لا اجلس حتى يقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدة واستئذانهم، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲، ۶۹۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔
ترجمہ: ۲۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تین دن کی مہلت دینا مستحب ہے چاہے مرتد یہ مہلت مانگے یا نہ مانگے۔

ترجمہ: ۳۔ امام شافعیؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ امام پر تین دن کی مہلت دینا واجب ہے اور اس سے پہلے قتل کرنا حلال نہیں ہے اسلئے کہ مسلمان کا مرتد ہونا کسی شبہ سے ہوتا ہے اسلئے اتنی مدت ضرور ہو جس میں وہ غور کر سکے اسلئے ہم نے تین دن متعین کیا۔

۴ وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ مِنْ غَيْرِ قَيْدِ الْإِمْهَالِ، وَكَذَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ" وَلِأَنَّهُ كَافِرٌ حَرْبِيٌّ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ فَيُقْتَلُ لِلْحَالِ مِنْ غَيْرِ اسْتِمْهَالٍ، وَهَذَا؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ تَأْخِيرُ الْوَاجِبِ لِلأَمْرِ مَوْهُومٍ،

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان اسی وقت مرتد ہوتا ہے جبکہ اس کو کوئی شبہ ہوتا ہے اس لئے اس کے شبہ کو دور کرنے کے لئے تین دن کی مہلت دینا ضروری ہے۔

وجہ: حضرت عمرؓ تین دن نہ کرنے پر سختی کی ہے۔ لما قدم علی عمر فتح تستر وتستر من ارض البصرة سألهم هل من مغریة؟ قالوا رجل من المسلمین لحق بالمشرکین فاخذناه، قال ما صنعتم به؟ قالوا قتلناه، قال: قال افلا ادخلتموه بیتا واغلقتم علیه بابا و اطعمتموه کل یوم رغیفا ثم استبتموه ثلاثا. فان تاب والا قتلتموه ثم قال اللهم لم اشهد ولم آمر ولم ارض اذا بلغنی (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۰، ما قالوا فی المرتد کم یرتاب ج ۱ ص ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹

ترجمہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ مشرکین کو قتل کرو، اور اس میں مہلت دینے کی قید نہیں ہے، اسی طرح حدیث میں ہے کہ جس نے دین کو بدلا اس کو قتل کرو [اور اس میں مہلت دینے کی بات نہیں ہے اس لئے بغیر مہلت دے بھی قتل کرنا جائز ہوگا] اور اس لئے بھی کہ یہ حربی ہے اس کو دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے بغیر مہلت دے ہوئے اس کو فی الحال قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ وہی بات ہے کہ وہ ایمان لائے اس لئے وہی بات کے لئے واجب کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: مرد کو مہلت دینا واجب نہیں مستحب ہے اس کی تین دلیل پیش کر رہے ہیں

وجہ: (۱) آیت میں ہے کہ مشرکین کو قتل کرو، اور اس میں یہ نہیں ہے کہ مہلت دو اس کے بعد قتل کرو، اس لئے مہلت دینا واجب نہیں ہوگا آیت یہ ہے۔ فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم (آیت ۵، سورۃ التوبہ: ۹) و اقتلوهם حيث ثقفتموهم۔ (آیت ۱۹، سورۃ البقرہ: ۲) ان دونوں آیتوں میں ہے کہ مشرکین کو قتل کرو (۲) حدیث میں ہے کہ جو دین بدلے اس کو قتل کرو۔ حدیث یہ ہے۔ قال اتی علیؑ بزنادقة فاحرقهم ... لقول رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوه (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدة واستتابتھم، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲) اس لئے بھی فوری قتل کرنا چاہئے۔ (۳) مرتد حری ہو گیا ہے اور اس کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، اور دعوت دینے کے بعد اسلام

۵. وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ لِإِطْلَاقِ الدَّلَائِلِ. ۶. وَكَيْفِيَّةُ تَوْبَتِهِ أَنْ يَتَبَرَّأَ عَنِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا سِوَى الْإِسْلَامِ؛ لِأَنَّهُ لَا دِينَ لَهُ، وَلَوْ تَبَرَّأَ عَمَّا انْتَقَلَ إِلَيْهِ كَفَاهُ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ.

(۲۹۰۰) قَالَ: فَإِنْ قَتَلَهُ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ كَرِهَةً، وَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ ۱. وَمَعْنَى الْكَرَاهِيَةِ هَاهُنَا تَرَكُ الْمُسْتَحَبِّ وَانْتِفَاءُ الضَّمَانِ؛ لِأَنَّ الْكُفْرَ مُبِيحٌ لِلْقَتْلِ، وَالْعَرَضُ بَعْدَ بُلُوغِ الدَّعْوَةِ غَيْرُ وَاجِبٍ.

لانا ایک وہی چیز ہے اس لئے وہی بات کے لئے قتل کو موخر کرنا واجب نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵. دلائل کے مطلق ہونے کی وجہ سے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تشریح: مرتد کوئی بھی ہو غلام ہو یا آزاد ہو ہر حال میں اس کو دعوت دینے کے بعد اسلام نہ لائے تو اس کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ دلائل مطلق ہیں۔

ترجمہ: ۶. مرتد کے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ ہر دین سے توبہ کرے اس لئے کہ مرتد کا کوئی دین نہیں ہے۔ لیکن جس دین کی طرف وہ منتقل ہوا ہے [مثلاً ہندو بنا ہے] تو صرف اس سے ہی توبہ کر لے تب بھی کافی ہے اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا، کیونکہ وہ مسلمان ہو گیا۔

تشریح: مرتد کے توبہ کرنے کے دو طریقے ہیں [۱] ایک یہ کہ سب دین سے تبراء کرے اور اسلام کا اقرار کرے [۲] دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس دین کی طرف گیا ہے اس سے تبراء کرے اور اسلام کا اقرار کرے اتنا بھی کافی ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۰) پس اگر کسی نے اس کو قتل کر دیا اس پر اسلام پیش کرنے سے پہلے تو یہ مکروہ ہے لیکن قاتل پر کچھ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱. کراہیت کا مطلب یہ ہے کہ مستحب کو چھوڑنا ہوا اور قتل کا ضمان لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ کفر سے قتل کرنا مباح ہو جاتا ہے، اور دعوت پہنچنے کے بعد دوبارہ دعوت پیش کرنا واجب نہیں ہے۔

تشریح: مرتد پر تین دین اسلام پیش کرنا چاہئے، انکار کرنے پر قتل کرنا چاہئے۔ لیکن اگر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی نے قتل کر دیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ لیکن قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ اس پر دیت لازم ہوگی۔

وجہ: (۱) اسلام پیش کرنا مستحب ہے اور قاتل نے استحب کے خلاف کیا ہے اس لئے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے

گا۔ کیونکہ مرتد مباح الدم ہو چکا ہے (۲) مسئلہ نمبر ۲۸۹۹ میں حضرت عمر کا اثر گزرا جس میں قاتل نے امیر المومنین حضرت عمرؓ

کے حکم کے بغیر اسلام پیش کرنے سے پہلے قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قاتل سے قصاص نہیں لیا اور نہ دیت لی، صرف اللہم لم

اشہد ولم آمر کہہ کر افسوس کا اظہار فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا (۳) حضرت معاذؓ والی

(۲۹۰۱) وَأَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَا تُقْتَلُ ۱ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تُقْتَلُ لِمَارَوَيْنَا. ۲ وَلِأَنَّ رِدَّةَ الرَّجُلِ مُبِيحَةٌ لِلْقَتْلِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ جَنَائِيَّةٌ مُتَغَلِّظَةٌ فَتَنَاطُ بِهَا عُقُوبَةُ مُتَغَلِّظَةٍ وَرِدَّةُ الْمَرْأَةِ تُشَارِكُهَا فِيهَا فَتُشَارِكُهَا فِي مُوجِبِهَا. ۳ وَلَنَا "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ"،

حدیث میں بھی مرتد پر اسلام پیش کرنے کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ فوری طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ارتداد کے بعد مباح الدم ہو گیا (بخاری شریف، نمبر ۶۹۲۳)

ترجمہ: (۲۹۰۱) عورت اگر مرتدہ ہو جائے تو قتل نہیں کی جائے گی لیکن اسلام لانے تک قید رکھی جائے گی۔

وجہ: قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس قال لا تقتل النساء اذا ارتددن عن الاسلام ولكن يحسنن ويدعين الى الاسلام ويجبرن عليه (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۳۳ ماقالوا فی المرتدة عن الاسلام، ج ۶ ص ۴۷۶، نمبر ۶۳۷۳ سنن للبیہقی، باب قتل من ارتد عن الاسلام اذا ثبت علیه رجلا کان او امرأة، ج ۸ ص ۳۵۳، نمبر ۱۶۸۶۹) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی، بلکہ اس کو توبہ کرنے تک قید کیا جائے گا۔

ترجمہ: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورت قتل کی جائے گی اس حدیث کی بنا پر جس میں ہے کہ مرتد قتل کیا جائے گا۔

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورت مرتدہ ہو جائے تو اس کو بھی قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو دین بدلے اس کو قتل کر دو۔

وجہ: یہ حدیث گزر چکی ہے۔ لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدة واستنابھم، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲)

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ مرد مرتدہ ہو جائے تو اس کو قتل کرنا مباح ہو جاتا ہے اس لئے کہ مغلط جنایت ہے پس عورت مرتدہ ہو جائے تو وہ بھی اس میں شریک ہوگی، تو اس کی سزا میں بھی شریک ہونی چاہئے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے، کہ مرتد ہونا مغلط جنایت ہے جس کی وجہ سے مرد کا خون مباح ہو جاتا ہے اس لئے عورت مرتدہ ہوگی تو اس نے بھی مغلط جنایت کی اس لئے اس کو بھی قتل کرنا چاہئے۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

وجہ: حدیث یہ ہے۔ حدثنی انس بن مالک ان رسول الله ﷺ قال ولا تقتلوا شيخا فانيا ولا طفلا ولا صغيرا ولا امرأة. (ابوداؤد شریف، باب فی دعاء المشرکین، ص ۳۶۱، نمبر ۲۶۱۴)

۴ وَلَئِنَّ الْأَصْلَ تَأْخِيرُ الْأَجْزِيَةِ إِلَى دَارِ الْآخِرَةِ إِذْ تُعْجِلُهَا يُحِلُّ بِمَعْنَى الْإِبْتِلَاءِ، وَإِنَّمَا عُذِلَ عَنْهُ دَفْعًا لِشَرِّ نَاجِزٍ وَهُوَ الْحَرَابُ، وَلَا يَتَوَجَّهْ ذَلِكَ مِنَ النِّسَاءِ؛ لِعَدَمِ صِلَا حِيَّةِ النِّبْيَةِ، بِخِلَافِ الرِّجَالِ فَصَارَتْ الْمُرْتَدَّةُ كَالْأَصْلِيَّةِ (۲۹۰۲) قَالَ وَلَكِنْ تُحْبَسُ حَتَّى تُسَلِّمَ؛ ۱ لَأَنَّهَا اُمْتَنَعَتْ عَنْ إِيْفَاءِ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى بَعْدَ الْإِفْرَارِ فَتُجْبَرُ عَلَى إِيْفَائِهِ بِالْحَبْسِ كَمَا فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ.

(۲۹۰۳) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَتُجْبَرُ الْمَرْأَةُ عَلَى الْإِسْلَامِ حُرَّةً أَوْ أَمَةً. وَالْأَمَةُ يُجْبَرُهَا مَوْلَاهَا ۱ أَمَّا الْجَبْرُ فَلَمَّا ذَكَّرْنَا، وَمِنَ الْمَوْلَى؛ لِمَا فِيهِ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقِّينَ، وَيُرْوَى تُضْرَبُ فِي كُلِّ أَيَّامٍ مُبَالَعَةً فِي الْحَمْلِ عَلَى الْإِسْلَامِ.

ترجمہ: ۴ اور اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ بدلہ میں تاخیر ہو اس لئے کہ دنیا میں سزا دینے سے سزا کم ہوتی ہے لیکن پھر بھی شرارت کو دفع کرنے کے لئے جلدی سزا دی جاتی ہے اور وہ جنگ کرنا، اور عورتوں میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، بخلاف مرد کے تو مرتد عورت اصلی حربی عورت کی طرح ہوگئی۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں سزا ملے تو یہ بھاری سزا ہوتی ہے، اس کے باوجود دنیا میں سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ شرارت کم ہو، اور وہ شرارت جنگ کرنا ہے، اور عورت میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، چونکہ عورت میں جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں اس لئے میدان جنگ میں حربی عورت ہو تو اس کو قتل نہیں کیا جاتا تو مرتدہ کو بھی قتل نہیں کرنا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۹۰۲) لیکن مرتدہ کو قید کر دینا چاہئے یہاں تک کہ اسلام لے آئے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ وہ توحید کے اقرار کے بعد اللہ کے حق کو پورا کرنے سے رکی ہے، تو قید کر کے اس کو پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا، جیسے حقوق العباد میں ہوتا ہے۔

تشریح: مرتدہ کو قتل تو نہیں کیا جائے گا، لیکن اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا کہ وہ دوبارہ اسلام لے آئے۔

وجہ: اس کی دلیل عقلی یہ ہے کہ حقوق العباد میں یہ قاعدہ ہے کہ جیسا کرو گے اس کا بدلہ اسی طرح سے دیا جائے گا، اقرار کے بعد اس عورت نے عہد پورا کرنے سے انکار کیا ہے، اب قید کر کے اس عہد کو پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۰۳) جامع صغیر میں ہے عورت کو اسلام لانے پر مجبور کرے گا آزاد ہو یا باندی، اور باندی کو اس آقا مجبور کرے گا۔

ترجمہ: ۱: پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ عورت کو دوبارہ اسلام لانے پر مجبور کرے گا، اور باندی آقا مجبور کرے گا اس لئے کہ اس

(۲۹۰۴) قَالَ: وَيَزُولُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ أَمْوَالِهِ بِرِدَّتِهِ زَوَالًا مُرَاعًى، فَإِنْ أَسْلَمَ عَادَتْ عَلَى حَالِهَا، قَالُوا: هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَعِنْدَهُمَا لَا يَزُولُ مِلْكُهُ.

میں دونوں حق کو جمع کرنا ہے [کہ نفقہ بھی دے رہا ہے اور دین کی بھی ترغیب دے رہا ہے] اور ایک روایت میں ہے کہ آقا ہر روز باندی کو ہلکی مار مارے گا تاکہ اسلام پر مجبور کرنے پر مبالغہ ہو۔

تشریح: جامع صغیر میں ہے کہ آزاد ہو یا باندی ہر ایک کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ اسلام آخرت کے بننے کا ضامن ہے، اور یہ بھی ہے آقا باندی کو مجبور کرے گا، کیونکہ بندے کا حق بھی ادا کر رہا ہے کہ باندی کو نفقہ دے رہا ہے اور اللہ کا حق بھی ادا کر رہا ہے کہ اس کو دین کی ترغیب دے رہا ہے اس لئے دونوں حقوق جمع ہو گئے۔ اور یہ جو ہے کہ ہر روز مارے گا تو اس سے مراد ہے کہ ہلکی مار مارے گا تاکہ وہ اسلام لانے میں مجبور ہو، اس میں اس کا آخرت کا زبردست فائدہ وہ نہیں سمجھ رہی ہے۔ اس لئے اس کے فائدے کے لئے علماء نے یہ ترکیب اختیار کرنے کے لئے کہا ہے، یہ زور زبردستی نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۴) مرتد کی ملکیت زائل ہو جائے گی اس کے مال سے مرتد ہونے کی وجہ سے محفوظ زوال، پس اگر اسلام لایا تو اپنی حالت پر لوٹ جائیگی۔

تشریح: مرتد ہونے کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔ لیکن اس انداز میں زائل ہوگی کہ اگر دوبارہ اسلام لے آیا تو ملکیت بحال رہے گی۔ اور اگر مر گیا تو وہ مال مسلمان ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے مرتد ہوا تو اس کو قتل کرنے اور اس کے مال کو لے لینے کا حکم دیا۔ حدیث یہ ہے۔ عن یزید بن البراء عن ابیہ قال لقینی عمی وقد اعتقد رایۃ فقلت این ترید قال بعشی رسول اللہ ﷺ الی رجل نکح امرأۃ ابیہ ان اضرب عنقه و آخذ ماله (سنن للبیہقی، باب مال المرتد اذ مات او قتل علی الردۃ، ج ثامن، ص ۳۶۱، نمبر ۱۶۸۹۳/ ابن ماجہ شریف، باب من تزوج امرأۃ ابیہ من بعدہ، ص ۳۷۵، نمبر ۲۶۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا اور مال لے لیا جائے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ عن علیؑ انه اتی بمستورد العجلی وقد ارتد فعرض علیہ الاسلام فابی قال فقتله وجعل میراثہ بین ورثتہ المسلمین (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲، ماقالوا فی المرتد ماجاء فی میراثہ، ج سادس، ص ۴۴۵، نمبر ۳۲۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

مرتد دوبارہ اسلام لے آئے تو اس کا مال واپس دیا جائے گا۔

وجہ: (۱) بنو قریظہ نے قال کیا تو آپؐ نے سب کو قتل کیا۔ لیکن جو حضورؐ کے ساتھ مل گئے اور دوبارہ ایمان لائے تو آپؐ نے

۱۔ لَإِنَّهُ مُكَلَّفٌ مُّحْتَاجٌ، فَإِلَى أَنْ يُقْتَلَ يَبْقَى مِلْكُهُ كَالْمُحْكُومِ عَلَيْهِ بِالرَّجْمِ وَالْقِصَاصِ ۲. وَلَهُ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مُّقْهَرٌ تَحْتَ أَيْدِينَا حَتَّى يُقْتَلَ، وَلَا قَتْلَ إِلَّا بِالْحِرَابِ، وَهَذَا يُوجِبُ زَوَالَ مِلْكِهِ وَمَالِكِيَّتِهِ، ۳. غَيْرَ أَنَّهُ مَدْعُوٌّ إِلَى الْإِسْلَامِ بِالْإِجْبَارِ عَلَيْهِ وَيُرْجَى عَوْدُهُ إِلَيْهِ فَتَوَقَّفْنَا فِي أَمْرِهِ، فَإِنْ أَسْلَمَ جُعِلَ الْعَارِضُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ فِي حَقِّ هَذَا الْحُكْمِ وَصَارَ كَأَنْ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا وَلَمْ يَعْمَلِ السَّبَبُ.

اس کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کے مال کو غنیمت میں تقسیم کیا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ... حتی حاربت قريظة فقتل رجالهم وقسم نساءهم واولادهم واموالهم بين المسلمين الا بعضهم لحقوا بالنبي ﷺ فآمنهم واسلموا (بخاری شریف، حدیث بنی النضیر وخرج رسول اللہ ﷺ لیہم فی دية الرجلین، ص ۵۷۷، نمبر ۲۸۰۲) اس حدیث میں ہے جو یہودی مسلمان ہو گئے اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا بلکہ واپس دے دیا۔ اسی طرح مرتد مسلمان ہو جائے تو اس کے مال کو تقسیم نہیں کریں گے بلکہ واپس دے دیا جائے گا۔

لغت: مراعی: رعایت سے مشتق ہے رعایت کی جائے گی یعنی معاملہ موقوف رہے گا۔

ترجمہ: ۱: یہ بات کی مرتد کی ملکیت اسلام لانے تک زائل ہو جائے گی یہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ہے، اور صاحبینؒ کے یہاں ملکیت زائل نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ مکلف ہے محتاج ہے اس لئے جب تک قتل نہ ہو جائے اس کی ملکیت باقی رہے گی جیسے جس پر رجم، اور قصاص کا حکم لگا دیا گیا ہو۔

تشریح: صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ مرتد کی ملکیت اس کے قتل ہونے تک باقی رہے گی۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مکلف ہے اور محتاج بھی ہے، اس لئے جس طرح جس کو رجم کرنے اور قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو اس کی ملکیت باقی رہتی ہے اسی طرح مرتد کی بھی ملکیت باقی رہے گی۔

ترجمہ: ۲: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ حربی بن چکا ہے اور ہمارے ہاتھ میں قتل تک مقہور ہے اور حربی ہونے کے بغیر قتل نہیں ہوتا اور حربی ہونے سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے،

تشریح: ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مرتد ہونے کی وجہ سے حربی بن چکا ہے، اس لئے اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی، ہمارے ہاتھ میں حربی ہو تو اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۳: یہ اور بات ہے کہ مجبور کر کے اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہے اس لئے واپس لوٹنے کی امید ہے اس لئے اس کے معاملے کو موقوف رکھا اگر اسلام لے آتا ہے تو سمجھا جائے گا کہ مرتد ہوا ہی نہیں، اور ایسا سمجھا جائے گا یہ ہمیشہ مسلمان ہی رہا ہے اور ارتداد کا سبب عمل نہیں کرے گا۔

۴. وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَحُكِمَ بِلَحَاقِهِ اسْتَقَرَّ كُفْرُهُ فَيَعْمَلُ السَّبَبَ عَمَلَهُ وَزَالَ مِلْكُهُ.

(۲۹۰۵) قَالَ: وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ انْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي إِسْلَامِهِ إِلَى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِينَ، وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَيُنَاقِلُ. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: كِلَاهُمَا لِرِدَّتِهِ.

تشریح: اگر مرتد مسلمان ہو گیا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ وہ کافر ہوا ہی نہیں تھا، اس لئے اس کی ملکیت بحال رہے گی۔

ترجمہ: ۴ اور اگر اسی حال میں مر گیا یا مرتد کی حالت میں قتل کیا گیا، یا دار الحرب میں چلا گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا حکم لگا دیا تو اس کا کفر برقرار رہے گا اور ارتداد عمل کرے گا اور اس کی ملکیت زائل رہے گی۔

تشریح: مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا۔ یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا، یا وہ دار الحرب بھاگ گیا اور قاضی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ وہ دار الحرب میں شامل ہو گیا ہے تو جیسے پہلے سے اس کی ملکیت زائل ہو چکی تھی ابھی بھی زائل ہی رہے گی، کیونکہ وہ گویا کہ حربی ہونے کی حالت میں مرا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۵) اگر وہ مر گیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو اسلام کی حالت میں جو کچھ کمایا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں منتقل ہو جائے گا، اور اس کی کمائی مرتد ہونے کی حالت میں غنیمت ہوگی۔

ترجمہ: ۴ ایہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے، اور صاحبین نے فرمایا کہ دو قسم کے مال ورثہ کے لئے ہوں گے۔

تشریح: مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو جو کچھ مسلمان ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ اور جو کچھ مرتد ہونے کی حالت میں کمایا تھا وہ مال غنیمت شمار ہوگا۔

وجہ: (۱) مسلمان ہونے کی حالت کی کمائی مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگی اس کی دلیل یہ اوپر کے قول صحابی میں گزر گئی۔ عن علی ... قال فقتله وجعل میراثه بین ورثته المسلمین (مصنف ابن ابی شیبہ، نمبر ۵۴۷۳) اس قول صحابی میں ہے کہ مرتد کی کمائی مسلمان ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگی (۲) مرتد ہونا گویا کہ مرجانا ہے۔ اور مرنے کے بعد اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا مال بھی ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

مرتد کے زمانے میں جو مال کمایا وہ غنیمت ہوگا۔

وجہ: (۱) مرتد ہونے کے بعد وہ حربی ہو گیا اور حربی کا کمایا ہوا مال ہاتھ آجائے تو وہ غنیمت کا مال شمار ہوتا ہے اس لئے مرتد کے زمانے کا مال غنیمت ہوگا (۲) مسئلہ نمبر ۲۹۰۴ میں حدیث گزری کہ سوتیلی ماں سے نکاح کر کے مرتد ہوا تھا تو اس کو قتل کیا اور اس کا مال لے لیا گیا۔ حدیث کا لکڑا یہ تھا۔ بعثنی رسول اللہ ﷺ الى رجل نکح امرأة ابیه ان اضرب عنقه

۲. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: كِلَاهُمَا فَيءٌ؛ لِأَنَّهُ مَاتَ كَافِرًا وَالْمُسْلِمُ لَا يَرِثُ الْكَافِرَ، ثُمَّ هُوَ مَالٌ حَرْبِيٌّ لَا أَمَانٌ لَهُ فَيَكُونُ فَيْئًا. ۳. وَلَهُمَا أَنْ مَلَكَهُ فِي الْكُسْبَيْنِ بَعْدَ الرَّدَّةِ بَاقٍ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَيَنْتَقِلُ بِمَوْتِهِ إِلَى وَرَثَتِهِ وَيَسْتَنْدُ إِلَى مَا قُبِلَ رَدَّتِهِ إِذْ الرَّدَّةُ سَبَبُ الْمَوْتِ فَيَكُونُ تَوْرِيثُ الْمُسْلِمِ مِنَ الْمُسْلِمِ. ۴. وَلِأَبَى حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُمَكِّنُ الْإِسْتِنَادَ فِي كَسْبِ الْإِسْلَامِ لَوْ جُودَهُ قَبْلَ الرَّدَّةِ، وَلَا يُمَكِّنُ الْإِسْتِنَادَ فِي كَسْبِ الرَّدَّةِ لِعَدَمِهِ قَبْلَهَا. وَمِنْ شَرْطِهِ وَجُودُهُ،

وآخذ ماله (سنن للبیہقی، نمبر ۱۶۸۹۳) جس میں تھا کہ اس کا مال لیکر غنیمت بنا لیا جائے۔

ترجمہ: ۲. امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں حالتوں کا مال غنیمت ہو جائے گا اس لئے کہ کافر ہو کر مر رہا ہے اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، پھر دوسری بات یہ ہے کہ وہ حربی کا مال ہے جس کو امن بھی نہیں ہے اس لئے مال غنیمت ہوگا۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے جو مال کمایا ہے، اور مرتد ہونے کے بعد جو مال کمایا ہے دونوں مال فئی [مال غنیمت] ہو جائے گا

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حربی ہو گیا تھا اس لئے اس کا سارا مال فئی ہوگا۔ (۲) یہ کافر ہو کر مر رہا تھا اور کافر کے مال کا وارث مسلمان نہیں ہوتا اس لئے کوئی مسلمان اس وارث نہیں ہوگا، بلکہ سارا مال فئی ہو جائے گا۔ (۳) یہ ایسا حربی تھا جس نے مسلمان سے امن بھی نہیں لیا تھا اس لئے بھی اس کا سارا مال فئی ہوگا۔

ترجمہ: ۳. صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد دونوں کمائی میں موت تک اس کی ملکیت تھی جیسا کہ پہلے بیان کیا اس لئے موت کے بعد مال اس کے وارث کی طرف منتقل ہو جائے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ وارث مرتد ہونے سے پہلے ہی اس مال کا وارث بنا ہے، اس لئے کہ مرتد ہونا موت کا سبب ہے، اس لئے یوں ہو گیا کہ مسلمان مسلمان کا وارث بنا۔

تشریح: صاحبین کا قاعدہ پہلے گزرا کہ مرتد کی موت تک وہ اپنے مال کا مالک رہے گا، کیونکہ انکے یہاں مرتد حربی نہیں بنا، اس لئے مرتد ہونے سے پہلے جو کمایا تھا، اور مرتد ہونے کے بعد جو کمایا تھا وہ دونوں کا مالک ہے اس لئے وارث دونوں مالوں کا وارث بنے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ مرتد ہونے سے پہلے پہلے مال وارث کی طرف منتقل ہو گیا اس لئے گویا کہ مسلمان کا وارث مسلمان بنا۔

ترجمہ: ۴. اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں کمائی کو وارثین کی طرف منسوب کرنا ممکن ہے کیونکہ مرتد ہونے سے پہلے یہ کمائی پائی گئی ہے، اور مرتد ہونے کے بعد کمائی کو منسوب کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ مرتد ہونے سے پہلے یہ کمائی نہیں تھی، حالانکہ وارث کی شرط یہ ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے یہ کمائی پائی جائے۔

۵. ثُمَّ إِنَّمَا يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ حَالَةَ الرَّدَّةِ وَبَقِيَ وَارِثًا إِلَى وَقْتِ مَوْتِهِ فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ اعْتِبَارًا لِلْاِسْتِنَادِ. ۶. وَعَنْهُ أَنَّهُ يَرِثُهُ مَنْ كَانَ وَارِثًا لَهُ عِنْدَ الرَّدَّةِ، وَلَا يَبْطُلُ اسْتِحْقَاقُهُ بِمَوْتِهِ بَلْ يَخْلُفُهُ وَارِثُهُ؛ لِأَنَّ الرَّدَّةَ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ.

تشریح: یہاں عبارت ذرا پیچیدہ ہے۔ ایک قاعدہ گزرا کہ مسلمان مسلمان کا وارث ہوتا ہے، مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا، اس قاعدے پر مرتد ہونے سے پہلے وہ مسلمان تھا اس لئے مسلمان اس کا وارث ہوگا، اور مرتد ہونے کے بعد وہ کافر ہو گیا، اب اس وقت میں جو کمایا وہ کفر کا مال ہے اس لئے مسلمان اس کا وارث نہیں ہوگا، وہ مال فنی ہو جائے گا۔ اسی کو ہدایہ کی عبارت میں کہا ہے۔ کہ اسلام کی حالت میں جو مال تھا وہ مسلمان کی طرف منسوب ہوگا، اور مرتد ہونے کی حالت میں جو مال کمایا وہ مسلمان کی طرف منسوب نہیں ہوگا

ترجمہ: ۵. امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف وہ آدمی وارث بنے گا جو مرتد کی حالت میں وارث تھا اور موت تک وہ وارث رہا، تاکہ مرتد کی طرف منسوب کیا جاسکے۔

تشریح: اوپر یہ تھا کہ مرتد کے کس مال کا وارث ہوگا۔ یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ کون کون سا آدمی وارث بنے گا۔ اس کے لئے امام ابو حنیفہؒ کی تین روایتیں ہیں۔

[۱] امام ابو حنیفہ سے امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ، مرتد ہونے سے پہلے جو وارث تھا اور مرتد کی موت تک وہ وارث رہا وہی وارث بنے گا، یعنی دونوں حالتوں میں موجود ہو۔ مثلاً زید جنوری کی پہلی تاریخ کو مرتد ہوا، اور چوتھی تاریخ کو قتل کر دیا گیا، دوسری تاریخ کو زید کو ساجد لڑکا پیدا ہوا، اور تیسری تاریخ کو اس کا بڑا لڑکا حامد کا انتقال ہو گیا، تو اس روایت کے اعتبار سے ساجد اس لئے وارث نہیں بنے گا کہ وہ مرتد ہوتے وقت نہیں تھا بعد میں پیدا ہوا ہے۔ اور حامد اس لئے وارث نہیں بنے گا کہ زید کی موت کے وقت موجود نہیں تھا۔

ترجمہ: ۶. ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آدمی وارث ہوگا جو مرتد ہوتے وقت وارث تھا، وہ وارث مرتد بھی جائے تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا بلکہ اس میت کا وارث وارث بنے گا، اس لئے کہ مرتد ہونا گویا کہ اسی وقت مرجانا ہے۔

تشریح: [۲] امام ابو حنیفہؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ مرتد ہونے سے پہلے وارث تھا وہ وارث بنے گا، جو بعد میں پیدا ہوا وہ وارث نہیں بنے گا۔ اوپر کی مثال میں حامد وارث بنے گا، کیونکہ وہ زید کے مرتد ہوتے وقت وارث تھا، اور تیسری تاریخ کو مرتد ہوا تو حامد کا وارث ہوگا کہ وہ زید کا مال لے جائے گا۔ البتہ ساجد جو دوسری تاریخ کو پیدا ہوا تھا وہ وارث نہیں بنے گا کیونکہ زید کے مرتد ہوتے وقت وہ موجود نہیں تھا، وہ بعد میں پیدا ہوا ہے۔

۷. وَعَنْهُ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ وُجُودُ الْوَارِثِ عِنْدَ الْمَوْتِ لِأَنَّ الْحَادِثَ بَعْدَ انْعِقَادِ السَّبَبِ قَبْلَ تَمَامِهِ كَالْحَادِثِ قَبْلَ انْعِقَادِهِ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ الْحَادِثِ مِنَ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ. ۸. وَتَرْتِئُهُ امْرَأَتُهُ الْمُسْلِمَةُ إِذَا مَاتَ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ فَارًّا، وَإِنْ كَانَ صَحِيحًا وَقَتَّ الرَّدَّةَ.

ترجمہ: ۷. امام ابوحنیفہؒ سے تیسری روایت یہ ہے کہ مرتد کی موت کے وقت میں جو وارث ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ سبب کے منعقد ہونے کے بعد اس کے پورا ہونے سے پہلے جو پیش آیا ہے وہ گویا کہ سبب سے پہلے پیش آیا ہے [یعنی مرتد ہونے کے بعد مرنے سے پہلے جو بات پیش آئی گویا کہ وہ مرتد ہونے سے پہلے ہی پیش آئی ہے]، جیسے بیچ کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے باندی کو بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بیچ سے پہلے کا بچہ سمجھا جائے گا۔

تشریح: اس روایت میں یہ ہے کہ مرتد کی موت کے وقت جو ہے وہ وارث بنے گا، اس سے پہلے جو مر گیا وہ وارث نہیں بنے گا۔ اوپر کی مثال میں ساجد وارث بنے گا، کیونکہ وہ زید کی موت کے وقت موجود تھا، لیکن حامد وارث نہیں بنے گا کیونکہ وہ زید کی موت کے موجود نہیں تھا وہ پہلے ہی مر گیا تھا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مرتد ہونا وارث کا سبب ہے، یہ سبب مرتد کی موت کے وقت پورا ہوتا ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ موت کے وقت مرتد ہوا اس لئے موت سے پہلے جو لوگ موجود ہیں وہ وارث ہوں گے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں، مثلاً زید نے پہلی جنوری کو ایک باندی خریدی، اور چار جنوری کو اس پر قبضہ کیا، اس درمیان دو جنوری کو ایک بچہ پیدا ہو گیا، تو یہ بچہ زید کا ہوگا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ خریدنے سے پہلے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، کیونکہ خریداری پوری ہوگی قبضہ کرتے وقت اس لئے گویا کہ پہلی تاریخ کو نہیں خریدا بلکہ چار تاریخ کو قبضہ کے وقت خریدا، اسی طرح یہاں گویا کہ موت کے وقت زید مرتد ہوا۔ اس لئے اس سے پہلے کا آدمی وارث بنے گا۔

ترجمہ: ۸. اگر مرتد مر جائے یا مرتد کی حالت میں قتل کیا جائے تو مسلمان بیوی اس کا وارث ہوگی اگر وہ اس کی عدت گزار رہی ہے تو چاہے مرتد ہوتے وقت وہ تندرست تھا اس لئے کہ مرتد ہو کر اس عورت کو وراثت سے محروم کرنا چاہتا ہے۔

تشریح: مرتد ہوتے وقت وہ تندرست تھا پھر بھی اگر مرتد کی موت ہوئی، یا وہ مرتد کی حاکت میں قتل کیا گیا اور اس کی مسلمان بیوی اس کی عدت گزار رہی تو وہ وارث ہوگی۔

وجہ: ایک تو وہ اس کی بیوی ہے، اور بیوی وارث ہوتی ہے اس لئے وہ وارث ہوگی۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مرتد ہو کر بیوی کو حق نہیں دینا چاہتا ہے، جس کو فار، کہتے ہیں اس لئے شریعت اس کو وراثت دلوائی گی۔

۹. وَالْمُرْتَدَّةُ كَسْبُهَا لِرِثَتِهَا؛ لِأَنَّهُ لَا حَرَابَ مِنْهَا فَلَمْ يُوجَدْ سَبَبُ الْقَيْءِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى ۱۰. وَيَرِثُهَا زَوْجُهَا الْمُسْلِمُ إِنْ ارْتَدَّتْ وَهِيَ مَرِيضَةٌ لِقَصْدِهَا إِبْطَالَ حَقِّهِ، وَإِنْ كَانَتْ صَحِيحَةً لَا يَرِثُهَا؛ لِأَنَّهَا لَا تَقْتُلُ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّهُ بِمَالِهَا بِالرَّدَّةِ، بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ.

(۲۹۰۶) قَالَ: وَإِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلِحَاقِهِ عَتَقَ مُدَبَّرُوهُ وَأَمَهَاتُ أَوْلَادِهِ وَحَلَّتِ الدِّيُونُ الَّتِي عَلَيْهِ وَنَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ إِلَى وَرَثَتِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

ترجمہ: ۹. اور مرد عورت کی کمائی اس کے ورثہ کے لئے ہوگی اس لئے کہ وہ حربیہ نہیں بنی ہے اس لئے مال غنیمت کا سبب نہیں بنی بخلاف مرتد کے امام ابوحنیفہ کے نزدیک [کہ مرتد کے زمانے کی کمائی فنی ہو جائے گی]

تشریح: اوپر گزرا کہ عورت مرتد ہو جائے تو وہ حربی کے درجے میں نہیں آتی اور نہ وہ قتل کی جاتی ہے، اس لئے اس کے مرتد ہونے سے پہلے کی کمائی اور مرتد ہونے کے بعد کی کمائی دونوں اس کی ملکیت ہوگی اور فنی نہیں ہوگی، اس لئے اس کے مرنے پر دونوں کمائی اس کے ورثہ کو ملے گی۔ اس کے برخلاف مرتد مرد حربی ہو جاتا ہے اس لئے اس کے مرتد ہونے کے بعد کی کمائی فنی ہوگی وہ اس کے وارث کو نہیں ملے گی۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

ترجمہ: ۱۰. اور مسلمان شوہر مرتدہ عورت کا وارث ہوگا اگر وہ مریضہ ہو اس لئے کہ اس نے شوہر کے حق کو باطل کرنا چاہا ہے، اور اگر عورت تندرست ہو تو شوہر اس کا مالک نہیں بنے گا اسلئے کہ وہ قتل نہیں کی جائے گی تو مرتد کی وجہ سے اسکے مال کے ساتھ شوہر کا حق متعلق نہیں ہوگا، بخلاف مرتد مرد کے اسلئے کہ وہ قتل کیا جائے گا تو اسکی بیوی کا حق اسکے مال کے ساتھ متعلق ہوگا۔

تشریح: عورت مرتد ہوئی اس وقت وہ بیمار تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شوہر کو وراثت نہیں دینا چاہتی تھی اس لئے وہ فار ہے اس لئے شوہر کو وراثت ملے گی۔ اور اگر وہ تندرست تھی تو فار نہیں ہوئی، اس لئے شوہر کو وراثت نہیں ملے گی۔

وجہ: کیونکہ وہ قتل نہیں کی جائے گی اس لئے شوہر کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق نہیں ہوا اس لئے وہ وارث نہیں بنے گا۔

ترجمہ: (۲۹۰۶) پس اگر مرتد ہو کر دار الحرب بھاگ گیا اور حاکم نے اسے مل جانے کا حکم لگا دیا تو اسکے مدبر اور ام ولد آزاد ہو جائیں گے۔ اور جو اس پر قرض ہے اسکی ادائیگی فوری ہوگی۔ اور جو کچھ کمایا اسلام کی حالت میں وہ اسکے مسلمان ورثہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

اصول: یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ مرتد دار الحرب بھاگ جائے اور حاکم دار الحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ کر دے تو وہ مردہ کے درجہ میں ہو جائے گا۔

تشریح: یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ مرتد دار الحرب بھاگ جائے اور حاکم دار الحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ کر دے تو

۱۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَبْقَى مَالُهُ مَوْفُورًا كَمَا كَانَ؛ لِأَنَّهُ نَوْعٌ غَيْبِيٌّ فَأَشْبَهَ الْغَيْبَةَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ ۲۔ وَلَنَأَنَّ مُرْتَدَّيَ الْحَقِّ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَهُمْ أَمْوَاتٌ فِي حَقِّ أَحْكَامِ الْإِسْلَامِ لَا نَقْطَاعَ وَلَا يَةِ الْإِلْزَامِ كَمَا هِيَ مُنْقَطِعَةٌ عَنِ الْمَوْتِ فَصَارَ كَالْمَوْتِ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْتَقِرُّ لِحَاقِهِ إِلَّا بِقَضَاءِ الْقَاضِي لِاحْتِمَالِ الْعُودِ إِلَيْنَا فَلَا بُدَّ مِنَ الْقَضَاءِ، وَإِذَا تَقَرَّرَ مَوْتُهُ ثَبَتَتْ الْأَحْكَامُ الْمُتَعَلِّقَةُ بِهِ وَهِيَ مَا ذَكَرْنَاهَا كَمَا فِي الْمَوْتِ الْحَقِيقِيِّ،

وہ مردہ کے درجہ میں ہو جائے گا۔ اور اس کے تمام معاملات میں مردے کے احکام نافذ ہو جائیں گے۔ مثلاً آقا کے مرنے کے بعد مدبر غلام اور ام ولد باندی آزاد ہو جاتے ہیں تو یہاں بھی یہ دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ جو قرض کسی متعینہ تاریخ میں ادا کرنا تھا اس کا بھی ادا کرنا لازم ہوگا کیونکہ آدمی مرنے کے بعد اس کے مال میں فوری قرض ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا وہ مسلمان ورثہ میں تقسیم ہوگا کیونکہ مرتد گویا کہ مر گیا ہے۔

وجہ: (۱) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عامر والحکم قال فی الرجل المسلم یرتد عن الاسلام ویلحق بارض العدو فلتعتد امرأته ثلاثة قروء ان كانت تحيض، وان كانت لا تحيض فثلاثة اشهر، وان كانت حاملا ان تضع حملها ویقسم میراثه بین امرأته وورثته من المسلمین ثم تزوج ان شاءت وان هو رجع فساب من قبل ان تنقضی عدتها ثبنا علی نکاحهما (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۱۰ ماقالوا فی المرتد اذ الحق بارض العدو وله امرأۃ ما حالها، ج ۶ ص ۴۳۵، نمبر ۵۲۷۳) اس قول تابعی میں ہے کہ دار الحرب چلا جائے تو اس کی بیوی بائندہ ہو جائے گی اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

لغت: الحق: مل جانا، لاحق ہو جانا، حلت: حلول سے مشتق ہے فوراً وقت آ جانا۔

ترجمہ: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کی ملکیت موقوف رہے گی جیسے کہ ایک قسم کے سفر پر گیا ہو، تو دارالاسلام میں ہی سفر پر جانے کی طرح ہوگا۔

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں دار الحرب میں جانے کے فیصلے کے باوجود بھی اس کی ملکیت ختم نہیں ہوگی، اور نہ اس کا مال ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا بلکہ اس کا مال موقوف رہے گا۔

ترجمہ: ۲۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ملنے کی وجہ سے مرتد ہو گیا اور وہ اسلامی احکام کے حق میں مردے کی طرح ہے، کیونکہ اس پر کوئی چیز لازم کرنے کی ولایت ختم ہوگئی، جیسے مردے سے ختم ہو جاتی ہے اس لئے وہ مردے کی طرح ہو گیا لیکن قاضی کے فیصلے کے بغیر یہ مضبوط نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے پاس لوٹ آنے کا احتمال ہے اس لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے، اور جب قاضی کے فیصلے سے اس کی موت ثابت ہوگئی تو موت کے احکامات متعلق ہو جائیں گے جنکو ہم نے ذکر کیا، جیسا

۳. ثُمَّ يُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثًا عِنْدَ لِحَاقِهِ فِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ؛ لِأَنَّ اللَّحَاقَ هُوَ السَّبَبُ وَالْقَضَاءُ لَتَقَرُّرِهِ بِقَطْعِ
الْإِحْتِمَالِ ۴. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: وَقْتُ الْقَضَاءِ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَوْتًا بِالْقَضَاءِ، ۵. وَالْمُرْتَدَّةُ إِذَا لَحِقَتْ
بِدَارِ الْحَرْبِ فَهِيَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ.

(۲۹۰۷) وَتَقْضَى الدُّيُونُ الَّتِي لَزِمَتْهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَهَا فِي حَالِ الْإِسْلَامِ، وَمَا لَزِمَتْهُ فِي
حَالِ رَدِّهِ مِنَ الدُّيُونِ يُقْضَى مِمَّا اكْتَسَبَهَا فِي حَالِ

کہ حقیقی طور پر مرنے سے ہوتا ہے۔

تشریح: قاضی کے فیصلے کے بعد وہ مردہ ہو گیا اس لئے اس کی وراثت تقسیم کر دی جائے گی، لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ قاضی کا
فیصلہ ہو چکا ہو، کیونکہ اس سے پہلے اس کے واپس ہونے کا گمان ہے۔

ترجمہ: ۳. پھر امام محمدؒ کے نزدیک دار الحرب بھاگتے وقت جو وارث تھے وہ وارث ہوں گے اس لئے کہ بھاگنا ہی مرتد
ونے کا سبب ہے، اور اس کا فیصلہ کرنا اس کو مضبوط کرنے کے لئے ہے تاکہ لوٹنے کا احتمال ختم ہو جائے۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں یہ ہے کہ دار الحرب کے بھاگتے وقت جو وارث ہیں وہ وارث ہوں گے، مثلاً زید پہلی جنوری کو
دار الحرب بھاگا، اور چوتھی جنوری کو قاضی نے ملنے کا فیصلہ کیا، دوسری جنوری کو ساجد لڑکا پیدا ہوا، اور تیسری جنوری کو حامد بڑا لڑکا
کا انتقال ہو گیا، تو امام محمدؒ کے نزدیک حامد وارث بنے گا، کیونکہ وہ دار الحرب میں ملنے کے وقت موجود تھا، اور ساجد کو وراثت
نہیں ملے گی کیونکہ وہ پہلی جنوری کو موجود نہیں تھا۔

ترجمہ: ۴. اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قاضی کے فیصلے کے وقت میں جو وارث ہوں گے وہ وارث ہوں گے، اس لئے
کہ قاضی کے فیصلے سے موت کا حکم لگا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے یہاں قاضی کے فیصلے کے وقت جو وارث موجود ہوں گے وہ وارث بنیں گے، اوپر کی مثال میں،
فیصلے کے وقت ساجد ہے اس لئے اس کو وراثت ملے گی، اور حامد بڑا لڑکا مر چکا ہے اس لئے اس کو وراثت نہیں ملے گی۔

ترجمہ: ۵. اور مرتدہ عورت دار الحرب بھاگ جائے تو اس بارے میں بھی وہی اختلاف ہے۔ [کہ امام محمدؒ کے نزدیک دار
الحرب میں بھاگتے وقت جو وارث تھے وہ وارث بنیں گے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فیصلے کے وقت جو وارث تھے وہ
وارث بنیں گے۔

ترجمہ: (۲۹۰۷) وہ قرض جو اسلام کی حالت میں لازم ہوا ہے ادا کیا جائے اس سے جو اسلام کی حالت میں کمایا۔ اور وہ
قرض جو لازم ہوا ہے مرتد کی حالت میں اس سے ادا کیا جائے جو مرتد کی حالت میں کمایا۔

۱۔ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ: هَذِهِ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعَنْهُ أَنَّهُ يُبَدَأُ بِكَسْبِ الْإِسْلَامِ، وَإِنْ لَمْ يَفِ بِذَلِكَ يُقْضَى مِنْ كَسْبِ الرَّدَّةِ وَعَنْهُ عَلَى عَكْسِهِ. ۲ وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ الْمُسْتَحَقَّ بِالسَّبَبَيْنِ مُخْتَلِفٌ. وَحُصُولُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْكَسْبَيْنِ بِاعْتِبَارِ السَّبَبِ الَّذِي وَجَبَ بِهِ الدِّينُ فَيُقْضَى كُلُّ دَيْنٍ مِنَ الْكَسْبِ الْمُكَتَسَبِ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ لِيَكُونَ الْغَرْمُ بِالْغَنَمِ.

تشریح: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد ہوتے ہی گویا کہ مر گیا۔ البتہ دوبارہ مسلمان ہونے کی امید پر اس کا معاملہ موقوف رکھا گیا۔ جب دوبارہ مسلمان نہیں ہوا تو مرتد ہونے کے وقت ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔ اس لئے مرنے سے پہلے یعنی اسلام کی حالت میں جو قرض لیا تھا وہ اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا اس سے ادا کیا جائے گا۔ اور مرنے کے بعد یعنی مرتد ہونے کے بعد جو قرض لیا اس کو مرتد ہونے کے بعد جو مال کمایا ہے اس سے ادا کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) جیسے ہی مرتد ہوا وہ مردے کے درجے میں ہو گیا۔ صرف انتظار اور امید کے لئے معاملہ موقوف رکھا گیا۔ اس کی دلیل حدیث کا اشارہ ہے۔ عن عكرمة قال ... لقول رسول الله ﷺ من بدل دينه فاقتلوه (۲) اور دوسری روایت میں ہے۔ قال (معاذ) لا اجلس حتى يقتل قضاء الله ورسوله ثلاث مرات فامر به فقتل (بخاری شریف، باب حکم المرتد والمرتدة واستئذانهم، ص ۱۰۲۲، نمبر ۶۹۲۲/۶۹۲۳) اس حدیث میں ہے کہ مرتد ہو جائے تو فوراً قتل کر دو۔ جس سے معلوم ہوا کہ مرتد ہوتے ہی مردے کے درجے میں ہو گیا۔ اس لئے اسلام کا قرض حالت اسلام کی کمائی سے اور حالت مرتد کا قرض حالت مرتد کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ ابو حنیفہ کی روایت ہے، ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ پہلے اسلام کی کمائی سے قرض ادا کرنا شروع کیا جائے گا اس سے پورا نہ ہو تو مرتد ہونے کی حالت میں جو کمایا ہے اس سے پورا کیا جائے گا، اور امام ابو حنیفہ سے تیسری روایت اس کے الٹے کا ہے [یعنی مرتد کی حالت میں جو کمائی ہے اس سے ادا کرنا شروع کیا جائے گا، اس سے پورا نہ ہو تب اسلام کے زمانے میں جو کمایا اس سے پورا کیا جائے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۲۔ پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ دو مختلف سبب سے قرض کا مستحق ہے، پس جس سبب میں قرض لیا ہے اسی سبب سے ادا کیا جائے گا [یعنی اسلام کی حالت میں قرض لیا ہے تو اسلام والی کمائی سے ادا کیا جائے گا، اور مرتد کی حالت میں قرض لیا ہے تو مرتد کی حالت کی کمائی سے قرض ادا کیا جائے گا] تاکہ معاملہ برابر سرابر ہو جائے۔

تشریح: اس پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ دو مختلف حالتوں میں قرض لیا ہے، ایک قرض لیا ہے اسلام کی حالت میں اور اس

۳ وَجْهُ الثَّانِي أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ مِلْكُهُ حَتَّى يَخْلُفَهُ الْوَارِثُ فِيهِ، وَمِنْ شَرْطِ هَذِهِ الْخِلَافَةِ الْفَرَاغُ عَنْ حَقِّ الْمَوْرَثِ فَيَقْدَمُ بِالذِّينِ عَلَيْهِ. أَمَّا كَسْبُ الرَّدَّةِ فَلَيْسَ بِمَمْلُوكٍ لَهُ؛ لِبُطْلَانِ أَهْلِيَّةِ الْمَلِكِ بِالرَّدَّةِ عِنْدَهُ فَلَا يُقْضَى دَيْنُهُ مِنْهُ إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ قِضَاؤُهُ مِنْ مَحَلٍّ آخَرَ فَحِينَئِذٍ يُقْضَى مِنْهُ، كَالذَّمِّيِّ إِذَا مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهُ يَكُونُ مَالُهُ لِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَوْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ يُقْضَى مِنْهُ كَذَلِكَ هَاهُنَا.

سے فائدہ اٹھایا ہے اس لئے اس لئے اس قرض کو اسلام کی حالت کی کمائی سے ادا کرے گا۔ دوسرا قرض لیا ہے ارتداد کی حالت میں اس لئے اس قرض کو مرتد ہونے کی حالت میں جو کمایا ہے اس سے ادا کیا جائے تو قرض کی ادائیگی کمائی کے برابر ہو جائے۔
لغت: کسب المكتسب الذی فی تلك الحالة : جس حال میں کمایا ہے اسی حالت کا قرض ادا کرے۔ الغرم بالغرم : یہ مجاہدہ ہے جس طرح غنیمت حاصل کی اسی طرح تاوان ادا کرے، یعنی جس طرح کمایا اسی حالت کا قرض ادا کرے۔

ترجمہ: ۳ اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کی ملکیت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا وارث ہوتا ہے، اور وارث ہونے کی شرط یہ ہے کہ مرنے والے کے حق سے فارغ ہو اس لئے وراثت سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا پھر وراثت تقسیم ہوگی [اس لئے اسلام کی کمائی سے قرض ادا کرنا شروع کیا جائے گا] اور مرتد کے زمانے کی کمائی تو مرتد کی ملکیت نہیں ہے [وہ توفیٰ کا مال ہے] کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے ملکیت کا اہل نہیں ہے [گویا کہ وہ مردہ ہے اس لئے مرتد کے زمانے کی کمائی سے قرض ادا نہیں کیا جائے گا، ہاں اسلام کے زمانے کی کمائی سے قرض پورا نہ ہو تو اس وقت مرتد کے زمانے کی کمائی سے قرض پورا کیا جائے گا، جیسے ذمی مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور اس کا مال مسلمان کی جماعت کے لئے ہو جائے تو اور ذمی پر قرض ہو تو اس مال سے قرض ادا کیا جاتا ہے [اسی طرح مرتد کے زمانے کا مال فنی کا مال ہے اور مسلمان کی جماعت کے لئے ہو گیا ہے، پھر بھی اس سے قرض ادا کیا جائے گا]

تشریح: دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کی ملکیت ہے، اور مرتد کی کمائی فنی کا مال ہے جو مرتد کا مال نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ وارثین اس مال کا وارث ہوتا ہے، اور وارث ہونے کی شرط یہ ہے کہ پہلے میت کا قرض ادا کرے اس لئے اسلامی کمائی سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا، اس سے پورا نہ ہو تب مرتد کی حالت کی کمائی اس قرض کو پورا کیا جائے گا۔ مرتد کی حالت کی کمائی سے بعد میں قرض ادا کیا جائے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ذمی مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال مسلمانوں کے لئے ہو جاتا ہے، لیکن اس پر قرض ہو تو پہلے قرض ادا کیا جاتا ہے، اس سے جو بچے گا وہ مال مسلمانوں کے لئے ہوگا، اسی طرح یہاں مرتد کی حالت میں جو کمائے گا اگرچہ وہ مسلمانوں کا مال ہے لیکن اس سے قرض ادا کیا جاسکے گا، جس طرح ذمی کا قرض ادا کیا گیا۔

۴. وَجْهُ الثَّالِثِ أَنَّ كَسْبَ الْإِسْلَامِ حَقُّ الْوَرَثَةِ وَكَسْبُ الرَّدَّةِ خَالِصٌ حَقٌّ، فَكَانَ قَضَاءُ الدِّينِ مِنْهُ أَوْلَى إِلَّا إِذَا تَعَذَّرَ بِأَنْ لَمْ يَفِ بِهِ فَحِينَئِذٍ يُقْضَى مِنْ كَسْبِ الْإِسْلَامِ تَقْدِيمًا لِحَقِّهِ. ۵. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: تُقْضَى ذِيُونُهُ مِنَ الْكَسْبَيْنِ؛ لِأَنَّهُمَا جَمِيعًا مِلْكُهُ حَتَّى يَجْرِيَ الْإِرْثُ فِيهِمَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

(۲۹۰۸) قَالَ: وَمَا بَاعَهُ أَوْ اشْتَرَاهُ أَوْ أَعْتَقَهُ أَوْ وَهَبَهُ أَوْ رَهَنَهُ أَوْ تَصَرَّفَ فِيهِ مِنْ أَمْوَالِهِ فِي حَالِ رِدَّتِهِ

فَهُوَ مَوْقُوفٌ، فَإِنْ أَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُودُهُ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ

ترجمہ: ۴. اور تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے زمانے کی کمائی ورثہ کا حق ہے اور مرتد کے زمانے کی کمائی خالص مرتد کا حق ہے اس لئے پہلے اس سے قرض ادا کرنا شروع کیا جائے گا، ہاں اس سے قرض پورا نہ ہو تو اب اسلام کے زمانے کی کمائی سے قرض پورا کیا جائے گا، کیونکہ مرتد کا حق پہلے ہے۔

تشریح: تیسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے زمانے کی کمائی میں ورثہ کا حق ہے، اور مرتد کے زمانے کی کمائی میں مرتد کا حق ہے اس لئے پہلے اس سے قرض ادا کیا جائے گا، اس سے پورا نہیں ہوگا تب اسلام کے زمانے کی کمائی سے ادا کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۵. اور صاحبینؒ کے یہاں دونوں قسم کی کمائی سے قرض ادا کیا جائے گا اس لئے کہ ان کے یہاں دونوں قسم کی کمائی مرتد کی ملکیت ہے چنانچہ ان کے یہاں دونوں قسم کی کمائی میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ صاحبینؒ کے یہاں دونوں طرح کی کمائی مرتد کی ہے، یہی وجہ ہے کہ دونوں قسم کی کمائی میں وراثت جاری ہوتی ہے، اس لئے دونوں طرح کی کمائی سے دونوں طرح کا قرض ادا کیا جائے گا اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۰۸) مرتد کی حالت میں جو بیچا یا خریدا یا اپنے میں تصرف کیا تو وہ سب موقوف ہوں گے۔ پس اگر اسلام لے آیا تو اس کے معاملات صحیح ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ مر گیا یا قتل کیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو اب باطل ہوں گے۔

تشریح: ارتداد کی حالت میں بیچا یا خریدا یا اپنے مال میں تصرف کیا تو یہ سب موقوف رہیں گے۔ پس اگر اسلام لے آیا تو یہ سب عقود صحیح ہو جائیں گے۔ اور اگر مرتد کی حالت میں مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو یہ تمام عقود باطل ہو جائیں گے۔

وجہ: (۱) پہلے گزر چکا ہے کہ مرتد کی ملکیت اور اس کا معاملہ اسلام لانے تک موقوف رہتا ہے۔ اگر اسلام لے آئے تو ملکیت اور معاملات بحال ہو جائیں گے۔ اور اسلام نہ لائے اور انتقال ہو جائے تو مرتد ہونے کے دن ہی سے مردہ شمار کیا جائے گا۔

جس کی وجہ سے ارتداد کے بعد کے معاملات باطل ہوں گے۔ کیونکہ مردوں کے معاملات کا کیا اعتبار؟ (۲) قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔ عن عامر والحکم قالَا فی الرجل المسلم یرتد عن الاسلام ویلحق بارض العدو فلتعتد

امراتہ ثلاثة قروء ان کانت تحيض، وان کانت لا تحيض فثلاثة اشهر، وان کانت حاملا ان تضع حملها

۱۔ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَجُوزُ مَا صَنَعَ فِي الْوَجْهَيْنِ ۲. اَعْلَمُ أَنَّ تَصَرُّفَاتِ الْمُرْتَدِّ عَلَى أَقْسَامٍ: نَافِذٌ بِالْإِتِّفَاقِ كَالْإِسْتِيْلَادِ وَالطَّلَاقِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَفْتَقِرُ إِلَى حَقِيقَةِ الْمَلِكِ وَتَمَامِ الْوِلَايَةِ. وَبَاطِلٌ بِالْإِتِّفَاقِ كَالنِّكَاحِ وَالذَّبِيحَةِ؛ لِأَنَّهُ يَعْتَمِدُ الْمِلَّةَ وَلَا مِلَّةَ لَهُ. وَمَوْقُوفٌ بِالْإِتِّفَاقِ كَالْمُفَاوَضَةِ؛ لِأَنَّهُ تَعْتَمِدُ الْمَسَاوَاةَ وَلَا مَسَاوَاةَ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْمُرْتَدِّ مَا لَمْ يُسَلِّمْ. وَمُخْتَلَفٌ فِي تَوْفُّقِهِ وَهُوَ مَا عَدَدْنَاهُ.

و یقسم میراثہ بین امرأته وورثته من المسلمین ثم تزوج ان شاء ت وان هو رجع فتاب من قبل ان تنقضی عدتها ثبتا علی نکاحهما (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۱۰ ما قالوا فی المرتد اذ الحق بارض العدو له امرأه ما حالهما، ج ۶ ص ۴۴۵، نمبر ۵۲۷۷) اس اثر کے اخیر میں ہے کہ اگر مرتد بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے توبہ کر لے اور اسلام لے آئے تو دونوں کا نکاح بحال رہے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عدت ختم ہونے تک نکاح کا معاملہ موقوف رہے گا۔ اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے باقی معاملات بھی موقوف رہیں گے۔ اور جس طرح عدت ختم ہونے کے بعد اسلام لائے تو نکاح ختم ہو جائے گا اسی طرح مرتد کی حالت میں مرجائے یا قتل کیا جائے یا دار الحرب بھاگ جائے تو اس کا عقد باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ اسلام اور مرتد کی حالت میں جو کیا وہ دونوں جائز ہیں۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مرتد کی حالت کا تصرف موقوف رہے گا، اور صاحبین کے یہاں اس کا تصرف جائز رہے گا۔

ترجمہ: ۲۔ یہ جان لیں کہ مرتد کی تصرفات کی چار قسمیں ہیں [۱] ایک تو بالاتفاق نافذ ہے، جیسے ام ولد بنانا، اور طلاق دینا اس لئے کہ اس میں حقیقی ملک، اور پوری ولایت کی ضرورت نہیں ہے۔ [۲] دوسرا ہے جو بالاتفاق باطل ہے، جیسے مسلمان سے نکاح کرنا اور جانور ذبح کرنا اس لئے کہ اس کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے، اور مرتد مسلمان ہے نہیں [اس لئے مسلمان سے اس کا نکاح، کرنا اور ذبح کرنا صحیح نہیں ہے۔] [۳] تیسرا تصرف ہے جو بالاتفاق موقوف ہے، جیسے شرکت مفاوضہ، اس لئے کہ اس میں دونوں شریک کا مذہب کے اعتبار سے برابر ہونا ضروری ہے، اور مرتد جب تک مسلمان نہیں ہو جاتا وہ مسلمان کے برابر نہیں ہے [اس لئے شرکت مفاوضہ بالاتفاق موقوف رہے گا۔] [۴] اور چوتھا تصرف وہ ہے جسکو ہم نے متن میں گنایا [بیچنا، خریدنا، آزاد کرنا، ہبہ کرنا رہن رکھنا وغیرہ]

اصول: صاحبین کا اصول یہ ہے کہ موت تک مرتد کی ملکیت باقی رہتی ہے، اور اس کی اہلیت بھی باقی رہتی ہے۔ یعنی وہ مسلمان تو نہیں ہے، لیکن احکام الہی کا مخاطب ہے، اس لئے یہ تصرف جائز ہیں۔

اصول: ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ مرتد کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے، یعنی وہ مسلمان نہیں ہے، اور اس کی ملکیت موقوف ہو جاتی ہے،

کیونکہ وہ حربی بن چکا ہے، البتہ ہمارے قبضے میں مجبور ہے، پس اگر وہ اسلام لے آیا تو اس کی ملکیت بحال ہو جائے گی، اور اگر وہ قتل کیا گیا تو مرتد ہونے کے دن ہی سے اس کو مردہ شمار کیا جائے گا۔ انہیں دونوں اصولوں پر آگے کے تصرفات کی تفصیل ہے۔

تشریح: یہاں فرما رہے ہیں کہ مرتد کے تصرف کی چار قسمیں ہیں، ان میں سے تین میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اتفاق ہے اور چوتھے میں دونوں کا اختلاف ہے، جس کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

[۱] پہلا تصرف ہے ام ولد بنانا اور طلاق دینا یہ بالاتفاق جائز ہے۔ مثلاً مرتد ہونے کی حالت میں بیٹے کی باندی سے وطی کر لی تو وہ اس کی ام ولد بن جائے گی، کیونکہ ام ولد بنانے کے لئے اپنی ملکیت ہونی ضروری نہیں ہے، بیٹے کی باندی کو بھی ام ولد بنا سکتا ہے، اسی طرح اس کے لئے مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے اس لئے امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے یہاں بالاتفاق یہ ام ولد بن جائے گی۔ دوسری مثال یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں مرتد ہو گئے اب مرد نے طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اس کے لئے بھی مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ بیوی ملکیت میں ہوتی ہے

[۲] مرتد کا دوسرا تصرف ہے جو بالاتفاق باطل ہے اور وہ ہے نکاح کرنا، اور جانور ذبح کرنا۔ مسلمان عورت سے نکاح کرنے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے اور مرتد بالاتفاق مسلمان نہیں ہے اس لئے اس کا نکاح کرنا بھی کسی کے یہاں جائز نہیں ہے۔ دوسری مثال ہے، جانور کو ذبح کرنا، جانور حلال ہونے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے اور مرتد بالاتفاق مسلمان نہیں ہے اس لئے اس کا ذبیحہ بھی کسی کے یہاں حلال نہیں ہے۔

[۳] تیسرا تصرف ہے جو بالاتفاق موقوف رہے گا، وہ شرکت مفاوضہ ہے، شرکت مفاوضہ میں مذہب کے اعتبار سے دونوں شریک کا برابر ہونا ضروری ہے، اور یہاں ایک شریک مسلمان ہے اور دوسرا مرتد ہو چکا ہے اس لئے یہ شرکت ابھی موقوف رہے گی، اگر مرتد مسلمان ہو گیا تو شرکت برقرار رہے گی اور قتل کیا گیا تو یہ شرکت ختم ہو جائے گی۔

[۴] اور چوتھا تصرف ہے جن کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف ہے، مثن میں یہی چوتھا تصرف کی بحث ہے وہ چھ تصرف ہیں، مرتد ہونے کی حالت میں بیچنا، خریدنا، غلام آزاد کرنا، ہبہ کرنا، رہن رکھنا، مال میں تصرف کرنا۔ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ چھ تصرف موقوف رہیں گے، اگر دوبارہ اسلام لے آیا تو یہ تصرف بحال ہو جائیں گے، اور مرتد کی حالت قتل کیا گیا تو یہ تصرف باطل ہو جائیں گے۔ اور صاحبینؒ کے یہاں یہ تصرف جائز ہیں۔ انکی وجہ آ رہی ہے۔

۳ لَهَا أَنْ الصَّحَّةَ تَعْتَمِدُ الْأَهْلِيَّةَ وَالنَّفَادَ يَعْتَمِدُ الْمَلِكُ، وَلَا خَفَاءَ فِي وُجُودِ الْأَهْلِيَّةِ لِكُونِهِ مُخَاطَبًا، وَكَذَا الْمَلِكُ لِقِيَامِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلِ، وَلِهَذَا لَوْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ بَعْدَ الرَّدَّةِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ يَرِثُهُ. وَلَوْ مَاتَ وَلَدُهُ بَعْدَ الرَّدَّةِ قَبْلَ الْمَوْتِ لَا يَرِثُهُ فَتَصِحُّ تَصَرُّفَاتُهُ. ۴ إِلَّا أَنْ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ تَصِحُّ كَمَا تَصِحُّ مِنَ الصَّحِيحِ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَوْدُهُ إِلَى الْإِسْلَامِ، إِذْ الشُّبْهَةُ تَزَاحُ فَلَا يُقْتَلُ وَصَارَ كَالْمُرْتَدَّةِ.

ترجمہ: ۳ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ تصرف صحیح ہونے کے لئے اہلیت ہونا ضروری ہے اور تصرف نافذ ہونے کے لئے مالک ہونا ضروری ہے، اور مرتد میں اہلیت موجود ہے کیونکہ وہ احکام الہی کا مخاطب ہے، اور مرتد کی ملکیت بھی ہے کیونکہ موت سے پہلے یہ قائم ہے جیسا کہ پہلے صاحبین نے ثابت کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مسلمان بیوی سے چھ مہینے سے پہلے بچہ پیدا ہو تو وہ مرتد باپ کا وارث ہوگا، اور مرتد ہونے کے بعد اور موت سے پہلے اس کا لڑکا مرجائے تو وہ وارث نہیں ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ موت تک مرتد کی ملکیت باقی رہتی ہے [پس جب اس کی ملکیت ہے تو اس کا تصرف بھی جائز ہو جائے گا۔

تشریح: صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مرتد میں ابھی بھی تصرف کرنے کی اہلیت ہے، کیونکہ وہ احکام الہی کا مخاطب ہے، اور اس کی ملکیت بھی موت تک باقی ہے، اس کی دو مثالیں دی ہیں [۱] مرتد ہونے کے بعد چھ مہینے سے پہلے پہلے مسلمان بیوی سے بچہ پیدا ہو تو وہ اس مرتد کا وارث ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ موت تک اس کی ملکیت باقی ہے۔ دوسری مثال دی ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس کے مرنے سے پہلے اس کا لڑکا مرجائے تو وہ وارث نہیں ہوگا، جس سے معلوم ہوا کہ موت تک مرتد کی ملکیت باقی تھی، جب اس کی ملکیت ہے تو تصرف کرنے کا بھی حق رکھتا ہے اس لئے اس کا اوپر کا چھ تصرف جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۴ البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان یہ فرق ہے کہ، امام ابو یوسف کے یہاں مرتد کا تصرف اس طرح درست ہوگا جس طرح ایک تندرست آدمی کا ہوتا ہے، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ مرتد سے اسلام کی طرف لوٹ آئے گا، اس لئے کہ غالب گمان یہ ہے کہ سمجھا کر شبہ ختم کر دیا جائے گا اس لئے وہ قتل نہیں کیا جائے گا، اس لئے وہ مرتد عورت کی طرح ہو گیا۔ **تشریح:** موت سے پہلے مرتد کا تصرف دونوں کے یہاں جائز ہے، لیکن دونوں کے یہاں تصرف میں فرق ہے، یہاں سے اس کو بیان کر رہے ہیں۔

امام ابو یوسف کے یہاں مرتد کا تصرف مکمل طور پر صحیح ہوگا، صرف تہائی مال میں تصرف ہوایا نہیں ہے، جس طرح ایک تندرست آدمی کا تصرف صحیح ہوتا ہے۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ مرتد کا شبہ دور کر دیا جائے گا اور وہ جلد ہی اسلام لے آئے گا، اور قتل نہیں کیا جائے

۵. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ نَصَحُ كَمَا نَصَحَ مِنَ الْمَرِيضِ؛ لِأَنَّ مَنْ انْتَحَلَ إِلَى نَحْلَةٍ لَا سِيَّمَا مُعْرِضًا عَمَّا نَشَأَ عَلَيْهِ قَلَمًا يَرْكُهُ فَيُفْضَى إِلَى الْقَتْلِ ظَاهِرًا، بِخِلَافِ الْمُرْتَدَّةِ؛ لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ. ۶. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ حَرْبِيٌّ مَقْهُورٌ تَحْتَ أَيْدِينَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ فِي تَوْقُفِ الْمَلِكِ وَتَوْقُفِ التَّصَرُّفَاتِ بِنَاءً عَلَيْهِ، وَصَارَ كَالْحَرْبِيِّ يَدْخُلُ دَارَنَا بِغَيْرِ أَمَانٍ فَيُؤْخَذُ وَيُقَهَّرُ وَتَتَوَقَّفُ تَصَرُّفَاتُهُ؛ لِتَوْقُفِ حَالِهِ، فَكَذَا الْمُرْتَدُّ.

گا، اسلئے تہائی مال میں نہیں بلکہ پورے مال میں اس کا تصرف درست سمجھا جائے گا۔ - تراح: مٹایا جائے گا، دور کیا جائے گا۔
ترجمہ: ۵: اور امام محمدؒ کے یہاں اس کا تصرف بیمار آدمی کے تصرف کی طرح ہوگا [کہ تہائی مال تصرف نافذ ہوگا] اس لئے کہ وہ غیر مذہب کی طرف منتقل ہوا ہے، خاص طور پر جس اسلام پر وہ پیدا ہوا ہے اس کو کم ہی لوگ چھوڑتا ہے، اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ وہ قتل ہی کیا جائے گا [اس لئے اس کا تصرف مرض الموت میں بیمار آدمی کی طرح ہوگا، بخلاف مرتد عورت کے] کیونکہ اس کا پورا تصرف جائز ہے [، کیونکہ وہ قتل نہیں کی جائے گی۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں مرتد کا تصرف بیمار آدمی کے تصرف کی طرح ہوگا، یعنی مرض الموت میں بیمار آدمی کا تصرف تہائی مال میں جاری ہوتا ہے اسی طرح اس کا تصرف بھی تہائی مال میں جاری ہوگا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آدمی اسلامی مذہب پر پیدا ہوا تھا اور ایک زمانے تک اس پر رہا ہے، اب وہ اچانک ایک غلط مذہب کی طرف چلا گیا اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ اس کی یہ بڑی غلطی معاف نہیں کی جائے گی اور قتل ہی کیا جائے گا تو گویا کہ وہ مرض الموت میں بیمار ہے اس لئے تہائی مال میں اس کا تصرف جائز ہوگا۔

لغت: انتحل: منتقل ہو گیا۔ نخلتہ: مذہب، یہاں مراد ہے غلط مذہب۔ نشأ علیہ: اس پر پیدا ہوا تھا، ایک زمانے تک اس مذہب پر رہا تھا۔ یفْضَى الی القتل: قتل کیا جائے گا، قتل تک پہنچائے گا۔

ترجمہ: ۶: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد حربی ہے البتہ ہمارے قبضے میں مجبور ہے جیسے کہ ہم نے ملک کے موقوف ہونے میں پہلے ذکر کیا ہے، اس لئے اس پر بنا کرتے ہوئے اس کا تصرف بھی موقوف رہے گا، جیسے کوئی حربی بغیر امن لئے ہوئے دارالاسلام میں داخل ہو جائے اور وہ پکڑا جائے اور مجبور ہو جائے تو اس کا تصرف موقوف رہتا ہے [کیونکہ قاضی اس کو احسان کرتے ہوئے چھوڑ دے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ قتل کیا جائے] اس لئے اس کا تصرف موقوف رہے گا اسی طرح مرتد کا تصرف بھی موقوف رہے گا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ مرتد حربی ہے اور ہمارے ہاتھوں میں مجبور ہے اس لئے اس میں اسلام بھی نہیں ہے اور تصرف کرنے کی اہلیت بھی نہیں ہے اس لئے اس کا تصرف ابھی موقوف رکھا جائے، کیونکہ اس کی حالت ابھی درمیان میں

وَأَسْتَحْقَاقُهُ الْقَتْلَ لِبُطْلَانِ سَبَبِ الْعِصْمَةِ فِي الْفُصْلَيْنِ فَأَوْجَبَ خَلًّا فِي الْأَهْلِيَّةِ، بِخِلَافِ الزَّانِي وَقَاتِلِ الْعَمْدِ؛ لِأَنَّ الْأَسْتَحْقَاقَ فِي ذَلِكَ جَزَاءٌ عَلَى الْجِنَايَةِ. وَبِخِلَافِ الْمَرْأَةِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ حَرَبِيَّةً؛ وَلِهَذَا لَا تُقْتَلُ.

(۲۹۰۹) فَإِنْ عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلِحَاقِهِ بَدَارِ الْحَرْبِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهُ فِي يَدِهِ وَرَثَتَهُ مِنْ مَالِهِ بِعَيْنِهِ أَخَذَهُ؛ ۱- لِأَنَّ الْوَارِثَ إِنَّمَا يَخْلُفُهُ فِيهِ لِاسْتِغْنَائِهِ، وَإِذَا عَادَ مُسْلِمًا احْتِجَاجٌ إِلَيْهِ فَيَقْدَمُ عَلَيْهِ.

ہے۔ اگر وہ اسلام لے آتا ہے تو اس کا یہ تصرف بحال کر دیا جائے گا، اور اگر ارتداد کی حالت میں قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کا کیا تصرف باطل ہو جائے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں، کہ ایک حربی بغیر امن لئے دارالاسلام میں داخل ہوا، اور وہ پکڑا گیا تو یہ بھی ممکن ہے کہ امیر اس پر احسان کرے اور چھوڑ دے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو قتل کر دے، اس لئے ابھی اس کے تصرف کو موقوف رکھا جائے گا، اسی طرح مرتد کے تصرف کو بھی موقوف رکھا جائے گا۔

ترجمہ: ۱- دونوں قاتل اس لئے کیا جائے گا وہ معصوم نہیں رہا اس لئے ان کی اہلیت میں خلل ہو گیا، بخلاف زانی اور قاتل کے ان دونوں قاتل کرنا ضروری ہے [مرتد کی طرح معاملہ درمیان میں اٹکا ہوا نہیں ہے۔ بخلاف مرتد عورت کے کہ وہ حربیہ نہیں بنی ہے اس لئے وہ قتل نہیں کی جائے گی۔

تشریح: یہاں تین آدمیوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں [۱] کفر کی وجہ سے مرتد کی عصمت ختم ہو چکی ہے اس لئے ممکن ہے کہ قتل کر دیا جائے اس لئے تصرف کرنے کی اہلیت میں خلل واقع ہو گیا ہے اس لئے اس کا تصرف موقوف رہے گا۔ [۲] اور زانی اور قاتل قاتل کرنا یقینی ہے، اس کا معاملہ درمیان میں نہیں ہے، پھر وہ موت تک کافر نہیں ہوا ہے اس لئے اس کی اہلیت اس کی موت تک بحال رہے گی۔ [۳] اور مرتدہ عورت حربیہ نہیں ہوئی اس لئے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے اس کی اہلیت اس کی موت تک باقی رہے گی۔

لغت: لان الاستحقاق في ذالك جزاء على الجنایة: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زانی اور قاتل کا معاملہ درمیان میں نہیں ہے بلکہ اس کی سزا لازمی ہے، اس لئے اس کی اہلیت میں خلل واقع نہیں ہوا بلکہ موت تک اس کی اہلیت باقی رہی۔

ترجمہ: (۲۹۰۹) اگر مرتد لحاق حکم کے بعد دارالاسلام واپس آجائے تو جو پائے ورثہ کے ہاتھ میں بعینہ مال تو اسکو لے لے۔

ترجمہ: ۱- وارث اس لئے مرتد کا خلیفہ بنا تھا کہ اب مرتد کو اس کی ضرورت نہیں رہی تھی، اور جب وہ مسلمان ہو کر واپس ہوا تو اب وہ ضرورت مند ہو گیا اس لئے اپنا مال لینے میں مرتد مقدم رہے گا۔

۲ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَرَاكَ الْوَارِثُ عَنْ مِلْكِهِ، ۳ وَبِخِلَافِ أُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَمُدَبَّرِيهِ؛ لِأَنَّ الْقَضَاءَ قَدْ صَحَّ بِدَلِيلٍ مُصَحِّحٍ فَلَا يُنْقَضُ، ۴ وَلَوْ جَاءَ مُسْلِمًا قَبْلَ أَنْ يَقْضِيَ الْقَاضِي بِذَلِكَ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ مُسْلِمًا لِمَا ذَكَرْنَا.

تشریح: مرتد بھاگ کر دارالحرب چلا گیا۔ اس کے بعد حاکم نے دارالحرب بھاگ جانے کا فیصلہ کر دیا۔ پھر وہ مسلمان ہو کر واپس دارالاسلام آیا تو اس کا جو مال ورثہ کے ہاتھ میں اپنی حالت پر موجود ہے وہ واپس لے لے۔ اور جو مال خرچ کر چکا ہے اس کو ورثہ سے وصول نہیں کر سکتا۔

وجہ: دارالحرب میں شامل ہونے کے فیصلے کے بعد گویا کہ وہ مردہ ہو گیا۔ اسلئے ورثہ نے جو مال تقسیم کر کے لیا وہ اسکے مالک بن گئے۔ اور ان کا تصرف کرنا صحیح ہو گیا۔ اس لئے جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور جو مال ورثہ کے ہاتھ میں محفوظ ہے اس نو مسلم کو اس کی اشد ضرورت ہے، اور حقیقت میں اسی کا کمایا ہوا ہے اس لئے اس کو واپس دلویا جائیگا۔

ترجمہ: ۲ بخلاف وارث نے جو مال خرچ کر دیا [وہ واپس نہیں لیا جائے گا۔

تشریح: وارث نے قاضی کے فیصلے کے بعد لیا تھا اس لئے وہ اس کا مالک بن چکا تھا اس لئے جو مال وہ خرچ کر چکا ہے وہ واپس نہیں دیگا، اور نہ اس کا ضمان ادا کرے گا۔

ترجمہ: ۳ بخلاف ام ولد اور مدبر کے جو آزاد ہو گئے وہ اب واپس غلام نہیں بنیں گے، اس لئے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد وہ آزاد ہوئے تھے اس لئے یہ فیصلہ اب نہیں ٹوٹے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غلام باندی آزاد ہونے کے بعد واپس غلام باندی نہیں بنتے۔ اور یہاں تو قاضی کے باضابطہ فیصلے کے بعد آزاد ہوئے ہیں اس لئے بھی وہ فیصلہ نہیں ٹوٹے گا، اور نہ یہ لوگ مرتد کے دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد غلام اور باندی بنیں گے۔

ترجمہ: ۴ اور اگر قاضی کے فیصلے سے پہلے مرتد مسلمان ہو کر دارالحرب سے واپس آ گیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ وہ ہمیشہ سے مسلمان ہی رہا ہے اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی ہے، [کہ قاضی کے فیصلے سے پہلے مرتد کو دارالحرب بھاگا ہوا نہیں سمجھا جائے گا]

تشریح: مرتد دارالحرب گیا تو ضرور تھا لیکن قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ مسلمان بن کر دارالاسلام واپس آ گیا، تو اس کا مدبر اور ام ولد بھی آزاد نہیں ہوں گے۔

وجہ: قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ دارالحرب بھاگا ہوا نہیں سمجھا جاتا ہے، اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ ہمیشہ سے مسلمان ہی

(۲۹۱۰) وَإِذَا وَطِئَ الْمُرْتَدُّ جَارِيَةً نَّصْرَانِيَّةً كَانَتْ لَهُ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لَأَكْثَرِ مِنْ سِتَةِ أَشْهُرٍ مُنْذَارْتَدَّ فَأَدْعَاهُ فَهِيَ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَالْوَلَدُ حُرٌّ وَهُوَ ابْنُهُ وَلَا يَرِثُهُ، وَإِنْ كَانَتْ الْجَارِيَةُ مُسْلِمَةً وَرِثَتْهُ الْإِبْنُ إِنْ مَاتَ عَلَى الرَّدَّةِ أَوْ لِحَقَّ بِدَارِ الْحَرْبِ ۚ أَمَّا صِحَّةُ الْإِسْتِيلَادِ فَلَمَّا قُلْنَا، وَأَمَّا الْإِرْثُ فَلَمَّا قَالَ إِنْ كَانَتْ نَّصْرَانِيَّةً وَالْوَلَدُ تَبَعَ لَهُ لِقُرْبِهِ إِلَى الْإِسْلَامِ لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ فَصَارَ فِي حُكْمِ الْمُرْتَدِّ وَالْمُرْتَدُّ لَا يَرِثُ الْمُرْتَدَّ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ مُسْلِمَةً فَالْوَلَدُ مُسْلِمٌ تَبَعَ لَهَا؛ لِأَنَّهَا خَيْرُهُمَا دِينًا وَالْمُسْلِمُ يَرِثُ الْمُرْتَدَّ.

رہا ہے اس لئے اس کی تمام ملکیت بحال رہے گی، اور وہ اس کا مالک رہے گا۔

ترجمہ: (۲۹۱۰) اسلام کی حالت میں نصرانی باندی تھی مرتد نے اس سے وطی کی جس سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا تو بچہ آزاد ہوگا اور وہ مرتد کا بیٹا ہوگا لیکن بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا، اور باندی مسلمان ہو تو بیٹا باپ کا وارث ہوگا، اگرچہ باپ مرتد کی حالت میں مرا ہو، یا دار الحرب چلا گیا ہو۔

ترجمہ: مرتد کا نصرانیہ باندی ام ولد کیوں بن جائے گی اس کی دلیل پہلے دی کہ ام ولد ہونے کے لئے مالک ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور بیٹا وارث اس لئے نہیں ہوگا کہ ماں جب نصرانی ہے تو بیٹا ماں کے تابع ہوگا اس لئے کہ وہ اسلام کے زیادہ قریب ہے اس لئے بیٹا کو نصرانی بننے کے لئے مجبور کیا جائے گا اس لئے بیٹا مرتد کے حکم ہو گیا اور مرتد کا وارث نہیں ہوتا ہے، اور باندی مسلمہ ہے تو بچہ ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہے اس لئے کہ اس کا دین بہتر ہے اور مسلمان مرتد باپ کا وارث ہوتا ہے [اس لئے بچہ باپ کا وارث بنے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد بچہ مرتد باپ کا وارث نہیں بنتا، لیکن مسلمان بچہ مرتد باپ کا وارث بنتا ہے۔

تشریح: مرتد کے پاس اسلام کی حالت میں نصرانی باندی تھی، اس نے مرتد کی حالت میں اس سے وطی کی جس کی وجہ سے چھ مہینے کے اندر لڑکا پیدا ہوا تو یہ باندی اس کی ام ولد ہوگی، اس لئے کہ مرتد کی حالت اگرچہ اس کی ملکیت موقوف ہو جاتی ہے، لیکن ام ولد بنانے کے لئے ملکیت کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا اس لئے یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی۔ اور جو لڑکا ہوگا وہ آزاد ہوگا، کیونکہ وہ آزاد کا بیٹا ہے، لیکن وہ باپ کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ: باپ مرتد ہے اور ماں نصرانی ہے جو مرتد سے بہتر دین ہے اس لئے لڑکا ماں کا تابع ہو کر نصرانی شمار کیا جائے گا، نصرانی ہونا بھی گویا کہ مرتد ہونا ہے، اور قاعدہ گزرا کہ مرتد بچہ مرتد باپ کا وارث نہیں ہوتا اس لئے یہ بچہ باپ کا وارث نہیں ہوگا۔

اور اگر ماں مسلمہ باندی تھی تو بچہ ماں کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا، اور قاعدہ گزرا کہ مسلمان بچہ مرتد کا وارث ہوتا ہے اس لئے یہ بچہ باپ کا وارث ہوگا۔

(۲۹۱۱) وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بِمَالِهِ بَدَارُ الْحَرْبِ ثُمَّ ظَهَرَ عَلَى ذَلِكَ الْمَالِ فَهُوَ فَيٌّ، فَإِنْ لَحِقَ ثُمَّ رَجَعَ وَأَخَذَ مَالًا وَالْحَقُّهُ بَدَارُ الْحَرْبِ فَظَهَرَ عَلَى ذَلِكَ الْمَالِ فَوَجَدَتْهُ الْوَرِثَةُ قَبْلَ الْقِسْمَةِ رُدَّ عَلَيْهِمْ؛ لِأَنَّ الْأَوَّلَ مَالٌ لَمْ يَجْرِ فِيهِ الْإِرْثُ، وَالثَّانِي انْتَقَلَ إِلَى الْوَرِثَةِ بِقَضَاءِ الْقَاضِي بِلِحَاقِهِ فَكَانَ الْوَارِثُ مَالِكًا قَدِيمًا.

(۲۹۱۲) وَإِذَا لَحِقَ الْمُرْتَدُّ بَدَارُ الْحَرْبِ وَلَهُ عَبْدٌ فَقَضِيَ بِهِ لِابْنِهِ وَكَاتَبَهُ الْإِبْنُ ثُمَّ جَاءَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمًا فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ، وَالْمُكَاتَبَةُ وَالْوَلَاءُ لِلْمُرْتَدِّ الَّذِي أَسْلَمَ؛

ترجمہ: (۲۹۱۱) مرتد اپنے مال کے ساتھ دارالحرب چلا گیا پھر اس پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا تو یہ مال فئی ہوگا۔ اور اگر مرتد دار الحرب خالی گیا، پھر مال لیکر دارالحرب گیا اور اس مال پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور تقسیم سے پہلے ورثہ نے اس مال کو پایا تو تو یہ مال ورثہ کو دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: پہلی صورت میں مال وارث کا نہیں ہوا ہے۔ اور دوسری صورت میں قاضی کے دارالحرب چلے جانے کے فیصلے کی وجہ سے مال وارث کا ہو چکا ہے [اور وہ پرانا مالک ہے] اس لئے یہ مال اس کو دے دیا جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد وارث کا مال ہو چکا ہو تو وہ مال وارث کو ملے گا، اور قاضی کا فیصلہ نہیں ہوا ہو اس لئے وارث کا مال نہ ہوا ہو تو وہ مال وارث کو نہیں ملے گا، وہ مال فئی ہوگا۔

تشریح: یہاں دو صورتیں ہیں [۱] مرتد اپنا مال لیکر دارالحرب چلا گیا، اب قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا، اس کے بعد مسلمانوں کا اس مال پر غلبہ ہوا تو وہ مال غنیمت کا مال ہوگا، کیونکہ مال دارالحرب لیجانے کی وجہ سے وہ مال وارث کا نہیں ہوا اس لئے وہ مال مرتد کے وارث کو نہیں ملے گا، ہاں جو مال وہ دارالاسلام میں چھوڑ گیا تھا وہ مال وارث کو ملے گا۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ مرتد مثلاً دارالاسلام میں دس کیلو سونا چھوڑ کر دارالحرب چلا گیا، اب قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا، جس کی وجہ سے یہ دس کیلو سونا اس کے وارث کا ہو گیا، لیکن اس کو تقسیم کرنے سے پہلے مرتد چپکے سے دارالاسلام آیا اور وہ دس کیلو سونا لیکر دارالحرب چلا گیا، اب جنگ کی وجہ سے اس سونے پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا، اور مجاہدین میں تقسیم سے پہلے مرتد کے وارث نے اس کو پایا تو یہ سونا وارث کو دیا جائے گا۔

وجہ: قاضی کے فیصلے کی وجہ سے یہ سونا وارثین کا ہو چکا تھا اور یہ سونے کا پرانا مالک ہے اس لئے یہ سونا مرتد کے وارثین کو ملے گا۔

ترجمہ: (۲۹۱۲) مرتد دارالحرب چلا گیا، اب اس کا ایک غلام تھا، مرت کے بیٹے کے لئے قاضی کا فیصلہ ہو گیا، بیٹے نے اس غلام کو مکاتب بنادیا، اب مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام آیا تو بیٹے کا مکاتب بنانا جائز رہے گا، اور یہ مال کتابت اور ولاء اس

۱۔ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إِلَى بُطْلَانِ الْكِتَابَةِ لِنُفُوذِهَا بِدَلِيلٍ مُنْفَذٍ، فَجَعَلْنَا الْوَارِثَ الَّذِي هُوَ خَلْفُهُ كَأَنَّهُ كِلَافُ مَنْ جِهَتِهِ، وَحُقُوقُ الْعَقْدِ فِيهِ تَرْجِعُ إِلَى الْمُؤَكَّلِ، وَالْوَلَاءُ لِمَنْ يَقَعُ الْعِتْقُ عَنْهُ.

(۲۹۱۳) وَإِذَا قُتِلَ الْمُرْتَدُّ رَجُلًا خَطَاؤًا لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ فَالذِّیَّةُ فِي مَالٍ اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ خَاصَّةً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا: الذِّیَّةُ فِيمَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالَةِ الْإِسْلَامِ وَالرِّدَّةِ جَمِيعًا؛

مرتد کو ملے گا جو مسلمان بنکر آیا ہے۔

ترجمہ: اس لئے کہ مکاتیب بنانے کو باطل کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ قاضی کے فیصلے سے وہ نافذ ہوا ہے اس لئے وارث کو اس کا خلیفہ مانا جائے گا، گویا کہ بیٹا مرتد کی جانب سے وکیل ہے، لیکن اب عقد کے حقوق موکل [مرتد جو مسلمان ہوا ہے] کی طرف لوٹیں گے، اور ولاء اس کی ہوگی جس کی جانب سے آزاد ہوا [یعنی نومسلم کی جانب سے]

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام آیا تو اس کا غلام اب جس حال میں ہے [یعنی مکاتبہ ہے] وہی اس کو ملے گا، کیونکہ قاضی کے فیصلے سے ایسا ہوا ہے۔

تشریح: مرتد دارالحرب چلا گیا، اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ کر دیا، مرتد کا ایک غلام تھا جسکو فیصلے کے بعد اس کے بیٹے کو دے دیا، بیٹے نے اس غلام کو مکاتبہ بنا دیا۔ اس کے بعد مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام آیا تو یہ مکاتبہ مکاتبہ ہی باقی رہے گا، اس کو توڑ کر اب غلام نہیں بنایا جائے گا، کیونکہ یہ قاضی کے فیصلے سے ہوا ہے، اور یوں سمجھا جائے گا کہ بیٹا مکاتبہ بنانے میں مرتد کا خلیفہ تھا، اور اس کی جانب سے وکیل تھا، البتہ مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام آیا ہے اس لئے مکاتبہ ہی کی حالت میں یہ غلام اس نومسلم کو دیا جائے گا۔ اب مال کتابت اس نومسلم کو ملے گا، اور جب یہ مکاتبہ آزاد ہوگا تو اس کی ولاء بھی اس نومسلم ہی کو ملے گی، کیونکہ اسی کی جانب سے مکاتبہ آزاد ہوا ہے۔

لغت: لنفوذ ہا بلیل منفذ: منفذ سے مراد ہے نافذ کرنے والا یعنی قاضی، عبارت کا مطلب ہے کہ قاضی کے نافذ کرنے سے کتابت نافذ ہوئی ہے۔ ولاء: جو غلام آزاد ہوا ہے اس کے مرنے کے بعد اگر اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو غلام کا مال اس کے آزاد کرنے والے آقا کو ملتا ہے، اس مال کو ولاء، کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۱۳) مرتد نے کسی کو غلطی سے قتل کر دیا پھر دارالحرب چلا گیا، یا مرتد کی حالت میں قتل کر دیا گیا، تو اسلام کی حالت میں جو کمایا ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف اسی مال سے اس کی دیت ادا کی جائے گی، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اسلام اور مرتد کی حالت میں جو کچھ کمایا دونوں سے دیت ادا کی جائے گی۔

۱۔ لَإِنَّ الْعَوَاقِلَ لَا تَعْقِلُ الْمُرْتَدَّ؛ لِإِعْدَامِ النُّصْرَةِ فَتَكُونُ فِي مَالِهِ. وَعِنْدَهُمَا الْكُسْبَانِ جَمِيعًا مَالُهُ؛ لِنُفُوزِ تَصَرُّفَاتِهِ فِي الْحَالِّينَ، وَلِهَذَا يَجْرِي الْإِرْثُ فِيهِمَا عِنْدَهُمَا.
وَعِنْدَهُ مَالُهُ الْمُكْتَسَبُ فِي الْإِسْلَامِ؛ لِنَفَازِ تَصَرُّفِهِ فِيهِ دُونَ الْمَكْسُوبِ فِي الرَّدَّةِ؛ لِتَوْقُفِ تَصَرُّفِهِ، وَلِهَذَا كَانَ الْأَوَّلُ مِيرَاثًا عَنْهُ، وَالثَّانِي فَيْئًا عِنْدَهُ.

ترجمہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد کا خاندان دیت میں مدد نہیں کرتا اس لئے کہ مدد باقی نہیں رہتی اس لئے مرتد ہی کے مال سے دیت ادا کی جائے گی،
صاحبین کے یہاں اس کے دونوں قسم کے مال مرتد کا مال ہے، اس لئے کہ ان کے یہاں دونوں حالتوں میں مرتد کا تصرف باقی رہتا ہے، اس لئے ان کے یہاں دونوں مالوں میں وراثت جاری ہوتی ہے [اس لئے دونوں قسم کے مال سے مرتد کی دیت ادا کی جائے گی]

اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مرتد کا وہی مال ہے جو اسلام کی حالت میں کمایا اس لئے کہ اسی میں اس کا تصرف ہوتا ہے، مرتد کی حالت میں جو کچھ کمایا اس میں اس کا تصرف نہیں ہے، کیونکہ اس حال میں اس کا تصرف موقوف ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں پہلے مال میں وراثت جاری ہوتی ہے اور مرتد کی حالت کا مال فئی ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ صاحبین کے یہاں اسلام کی حالت میں اور مرتد ہونے کی حالت میں جو مال کمایا ہے دونوں مرتد کی ملکیت ہے اس لئے دونوں سے دیت ادا کی جائے گی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مرتد کی حالت کی کمائی موقوف ہے، بلکہ وہ فئی ہے اس لئے اس سے دیت ادا نہیں کی جائے گی، اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کا مال تھا اس لئے اسی سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس کا خاندان اس سے الگ ہو جاتا ہے اس لئے وہ لوگ قتلِ خطاء کی دیت ادا نہیں کریں گے پوری دیت مرتد ہی کے مال سے ادا کی جائے گی۔

تشریح: مرتد نے اپنی مرتد کی حالت میں کسی آدمی کو غلطی سے قتل کر دیا، پھر مرتد کی حالت میں اس کو قتل کر دیا گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اسلام کی حالت میں جو کمائی ہے اس سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔

وجہ: پہلے گزر چکا ہے کہ اسلام کی حالت کی کمائی مرتد کی کمائی ہے، اس لئے اس سے اس کی دیت ادا کی جائے گی، اور مرتد کی حالت کی کمائی فئی کا مال ہے، یہ مسلمانوں کا مال ہو چکا ہے، اس لئے اس سے دیت ادا نہیں کی جائے گی۔

اور صاحبین کے یہاں دونوں حالتوں کی کمائی مرتد کا مال ہے اس لئے دونوں کمائی سے اس کی دیت ادا کی جائے گی۔ انہوں

(۲۹۱۴) وَإِذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُسْلِمِ عَمْدًا فَارْتَدَّ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ ثُمَّ مَاتَ عَلَى رِدَّتِهِ مِنْ ذَلِكَ أَوْ لِحَقِّ بَدَارِ الْحَرْبِ ثُمَّ جَاءَ مُسْلِمًا فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ فَعَلَى الْقَاطِعِ نِصْفُ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ لِلْوَرَثَةِ.

۱۔ اَمَّا الْاَوَّلُ فَلِئَانِ السَّرَايَةَ حَلَّتْ مَحَلًّا غَيْرَ مَعْصُومٍ فَاهْدَرَتْ،

نے ایک مثال دی کہ دونوں قسم کا مال ورثہ کے اندر تقسیم کیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ دونوں مال مرتد کے ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۱۴) کسی نے مسلمان کا ہاتھ جان کر کاٹ دیا، جس کا ہاتھ کاٹا نعوذ باللہ وہ مرتد ہو گیا پھر مرتد کی حالت ہی میں وہ مر گیا۔ یا وہ دار الحرب چلا گیا پھر وہ مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا اور وہ اس زخم سے مر گیا تو ہاتھ کاٹنے والے پر آدھی دیت لازم ہوگی جو مرتد کے ورثہ کو ملے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اسلام کی حالت میں کسی نے جان کر ہاتھ کاٹا، اور مرتد کی حالت میں اس کی موت ہوئی تو اس کو ہاتھ کی دیت ملے گی جو جان کی دیت سے آدھی ہوتی ہے، کاٹنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اور اگر مرتد کی حالت میں ہاتھ کاٹا، پھر مسلمان کی حالت میں مرا تو ہاتھ کاٹنے وقت معصوم نہیں ہے اس کو کچھ بھی دیت نہیں ملے گی۔

تشریح: یہاں دو صورتیں ہیں [۱] ہاتھ کاٹنے وقت مسلمان تھا بعد میں وہ مرتد ہو گیا، اور اسی حالت میں وہ مرا، تو اس مرتد کے وارث کو ہاتھ کی دیت دی جائے گی، جو نفس کی دیت سے آدھی ہوتی ہے۔ یہاں جان کر ہاتھ کاٹا ہے اس لئے اس کا قصاص لازم آنا چاہئے اور کاٹنے والے کا ہاتھ کٹنا چاہئے، لیکن چونکہ آدمی مرتد ہو گیا ہے اس لئے قصاص لازم نہیں آئے گا، البتہ آدھی دیت اس لئے دلوائی جائے گی کہ ہاتھ کٹنے وقت وہ مسلمان تھا۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ وہ آدمی مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا تو یوں سمجھو کہ وہ مرتد ہی کی حالت میں مر گیا، اب وہ مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا بھی تو اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کے ورثہ کو آدھی دیت ملے گی۔

[۳] ایک تیسری صورت آگے آرہی ہے کہ مرتد کی حالت میں اس کا ہاتھ کاٹا، بعد میں وہ مسلمان ہو گیا تو اس کو کوئی دیت نہیں ملے گی۔ کیونکہ جس وقت اس کا ہاتھ کاٹا گیا اس وقت وہ معصوم نہیں تھا، یعنی محفوظ نہیں ہے کیونکہ وہ مرتد تھا، بعد میں مسلمان ہونے سے اس کی دیت نہیں لوٹے گی۔

ترجمہ: ۱۔ پہلی شکل [یعنی مرتد کی حالت میں مر گیا] تو بات یہ ہے کہ زخم اس وقت سرایت کی جب کہ وہ مرتد محفوظ نہیں تھا اس لئے کاٹنا بیکار گیا [یعنی اس کی قیمت لازم نہیں ہوگی]

تشریح: پہلی شکل یہ ہے کہ ہاتھ کٹنے وقت مسلمان ہے، لیکن زخم سرایت کر کے جب وہ مر رہا ہے تو وہ مرتد ہے اس لئے وہ

۲. بِخِلَافِ مَا إِذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُرْتَدِّ ثُمَّ أَسْلَمَ فَمَاتَ مِنْ ذَلِكَ؛ لِأَنَّ الْإِهْدَارَ لَا يُلْحَقُهُ إِلَّا عِتْبَارُ، أَمَّا الْمُعْتَبَرُ فَقَدْ يَهْدَرُ بِالْإِبْرَاءِ فَكَذَا بِالرَّدِّ ۳. وَأَمَّا الثَّانِي وَهُوَ مَا إِذَا لَحِقَ وَمَعْنَاهُ إِذَا قُضِيَ بِلَحَاقِهِ فَلِأَنَّهُ صَارَ مِثْلًا تَقْدِيرًا، وَالْمَوْتُ يَقْطَعُ السَّرَايَةَ، وَإِسْلَامُهُ حَيَاةٌ حَادِثَةٌ فِي التَّقْدِيرِ فَلَا يَعُودُ حُكْمُ الْجَنَائِيَةِ الْأُولَى،

غیر محفوظ ہے اسلئے قصاص نہیں لیا جائے گا، البتہ چونکہ ہاتھ کٹنے وقت وہ مسلمان تھا اسلئے اسکے ورثہ کو آدھی دیت دی جائے گی۔
لغت: اہدرت: ہدر سے مشتق ہے، خون بہانہ ملے، وہ بیکار ہو جائے۔ حلت محلا غیر معصوم: زخم ایسے وقت میں سرایت کیا جب کہ وہ مرتد تھا، یعنی محفوظ نہیں تھا۔

ترجمہ: ۲. بخلاف جبکہ مرتد کا ہاتھ کاٹا پھر وہ اسلام لایا اور اس زخم سے مراد تو کاٹنے والے پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ ارتداد کی حالت میں کچھ لازم نہیں ہوا تو بعد میں بھی کچھ لازم نہیں ہوگا، ہاں پہلے لازم ہوا ہو تو وہ ہدر ہو سکتا ہے جیسے کہ قصاص معاف کر دے، پس ایسے ہی مرتد ہونے کی وجہ سے وہ ہدر ہو سکتا ہے۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ تیسری صورت ہے، کہ مرتد ہونے کی حالت میں ہاتھ کاٹا، بعد میں اسلام لایا اور اس زخم سے مراد تو آدھی دیت بھی نہیں ملے گی۔

وجہ: ہاتھ کٹنے وقت معصوم نہیں ہے، اس لئے بعد میں مسلمان ہونے سے دیت نہیں لوٹے گی۔

لغت: اهدار لا یلحقہ الاعتبار: مرتد ہونے کی وجہ سے پہلے خون بہا ہدر ہو گیا، یعنی بیکار ہو گیا تو اب اسلام لانے کے بعد اس کا اعتبار نہیں ہوگا، یعنی خون بہا نہیں لوٹے گا۔ معتبر فقد بہدر: خون بہا لازم ہوا ہو تو ہدر ہو سکتا ہے، جیسے خون بہا معاف کر دے تو وہ ہدر ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳. دوسری صورت وہ یہ ہے کہ جب مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا پھر مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا، اس کا معنی یہ ہے کہ قاضی نے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا تو تقدیر اوہ مردہ ہو گیا، اور موت کی وجہ سے زخم سرایت نہیں کرتا۔ اور جو اسلام لایا تو گویا کہ اس کی نئی زندگی ہوئی اس لئے پہلے جرم کا حکم نہیں لوٹے گا۔

تشریح: دوسری صورت یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں ہاتھ کاٹا، اب مرتد ہو کر وہ دار الحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے جانے کا فیصلہ کر دیا، اس کے بعد وہ مسلمان ہو کر دار الاسلام آیا، اور ہاتھ کٹنے کی وجہ سے مراتب بھی اس کو آدھی دیت ملے گی،

وجہ: کیونکہ جب قاضی نے دار الحرب جانے کا فیصلہ کر دیا تو گویا کہ اسی وقت مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا، اس لئے اس کو قصاص نہیں ملے گا، آدھی دیت ہی ملے گی۔ اور یہ جو اسلام لایا ہے، یہ نئی زندگی ہے، ہاتھ کٹنے کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اسلئے قصاص نہیں دلوایا جائے گا۔

۴. فَإِذَا لَمْ يَقْضِ الْقَاضِي بِلَحَاقِهِ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ الَّذِي نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

(۲۹۱۵) قَالَ: فَإِنْ لَمْ يَلْحَقْ وَأُسْلِمَ ثُمَّ مَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَّةُ كَامِلَةً ۚ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. [وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرٌ: فِي جَمِيعِ ذَلِكَ نِصْفُ الدِّيَّةِ؛ لِأَنَّ اعْتِرَاضَ الرَّدَّةِ أَهْدَرَ السَّرَايَةَ فَلَا يَنْقَلِبُ بِإِسْلَامٍ إِلَى الضَّمَانِ، كَمَا إِذَا قُطِعَ يَدُ مُرْتَدٍّ فَأُسْلِمَ.

ترجمہ: ۴۔ اور قاضی نے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ نہیں کیا ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے جسکو ہم ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

تشریح: اسلام کی حالت میں ہاتھ کٹا، پھر یہ مرتد ہو گیا اور دار الحرب چلا گیا، لیکن ابھی قاضی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آ گیا، اور مراد تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں پوری دیت دلوائی جائے گی یعنی قصاص لازم ہوگا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ یہ کبھی مرتد ہوا ہی نہیں تھا، بلکہ ہمیشہ مسلمان ہی باقی رہا تھا، اس کی باقی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۲۹۱۵) اگر مرتد دار الحرب گیا ہی نہیں اور اسلام لے آیا اور مر گیا تو اس کی پوری دیت لی جائے گی [امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں ہے] اور امام محمدؒ اور زفرؒ نے فرمایا کہ تمام صورتوں میں آدھی دیت ملے گی۔

ترجمہ: ۵۔ اس لئے کہ بیچ میں مرتد ہو گیا تو زخم کا سرایت کرنا ختم ہو گیا اس لئے اسلام لانے سے پورے ضمان کی طرف نہیں لوٹے گا، جیسے مرتد کا ہاتھ کاٹا اور پھر وہ مسلمان ہوتا تو اس کی دیت لازم نہیں ہوتی ہے ویسے یہاں ہوگا۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ دار الحرب جانے سے پہلے اور قاضی کے فیصلے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو گویا کہ وہ ہمیشہ مسلمان ہی ہے اس لئے اس کو پوری دیت ملے گی۔

اصول: امام محمدؒ اور امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ، مرتد ہونے کے بعد چاہے قاضی کے فیصلے سے پہلے وہ مسلمان ہو جائے تب بھی اس کو مرتد شمار کیا جائے گا، اور اسکو آدھی دیت ملے گی۔

تشریح: مرتد کے لئے دار الحرب جانے کا قاضی نے ابھی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ دوبارہ مسلمان ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اس کو پوری دیت ملے گی۔ اور امام محمدؒ اور امام زفرؒ کے یہاں اس کو آدھی دیت ملے گی۔

وجہ: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے اس کی دیت آدھی ہو چکی ہے اس لئے اب اسلام لانے سے اس کی دیت پلٹ کر پوری نہیں ہوگی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، جیسے مرتد ہونے کی حالت میں ہاتھ کاٹا گیا ہو پھر مسلمان ہو جائے تب بھی اس کو کچھ دیت نہیں ملتی، ایسے یہاں بھی آدھی ہی دیت ملے گی۔

لغت: اہل السرایۃ: ہاتھ کٹنے کا زخم جو سرایت کیا، مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۲ وَلَهُمَا أَنْ الْجِنَايَةَ وَرَدَتْ عَلَى مَحَلٍّ مَعْصُومٍ وَتَمَّتْ فِيهِ فَيَجِبُ ضَمَانُ النَّفْسِ، كَمَا إِذَا لَمْ تَتَخَلَّلْ الرَّدَّةُ، وَهَذَا؛ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِقِيَامِ الْعِصْمَةِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْجِنَايَةِ، وَإِنَّمَا الْمُعْتَبَرُ قِيَامُهَا فِي حَالِ انْعِقَادِ السَّبَبِ وَفِي حَالِ ثُبُوتِ الْحُكْمِ، وَحَالَةُ الْبَقَاءِ بِمَعْزِلٍ مِنْ ذَلِكَ كُلِّهِ، وَصَارَ كَقِيَامِ الْمُلْكِ فِي حَالِ بَقَاءِ الْيَمِينِ.

(۲۹۱۶) وَإِذَا ارْتَدَّتِ الْمُكَاتَبُ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَاکْتَسَبَ مَالًا فَأَخَذَ بِمَالِهِ وَأَبَى أَنْ يُسَلِّمَ فَقَتِلَ فَإِنَّهُ يُؤْفَى مَوْلَاهُ مُكَاتَبَتَهُ وَمَا بَقِيَ فَلِوَرَثَتِهِ.

ترجمہ: ۲ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کاٹتے وقت وہ مسلمان تھا، اور جب مراتب بھی مسلمان تھا اس لئے پورے جان کا ضمان لازم ہوگا، جیسے کہ بیچ میں مرتد نہ ہوتا تو پورا ضمان لازم ہوتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جرم کے باقی رہنے کی حالت میں مسلمان رہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ سبب کے منعقد ہونے [ہاتھ کٹنے کی حالت میں] اسلام باقی رہنا کافی ہے اور حکم کے ثابت رہنے کے زمانے میں مسلمان ہونا کافی ہے، اور باقی رہنے کی جو حالت ہے وہ ان دونوں سے الگ ہے، جیسے قسم کے باقی رہنے کے زمانے میں ملکیت قائم رہنے کا حال ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب ہاتھ کاٹا تب وہ مسلمان تھا، اور جب وہ مراتب بھی مسلمان تھا، اسلئے درمیان میں مرتد ہونے سے دیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں مثلاً زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے، اب یہ کہتے وقت وہ بیوی تھی اس کے بعد ایک طلاق باندہ دے دی، پھر نکاح کر لیا، اور اس نکاح کی حالت میں گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع ہوگی، یہاں طلاق کا جملہ بولتے وقت نکاح میں ہے اور گھر میں داخل ہوتے وقت نکاح میں ہے تو طلاق واقع ہوگی چاہے درمیان میں نکاح میں نہیں تھی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اسی طرح درمیان میں مرتد ہو جائے تو اس سے دیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہاں عبارت منطقی ہے اس لئے اس مطلب کو عبارت سے ملا کر سمجھیں۔

لغت: انعقاد السبب: اس سے مراد ہے کہ ہاتھ کٹتے وقت وہ مسلمان ہے۔ حال ثبوت الحکم: اس سے مراد ہے کہ مرتد ہونے کے وقت وہ مسلمان ہے۔ حالۃ البقاء: اس سے مراد ہے کہ درمیان میں وہ مرتد ہو گیا تھا۔

ترجمہ: (۲۹۱۶) مکاتب مرتد ہو گیا اور دار الحرب چلا گیا اور کچھ مال کمایا پھر وہ مال کے ساتھ پکڑا گیا، اس نے اسلام لانے سے انکار کر دیا اس کی وجہ سے وہ قتل کیا گیا، تو اس کے آقا کا مال کتابت پورا کیا جائے گا، اور جو باقی بچے گا وہ مکاتب کے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

۱۔ وَهَذَا ظَاهِرٌ عَلَى أَصْلِهِمَا؛ لِأَنَّ كَسْبَ الرَّدَّةِ مِنْهُ إِذَا كَانَ حُرًّا، فَكَذَا إِذَا كَانَ مُكَاتَبًا. ۲. وَأَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَلِأَنَّ الْمُكَاتَبَ إِنَّمَا يَمْلِكُ أَكْسَابَهُ بِالْكِتَابَةِ، وَالْكِتَابَةُ لَا تَتَوَقَّفُ بِالرَّدَّةِ فَكَذَا أَكْسَابُهُ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَتَوَقَّفُ تَصَرُّفُهُ بِالْأَقْوَى وَهُوَ الرَّقُّ، فَكَذَا بِاللَّذَنَى بِالطَّرِيقِ الْأُولَى.

ترجمہ: صاحبین کے مسلک پر تو یہ مسئلہ آسان ہے، کیونکہ ان کے یہاں مرتد کی حالت میں بھی اس کی ملکیت رہتی ہے اگر وہ آزاد ہو پس یہی حال ہے اگر وہ مکاتب ہو۔

اصول: یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ۔ یہ قاعدہ پہلے گزرا ہے کہ آدمی آزاد ہو تو مرتد کے زمانے کی کمائی فنی ہوتی ہے۔ لیکن یہاں قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ مکاتب مرتد ہو تو اس کی کمائی فنی نہیں ہوگی، بلکہ آقا کا مال ہوگا، اس سے کتابت ادا کی جائے گی، اور اس سے جو بچے گی وہ مکاتب کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔

اصول: صاحبین کے یہاں آزاد ہو یا مکاتب ہو مرتد کی کمائی اس کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے اس سے مال کتابت ادا کی جائے گی۔ یہ قاعدہ پہلے گزر چکا ہے۔

تشریح: مکاتب مرتد ہو کر دالحرب چلا گیا، اور وہاں کچھ کمایا، پھر وہ مال کے ساتھ پکڑا گیا، اس کو اسلام لانے کے لئے کہا لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا اس لئے قتل کیا گیا، تو مرتد کے زمانے کی جو کمائی ہے وہ اس کی ملکیت ہے فنی نہیں ہوگی، اس سے مال کتابت ادا کیا جائے گا، اور اس سے جو باقی بچے گا وہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

وجہ: صاحبین کے یہاں تو مرتد کے زمانے کی کمائی اس کی ملکیت ہے اس لئے مال کتابت ادا ہی کیا جائے گا، لیکن امام ابوحنیفہ کے یہاں بھی یہ کمائی فنی نہیں ہے بلکہ مکاتب کی کمائی ہے، اس لئے کتابت بھی ادا کی جائے گی اور اس کے ورثہ میں تقسیم بھی ہوگی، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں آقا کا حق جماعت مسلمین سے مقدم ہے اس لئے اس کو مال دیا جائے گا۔ وہ مال فنی نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۲۔ اور امام ابوحنیفہ کے یہاں یہ کہ مکاتب کتابت کی وجہ سے مال کا مالک بنتا ہے اور کتابت مرتد ہونے کی وجہ سے موقوف نہیں ہوتا، اسی طرح اس زمانے کی کمائی بھی موقوف نہیں ہوگی [یعنی اس زمانے کا مال فنی نہیں بنے گا] کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ جب وہ اتوی [یعنی غلامیت کی حالت میں تھا] تب بھی اس کا تصرف موقوف نہیں ہوا تھا تو اس سے ادنیٰ، یعنی مکاتب کی حالت میں بدرجہ اس کا تصرف موقوف نہیں ہوگا۔

تشریح: یہ امام ابوحنیفہ کی دلیل عقلی ہے۔ دلیل کا حاصل یہ ہے کہ غلامیت جو مرتد سے بھی بدتر ہے اس وقت بھی اس کا تصرف موقوف نہیں ہوتا ہے، تو اس سے ذرا اعلیٰ، یعنی مکاتب کی حالت میں جب مرتد ہو تب بھی اس کا تصرف موقوف نہیں ہوگا، یعنی اس کا مال فنی نہیں بنے گا۔ یہاں اصل بات یہ ہے کہ مکاتب کے مالک کا حق مقدم ہے اس لئے اس کا مال فنی نہیں ہوگا،

(۲۹۱۷) وَإِذَا ارْتَدَّ الرَّجُلُ وَأَمْرَاتُهُ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ وَلَحِقًا بِدَارِ الْحَرْبِ فَحَبِلَتْ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَوَلَدَتْ وَلَدًا وَوُلِدَ لَوْلَدِهِمَا وَلَدٌ فَظَهَرَ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا فَأُلْوَدَانِ فِيءٌ؛ ۱- لِأَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُسَرِّقُ فَيَتَبَعُهَا وَلَدُهَا، وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ الْأَوَّلُ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَلَا يُجْبَرُ وَلَدُ الْوَلَدِ. وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُجْبَرُ تَبَعًا لِلْجَدِّ،

بلکہ اس کے آقا کو پہلے دیا جائے گا، اس سے بچے گا تو اس کے وارث کو دیا جائے گا۔

لغت: الکتابۃ لا یتوقف بالردۃ: مرتد ہو جائے تب بھی کتابت ختم نہیں ہوتی تو اس کا تصرف بھی ختم نہیں ہوگا۔ بالا قوی: یہاں اقویٰ سے مراد غلامیت کی حالت ہے۔ اور ادنیٰ سے مراد مکاتب کی حالت ہے۔

ترجمہ: (۲۹۱۷) مرد اور اس کی بیوی مرتد ہو گئے اور دارالحرب چلے گئے، پھر عورت دارالحرب میں حامل ہوئی اور بچہ دیا، بعد میں اس کو پوتا بھی ہوا پھر ان سب پر غلبہ ہوا تو بیٹا اور پوتا دونوں مال غنیمت میں ہوں گے۔

ترجمہ: ۱- اس لئے کہ اب ماں باندی بنے گی تو بیٹا، اور پوتا بھی اس کے تابع ہو کر غلام بنیں گے۔ لیکن بیٹے کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا، پوتے کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ [کیونکہ وہ دادا کے تابع نہیں ہوتا] امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت حضرت حسنؒ سے ہے کہ پوتے کو دادا کے تابع کیا جائے گا اور پوتے کو بھی مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔

اصول: یہاں دو اصول ہیں [۱] عورت دارالحرب چلی گئی اور اس کے جانے کا فیصلہ ہو گیا تو اب اس پر قبضہ ہوگا تو وہ فہمی ہوگی، اور اس کے تحت میں وہ اور اس کا بیٹا اور پوتا غلام اور باندی بنائے جائیں گے۔

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ بیٹا باپ کے تابع ہوتا ہے، پوتا دادا کے تابع ہوگا یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں ہے کہ پوتا بھی دادا کے تابع ہوگا، یعنی دادا کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا تو اس کے پوتا کو بھی مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ پوتا دادا کے تابع نہیں ہوگا، یعنی دادا کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن اس کے پوتے کو مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے۔

تشریح: مرد اور عورت دونوں مرتد ہو کر دارالحرب چلے گئے، اور قاضی نے انکے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا، عورت وہاں حاملہ ہوئی اور بچہ دیا اور پوتا بھی پیدا ہوا اب ان پر مجاہدین کا غلبہ ہوا تو یہ عورت باندی بنے گی، اس کا بچہ غلام بنے گا، اور اس کا پوتا بھی غلام بنے گا، کیونکہ یہ لوگ ماں کے تابع ہو کر حر بنیں۔ مرد جو دارالاسلام سے گیا تھا چونکہ وہ پہلے سے مسلمان تھا اس لئے اس کو دوبارہ مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا، اس کے بیٹے کو بھی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، کیونکہ وہ بھی باپ کے تابع ہے اس لئے جب باپ کو مجبور کیا جائے گا تو اس کے بیٹے کو بھی مجبور کیا جائے گا۔ لیکن کیا پوتے کو بھی دادا کے تابع کر کے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا یا نہیں

۲. وَأَصْلُهُ التَّبَعِيَّةُ فِي الْإِسْلَامِ وَهِيَ رَابِعَةُ أَرْبَعِ مَسَائِلَ كُلُّهَا عَلَى الرَّوَّائِيَتَيْنِ. وَالثَّانِيَةُ صَدَقَةُ الْفِطْرِ. وَالثَّلَاثَةُ جَرُّ الْوَلَاءِ. وَالْأُخْرَى الْوَصِيَّةُ لِلْقَرَابَةِ.

(۲۹۱۸) قَالَ: وَارْتَدَّادُ الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ ارْتِدَادًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ، وَيَجْبَرُ

عَلَى الْإِسْلَامِ وَلَا يُقْتَلُ، وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ لَا يَرِثُ أَبُوهُ إِنْ كَانَ كَافِرَيْنِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: ارْتِدَادُهُ

اس بارے میں دو روایتیں ہیں [۱] ایک روایت میں ہے کہ یہ دادا کے تابع ہوگا اور اس کو بھی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، [۲] اور دوسری روایت یہ ہے کہ اسلام لانے میں یہ داد کے تابع نہیں ہے اس لئے اس کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲۔ ان کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ پوتا مسلمان ہونے میں دادا کے تابع ہے یا نہیں۔ یہ چار مسائل ہیں جن میں دودو روایتیں ہیں۔ دوسرا مسئلہ ہے صدقۃ الفطر کا [کہ دادا پوتے کا صدقہ فطر ادا کرے گا یا نہیں] تیسرا مسئلہ ہے کہ دادا کو پوتے کی ولاء ملے گی یا نہیں۔ اور چوتھا مسئلہ ہے کہ رشتہ دار کے لئے مال کی وصیت کی تو اس میں دادا بھی شامل ہے یا نہیں [ان چاروں مسئلوں میں دودو روایتیں ہیں۔

تشریح: یہاں چار مسئلے ہیں جن میں پوتا دادا کے تابع ہے یا نہیں اس میں دودو روایتیں ہیں، ان میں سے ایک مسئلہ اسلام کیلئے مجبور کیا جائے گا یا نہیں، اوپر گزر گیا۔ [۲] دوسرا مسئلہ ہے کہ باپ فقیر ہے اور دادا مالدار ہے تو دادا پوتے کا صدقہ فطرہ ادا کرے گا یا نہیں، ایک روایت میں ہے کہ یہاں باپ موجود ہے اسلئے پوتا دادا کے تابع نہیں ہے، اسلئے دادا صدقہ فطرہ ادا نہیں کرے گا۔ اور دوسری حضرت حسن کی روایت میں ہے کہ دادا صدقہ فطرہ ادا کرے گا، کیونکہ یہاں پوتا دادا کے تابع ہے۔ [۳] تیسرا مسئلہ ہے کہ باپ کسی کا غلام ہے، اور دادا پوتے کا مالک بن گیا جسکی وجہ سے وہ آزاد ہوا تو دادا پوتے کے ولاء کا حقدار ہوگا یا نہیں، ایک روایت میں ہے کہ حقدار نہیں ہوگا، کیونکہ باپ موجود ہے اسلئے پوتا دادا کا تابع نہیں ہے۔ اور دوسری روایت ہے کہ دادا حقدار ہے، کیونکہ باپ غلام ہے، اسلئے وہ وراثت کا حقدار نہیں بنے گا اسلئے دادا ولاء کا حقدار ہوگا۔ [۴] چوتھا مسئلہ ہے کہ پوتے نے وصیت کی میرا دودرہم قرابت میں تقسیم کیا جائے، اور باپ بھی موجود ہے تو دادا کو اس میں حصہ ملے گا یا نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ دادا کو اس میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، کیونکہ باپ موجود ہے تو پوتا اس کے تابع نہیں ہے تو گویا کہ دادا قرابت میں داخل نہیں ہے۔ اور حضرت حسن کی روایت میں ہے کہ دادا قرابت میں داخل ہوگا اور اس کو بھی پوتے کے مال میں حصہ ملے گا۔ یہ چار مسئلے ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۱۸) اگر بچہ سمجھدار ہو تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کے مرتد ہونے کا اعتبار ہے، اور دوبارہ اسلام قبول کرنے پر زور دیا جائے گا، لیکن قتل نہیں کیا جائے گا، اور اس کے اسلام لانے کا بھی اعتبار ہے۔ اور اس کے والدین کافر ہوں تو اس بچے کا وارث نہیں بنیں گے، اور حضرت ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، لیکن اسکے اسلام

لَيْسَ بِارْتِدَادٍ وَإِسْلَامُهُ إِسْلَامٌ.

۱۔ وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ: إِسْلَامُهُ لَيْسَ بِإِسْلَامٍ وَارْتِدَادُهُ لَيْسَ بِارْتِدَادٍ.

لانے کا اعتبار ہے۔

ترجمہ: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کے ارتداد کا بھی اعتبار نہیں ہے اور اس کے اسلام کا بھی اعتبار نہیں ہے

اصول: سمجھدار بچے کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ اس کے ارتداد کا بھی اعتبار ہے اور اس کے ایمان لانے کا بھی اعتبار ہے، کیونکہ اس کے دل میں وہ اعتقاد موجود ہے۔

اصول: امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کا اصول یہ ہے کہ نہ اس کے ارتداد کا اعتبار ہے، اور نہ اس کے اسلام لائے کا اعتبار ہے، کیونکہ وہ اس وقت اپنے باپ کا تابع ہے۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ بچے کے اسلام لانے کا تو اعتبار ہے، کیونکہ اس میں آخرت کا فائدہ ہی فائدہ ہے، لیکن اس کے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس کا نقصان ہی نقصان ہے۔ ان اصولوں پر یہ مسئلہ متفرع ہے۔

تشریح: سمجھدار بچہ مرتد ہو جائے، یا اسلام لے آئے تو امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے یہاں اس کے اسلام کا بھی اعتبار ہے، اور اس کے ارتداد کا بھی اعتبار ہے

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ دس سال کی عمر اسلام لائے تھے اور اسکے اسلام کا حضورؐ نے اعتبار کیا۔ حدیث یہ ہے۔

عن محمد بن اسحاق ان علی بن طالبؓ اسلم و هو ابن عشر سنین۔ (مستدرک للحاکم، باب ذکر اسلام امیر المؤمنین علی بن طالبؓ، ج ثالث، ص ۱۲۰، نمبر ۴۵۸۰) اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت علیؓ نے دس سال کی عمر میں اسلام لایا۔ اور جب اسلام کا اعتبار ہے تو اس کے کفر کا بھی اعتبار ہوگا۔ اور دلیل آگے آرہی ہے۔ (۲) عن انس قال کان غلام

یہودی یخدم النبی ﷺ فمرض فاتاه النبی ﷺ یعودہ فقعہ عند رأسہ فقال له اسلم فنظر الی ابیہ و هو عنده فقال له اطع ابا القاسم ﷺ فاسلم فخرج النبی ﷺ و هو یقول الحمد لله الذی انقذه من النار۔ (بخاری شریف، باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیہ، ص ۲۱۶، نمبر ۱۳۵۶) اس حدیث میں بچے نے ایمان لایا اور حضورؐ نے اس کو جائز رکھا۔

اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ اس کے اسلام کا تو اعتبار ہے، اس لئے کہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے، لیکن اس کے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس میں نقصان ہی نقصان ہے۔ اور امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ نہ اس کے اسلام کا اعتبار ہے اور نہ اس کے ارتداد کا اعتبار ہے، کیونکہ یہ اپنے باپ کے تابع ہے۔

۲. لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ أَنَّهُ تَبَعَ لِأَبَوَيْهِ فِيهِ فَلَا يُجْعَلُ أَصْلًا. وَلَئِنَّهُ يَلْزِمُهُ أَحْكَامًا تَشَوُّبُهَا الْمَضَرَّةُ فَلَا يُؤْهَلُ لَهُ. ۳. وَلَنَا فِيهِ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَسْلَمَ فِي صِبَاهُ، وَصَحَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِسْلَامَهُ، وَافْتِخَارُهُ بِذَلِكَ مَشْهُورٌ. وَلَئِنَّهُ أَتَى بِحَقِيقَةِ الْإِسْلَامِ وَهِيَ التَّصْدِيقُ وَالْإِقْرَارُ مَعَهُ؛ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ عَنْ طَوْعٍ دَلِيلٌ عَلَى الْإِعْتِقَادِ عَلَى مَا عُرِفَ وَالْحَقَائِقُ لَا تُرَدُّ، ۴. وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهِ سَعَادَةُ أَبَدِيَّةٌ وَنَجَاةٌ عَقْبَاوِيَّةٌ، وَهِيَ مِنْ أَجْلِ الْمَنَافِعِ وَهُوَ الْحُكْمُ الْأَصْلِيُّ، ثُمَّ يُتَتَبَعُ عَلَيْهِ غَيْرُهَا فَلَا يُبَالَى بِشَوْبِهِ.

ترجمہ: ۲. ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ بچے کا اسلام اس کے باپ کے تابع ہے اس لئے بچے کو اصل نہیں بنایا جا سکتا، اور اس لئے کہ اسلام لانے میں کچھ ایسے بھی احکام ہیں جن میں بچے کو نقصان ہوگا [مثلاً باپ کی وراثت نہیں ملے گی] اس لئے بچے کو اسلام لانے کا اہل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچہ ہر معاملے میں باپ کا تابع ہے اس لئے اس کے اسلام اور ارتداد کا اعتبار نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچہ اسلام لائے گا تو اگر اس کا باپ کافر ہے تو اس کو اس کی وراثت نہیں ملے گی، یہ بچے کا بہت بڑا نقصان ہے اس لئے اس کے اسلام کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

لغت: يشوبها المضرة: اس میں مضرت شامل ہے۔ لا يوبل: اسلام کا یا مرتد ہونے کا اہل قرار نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳. ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے بچپن میں اسلام لایا اور حضورؐ نے اس کے اسلام کو صحیح قرار دیا، بلکہ انکی یہ افتخار مشہور ہے، اور اس لئے کہ اس نے حقیقت اسلام کو قبول کیا اور وہ ایمان کی تصدیق اور اس کے ساتھ اقرار ہے اسلئے کہ اقرار دل سے ہوا ہے جیسا کہ معلوم ہے، اور حقیقت ایمان کو رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ بچپن میں مسلمان ہوئے اور حضورؐ نے اس کو قبول کیا، یہ دلیل اوپر گزر چکی ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ بچے کے دل میں ایمان ہے اس لئے اس کو تو مومن ہی کہنا پڑے گا، اس لئے وہ مومن ہے۔

ترجمہ: ۴. اس کے ساتھ ہمیشہ کی سعادت ہے، نجات ہے، آخرت ہے اور یہ سب بڑے بڑے فائدے ہیں اور یہی اصلی حکم ہے، دوسرے احکام اس کے بعد آتے ہیں اس لئے میراث وغیرہ کا نقصان ہو تو اس کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ اسلام لانے سے باپ کی میراث نہیں ملے گی، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ آخرت کی نجات بڑی ہے، اور اصلی ہے اس کے مقابلے میں میراث کے نقصان کی پرواہ نہیں کی جائے گی اور بچے کو مومن مانا جائے گا۔۔۔ بشوہ: جو اس میں نقصان شامل ہے۔

۵. وَلَهُمْ فِي الرَّدَّةِ أَنَّهَا مَصْرَّةٌ مَحْصَةٌ، بِخِلَافِ الْإِسْلَامِ عَلَى أَصْلِ أَبِي يُوسُفَ؛ لِأَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ أَعْلَى الْمَنَافِعِ عَلَى مَا مَرَّ ۶. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ فِيهَا أَنَّهَا مَوْجُودَةٌ حَقِيقَةٌ، وَلَا مَرَدَّ لِلْحَقِيقَةِ كَمَا قُلْنَا فِي الْإِسْلَامِ، إِلَّا أَنَّهُ يُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ لِمَا فِيهِ مِنَ النَّفْعِ لَهُ، وَلَا يُقْتَلُ؛ لِأَنَّهُ عُقُوبَةٌ، وَالْعُقُوبَاتُ مَوْضُوعَةٌ عَنِ الصَّبِيَّانِ مَرَحَمَةً عَلَيْهِمْ. ۷. وَهَذَا فِي الصَّبِيِّ الَّذِي يَعْقِلُ. وَمَنْ لَا يَعْقِلُ مِنَ الصَّبِيَّانِ لَا يَصْحُحُ ارْتِدَاؤُهُ؛ ۸. لِأَنَّ إِفْرَادَهُ لَا يَدُلُّ عَلَى تَغْيِيرِ الْعَقِيدَةِ، وَكَذَا الْمَجْنُونُ وَالسَّكَرَانُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ.

ترجمہ: ۵: مرتد ہونے کے بارے میں امام ابو یوسف، امام شافعی، اور زفر کی دلیل یہ ہے کہ اس میں خالص نقصان ہے [اس لئے بچے کا ارتداد قبول نہیں کیا جائے گا]، البتہ اسلام کے بارے میں امام ابو یوسف کا قاعدہ یہ گزرا کہ اس میں آخرت کے بڑے بڑے فائدے ہیں اس لئے انکے یہاں بچے کا اسلام قبول کر لیا جائے گا۔

تشریح: ارتداد قبول نہ کرنے کے بارے میں امام شافعی، امام زفر اور امام ابو یوسف تینوں کی دلیل یہ ہے کہ مرتد ہونے میں آخرت کا اور دنیا کا خالص نقصان ہے اس لئے بچے کی بات قبول نہیں کی جائے گی، البتہ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ اسلام لانے میں فائدہ ہی فائدہ ہے اس لئے اس کو قبول کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۶: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچے کے دل میں ارتداد موجود ہے تو اس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے، جیسے اسلام کے بارے میں کہا کہ وہ دل میں موجود ہے تو اس کا کیسے انکار کیا جائے گا [اس لئے بچے کے ارتداد کو بھی قبول کیا جائے گا، جیسے اس کے اسلام کو قبول کیا جاتا ہے]۔ مگر اسلام پر مجبور کیا جائے گا اس لئے کہ اس میں بہت نفع ہے، لیکن بچے کو قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ یہ سزا ہے، اور بچوں پر رحم کی وجہ سے اس سے سزا اٹھالی گئی ہے۔

تشریح: ارتداد کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ارتداد کا یقین بچے کے دل میں موجود ہے تو حقیقت میں وہ مرتد ہی ہے اسلئے اس کو مرتد ہی قرار دیا جائے گا، جیسے ایمان کا یقین ہو تو اس کو مومن ہی قرار دیا جاتا ہے، البتہ چونکہ اسلام میں نفع موجود ہے اسلئے دوبارہ اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن چونکہ بچے سے سزا اٹھالی گئی ہے اسلئے مرتد ہونے پر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۷: اوپر کی یہ تفصیل سمجھدار بچے کے بارے میں ہے لیکن بچہ ابھی سمجھدار نہیں ہوا ہے اسلئے مرتد ہونے کا اعتبار نہیں ہے اسلئے اس کا اقرار عقیدے کی تبدیل پر دلالت نہیں کرتا، یہی حال ہے مجنون کا، اور ایسے مست کا جو سمجھتا نہ ہو کہ اسلئے ارتداد کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ: ۸: جو بچہ سمجھدار نہیں ہے وہ جو کچھ بولتا ہے وہ اس کے دل کی ترجمانی نہیں ہوتی، بلکہ زبان پر جو کچھ آیا وہی بول رہا ہے اس لئے اس کے اسلام اور ارتداد کا اعتبار نہیں ہے، مجنون اور ایسا مست جو سمجھتا نہیں ہے اسلام لانے اور مرتد ہونے میں اس کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

﴿بَابُ الْبَغَاةِ﴾

(۲۹۱۹) وَإِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى بَلَدٍ وَخَرَجُوا مِنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ دَعَاهُمْ إِلَى الْعَوْدِ إِلَى الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبُهَتِهِمْ ؛ ۱ لَأَنَّ عَلِيًّا فَعَلَ كَذَلِكَ بِأَهْلِ حُرُورَاءَ قَبْلَ قِتَالِهِمْ، وَلِأَنَّهُ أَهْوَنُ الْأَمْرَيْنِ. وَلَعَلَّ الشَّرَّ يَنْدَفِعُ بِهِ فَيُبْدَأُ بِهِ

﴿باغیوں کے احکام﴾

نوٹ: بغات باغی کی جمع ہے، جیسے قضاۃ قاضی کی جمع ہے۔ اس کا ترجمہ ہے امام المسلمین کی اطاعت سے نکل جانا۔ امام حق ہو، اور شریعت کا پابند ہو، اور رعایا پر ظلم نہیں کرتا ہو، سب کے حقوق کو ادا کرتا ہو تو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے، اور ایسے حاکم کے خلاف جو بغاوت کرے وہ باغی کہلائے گا۔ لیکن اگر امام ہی حق پر نہ ہو، نہ وہ شریعت کا پابند ہو۔ وہ رعایا پر ظلم کرتا ہو، صرف اپنے گروپ کو نوازتا ہو، اور لوگوں کے حقوق ادا نہ کرتا ہو تو اس کے خلاف بغاوت کرنے کو باغی نہیں کہلائے گا بلکہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والا کہلائے گا۔

نوٹ: اس دور میں اس قسم کے منصف حاکم دیکھنے میں نہیں آتا۔

ترجمہ: (۲۹۱۹) مسلمانوں کی کوئی قوم کسی شہر پر مسلط ہو جائے اور امام کی اطاعت سے نکل جائے تو ان کو جماعت کی طرف لوٹنے کی دعوت دے۔ اور ان کے شبہ کو رفع کرے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ حضرت علیؑ نے حُروراء والوں کے ساتھ ایسا کیا تھا، اور اس وجہ سے کہ قتال کرنے سے سمجھانا آسان ہے، اور شاید کہ سمجھانے سے شرارت دور ہو جائے، اس لئے پہلے سمجھانے کی کوشش کرنا چاہئے۔

تشریح: مسلمان کی ایک جماعت امام کے خلاف ہو جائے اور اس کی اطاعت سے نکل کر کسی شہر پر قابض ہو جائے تو اس کو جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے گی۔ اگر جماعت میں شامل ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اس کو دور کیا جائے گا۔ اور چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے جب تک وہ ہم سے جنگ شروع نہ کریں ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔

وجہ: (۱) اس کا اشارہ آیت میں موجود ہے۔ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فان بغت احدهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفتی الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین۔ (آیت ۹، سورۃ الحجرات ۴۹) اس آیت میں تین باتیں ہیں [۱] اگر اختلاف ہو

(۲۹۲۰) وَلَا يَبْدَأُ بِقِتَالٍ حَتَّى يَبْدَأَهُ وَهُ، فَإِنْ بَدَأَهُ وَهُ قَاتَلَهُمْ حَتَّى يُفَرِّقَ جَمْعَهُمْ.

جائے تو پہلے اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کرو [۲] اگر جنگ شروع کر دے تب اس سے جنگ کرو [۳] باغی مان لیں تو اب اس پر ظلم نہ کرو بلکہ اصلاح کرو اور انصاف کرو۔ (۲) ان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما۔ (آیت ۳۵، سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ اگر آپس میں اختلاف ہو جائے تو پہلے اصلاح کرنے کی کوشش کرو۔ (۳) حدیث میں ہے سمعت عرفجۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انہ ستکون ہنات و ہنات فمن اراد ان یفرق امر ہذہ الامۃ وہی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنات کان۔ (مسلم شریف، باب حکم من فرق امر المسلمین وھو مجتمع ص ۱۲۸، نمبر ۱۸۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی جماعت مسلمانوں کو منتشر کرنے کی کوشش کرے تو اس سے قتال کیا جائے گا۔ (۴) حضرت علیؑ سے حروریہ کی جماعت باغی ہو گئی تھی تو حضرت عبداللہ بن عباس ان کو سمجھانے گئے تھے۔ اور ان کے شبہ کو دور کرنے گئے تھے۔ ان کا تین شبہ تھا جس کا شافی بخش جواب دیا صاحب ہدایہ نے اس کا ذکر کیا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنا عبد اللہ بن عباسؓ قال لما خرجت الحروریۃ اجتمعوا فی دار وھم ستۃ آلاف اتیت علیا فقلت یا امیر المومنین ابرء بالظھر لعلی اتی هؤلاء القوم فاکلمھم ... قال عبد اللہ بن عباسؓ فرجع من القوم الفان وقتل سائرھم علی ضلالۃ (مسند رک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی وھو آخر الجہاد، ج ثانی، ص ۱۶۲، نمبر ۲۶۵۶ د) اس حدیث میں ہے کہ باغی جماعت کو شبہ ہو جائے تو ان کو سمجھایا جائے۔ (۵) مسند احمد میں بھی اہل حروراء کے بارے میں لمبی حدیث ہے۔ جاء عبد اللہ بن شداد فدخل علی عائشہ فواضعو عبد اللہ بن عباس الكتاب ثلاثة ایام فرجع منهم اربعة الاف۔ (مسند احمد، باب مسند علی بن طالب، ج اول، ص ۱۳۹، نمبر ۶۵۸) اس میں اہل حروراء کا پورا واقعہ ہے۔

ترجمہ: (۲۹۲۰) پس اگر وہ ابتدا کریں تو ان سے قتال کرے۔ یہاں تک کہ ان کا جھٹھا ٹوٹ جائے۔

تشریح: باغی جماعت ہم سے جنگ شروع کر دیں تو اب ان سے قتال کیا جائے گا اور اتنا قتال کیا جائے گا کہ ان کی جمعیت ٹوٹ جائے۔ پس اگر کوئی اچھی خاصی جماعت ہو تو ان کے زخیب کو قید کرے اور ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرے تاکہ وہ بدحواس ہو کر دوبارہ جمع ہونے کی کوشش نہ کریں۔ اور جن کی کوئی اچھی خاصی جماعت نہیں ہے اس کے زخیب کو قید نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔ کیونکہ اس کی جماعت نہیں ہے تو یوں بھی وہ منتشر ہو گئے۔

وجہ: (۱) وہ جنگ کی ابتدا کریں تب ہم جنگ کریں اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ خاصم عمر بن عبد العزیز الخوارج فرجع من رجع منهم وابت طائفة منهم ان یرجعوا فارسل عمر رجلا علی خیل وامرہ ان ینزل

۱۔ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: هَكَذَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ فِي مُخْتَصَرِهِ. وَذَكَرَ الْإِمَامُ الْمَعْرُوفُ بِخَوَاهِرِ زَادَهُ أَنَّ عِنْدَنَا يَجُوزُ أَنْ يَبْدَأَ بِقِتَالِهِمْ إِذَا تَعَسَّكُرُوا وَاجْتَمَعُوا. ۲۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ حَتَّى يَبْدَأَ وَابِلِقَتَالِ حَقِيقَةٍ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ قَتْلُ الْمُسْلِمِ إِلَّا دَفْعًا وَهُمْ مُسْلِمُونَ، بِخِلَافِ الْكَافِرِ؛ لِأَنَّ نَفْسَ الْكُفْرِ مُبِيحٌ عِنْدَهُ. ۳۔ وَلَنَا أَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ وَهُوَ الْاجْتِمَاعُ وَالْامْتِنَاعُ، وَهَذَا؛ لِأَنَّهُ لَوْ ائْتَضَرَ الْإِمَامُ حَقِيقَةَ قِتَالِهِمْ رُبَّمَا لَا يُمْكِنُهُ الدَّفْعُ فَيُدَارُ عَلَى الدَّلِيلِ ضَرُورَةً دَفْعَ شَرِّهِمْ،

حيث يرحلون ولا يحركهم ولا يهيجهم، فان قتلوا وافسدوا في الارض فاسط عليهم وقتلهم وان هم لم يقتلوا ولم يفسدوا في الارض فدعهم يسيرون (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳، ما ذکر فی الخوارج، ج ۱، ص ۵۵۶، نمبر ۸۹۵/۳) اس اثر میں ہے کہ وہ قتال کرے اور زمین میں فساد برپا کرے تو قتال کیا جائے۔ اور اگر قتال نہ کرے تو ان کو زمین میں گھومنے دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قتال شروع کرے تب ہی اس سے جنگ کی جائے ورنہ نہیں۔

ترجمہ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری میں تو اتنا ہی ذکر ہے کہ [کہ جب تک باغی قتال شروع نہ کرے ہم قتال نہیں کریں گے] لیکن امام خواہر زادہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر باغی جمع ہو جائے اور لشکر کی تیاری کریں تب بھی ان سے قتال شروع کر دینے کی گنجائش ہے۔

تشریح: امام خواہر زادہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر باغی لشکر تیار کرنے لگ جائے اور اپنی جماعت کی تشکیل کر دے تو اس وقت بھی ان سے قتال کرنا جائز ہو جائے گا، چاہے وہ ابھی قتال شروع نہ کیا ہو۔

ترجمہ: ۲۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب تک حقیقی طور پر قتال شروع نہ کرے باغی سے قتال کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مسلمان سے صرف دفعیہ کے طور پر ہی قتال کر سکتا ہے، بخلاف کافر کے اسلئے کہ انکے یہاں کفر ہی قتال کو مباح کرنے کیلئے کافی ہے

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ باغی مسلمان ہے، اور مسلمان سے صرف دفعیہ کے طور پر قتال جائز ہے، اس لئے جب تک وہ قتال شروع نہ کرے اس سے قتال کرنا جائز نہیں ہے، صرف لشکر کی تیاری کی ہے، یا لوگوں کو جمع کیا ہے تو اس سے ابھی قتال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ البتہ کافر نے لشکر کی تیاری کی ہے تو اس سے قتال کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ امام شافعیؒ کے یہاں کافر کا کفر ہی قتال مباح کرنے کے لئے کافی ہے، چاہے لشکر کی تیاری نہ کی ہو۔

ترجمہ: ۳۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا مدار دلیل پر ہے اور وہ لوگوں کا جمع ہونا اور امام کی اتباع سے رکنا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر حقیقت میں قتال کا انتظار کرے تو کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اس کو دفع کرنا ممکن نہیں ہوگا اس لئے اس کی شرارت کو دور کرنے کے لئے دلیل ہی پر قتال کا حکم لگ جائے گا۔

۴. وَإِذَا بَلَغَهُ أَنَّهُمْ يَشْتَرُونَ السَّلَاحَ وَيَتَأَهَّبُونَ لِلْقِتَالِ يَنْبَغِي أَنْ يَأْخُذَهُمْ وَيَحْبِسَهُمْ حَتَّى يَقْلَعُوا عَنْ ذَلِكَ وَيُحْدِثُوا تَوْبَةً دَفْعًا لِلشَّرِّ بِقَدْرِ الْإِمَّاكَانِ. ۵. وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ مِنْ لُزُومِ الْبَيْتِ مَحْمُولٌ عَلَى حَالِ عَدَمِ الْإِمَامِ، أَمَّا إِعَانَةُ الْإِمَامِ الْحَقِّ فَمِنْ الْوَاجِبِ عِنْدَ الْغَنَاءِ وَالْقُدْرَةِ. (۲۹۲۱) فَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِتْنَةٌ أَجْهَزَ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَأَتْبَعَ مُوَلِّيَهُمْ ۱. [دَفْعًا لِشَرِّهِمْ كَيْ لَا يَلْحَقُوا بِهِمْ] وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِتْنَةٌ لَمْ يُجْهَزْ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَلَمْ يَتْبَعْ مُوَلِّيَهُمْ ۱. لَا نُدْفَاعُ الشَّرِّ ذُوْنَهُ.

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ لشکر جمع کرنا اور امام کی اتباع سے رکنا جنگ کی دلیل ہے اس لئے اس پر بھی قتال کا حکم لگ جائے گا، کیونکہ اگر امام قتال کا انتظار کرے تو ممکن ہے کہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے، اس لئے قتال کی دلیل ہی پر جنگ کرنا جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۴. اور جب امام کو یہ خبر پہنچے کہ وہ لوگ ہتھیار خرید رہے ہیں اور قتال کی تیاری کر رہے ہیں تو مناسب یہ ہے کہ باغی کو پکڑے اور اس کو قید میں ڈال دے تاکہ باغی اس سے رک جائیں، اور بقدر امکان اس شر سے توبہ کر لیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۵. اور امام ابوحنیفہؒ سے جو یہ روایت ہے کہ فتنہ کے وقت میں گھر میں بیٹھ جاؤ تو یہ اس وقت ہے کہ امام موجود نہ ہو، لیکن حق امام ہو تو جہاں تک قدرت ہو اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

وجہ: امام ابوحنیفہؒ کا قول کہ فتنہ میں ایک کنارے پر رہنا چاہئے اس حدیث میں موجود ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ستکون فتن القاعد فیہا خیر من القائم ، و القائم فیہا خیر من الماشی و الماشی فیہا خیر من الساعی من تشرف لہا تستشرفہ فمن وجد ملجأ او معاذا فلیعذ بہ ۔ (بخاری شریف، باب تكون فتن القاعد فیہا خیر من القائم، ص ۱۲۲۰، نمبر ۷۰۸۱) اس حدیث میں ہے کہ فتنے کے زمانے میں پناہ کی کوئی جگہ ملے تو وہاں پناہ لے لینا چاہئے۔

ترجمہ: (۲۹۲۱) اگر باغی کی کوئی مدد کرنے والی جماعت ہو تو اس کے زخمیوں کو قتل کر دیا جائے گا، اور بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے گا [اس کے شر کو دفع کرنے کے لئے تاکہ جماعت سے مل کر دوبارہ جنگ نہ کریں] اور اگر اس کی مدد کرنے والی جماعت نہ ہو تو اس کے زخمیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور اس کے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱. کیونکہ اس سے پہلے ہی شر دفع ہو گیا ہے۔

تشریح: اور اس کے پیچھے جماعت ہو تو اس کے قیدی کو گرفتار کرے۔ اور بھاگنے والوں کا پیچھا اس لئے کرے کہ یہ لوگ جماعت کے ساتھ مل کر زیادہ شر نہ پھیلائے۔ اور اگر اس کی توقع نہ ہو تو قیدی گرفتار نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔

۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ ذَلِكَ فِي الْحَالَيْنِ؛ لِأَنَّ الْقِتَالَ إِذَا تَرَكَوهُ لَمْ يَبْقَ قَتْلُهُمْ دَفْعًا. وَجَوَابُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَلِيلُهُ لَا حَقِيقَتُهُ. (۲۹۲۲) وَلَا يُسَبَّى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَلَا يُقَسَّمُ لَهُمْ مَالٌ ۚ لِقَوْلِ عَلِيِّ يَوْمَ الْجَمَلِ: وَلَا يُقْتَلُ أَسِيرٌ وَلَا يُكْشَفُ سِتْرٌ وَلَا يُؤْخَذُ مَالٌ، وَهُوَ الْقُدُوءُ فِي هَذَا الْبَابِ.

وجہ: (۱) باغی کی جماعت نہ ہو تو اس کے زخمی کو قید نہ کیا جائے اور اس کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لعبد اللہ بن مسعود یا ابن مسعود اتدري ما حکم اللہ فیمن بغی من هذه الامۃ؟ قال ابن مسعود اللہ ورسولہ اعلم۔ قال فان حکم اللہ فیہم ان لا یتبع مدبرہم ولا یقتل اسیرہم ولا یدفع علی جریحہم (متدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی، ج ثانی، ص ۱۶۸، نمبر ۲۶۶۲ سنن للبیہقی، باب اہل البغی اذا فادوا ولم یتبع مدبرہم ولا یقتل اسیرہم الخ، ج ثامن، ص ۳۱۴، نمبر ۱۶۷۷) (۲) عن ابی امامۃؓ قال شهدت صفین فکانوا لا یجھزون علی جریح ولا یقتلون مولیا ولا یسلبون قتیلًا۔ (متدرک للحاکم، کتاب قتال اہل البغی، ج ثانی، ص ۱۶۷، نمبر ۲۶۶۰) اس حدیث میں ہے کہ باغی کے بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے نہ ان کے قیدی کو قتل کرے۔ اور نہ ان کے زخمی کو قتل کرے، اور نہ اس مال چھینا جائے۔ کیونکہ وہ مسلمان ہیں۔

لغت: فریہ: جماعت، اچھڑ: نارڈالے۔ جریح: اسم مفعول کے معنی میں ہے زخمی، مولی: ولی سے مشتق ہے پیٹھ پھر کر بھاگنے والا۔

ترجمہ: ۲: اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں حالت میں [چاہے اس کے پیچھے مدد کرنے والی جماعت ہو یا نہ ہو دونوں حالتوں] بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اب اس کا قتال باقی نہیں رہا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ دلیل پر ہی قتال جائز ہے، چاہے ابھی حقیقی قتال نہ کر رہا ہو۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بھاگنے والے باغی کے پیچھے مدد کرنے والی جماعت ہو یا نہ ہو حال میں جب ان لوگوں نے ہار مان لی تو اب اسکے زخمی کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور اسکے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اب وہ قتال نہیں کر رہا ہے۔

وجہ: ان کی دلیل اوپر کا قول صحابی ہے جس میں ہے کہ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ اس کے پیچھے جماعت ہو اس لئے دونوں صورتوں میں اس کا پیچھا کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر اس کو چھوڑ دیں گے تو وہ اس جماعت کے ساتھ مل کر دوبارہ حملہ کرے گا، اس دلیل کی بنا پر اس کو قتل کرنا جائز ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۲۲) نہ قید کرے ان کی اولاد کو اور نہ تقسیم کرے ان کا مال۔

ترجمہ: ۱: حضرت نے جنگ جمل میں فرمایا تھا کہ قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے، انکے ستر کو نہ کھولا جائے اور نہ اس کا مال لیا جائے، اس باب میں حضرت علیؓ کا قول رہنمائی کی چیز ہے۔

۲ وَقَوْلُهُ فِي الْأَسِيرِ تَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِتْنَةٌ، فَإِنْ كَانَتْ يَقْتُلُ الْإِمَامُ الْأَسِيرَ، وَإِنْ شَاءَ حَبَسَهُ لِمَا ذَكَرْنَا،

تشریح: مسلمان باغی کی اولاد کو قید کر کے غلام باندی نہ بنائے اور نہ ان کے مال کو غنیمت بنا کر تقسیم کرے۔

وجہ: (۱) یہ لوگ مسلمان ہیں اس لئے ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جاسکتی اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جاسکتا ہے (۲) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ امر علی منادیہ فنادی یوم البصرة لا يتبع مدبر ولا يذفف علی جریح ولا يقتل اسیر ومن اغلق بابہ فهو آمن ومن القی سلاحہ فهم آمن ولم يأخذ من متاعہم شیئا (۲) اور دوسری روایت میں ہے۔ سأل علیاً عن سبی الذریۃ فقال لیس علیہم سبی انما قاتلنا من قاتلنا (سنن للبیہقی، باب اہل النبی اذا فاوالم يتبع مدبرہم ولم یقتل اسیرہم الخ، ج ثامن، ص ۳۱۴، نمبر ۱۶۷۴۹ نمبر ۱۶۷۴۹)۔ (۳) صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ ان علیا لما هزم طلحة واصحابه امر منادیہ ان لا یقتل مقبل ولا مدبر ولا یفتح باب ولا یستحل فرج ولا مال۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، باب کتاب الجمل، فی مسیرۃ عائشہ علی وطلحہ والزبیر، ج سابع، ص ۵۳۸، نمبر ۳۷۷۷۸) اس قول صحابی میں ہے کہ باغی کے مال کو نہیں لیا جائے گا نہ اس کو غلام باندی بنایا جائے گا، اور نہ بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے گا۔ (۴) قال لم یسب علی یوم الجمل ولا یوم النہروان۔ (سنن للبیہقی، باب اہل النبی اذا فاوالم يتبع مدبرہم ولم یقتل اسیرہم الخ، ج ثامن، ص ۳۱۵، نمبر ۱۶۷۵۰) ان تینوں قول صحابی سے معلوم ہوا کہ ان کی اولاد غلام باندی نہیں بنائی جاسکتی ہیں۔ اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

لغت: تسمی: سبی سے مشتق ہے قیدی بنانا، ذریۃ: اولاد۔

ترجمہ: ۲: صاحب ہدایہ نے کہا کہ باغی قیدی قتل نہیں کیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پیچھے کائی جماعت نہ ہو تو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر اس کے پیچھے کوئی جماعت ہو تو امام قیدی کو قتل کرے گا، اور چاہے تو اس کو قید کرے گا، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [کہ یہ جنگ کی علامت ہے، اور علامت پر بھی یہ کاروائی کی جاسکتی ہے]

تشریح: اوپر صاحب ہدایہ نے کہا تھا کہ باغی کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، یہ اس وقت ہے کہ اس کی مدد کے لئے کوئی جماعت نہ ہو اور یہ یقین ہو کہ یہ قیدی زندہ بچ کر مسلمانوں کے خلاف دوبارہ جنگ نہیں کریں گے تب اس کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر اس کا غالب گمان ہو کہ یہ دوبارہ ہم سے جنگ کریں گے، یا اس کی مدد میں کوئی جماعت ہے جس کے ساتھ مل کر دوبارہ جنگ کریں گے تب تو اس کے قیدی کو قتل کر دیا جائے گا، تاکہ یہ دوبارہ جنگ نہ کر سکیں۔ اور اس کا بھی اختیار ہے کہ ان قیدیوں کو جنگ کے رفع دفع ہونے تک قید میں رکھے

۳ وَلَآ أَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ وَالْإِسْلَامُ يُعْصِمُ النَّفْسَ وَالْمَالَ. ۴ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُقَاتِلُوا بِسِلَاحِهِمْ إِنْ
اِحْتَجَّ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِ ۵. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ، وَالْكَرَّاءُ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ. لَهُ أَنَّهُ مَالُ مُسْلِمٍ
فَلَا يَجُوزُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَاةٍ. ۶ وَلَنَا أَنَّ عَلِيًّا قَسَمَ السِّلَاحَ فِيمَا بَيْنَ أَصْحَابِهِ بِالْبَصْرَةِ وَكَانَتْ

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ یہ باغی مسلمان ہیں اور اسلام جان اور مال کی حفاظت کرتا ہے [اس لئے اسلام کی وجہ سے ان باغیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: باغی کی اولاد کو غلام نہیں بنایا جائے گا، اس کی عورتوں کو باندی نہیں بنائی جائے گی، اس کے مال کو لیا نہیں جائے گا، کیونکہ وہ مسلمان ہیں، اور اسلام جان اور مال کی حفاظت کرتا ہے اس لئے انکو نہ غلام بنایا جائے گا، اور اس کے مال کو لیا جائے گا۔
ترجمہ: ۴ اور کوئی حرج نہیں ہے اگر ان کے ہتھیار سے جنگ کرے اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہو۔

تشریح: اگر مسلمانوں کو باغیوں کے ہتھیار سے جنگ کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ اس سے جنگ کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) میدان جنگ میں کبھی اسکی ضرورت پڑ جاتی ہے اسلئے اسکی گنجائش ہے (۲) اس قول صحابی میں اسکا ثبوت ہے۔ کان علیؓ اذا اتى باسير يوم صفين اخذ دابته وسلاحه واخذ عليه ان يعود وخلقى سبيله (مصنف ابن ابی شیبہ، باب ما ذكرني صفين، ج ۳ ص ۵۴۸، نمبر ۳۷۸۸) اس قول صحابی میں ہے کہ قیدیوں کا ہتھیار اور سواری لے لیا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ باغیوں کا ہتھیار لینا جائز ہے تاکہ وہ دوبارہ جنگ نہ کر سکے۔ اور ہتھیار لینا جائز ہے تو اسکو استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۵ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ باغی کا ہتھیار لینا جائز نہیں ہے، اور اسی اختلاف پر اونٹ، اور گھوڑے کا لینا بھی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسلمان کا مال ہے اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ باغی کے پیچھے جماعت ہو یا نہ ہو دو صورتوں میں اس کی ہتھیار سے جنگ کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال مسلمان کا ہے اور اس کی رضامندی کے بغیر اس کے مال کو لینا جائز نہیں ہے۔ (۲) خود حضرت علیؓ نے اس کے مال کو لینے سے منع فرمایا ہے۔ ان عليا لما هزم طلحة واصحابه امر مناديه ان لا يقتل مقبل ولا مدبر ولا يفتح باب ولا يستحل فرج ولا مال۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، باب کتاب الجمل، فی مسيرة عائشة وعلی وطلحة والزبير، ج ۳ ص ۵۳۸، نمبر ۳۷۷۷) اس قول صحابی میں ہے کہ باغی کے مال کو نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۶ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے بصرہ میں صحابہ کے درمیان باغیوں کا ہتھیار تقسیم کیا، اور یہ تقسیم کرنا ضرورت کی بنا پر تھا، مالک بنے کے لئے نہیں تھا۔ اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جو باغی نہیں ہے امام کو یہ حق ہے کہ اس کے مال کو بھی ضرورت کے وقت تقسیم کر دے تو باغی کے مال میں بدرجہ اولیٰ یہ جائز ہوگا۔ اور اسکی بنیاد یہ ہے کہ علیؓ نقصان کو دفع کرنے کیلئے

قَسَمْتُهُ لِلْحَاجَةِ لَا لِلتَّمْلِيكِ، وَلَئِنْ لِلْإِمَامِ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ فِي مَالِ الْعَادِلِ عِنْدَ الْحَاجَةِ، فَفِي مَالِ الْبَاغِي أَوْلَى وَالْمَعْنَى فِيهِ إِلْحَاقُ الضَّرْرِ الْأَذْنَى لِدَفْعِ الْأَعْلَى (۲۹۲۳) وَيَحْبُسُ الْإِمَامُ أَمْوَالَهُمْ فَلَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَا يُقَسِّمُهَا حَتَّى يَتَوَبُّوا فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ ۚ أَمَّا عَدَمُ الْقِسْمَةِ فَلِمَا بَيَّنَّاهُ. وَأَمَّا الْحَبْسُ فَلِدَفْعِ شَرِّهِمْ بِكُسْرِ شَوْكَتِهِمْ وَلِهَذَا يَحْبُسُهَا عَنْهُمْ، وَإِنْ كَانَ لَا يَحْتَاجُ إِلَيْهَا،

ادنی نقصان دیا جائے [یعنی چھوٹی سی باغی جماعت سے ہتھیار لیکر مسلمان کی بڑی جماعت کو قتل کرنے سے بچایا جائے]
تشریح: ضرورت پڑنے پر امیر باغی کے ہتھیار کو مجاہدین کے درمیان میں تقسیم کر سکتا ہے، اس کی تین دلیلیں دے رہے ہیں [۱] حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں باغی کے ہتھیار مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر تقسیم کیا جاسکتا ہے، حضرت علیؑ کا قول یہ ہے۔ ان علیا قسم یوم الجمل فی العسکر ما اجابوا علیہ من سلاح او کراع۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ۲ باب کتاب الجمل، فی مسیرۃ عائشہ وعلی وطلحہ والزبیر، ج ۱، ص ۵۴۳، نمبر ۸۰۹) [۲]
 دوسری دلیل یہ ہے کہ جو لوگ باغی نہیں ہیں اگر ضرورت پڑ جائے تو اس کا ہتھیار بھی لیکر تقسیم کر سکتا ہے، اس لئے باغی کا ہتھیار تو بدرجہ اولیٰ تقسیم کر سکتا ہے۔ [۳] تیسری دلیل یہ ہے کہ باغی کا ہتھیار لے لگا تو وہ قتل نہیں کر سکے گا، اس لئے اس چھوٹی سی جماعت کا نقصان تو ہوا لیکن اس سے بڑی جماعت کا خون بچ گیا، اس لئے اعلیٰ نقصان سے بچانے کے لئے ادنیٰ ضرر برداشت کی جاسکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۲۳) اور امام روک لے ان کے مال کو اور اس کو واپس نہ دے اور نہ اس کو تقسیم کرے یہاں تک کہ توبہ کرے پھر اس کو ان پر واپس کر دے۔

ترجمہ: ۱۔ مال تقسیم نہیں کرے گا اس کی دلیل پہلے بیان کر دیا ہے [حضرت علیؑ کا قول تھا کہ باغی کے مال کو نہیں لیا جائے گا]
 اور اس کے ہتھیار کو اس لئے روک لیا جائے گا کہ اس کی شان شوکت کو توڑ دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ امام کو اس ہتھیار کی ضرورت نہ بھی تب بھی اس کو اپنے پاس روک سکتا ہے۔

تشریح: یہ سب مسائل اس اصول پر ہیں کہ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے مال تو غنیمت نہیں ہوگا۔ لیکن ایسی صورت ضرور اختیار کی جائے کہ دوبارہ جنگ نہ کر سکیں۔ چنانچہ امام ان کے اموال روک لیں اور توبہ کرنے تک واپس نہ دیں۔ البتہ توبہ کر لیں تو مال ان کو واپس کر دیں۔

وجہ: (۱) اوپر قول صحابی گزرا کہ حضرت علیؑ قیدیوں سے یہ وعدہ لیتے تھے کہ دوبارہ جنگ نہ کریں۔ جب وہ وعدہ کر لیتے تو اس

۲. إِلَّا أَنَّهُ يَبِيعُ الْكُرَاعَ؛ لِأَنَّ حَبْسَ الثَّمَنِ أَنْظَرُ وَأَيْسَرُ، ۳. وَأَمَّا الرَّدُّ بَعْدَ التَّوْبَةِ فَلَا نَدْفَاعَ الضَّرُورَةَ وَلَا اسْتِغْنَامَ فِيهَا.

(۲۹۲۴) قَالَ: وَمَا جَبَاهُ أَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِي غَلَبُوا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ الْإِمَامُ ثَانِيًا؛ ۱. لِأَنَّ وَلَايَةَ الْأَخْذِ لَهُ بِاعْتِبَارِ الْحِمَايَةِ وَلَمْ يَحْمِهِمْ.

کوچھوڑ دیتے۔ کان علی اذا اتی باسیر یوم صفین اخذ دابته وسلاحه واخذ علیه ان یعود وخلق سبيله (مصنف ابن ابی شیبہ، ۲ باب ما ذکر فی صفین، ص ۵۴۸، نمبر ۳۷۸۸) اس اثر میں ہے واخذ علیه ان یعود وخلق سبيله یعنی جنگ سے واپس چلے جائیں تو اس کوچھوڑ دیتے تھے۔ (۲) اور توبہ کے بعد مال واپس کر دیتے اس کی دلیل حضرت علیؑ کا یہ قول ہے۔ لما جیئ علیؑ بما فی عسکر اهل النهر قال من عرف شینا فلیاخذہ، قال فاخذت الا قدر ثم رایتها بعد قد اخذت (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳ ما ذکر فی الخوارج، ج ۱، ص ۵۶۳، نمبر ۳۷۹۳) اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؑ نے اہل نہروان کا مال واپس کر دیا اور یوں فرمایا جو اپنے مال کو پچھانے وہ لے جائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ توبہ کے بعد باغیوں کا مال واپس کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲. یہ اور بات ہے کہ سواری کے جانوروں کو بیچ دیا جائے گا اس لئے کہ اس کی قیمت کو محفوظ کرنا مصلحت کے مطابق بھی ہے اور آسان بھی ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳. اور توبہ کے بعد واپس اس لئے کرے گا کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی، اور یہ مال غنیمت بھی نہیں ہو سکتا ہے۔
تشریح: باغی کے توبہ کے بعد اس کا مال اس لئے واپس کر دیا جائے گا کہ اب مال رکھنے کی ضرورت نہیں رہی، اور یہ مسلمان کا مال ہے اس لئے غنیمت کا مال بھی نہیں بنا سکتا اس لئے اس کو واپس کرنا ہی بہتر ہے۔۔ استغنام: غنیمت سے مشتق ہے، غنیمت بنانا۔

ترجمہ: (۲۹۲۴) جو کچھ باغیوں نے وصول کر لیا ان شہروں سے جن پر وہ غالب آ گئے تھے خراج اور عشر تو امام ان سے دوبارہ نہ لے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ حمایت کرنے کی وجہ سے خراج لیا جاتا ہے اور امام نے اس کی حمایت نہیں کی [اس لئے اس کو لینے کا بھی حق نہیں رہا تھا]

تشریح: باغی جن شہروں پر قابض ہو گئے تھے وہاں کے لوگوں سے خراج اور عشر یا زکوٰۃ وصول کر لیا تو مالکوں کی جانب سے ادا

(۲۹۲۵) فَإِنْ كَانُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ أَجْزَأَ مِنْ أَخِذِ مِنْهُ. ۱. لَوْ صُورَ الْحَقُّ إِلَى مُسْتَحِقِّهِ

(۲۹۲۶) وَإِنْ لَمْ يَكُونُوا صَرَفُوهُ فِي حَقِّهِ فَعَلَى أَهْلِهِ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُعِيدُوا ذَلِكَ ؛

۱. لِأَنَّهُ لَمْ يَصِلْ إِلَى مُسْتَحِقِّهِ.

ہو گیا۔ امام دوبارہ ان شہروں پر قابض ہو جائے تو ان لوگوں سے دوبارہ عشر، خراج اور زکوٰۃ نہ لے۔

ترجمہ: (۲۹۲۵) پس اگر جو حقدار تھا اس میں خرچ کیا تو زکوٰۃ دینے والوں کی جانب سے ادا ہو جائے گی۔

ترجمہ: کیونکہ وہ مستحق کو پہنچ گیا ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ حبشی غلام بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اس لئے اگر باغی حاکم بن جائے تو

اس کی اطاعت ضروری ہے۔ اور اطاعت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ، صدقات، عشر اور خراج اس کو دے اور ادا بھی ہو

جائے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی ذر قال ان خلیلی اوصانی ان اسمع واطیع وان کان عبداً مجرد الاطراف

(مسلم شریف، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیہ و تحریک فی المعصیہ، ص ۱۲۲، نمبر ۱۸۳۷/۵۵۸/۴ سنن للبیہقی، باب اہل

البعی اذ غلبوا علی بلد و اخذوا صدقات اهلها و اقاموا علیہم الحد و لم تعد علیہم، ج ثامن، ص ۳۲۰، نمبر ۱۶۷۸) اس حدیث میں

ہے کہ کسی بھی امیر کی اطاعت کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ عشر اور زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی (۲) سألت سعیداً و ابن عمر

و ابا ہریرۃ و ابا سعید فقلت ان لی مالا و انا ارید ان اعطی زکواتہ و لا اجد لها موضعاً و هؤلاء یصنعون

فیہا ماترون، فقال کلہم امرونی ان ادفعہا الیہم (مصنف ابن ابی شیبہ، ۴۸، من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج

ثانی، ص ۳۸۴، نمبر ۱۰۱۸۹) اس اثر میں ہے کہ امراء کچھ بھی کریں ہماری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ امیر بن گئے ہیں (۳)

ایک اور قول صحابی میں ہے۔ سألت ابن عمر فقال ادفعہا الیہم وان اکلوا بها لحوم الکلاب فلما عادوا الیہ

قال ادفعہا الیہم وان اکلوا بها البسار (مصنف ابن ابی شیبہ، ۴۸، من قال تدفع الزکوۃ الی السلطان، ج ثانی، ص

۳۸۴، نمبر ۱۰۱۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امیر چاہے کیسے ہی ہوں زکوٰۃ اور عشر وغیرہ اسی کو دی جائے گی۔ اب اگر وہ صحیح جگہ پر

استعمال کر دیا مثلاً زکوٰۃ کو فقراء اور مساکین تک پہنچا دیا تو مالک کی جانب سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

لغت: جہا : وصول کر لیا، جمع کیا۔

ترجمہ: (۲۹۲۶) اگر باغی نے حقدار پر خرچ نہیں کیا تو زکوٰۃ کے مالک پر ہے کہ فیما بینہ و بین اللہ دوبارہ ادا کر دے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ یہ زکوٰۃ مستحق تک نہیں پہنچا۔

تشریح: باغیوں نے زکوٰۃ وصول کی اور اس کو غرباء، مساکین پر خرچ نہیں کیا پھر بھی زکوٰۃ کی ادائیگی ہو گئی۔ لیکن غرباء، مساکین کو زکوٰۃ

۲ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: قَالُوا الْإِعَادَةُ عَلَيْهِمْ فِي الْخَرَاجِ؛ لِأَنَّهُمْ مُقَاتِلَةٌ فَكَانُوا مَصَارِفَ، وَإِنْ كَانُوا أَغْنِيَاءَ، ۳ وَفِي الْعُشْرِ إِنْ كَانُوا فَقَرَاءَ، فَكَذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ الْفُقَرَاءِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الزَّكَاةِ. ۴ وَفِي الْمُسْتَقْبَلِ يَأْخُذُهُ الْإِمَامُ؛ لِأَنَّهُ يَحْمِيهِمْ فِيهِ؛ لِظُهُورِ وَلَا يَتَّهِ.

کا مالک بنانا ضروری ہے اور اس نے بنایا نہیں اسلئے دوبارہ ادا کرنا چاہئے۔ اور اپنے طور پر غرباء، مساکین کو مالک بنانا چاہئے۔

وجہ: (۱) آیت میں مالک بنانے کا اشارہ ہے۔ انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا (آیت ۶۰، سورۃ التوبہ ۹) اس آیت میں للفقراء کا لام تملیک کے لئے ہے۔ اس لئے فقراء کو مالک بنانا چاہئے۔ اور اس نے مالک نہیں بنایا اس لئے دوبارہ ادا کرے۔ لیکن یہ فیما بینہ و بین اللہ ہے۔ قضاء کے طور پر واجب نہیں ہے۔ کیونکہ قضاء کے طور پر تو ادا ہو گئی۔

ترجمہ: ۲: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ خراج کو دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ باغی بھی ایک طرح کا مجاہد ہیں تو وہ بھی خراج کا مصرف ہو گئے، چاہے وہ مالدار کیوں نہ ہوں۔

تشریح: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے باغیوں کو خراج دیا ہے، انکو دوبارہ خراج ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ **وجہ:** اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ باغی بھی ایک قسم کے مجاہد ہیں اس لئے ان لوگوں پر خرچ کرنے کی وجہ سے خراج ادا ہو گیا ہے، چاہے باغی مالدار ہوں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خراج نکالنا کوئی عبادت نہیں ہے اس لئے اس کو دوبارہ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے وہ تو حفاظت کی وجہ سے لازم ہوتا ہے، اور اس دوران باغیوں نے ان لوگوں کی حفاظت کی ہے اس لئے اس کو دینے سے خراج ادا ہو گیا ہے۔

ترجمہ: ۳: اور عشر کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر باغی فقیر تھے تب بھی عشر دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ بھی فقیر ہیں، اس بات کتاب الزکوۃ میں ذکر کر دیا ہے۔

تشریح: عشر کے بارے فرماتے ہیں کہ اگر یہ باغی فقیر ہیں اور ان لوگوں پر عشر کے مال کو خرچ کیا تھا تو چونکہ وہ بھی فقیر ہیں اس لئے عشر کی ادائیگی ہو گئی ہے دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴: آئندہ سال امام ان لوگوں سے زکوۃ، اور خراج وغیرہ لیں گے، کیونکہ اگلے سال امام حق نے ان لوگوں کی حفاظت کی، اور انکی ولایت بھی ظاہر ہو گئی۔

تشریح: مثلاً پہلی جنوری ۲۰۱۵ء کو امام نے باغیوں کو اس خطے سے ہٹایا تو یہ امام اگلے سال پہلی جنوری ۲۰۱۶ء کو خراج وغیرہ لے گا۔

وجہ: (۱) کیونکہ پہلی جنوری ۲۰۱۵ء سے پہلی جنوری ۲۰۱۶ء تک امام نے ان لوگوں کی حفاظت کی۔ (۲) پہلی جنوری

(۲۹۲۷) وَمَنْ قَتَلَ رَجُلًا وَهُمَا مِنْ عَسْكَرِ أَهْلِ الْبَغْيِ ثُمَّ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَلَيْسَ عَلَيْهِمْ شَيْءٌ؛ ۱ لَأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْإِمَامِ الْعَدْلِ حِينَ الْقَتْلِ فَلَمْ يَنْعَقِدْ مُوجِبًا كَالْقَتْلِ فِي دَارِ الْحَرْبِ.

(۲۹۲۸) وَإِنْ غَلَبُوا عَلَى مِصْرٍ فَقَتَلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْمِصْرِ عَمْدًا ثُمَّ ظَهَرَ عَلَى الْمِصْرِ فَإِنَّهُ يُقْتَضَى مِنْهُ ۱ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا لَمْ يَجْرِ عَلَى أَهْلِهِ أَحْكَامُهُمْ وَأُزْعِجُوا قَبْلَ ذَلِكَ، وَفِي ذَلِكَ لَمْ تَنْقَطِعْ وِلَايَةُ الْإِمَامِ فَيَجِبُ الْقِصَاصُ.

سے اگلے پہلی جنوری تک ان لوگوں پر اس امام کی ولایت رہی اس لئے اب اگلے سال جنوری ۲۰۱۶ء کو امام خراج، زکوٰۃ، اور عشر لینے کا حقدار ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۲۷) باغیوں کے لوگوں نے ایک دوسرے کو قتل کر دیا پھر ان لوگوں پر عادل امام کا غلبہ ہوا تو قتل کرنے والے سے قصاص، یا دیت نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ قتل کے وقت عادل امام کا ان باغیوں پر ولایت نہیں تھی اس لئے دیت، یا قصاص کا سبب منعقد نہیں ہوا۔ جیسے دار الحرب میں دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کر دیں تو امام ان سے قصاص، یا دیت نہیں لے سکتا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جہاں امام کی ولایت نہ ہو وہاں قتل ہوا تو بعد میں ان پر امام کی حکومت ہو جائے تب بھی ان سے قصاص یا دیت نہیں لیا جائے گا، کیونکہ قتل کے وقت امام کی ولایت نہیں تھی۔

تشریح: جہاں پر باغیوں کی حکومت تھی وہاں ایک باغی نے دوسرے باغی کو قتل کر دیا، اس کے بعد عادل امام کا ان پر قبضہ ہو گیا تو عادل امام اس قاتل سے نہ قصاص لے گا اور نہ دیت لیگا۔

وجہ: جہاں قتل ہوا ہے وہاں عادل امام کی حکومت نہیں تھی، یہ خود باغی کا حاکم تھا اس کا کام تھا قصاص لینا یا دیت لینا، اس لئے عادل حاکم اب نہ قصاص لیگا اور نہ دیت لیگا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ دار الحرب میں ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا، اس کے بعد دونوں دار الاسلام آئے تو امیران سے قصاص، یا دیت نہیں لے سکے گا، کیونکہ امام کی حکومت میں یہ واقعہ پیش نہیں آیا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۲۸) اگر کسی شہر پر باغی غالب آگئے اور شہر کے آدمی نے کسی شہر کے آدمی کو جان کر قتل کر دیا، پھر اہل حق اس شہر پر غالب ہوئے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱: اس عبارت کی تاویل یہ ہے کہ باغیوں کی حکومت اس شہر پر مضبوط نہیں ہوئی تھی اور اس سے پہلے ہی ان باغیوں کو اس شہر سے ہٹا دیا گیا تھا، اس صورت میں اہل حق حاکم کی حکومت ختم نہیں ہوئی اس لئے قاتل پر قصاص واجب ہوگا۔

(۲۹۲۹) وَإِذَا قُتِلَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْعَدْلِ بَاغِيًا فَإِنَّهُ يَرِثُهُ، فَإِنْ قُتِلَ الْبَاغِي وَ قَالَ قَدْ كُنْتُ عَلَى حَقٍّ وَأَنَا الْآنَ عَلَى حَقٍّ وَرِثَتُهُ، وَإِنْ قَالَ قُتِلْتُ وَأَنَا أَعْلَمُ أَنِّي عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يَرِثُهُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ باغی کی حکومت مضبوط نہیں ہوئی ہو اور قتل ہوا تو چونکہ اندرونی طور پر اہل حق کی حکومت میں قتل ہو ہے اس لئے قصاص لیا جائے گا۔

تشریح: کسی شہر پر باغی کا غلبہ ہوا، ابھی اس کی حکومت مضبوط نہیں ہوئی کہ کسی شہری نے کسی شہری کو قتل کر دیا، پھر اہل حق نے باغی کو ہٹا دیا اور اہل حق نے غلبہ کر لیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ اہل حق کی حکومت ہی میں قتل ہوا ہے۔

لغت: از عجز و زنج سے مشتق ہے، ہٹا دیا جانا۔

ترجمہ: (۲۹۲۹) اہل عدل کے آدمی نے کسی باغی کو قتل کیا تو قاتل اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر باغی نے قتل کیا اور کہا کہ میں حق پر ہوں تو باغی مقتول کا وارث ہوگا۔ اور اگر کہا کہ میں باطل پر تھا تو وارث نہیں ہوگا، یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے۔

اصول: امام ابوحنیفہ کا اصول یہ ہے کہ عادل نے باغی کو قتل کیا تو وہ باغی کا وارث بنے گا، کیونکہ باغی کو قتل کرنا جائز تھا اس لئے عادل نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔

اصول: امام ابوحنیفہ کا اصول یہ ہے کہ اگر باغی نے عادل کو حق سمجھ کر قتل کیا تو باغی عادل کا وارث بنے گا، اور اگر یہ سمجھ کر قتل کیا کہ میں ناحق پر ہوں تو اب وہ وارث نہیں بنے گا۔

اصول: امام ابو یوسف کا اصول یہ ہے کہ باغی چاہے حق سمجھ کر قتل کرے، یا باطل سمجھ کر قتل کرے دونوں صورتوں میں باغی عادل کا وارث نہیں بنے گا، کیونکہ حقیقت میں وہ باطل پر ہی ہے۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں [۱] قاعدہ یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کی وراثت نہیں ملتی، لیکن عادل نے باغی کو قتل کیا اور وہ قاتل کا رشتہ دار تھا تو عادل کو اس کی وراثت ملے گی۔

وجہ: عادل پر باغی کو قتل کرنا واجب تھا اس لئے اس کو قتل کر کے کوئی گناہ نہیں کیا، اسی لئے اس عادل پر مقتول کی دیت لازم نہیں ہوگی، اس لئے عادل باغی کا وارث ہوگا۔

[۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغی نے عادل کو قتل کر دیا تو اگر وہ کہتا ہے کہ میں حق پر ہوں، اور یہ کہتے ہوئے قتل کیا ہے تو وہ وارث ہوگا، اور اگر وہ کہتا کہ میں باطل پر ہوں اور یہ اقرار کرتے ہوئے عادل کو قتل کیا ہے تو وہ عادل کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ: جب وہ کہتا ہے کہ میں حق پر ہوں تو اس کے ذہن میں عادل کو قتل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، اور یہ بھی اس کے ذہن میں ہے کہ مجھ پر

۱۔ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يَرِثُ الْبَاغِي فِي الْوُجْهِينِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. ۲. وَأَصْلُهُ أَنَّ الْعَادِلَ إِذَا أَتْلَفَ نَفْسَ الْبَاغِي أَوْ مَالَهُ لَا يَضْمَنُ وَلَا يَأْتُمُّ؛ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِقِتَالِهِمْ دَفْعًا لَشَرِّهِمْ، ۳. وَالْبَاغِي إِذَا قَتَلَ الْعَادِلَ لَا يَجِبُ الضَّمَانُ عِنْدَنَا وَيَأْتُمُّ. ۴. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْقَدِيمِ: إِنَّهُ يَجِبُ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافَ إِذَا تَابَ الْمُرْتَدُّ، وَقَدْ أَتْلَفَ نَفْسًا أَوْ مَالًا. لَهُ أَنَّهُ أَتْلَفَ مَالًا مَعْصُومًا أَوْ قَتَلَ نَفْسًا

اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور حاکم اس پر ضمان لازم نہیں کر سکتا، کیونکہ باغی کی بڑی طاقت ہے، اور اس کے ذہن میں گناہ نہیں ہے تو وہ وارث ہوگا۔ اور اگر وہ کہتا ہے کہ میں باطل پر ہوں تو اس کے ذہن میں ہے کہ میں گناہ کا کام کیا ہے اس لئے اب وہ وارث نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ باغی کہے کہ میں حق پر ہوں یا باطل پر ہوں دونوں صورتوں میں وہ اہل حق کا وارث نہیں بنے گا، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ باغی حق سمجھ کر عادل کو قتل کرے یا باطل سمجھ کر دونوں صورتوں میں وہ عادل کا وارث نہیں ہوگا، اور یہی رائے امام شافعیؒ کی ہے۔

وجہ: باغی چاہے حق سمجھ کر عادل کو قتل کیا ہو لیکن حقیقت میں وہ باطل پر ہے اس لئے اس کا قتل گناہ ہے اس لئے وہ عادل کا وارث نہیں ہوگا۔
ترجمہ: ۲۔ اور اس کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ عادل باغی کی جان کو ضائع کرے یا اس کے مال کو ضائع کرے تو وہ نہ اس کا ضامن ہوتا ہے اور نہ گناہ گار ہوتا ہے، اس لئے اہل حق کو اس کی شرارت کو دفع کرنے کیلئے اس سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تشریح: عادل باغی کو قتل کرے تو وہ وارث ہوگا، اس کی یہ دلیل ہے۔ کہ عادل نے باغی کو قتل کر کے کوئی گناہ نہیں کیا ہے اس لئے وہ اس کا وارث ہوگا۔

ترجمہ: ۳۔ اور باغی قتال کرے تو اس پر قتل کرنے کا ضمان نہیں ہے، لیکن ہمارے یہاں وہ گناہ گار ہوگا۔

تشریح: باغی عادل کو قتل کرے تو اس پر ضمان نہیں ہے، کیونکہ وہ حاکم کی ولایت میں نہیں ہے اس لئے وہ ضمان نہیں لے سکے گا، البتہ چونکہ وہ باطل پر ہے اس لئے قتل کرنے سے گناہ گار ہوگا، پس اگر وہ اپنے کو باطل پر سمجھ کر قتل کیا ہو تو وہ وارث نہیں ہوگا، اور اگر حق پر سمجھ کر قتل کیا ہو تو وارث ہوگا۔

ترجمہ: ۴۔ امام شافعیؒ نے قدیم قول میں کہا تھا کہ باغی پر ضمان واجب ہوگا، اور اسی اختلاف پر ہے اگر مرتد نے توبہ کر لیا، اور اپنی ارتداد کی حالت میں جان کو یا مال کو ضائع کیا تھا [تو ہمارے نزدیک وہ گناہ گار ہوگا، لیکن ضامن نہیں ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے یہاں وہ قتل کا مال کا ضامن بھی ہوگا] انکی دلیل یہ ہے کہ باغی نے معصوم مال کو اور معصوم جان کو ضائع کیا ہے اس لئے اس پر ضمان لازم ہوگا، جیسے باغی کو قوت ہونے سے پہلے وہ قتل کرتا تو اس پر ضمان لازم ہوتا۔

مَعْصُومَةً فَيَجِبُ الضَّمَانُ اِعْتِبَارًا بِمَا قَبْلَ الْمَنَعَةِ. ۵. وَلَنَا اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ، رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ. ۶. وَلِأَنَّهُ اِتْلَافٌ عَنْ تَأْوِيلٍ فَاسِدٍ، وَالْفَاسِدُ مِنْهُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيحِ إِذَا ضُمَّتْ إِلَيْهِ الْمَنَعَةُ فِي حَقِّ الدَّفْعِ كَمَا فِي مَنَعَةِ أَهْلِ الْحَرْبِ وَتَأْوِيلِهِمْ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْأَحْكَامَ لَا بُدَّ فِيهَا مِنَ الْإِلْزَامِ أَوْ الْإِلْتِزَامِ، وَلَا الْإِلْتِزَامَ لَا اِعْتِقَادَ الْإِبَاحَةِ عَنْ تَأْوِيلٍ، وَلَا الْإِلْزَامَ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ لَوْ جُودِ الْمَنَعَةِ،

تشریح: یہاں یہ بحث ہے کہ باغی نے عادل کو قتل کیا تو اس پر ضمان بھی ہے یا نہیں۔ تو امام شافعیؒ کے یہاں اس پر مقتول کا ضمان ہے، کیونکہ اس نے معصوم جان کو قتل کیا ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ باغی کی حکومت ہونے سے پہلے اگر وہ عادل کو قتل کرتا تو اس پر ضمان لازم ہوتا اسی طرح اس کی حکومت ہونے کے بعد قتل کرے گا اس ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۵: ہماری دلیل یہ ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے کہ اس پر ضمان لازم ہوگا، جس کو حضرت زہریؒ نے روایت کی ہے۔ روایت یہ ہے۔ اخبرنی الزہری ان سلیمان بن هشام كتب اليه يساله عن امرأة خرجت من عند زوجها فاجتمع رأيهم على ان لا يقيموا على احد حدا في فرج استحلوه بتاويل القرآن و لا قصاص في قتل اصابوه على تاويل القرآن و لا يرد ما اصابوه على تاويل القرآن الا ان يوجد بعينه فيرد على صاحبه و انى ارى ان ترد الى زوجها و ان يحد من افتري عليها۔ (مصنف عبد الرزاق، باب قتال الحر وراء، ج ۹، ص ۴۴۰، نمبر ۱۸۹۰۷) اس قول صحابی میں ہے کہ قرآن کی تاویل کر کے قتل کیا ہے تو اس پر ضمان نہیں ہے، اگرچہ یہ تاویل غلط ہو۔

ترجمہ: ۶: اور یہ دلیل بھی ہے کہ باغی نے فاسد تاویل کر کے جان ضائع کی ہے، اور اگر اس کو قوت ہو جائے تو فاسد تاویل بھی صحیح کے درجے میں ہے جیسے حربی کو قوت ہو جائے تو اس کی تاویل کے بارے میں یہی ہے کہ وہ صحیح کے درجے میں ہو جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام کے لئے ضروری ہے کہ زبردستی لازم کرے، یا خود اپنے اوپر لازم کر لے، خود اپنے اوپر تو لازم اس لئے نہیں کر رہا ہے کیونکہ اس کی تاویل ہے کہ میرے لئے قتل کرنا مباح ہے۔ اور زبردستی لازم اس لئے نہیں کر سکتا کہ عادل حاکم کی ولایت نہیں ہے، کیونکہ باغی کو قدرت ہے۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے۔ کہ باغی جانب سے فاسد تاویل ہے، اور اس کی حکومت ہو جائے تو فاسد تاویل بھی صحیح کے درجے میں ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کا حکم دو طریقے سے نافذ ہوتا ہے، [۱] ایک خود لازم کرنے سے، باغی میں یہ نہیں ہے، کیونکہ وہ اعتقاد کرتا ہے کہ میں عادل کو حق کے طور پر قتل کر رہا ہوں [۲] اور دوسرا، اس پر زبردستی کر کے، یہ بھی یہاں نہیں ہے، کیونکہ اس کی حکومت ہے، اور عادل حاکم کی اس پر ولایت نہیں ہے اس لئے اس پر زبردستی بھی نہیں کر سکتے۔

۷ وَالْوَلَايَةُ بَاقِيَةٌ قَبْلَ الْمَنَعَةِ ۸ وَعِنْدَ عَدَمِ التَّأْوِيلِ ثَبَتَ الْإِلْتِزَامُ اعْتِقَادًا، بِخِلَافِ الْإِثْمِ؛ لِأَنَّهُ لَا مَنَعَةَ فِي حَقِّ الشَّارِعِ، ۹ إِذَا ثَبَتَ هَذَا فَنَقُولُ: قَتَلَ الْعَادِلُ الْبَاغِيَّ قَتْلًا بِحَقٍّ فَلَا يَمْنَعُ الْإِرْثَ. ۱۰ وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَتْلِ الْبَاغِي الْعَادِلَ أَنَّ التَّأْوِيلَ الْفَاسِدَ إِنَّمَا يُعْتَبَرُ فِي حَقِّ الدَّفْعِ وَالْحَاجَةِ هَاهُنَا إِلَى اسْتِحْقَاقِ الْإِرْثِ فَلَا يَكُونُ التَّأْوِيلُ مُعْتَبَرًا فِي حَقِّ الْإِرْثِ. ۱۱ وَلَهُمَا فِيهِ أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى دَفْعِ الْحِرْمَانِ أَيْضًا، إِذِ الْقَرَابَةُ سَبَبُ الْإِرْثِ فَيُعْتَبَرُ الْفَاسِدُ فِيهِ، إِلَّا أَنَّ مِنْ شَرْطِهِ بَقَاءُ هُوَ عَلَى دِيَانَتِهِ، فَإِذَا قَالَ: كُنْتُ عَلَى الْبَاطِلِ لَمْ يُوَجَدْ الدَّفْعُ فَوَجَبَ الصَّمَانُ.

ترجمہ: ۷، اور باغی کو قدرت سے پہلے عادل حاکم کو اس پر ولایت تھی۔

تشریح: بیچ میں یہ جملہ ایک سوال کا جواب ہے، امام شافعیؒ نے کہا تھا کہ باغی کی حکومت سے پہلے اگر وہ عادل کو قتل کر دے تو اس سے ضمان لیا جاتا ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ باغی کی حکومت سے پہلے اس پر عادل حاکم کی حکومت ہے اس لئے وہ ضمان لے گا، لیکن باغی کی حکومت مضبوط ہونے کے بعد عادل کی حکومت اس پر نہیں رہی اس لئے اب اس سے ضمان نہیں لیا جائے گا۔

ترجمہ: ۸ اور باغی تاویل نہ کرے تو اپنے اعتقاد میں اپنے اوپر ضمان لازم کیا ہے۔ اور گناہ گار ہونے کے لئے شریعت میں حاکم کو قدرت ہونا ضروری نہیں ہے،

تشریح: اگر باغی اپنے قتل کرنے کی تاویل نہ کرے تو وہ خود بھی سمجھ رہا ہے کہ میں گناہ کر رہا ہوں اس لئے اس پر اس قتل کا ضمان لازم ہوگا۔ البتہ گناہ ہونے کیلئے حاکم کی قدرت ہونا ضروری نہیں ہے، حاکم کی قدرت نہ بھی ہو تب بھی ناحق قتل کرنے پر گناہ ہوگا۔

ترجمہ: ۹ اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ عادل نے باغی کو صحیح قتل کیا اس لئے اس کی وراثت ختم نہیں ہوگی۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا خلاصہ ہے۔

ترجمہ: ۱۰ باغی نے عادل کو قتل کیا ہے اس کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ فاسد تاویل دفع کے حق میں معتبر ہے اور یہاں وراثت کے استحقاق کی ضرورت ہے اس لئے وراثت کے حق میں باغی کی تاویل معتبر نہیں ہوگی [اس لئے باغی کو عادل کی وراثت نہیں ملے گی]

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہے اپنے اوپر سے ضمان دفع کرنا، اور دوسرا ہے حق وراثت کو ثابت کرنا فاسد تاویل دفع کرنے کیلئے تو کام آئے گا، لیکن حق کو ثابت کرنے کیلئے کافی نہیں ہے اس لئے باغی کی فاسد تاویل سے وراثت نہیں ملے گی۔

ترجمہ: ۱۱ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں وراثت سے محروم ہونے کو دفع کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ قرابت وارث ہونے کا سبب ہے اس لئے فاسد تاویل کا بھی اعتبار کیا جائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ اپنی دیانت پر باقی رہے پس باغی

(۲۹۳۰) قَالَ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السَّلَاحِ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ وَفِي عَسَاكِرِهِمْ؛ ۱ لَأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ ۲ وَلَيْسَ بِبَيْعِهِ بِالْكُوفَةِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ بَأْسٌ؛ لَأَنَّ الْغَلْبَةَ فِي الْأُمُصَارِ لِأَهْلِ الصَّلَاحِ، وَإِنَّمَا يُكْرَهُ بَيْعُ نَفْسِ السَّلَاحِ لَا بَيْعُ مَا لَا يُقَاتَلُ بِهِ إِلَّا بِصَنْعَةٍ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يُكْرَهُ بَيْعُ الْمَعَازِفِ وَلَا يُكْرَهُ بَيْعُ الْخَشَبِ، وَعَلَى هَذَا الْخَمْرُ مَعَ الْعَنْبِ.

نے جب یہ کہا کہ میں باطل پر تھا تو دفع کرنے والی چیز نہیں پائی گئی اس لئے ضمان لازم ہوگا، اور وراثت سے بھی محروم ہو جائے گا۔
تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل ہے۔ باغی عادل کی وراثت سے محروم ہے اس کو بھی دور کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ رشتہ داری تقاضہ کرتی ہے کہ وہ وارث ہو جائے، اس لئے فاسد تاویل بھی یہاں وراثت کے لئے کافی ہے، اس لئے باغی یہ گمان کرے کہ میں حق پر ہوں تو اس کو وراثت مل جائے گی، اور یہ گمان کرے کہ میں باطل پر ہوں تو اس کو وراثت نہیں ملے گی، اور قتل کی دیت بھی اس پر لازم ہوگی۔

ترجمہ: (۲۹۳۰) فتنہ والوں سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، اور اس کے لشکروں میں بھی ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ معصیت پر مدد کرنا ہے۔

تشریح: فتنہ کے زمانے میں فتنہ والوں سے، یا اس کے لشکر سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے فتنہ پر مدد ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ عن عمران بن حصین ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع السلاح في الفتنة۔ (طبرانی، باب عبد الله اللقيطی عن ابی رجا، ج ۱۸، ص ۱۳۶، نمبر ۲۸۶ سنن بیہقی، کتاب البوع، باب کراہیۃ بیع العصر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عز وجل، ج ۵، ص ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۰) اس حدیث میں ہے کہ فتنہ میں اہل السلاح والکراخ ولا ما يستعان على السلاح والکراخ (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۳۱ ما یکروہ ان تکمل الی العدو فیتقوی بہ، ج ۶، ص ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۶۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حریوں کو ہتھیار نہیں دینا چاہئے۔

ترجمہ: ۲: کوفہ میں کوفہ والوں سے ہتھیار بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یا ان لوگوں سے ہتھیار بیچنا جو فتنہ والے کو پہچانتا نہ ہو اس لئے شہر میں زیادہ تر نیک لوگ رہتے ہیں۔ اسی طرح نفس ہتھیار کو بیچنا مکروہ ہے، لیکن جس چیز سے ہتھیار بنتا ہے اس کو بیچنا مکروہ نہیں ہے، آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ سارگی بیچنا مکروہ ہے، لیکن اس کی لکڑی کو بیچنا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح شراب بیچنا مکروہ ہے، لیکن انگور کو بیچنا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح: مثلاً کوفہ میں فتنہ برپا ہو تو وہاں کے وہ لوگ جو فتنہ میں شریک نہیں ہیں ان سے ہتھیار بیچنا مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح

ایسے آدمی جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ فتنے میں شامل ہیں یا نہیں ان سے بھی بیچنا جائز ہے، کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ نیک لوگ ہیں۔ دوسری بات بتاتے ہیں کہ فتنہ والوں سے بنا ہوا ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، لیکن جن چیزوں سے ہتھیار بنتا ہے مثلاً لوہا اس کو فتنہ والوں سے بیچنا مکروہ نہیں ہے۔ اس کی دو مثال دیتے ہیں [۱] سارنگی، اور ستار بیچنا مکروہ ہے، لیکن وہ لکڑی جس سے سارنگی اور ستار بنتی ہے اس کا بیچنا مکروہ نہیں ہے۔ [۲] شراب بیچنا حرام ہے، لیکن جس انگور سے شراب بنتی ہے اس کا بیچنا حرام نہیں ہے، اس لئے ہتھیار بنانے کا لوہا بیچنا مکروہ نہیں ہوگا، وہ جائز ہے۔

کتاب اللقیط

۱۔ اللَّقِیْطُ سُمِّیَ بِهِ بِاعْتِبَارِ مَا لَهُ لِمَا أَنَّهُ یُلْقَطُ. وَالْإِلْتِقَاطُ مَنْدُوبٌ إِلَیْهِ لِمَا فِیْهِ مِنْ إِحْیَائِهِ، وَإِنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ ضَیَاعُهُ فَوَاجِبٌ.

(۲۹۳۱) قَالَ اللَّقِیْطُ حُرٌّ؛ ۱۔ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِیْ بَنَى آدَمَ إِنَّمَا هُوَ الْحُرِّیَّةُ، وَكَذَا الدَّارُ دَارُ الْأَحْرَارِ؛ وَلِأَنَّ الْحُكْمَ لِلْغَالِبِ

کتاب اللقیط

ضروری نوٹ : لقیط اس بچے کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا ہو اور اس کی جان بچانے کے لئے کوئی اس کو اٹھالے اور اس کی پرورش کرنے لگے۔ لقیط کا ثبوت اس (۱) آیت میں ہے۔ فالسقطه آل فرعون لیكون لهم عدوا وحزنا۔ (آیت ۸، سورۃ القصص ۲۸) (۲) اور اس آیت میں بھی ہے۔ قال قائل منهم لا تقتلوا یوسف والقوه فی غیابة الحب یلنقطه بعض السیارة ان کنتم فاعلین۔ (آیت ۱۰، سورۃ یوسف ۱۲) ان دونوں آیتوں میں دو عظیم نبیوں کے لقطے اور اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور مال کو اٹھائے اس کو لقطہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ : لقیط کا معنی اٹھانا ہے، اور ملتقط کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کیونکہ انجام کار وہ اٹھایا ہوا ہوگا۔ بچے کو اٹھالینا مستحب ہے، کیونکہ اس سے بچہ زندہ رہ سکے گا، لیکن اگر غالب گمان ہو کہ وہ ضائع ہو جائے گا تو اس کا اٹھانا واجب ہے۔

تشریح : لقیط کا لفظی ترجمہ ہے اٹھانا، چونکہ یہ بچہ اٹھایا ہوا ہے اس لئے اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ عام حالات میں راستے میں پڑے ہوئے بچے کو اٹھالینا اور اس کی پرورش کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس میں بچے کی خدمت ہے، لیکن اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ نہیں اٹھاؤں گا یہ بچہ ضائع ہو جائے گا تو ایسے حالات میں اس کا اٹھالینا واجب ہے۔

ترجمہ: (۲۹۳۱) لقیط آزاد ہے۔

ترجمہ : ۱۔ اصل یہ ہے کہ آدم کی اولاد آزاد ہے۔ دوسری وجہ ہے کہ یہ دارالاسلام آزاد لوگوں کا ملک ہے، اس لئے غالب کا اعتبار کرتے ہوئے بچے کو آزاد شمار کیا جائے گا۔

وجہ : (۱) یہ دارالاسلام ہے جو آزاد لوگوں کا ملک ہے اس لئے گمان یہی کیا جائے گا کہ یہ بچہ کسی آزاد ہی کا بچہ ہوگا۔ اس لئے یہ بچہ آزاد شمار ہوگا (۲) یوں بھی اس پر غلامیت کی کوئی علامت نہیں ہے اس لئے اس کو آزاد ہی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ بنی

(۲۹۳۲) وَنَفَقْتُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ ۱. هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ، ۲. وَلِأَنَّهُ مُسْلِمٌ عَاجِزٌ عَنْ التَّكْسِبِ، وَلَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةً فَأَشْبَهَ الْمُقْعَدَ الَّذِي لَا مَالَ لَهُ وَلَا قَرَابَةً؛ ۳. وَلِأَنَّ مِيرَاثَهُ لِبَيْتِ الْمَالِ، وَالْخَرَجُ بِالضَّمَانِ وَلِهَذَا كَانَتْ جَنَائِثُهُ فِيهِ. ۴. وَالْمُلْتَقِطُ مُتَبَرِّعٌ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَيْهِ؛ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ إِلَّا أَنْ يَأْمُرَهُ الْقَاضِي بِهِ لِيَكُونَ ذَنْبًا عَلَيْهِ لِعُمُومِ الْوِلَايَةِ.

آدم آزاد ہوتا ہے (۳) قول صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ حدثنی ابو جمیلہ انہ وجد منبوذا علی عہد عمر بن الخطاب فاتاہ بہ فاتمہ عمر فائنی علیہ خیرا فقال عمر فہو حر وولأؤہ لک ونفقته من بیت المال (مصنف عبدالرزاق، باب ولاء اللقیط ج ثامن، ص ۳۴۶، نمبر ۱۵۹۵۱) (۴) ان علیا سئل عن لقیط فقال ہو حر عقلہ علیہم وولأؤہ لہم (مصنف عبدالرزاق، باب ولاء اللقیط، ج ثامن، ص ۳۴۶، نمبر ۱۵۹۵۳ سنن للبیہقی، باب التقاط المنبوذ وانہ لا یجوز ترکہ ضائعاً، ج سادس، ص ۳۳۲، نمبر ۱۲۱۳۳) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہوگا۔ اور بچے کی وراثت بھی بیت المال کو ملے گی۔

ترجمہ: (۲۹۳۲) اور لقیط کا خرچ بیت المال سے دیا جائے گا۔

ترجمہ: حضرت عمر اور حضرت علیؓ سے یہی مروی ہے۔

تشریح: یہ روایت ابھی اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہے اور کمانے سے عاجز ہے اور اس کے پاس مال بھی نہیں ہے، اور اس کا کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے تو اس اپانج کی طرح ہو گیا جس کے پاس مال نہ ہو۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اس لئے کہ اس کی وراثت بیت المال کو ملے گی، تو جسکو ملے گی اسی کو ابھی خرچ بھی دینا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ لقیط کے جرم کا بدلہ بھی بیت المال ہی کو دینا ہوتا ہے۔

تشریح: یہ تیسری دلیل ہے، کہ لقیط مرے گا تو اس کی وراثت بیت المال کو ملے گی، جب بعد میں بیت المال فائدہ اٹھائے گا تو ابھی خرچ بھی بیت المال کرے، اسی بات کو الخراج بالضمنان، سے ادا کیا ہے۔ بیت المال ہی ذمہ دار ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لقیط جرمانہ بھی بیت المال ہی ادا کرتا ہے۔

ترجمہ: ۴ اٹھانے والا لقیط پر خرچ کرے تو یہ اس پر احسان ہوگا، کیونکہ لقیط پر اٹھانے والے کی ولایت نہیں ہے، لیکن قاضی اس کو خرچ کرنے کا حکم دے تاکہ لقیط پر قرض ہو جائے تو ایسا ہو سکتا ہے، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

(۲۹۳۳) قَالَ: فَإِنَّ النَّقْطَةَ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِعَيْرِهِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْهُ؛ ۱. لِأَنَّهُ ثَبَتَ حَقَّ الْحِفْظِ لَهُ لِسَبْقِ يَدِهِ.
 (۲۹۳۴) فَإِنْ ادَّعَى مُدَّعٍ أَنَّهُ ابْنُهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ. ۱. مَعْنَاهُ: إِذَا لَمْ يَدَّعِ الْمُتَلَقِّطُ نَسَبَهُ ۲. وَهَذَا
 اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَقْبَلَ قَوْلُهُ؛ لِأَنَّهُ يَتَضَمَّنُ إِبْطَالَ حَقِّ الْمُتَلَقِّطِ. وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ إِفْرَارٌ
 لِلصَّبِيِّ بِمَا يَنْفَعُهُ؛ لِأَنَّهُ يَتَشَرَّفُ بِالنَّسَبِ وَيُعَيَّرُ بَعْدَمِهِ.

تشریح: اٹھانے والے قاضی کے حکم کے بغیر بچے پر خرچ کرے تو یہ بچے پر حسان ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ بالغ ہونے کے بعد بچے سے وصول کر پائے گا، اور نہ بیت المال سے وصول کر پائے گا۔ اور قاضی نے بچے پر خرچ کرنے کا حکم دیا، اور یہ نہیں کہا کہ بیت المال اس خرچ کو برداشت کرے گا تو یہ بچے پر قرض ہو جائے گا، اور بچے کے بالغ ہونے کے بعد اس سے وصول کر سکے گا، کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

ترجمہ: (۲۹۳۳) اگر بچے کو کسی آدمی نے اٹھالیا تو دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اس کے ہاتھ سے لے لے۔
ترجمہ: ۱۔ اس نے پہلے اٹھایا ہے اس لئے اس کا حق ثابت ہو گیا۔

وجہ: (۱) جب ایک کا قبضہ ہو گیا تو دوسرے کا قبضہ ساقط ہو گیا اس لئے بغیر کسی وجہ اور بغیر اٹھانے والے کی اجازت کے دوسرا اس کے ہاتھ سے نہیں لے سکتا (۲) اوپر حضرت عمرؓ کے قول میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا وولاؤہ لک کہ جس نے اٹھایا ہے بچے کا ولاء اسی کے لئے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اٹھانے والے کو ہی حق ہے دوسرے کو نہیں۔
ترجمہ: (۲۹۳۴) پس اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی قسم کے ساتھ۔

ترجمہ: ۱۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اٹھانے والے نے بیٹا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہو تو

تشریح: اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ اس کا بیٹا ہے تو اگرچہ اس میں اٹھانے والے کا حق مارا جائے گا لیکن بیٹا بننے میں بچے کا فائدہ ہے اس لئے اس کو ترجیح دی جائے گی اور بچے کا نسب دعویٰ کرنے والے سے ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ کوئی علامت نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی گواہی ہے اس لئے قسم کے ساتھ بات مانی جائیگی۔ لیکن یہ اس وقت ہے کہ اٹھانے والے نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ میرا بیٹا ہے، کیونکہ اگر وہ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اسی سے بچے کا نسب ثابت کیا جائے گا۔

وجہ: اس کی دو وجہ ہیں [۱] ایک تو وہ اٹھانے والا ہے اس لئے اس کا حق پہلے ہے [۲] دوسرا یہ کہ وہ بیٹے ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے جس میں بچے کا بہت بڑا فائدہ ہے اس لئے اس کی بات کو ترجیح ہوگی۔

ترجمہ: ۲۔ یہ استحسان کا تقاضہ ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بیٹے کا دعویٰ کرنے کی بات قبول نہ کی جائے اس لئے کہ اس سے اٹھانے والے کا حق باطل ہو جائے گا [کیونکہ بچہ اس سے چھین کر بیٹے کا دعویٰ کرنے والے کو دے دیا جائے گا] استحسان کی

۳۴ ثُمَّ قِيلَ يَصْحُ فِي حَقِّهِ ذُوْنُ اِبْطَالٍ يَدِ الْمُلْتَقِطِ. ۳۵ وَقِيلَ يُبْتَنَى عَلَيْهِ بَطْلَانٌ يَدِهِ، وَلَوْ اَدَّعَاهُ الْمُلتَقِطُ قِيلَ يَصْحُ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا، ۵۶ وَالْأَصَحُّ اَنَّهُ عَلَى الْقِيَاسِ وَالِاسْتِحْسَانِ وَقَدْ عُرِفَ فِي الْأَصْلِ.

وجہ یہ ہے کہ بچے کے لئے ایسی بات کا دعویٰ کر رہا ہے جس میں بچے کا بہت بڑا فائدہ ہے، کیونکہ نسب سے بچے کو شرف ہوگی اور نہ ہونے سے ہمیشہ وہ شرمندہ ہوگا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بچے کا نسب ثابت ہونا بہت بڑی چیز ہے، اس سے باپ کی جانب سے فقہ ملتا ہے، وراثت ملتی ہے، اور آدمی زندگی بھر حرامی ہونے سے بچ جاتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳۴ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ بچے کا نسب تو ثابت ہوگا لیکن اٹھانے والے کا حق باطل نہیں ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نسب ثابت ہونے کی بنیاد پر اٹھانے والے کا قبضہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ نسب کا دعویٰ کرنے والے کے صرف اتنا ہی ہوگا کہ بچے کا نسب اس سے ثابت کر دیا جائے گا، لیکن اٹھانے والے کے ہاتھ سے چھینا نہیں جائے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جب اس کا بیٹا ہو گیا تو اس کی بنیاد پر اٹھانے والے کے ہاتھ سے نکال کر والد کے قبضے میں دے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳۵ اگر اٹھانے والے نے نسب کا دعویٰ کر دیا تو کہا گیا ہے کہ قیاس اور استحسان دونوں طریقے سے اس کا دعویٰ صحیح مانا جائے گا۔

تشریح: خود اٹھانے والے نے دعویٰ کر دیا کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے، تو فرماتے ہیں کہ قیاس کے اعتبار سے اور احسان کے اعتبار سے بھی اس کا بیٹا شمار کیا جائے گا، کیونکہ وہ اٹھانے والا بھی ہے، اور نسب ثابت کر کے بچے کے لئے بہت بڑا فائدہ کر رہا ہے اس لئے قیاس اور استحسان دونوں اعتبار سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۵۶ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ قیاس کا اعتبار صحیح نہیں ہے، صرف استحسان کے اعتبار سے صحیح ہے۔ مبسوط میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

وجہ: جب آٹھانے والے نے بچے کو اٹھایا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بچہ اس کا بیٹا نہیں ہے، کیونکہ اپنے بیٹے کو لقیط نہیں کہتے، اب اس کا دعویٰ کہ یہ میرا بیٹا ہے قیاس کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، لیکن چونکہ اس میں بچے کا فائدہ ہے اس لئے استحسان کے اعتبار سے اس کا دعویٰ صحیح ہے۔ کتاب الاصل میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

(۲۹۳۴) وَإِنْ ادَّعَاهُ اثْنَانِ وَوَصَفَ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِي جَسَدِهِ فَهُوَ أَوْلَىٰ بِهِ؛ ۱. لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِمُؤَافَقَةِ الْعَلَامَةِ كَلَامَهُ، ۲. وَإِنْ لَمْ يَصِفْ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فَهُوَ ابْنُهُمَا لَا سِتْوَاهُمَا فِي السَّبَبِ. ۳. وَلَوْ سَبَقَتْ دَعْوَةُ أَحَدِهِمَا فَهُوَ ابْنُهُ؛ لِأَنَّهُ ثَبَتَ فِي زَمَانٍ لَا مُنَازَعَ لَهُ فِيهِ إِلَّا إِذَا أَقَامَ الْآخَرُ الْبَيِّنَةَ؛ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ أَقْوَىٰ.

ترجمہ: (۲۹۳۴) اگر بیٹے کا دعویٰ کیا دو آدمیوں نے اور ایک نے اس کے جسم میں علامت بیان کی تو وہ بیٹے کا زیادہ حقدار ہے۔
ترجمہ: ۱. اس لئے کہ ظاہر اس کا گواہ ہے، کیونکہ علامت اس کے کلام کے موافق ہے۔

تشریح: دو آدمیوں نے لقیط کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا۔ ان میں سے ایک نے بیٹے ہونے کی علامت بیان کی اور کہا کہ جسم میں فلاں علامت ہے جس کی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس علامت بیان کرنے کی وجہ سے اس آدمی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔

وجہ: (۱) علامت بیان کرنا بیٹے ہونے کی ترجیح ہے۔ (۲) حدیث میں ہے کہ جو علامت بیان کرے چیز اس کو دی جائے گی۔ جاء اعرابی الى النبي ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها منه ثم اعراف عفاصها وو كائها فان جاء احد يخبرك بها والا فاستنققها (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷) اس حدیث میں فرمایا کوئی آکر علامت کی خبر دے تو اس کو دیدو۔ جس سے معلوم ہوا کہ علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۲. اور اگر کسی نے علامت بیان نہیں کی تو دونوں کا بیٹا ہوگا اس لئے دعویٰ کرنے سے سبب میں دونوں برابر ہیں۔
تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳. اور اگر کسی ایک نے پہلے دعویٰ کیا تو اس کا بیٹا مانا جائے گا کیونکہ ایسے وقت میں اس کا دعویٰ تھا جبکہ اس کے مخالف کوئی اور نہیں ہے، لیکن اگر دوسرے نے بیٹا ہونے پر گواہ پیش کر دیا تو اس کا بیٹا ہوگا، کیونکہ گواہ زیادہ قوی ہے۔

وجہ: (۱) اگر کسی نے بیٹے ہونے کا پہلے دعویٰ کیا تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت اور کسی کا دعویٰ نہیں ہے۔ (۲) حدیث میں ہے کہ پہلے جس نے دعویٰ کیا اس کا حق ہے۔ عن حميد بن عبد الرحمن الحميري عن رجل من اصحاب النبي ﷺ ان النبي ﷺ قال اذا اجتمع الداعيان فاجب اقربهما بابا فان اقربهما بابا اقربهما جوارا وان سبق احدهما فاجب الذي سبق (ابوداؤد شریف، باب اذا اجتمع داعيان ابهما حق ص ۱۷۱ نمبر ۳۷۵۶) اس حدیث میں جن کا گھر قریب تھا اس کی دعوت قبول کی کیونکہ وہ قبول کرنے کی علامت ہے۔ اور کسی نے پہلے دعوت دی تو چونکہ مزاحم نہیں ہے اس لئے اس کی دعوت قبول کی۔

(۲۹۳۵) وَإِذَا وَجِدَ فِي مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قَرَاهِمُ فَادْعَى ذِمِّي أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا ۚ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ؛ لِأَنَّ دَعْوَاهُ تَضَمَّنَ النَّسَبَ وَهُوَ نَافِعٌ لِلصَّغِيرِ، وَإِبْطَالُ الْإِسْلَامِ الثَّابِتُ بِالذَّارِ وَهُوَ يَضُرُّهُ فَصَحَّتْ دَعْوَتُهُ فِيمَا يَنْفَعُهُ دُونَ مَا يَضُرُّهُ.

(۲۹۳۶) وَإِنْ وَجِدَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قَرَى أَهْلِ الذِّمَّةِ أَوْ فِي بَيْعَةٍ أَوْ كَنِيسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا ۚ وَهَذَا الْجَوَابُ فِيمَا إِذَا كَانَ الْوَاجِدُ ذِمِّيًّا رَوَايَةً وَاحِدَةً، ۲ وَإِنْ كَانَ الْوَاجِدُ مُسْلِمًا فِي هَذَا الْمَكَانِ أَوْ ذِمِّيًّا فِي مَكَانِ الْمُسْلِمِينَ اخْتَلَفَتْ الرِّوَايَةُ فِيهِ، فَفِي رَوَايَةِ كِتَابِ اللَّقِيطِ أُعْتَبِرَ الْمَكَانُ لِسَبْقِهِ،

ترجمہ: (۲۹۳۵) اگر مسلمان کے شہروں میں سے کسی شہر میں یا اس کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں بچہ پایا گیا۔ پھر کسی ذمی نے دعویٰ کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو لقیط کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور لقیط مسلمان ہوگا۔

ترجمہ: ۱: یہ استحسان کا تقاضہ ہے کیونکہ اس کا دعویٰ نسب کو شامل ہے اور یہ بچے کے لئے مفید ہے، اور دارالاسلام ہونے کی وجہ سے اس کا اسلام ثابت ہے اب اس کو باطل کرنے سے بچے کو نقصان ہوگا، اس لئے جس میں بچے کا فائدہ ہے اس میں ذمی کا دعویٰ صحیح ہے، اور جس میں نقصان ہے [یعنی اسلام کے بارے میں] اس میں اس کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔

تشریح: چاہے مسلمان کے شہر میں پایا جائے پھر بھی ذمی دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو بچے کا نسب ذمی سے ثابت کر دیا جائے گا۔
وجہ: کیونکہ نسب ثابت کرنے کی ضرورت ہے ورنہ بچہ حرامی شمار ہوگا۔ اور اس کی پرورش کا کوئی خاص انتظام نہیں ہوگا۔ اس لئے ذمی بھی نسب کا دعویٰ کرے تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا۔ البتہ چونکہ اسلامی شہر ہے اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا۔ اس لئے اس کو مسلمان ہی شمار کریں گے کیونکہ اسی میں بچے کا فائدہ ہے۔

ترجمہ: (۲۹۳۶) اور اگر ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا مندر یا گرجا میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا۔

ترجمہ: ۲: یہ جواب کہ بچہ ذمی ہوگا اس وقت ہے جبکہ پانے والا بھی ذمی ہو ایک روایت یہی ہے
وجہ: ذمی کے گاؤں میں پایا گیا یا گرجا یا مندر میں بچہ پایا گیا تو یہ علامت ہے اور غالب گمان ہے کہ کسی کا فرکا ہوگا اس لئے وہ ذمی شمار ہوگا۔
اصول: کوئی مزاحم نہ ہو تو غالب گمان اور علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔

لغت: بیعت: یہود کا عبادت خانہ، کنیت: نصاریٰ کا عبادت خانہ۔

ترجمہ: ۳: اور اگر پانے والا ایسی جگہ [کنیت، یا بیعت] پر مسلمان ہو، یا مسلمان کی جگہ پر پانے والا ذمی ہو تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں، کتاب اللقیط کی روایت میں ہے کہ مکان کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ پہلے ہے، اور بعض نسخے میں کتاب الدعویٰ میں ہے کہ پانے والے کا اعتبار ہوگا، امام محمد سے ابن سمعہ کی روایت یہی ہے، کیونکہ پانے والے میں قوت ہے، کیوں آپ

وَفِي كِتَابِ الدَّعْوَى فِي بَعْضِ النُّسخِ أُعْتَبِرَ الْوَاحِدُ وَهُوَ رَوَايَةُ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ لِقُوَّةِ الْيَدِ؛
أَلَا تَرَى أَنَّ تَبَعِيَّةَ الْأَبَوَيْنِ فَوْقَ تَبَعِيَّةِ الدَّارِ حَتَّى إِذَا سُبِيَ مَعَ الصَّغِيرِ أَحَدُهُمَا يُعْتَبَرُ كَافِرًا، وَفِي
بَعْضِ نُسَخِهِ أُعْتَبِرَ الْإِسْلَامُ نَظَرًا لِلصَّغِيرِ.

(۲۹۳۷) وَمَنْ ادَّعَى أَنَّ اللَّقِیْطَ عَبْدُهُ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ؛ ۱۔ لِأَنَّهُ حُرٌّ ظَاهِرًا إِلَّا أَنْ يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ عَبْدُهُ

(۲۹۳۸) فَإِنْ ادَّعَى عَبْدٌ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ؛ ۱۔ لِأَنَّهُ يَنْفَعُهُ وَكَانَ حُرًّا.

نہیں دیکھتے ہیں کہ بچہ والدین والدین کے تابع ہوتا ہے، اور یہ دارالاسلام کے تابع ہونے سے اوپر ہے، یہی وجہ ہے کہ بچہ
والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ قید ہوا تو دارالاسلام میں ہونے کے باوجود وہ باپ کے تابع ہو کر کافر ہوگا۔ اور بعض نسخے
میں ہے کہ بچے کے فائدے کے لئے بچے کو مسلمان ہی شمار کیا جائے گا۔

تشریح: جگہ کافروں کی ہے، اور پانے والا مسلمان ہے۔ یا جگہ مسلمان کی ہے اور پانے والا کافر ہے تو اب کس کی رعایت
کریں۔ مبسوط کے کتاب اللقیط میں ہے کہ جگہ کا اعتبار کیا جائے گا پانے والے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لئے اگر وہ جگہ کافر
کی ہے تو بچہ کافر شمار کیا جائے گا، اور جگہ مسلمان کی ہے تو بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا۔ لیکن مبسوط کے کتاب الدعویٰ میں ہے کہ
پانے والے کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ حضرت ابن سماعہ کا امام محمدؒ سے یہی روایت نقل کی گئی ہے۔

وجہ: اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ذمی اور اس کا بچہ قید ہو کر دارالاسلام آیا تو یہاں دارالاسلام کی وجہ سے بچہ مسلمان نہیں ہو
گا، بلکہ باپ کے تابع ہو کر وہ کافر شمار کیا جائے گا، جس سے معلوم ہوا کہ پانے والے کا اعتبار ہے، پس پانے والا مسلمان ہے تو
بچہ مسلمان شمار کیا جائے گا، اور پانے والا کافر ہے تو بچہ کافر شمار کیا جائے گا۔ لیکن بعض نسخے میں یہ ہے کہ بچے کا فائدہ مسلمان
ہونے میں ہے اس لئے یہاں بچے کو مسلمان ہی شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۳۷) اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا غلام ہے یا باندی ہے تو اسکی بات قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آزاد ہوگا۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ بچہ آزاد ہی ہوگا، ہاں غلام ہونے پر گواہ قائم کر دے تو وہ غلام بن جائے گا۔

وجہ: غلام یا باندی ہونا بچہ کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور ظاہری کوئی علامت نہیں ہے اس لئے بچے کو کسی کا غلام یا باندی شمار
نہیں کیا جائے گا۔ ہاں گواہی پیش کر دے تو غلامیت کا فیصلہ کیا جائے گا (۲) اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا قول گزرا کہ لقیط
آزاد ہوگا اس لئے صرف دعویٰ پر غلامیت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۳۸) اگر غلام نے دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہوگا [کیونکہ اس میں بچے کا نفع

ہے] اور لقیط آزاد ہوگا۔

۱۔ لَانَ الْمَمْلُوكَ قَدْ تَلَدُ لَهُ الْحَرَّةُ فَلَا تَبْطُلُ الْحَرِّيَّةُ الظَّاهِرَةُ بِالشَّكِّ .

(۲۹۳۹) وَالْحَرْفِيُّ دَعُوَتِهِ اللَّقِیْطُ أَوْلَى مِنَ الْعَبْدِ، وَالْمُسْلِمُ أَوْلَى مِنَ الذَّمِّيِّ ۱۔ تَرْجِيحًا لِمَا هُوَ الْأَنْظَرُ فِي حَقِّهِ .

(۲۹۴۰) وَإِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِیْطِ مَالٌ مَشْدُوذٌ عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُ ۱۔ اِغْتِبَارًا لِلظَّاهِرِ . ۲۔ وَكَذَا إِذَا كَانَ مَشْدُوذًا عَلَى ذَابَّةٍ وَهُوَ عَلَيْهَا لِمَا ذَكَرْنَا .

ترجمہ: کیونکہ غلام کی بیوی آزاد بچہ پیدا کر سکتی ہے، اس لئے شک کی وجہ سے ظاہری آزادی ختم نہیں ہوگی۔

تشریح: چاہے غلام سے نسب ثابت ہو پھر بھی بچے کے لئے فائدہ ہے۔ اس لئے غلام دعویٰ کرے تو اس سے ہی نسب ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) غلام آدمی آزاد عورت سے شادی کرے تو اس سے آزاد بچہ پیدا ہوتا ہے اس لئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ غلام کا بچہ غلام ہی ہو۔ اس لئے نسب تو غلام سے ثابت کر دیا جائے گا لیکن بچہ آزاد شمار کیا جائے گا (۲) پہلے اثر گزر چکا ہے کہ لقیط آزاد ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۳۹) غلام سے آزاد لقیط کے دعویٰ کرنے میں بہتر ہے، اور مسلمان ذمی سے بہتر ہے۔

ترجمہ: کیونکہ بچے کے حق میں جو بہتر ہے اس کو ترجیح دی جائے گی۔

اصول: بچے کے لئے جو فائدہ مند ہے اس کی رعایت کی جائے گی۔

تشریح: آزاد نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور غلام بھی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ترجیح کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے تب بھی آزاد کا بیٹا ہوگا، کیونکہ اس میں بچے کا زیادہ فائدہ ہے۔ اسی طرح مسلمان نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ذمی نے بھی دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ترجیح کی کوئی دلیل نہیں ہے تو مسلمان کا بیٹا قرار دیا جائے گا، کیونکہ اس میں بچے کا زیادہ فائدہ ہے۔

ترجمہ: (۲۹۴۰) اگر لقیط کے ساتھ مال باندھا ہوا پایا گیا تو وہ مال اسی کا ہے۔

ترجمہ: ظاہر یہی ہے کہ یہ مال بچے کا ہی ہے۔

وجہ: لقیط کے ساتھ باندھا ہوا ہونا دلیل ہے کہ یہ مال لقیط ہی کا ہے۔ اس لئے اس علامت ظاہرہ کی وجہ سے مال لقیط کا ہوگا۔

اصول: پہلے گزر گیا ہے کہ کوئی مزاحم نہ ہو تو علامت پر فیصلہ کیا جائے گا۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

ترجمہ: ۲۔ ایسے ہی اگر سامان سواری پر باندھا ہوا تھا اور بچہ اس سواری پر تھا [تو بچے کا سامان ہوگا] اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح: جس سواری پر بچہ ملا اس پر کچھ سامان تھا تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ سامان بچے ہی کا ہے، کیونکہ کوئی دوسرا اس کا

۳ ثُمَّ يَصْرِفُهُ الْوَاجِدُ إِلَيْهِ بِأَمْرِ الْقَاضِي؛ لِأَنَّهُ مَالٌ ضَائِعٌ وَلِلْقَاضِي وَلَايَةُ صَرْفٍ مِثْلِهِ إِلَيْهِ. وَقِيلَ يَصْرِفُهُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي؛ لِأَنَّهُ لِلْقَيْطِ ظَاهِرًا.

(۲۹۴۱) وَلَهُ وَلَايَةُ الْإِنْفَاقِ وَشِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ ۱ كَالطَّعَامِ وَالْكَسْوَةِ؛ لِأَنَّهُ مِنَ الْإِنْفَاقِ. (۲۹۴۲) وَلَا يَجُوزُ تَرْوِيجُ الْمُتَقَيِّطِ ۱ لِانْعِدَامِ سَبَبِ الْوَلَايَةِ مِنَ الْقَرَابَةِ وَالْمِلْكِ وَالسُّلْطَنَةِ

دعویدار نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳ پھر پانے والا قاضی کے حکم سے اس کو بچے پر خرچ کرے گا، کیونکہ اس مال کا کوئی دوسرا محافظ نہیں ہے، اور قاضی کو یہ حق ہے کہ اس قسم کے مال کو بچے پر خرچ کرے، بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ پانے والا قاضی کے حکم کے بغیر بھی بچے پر خرچ کرے گا، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ مال لقیط ہی کا ہے۔

تشریح: بچے کے ساتھ جو مال ملا ہے، اس کو قاضی کے حکم سے پانے والا بچے پر خرچ کرے گا، کیونکہ یہ مال بچے کا ہے، اور قاضی کو یہ حق ہوتا ہے کہ اس قسم کے مال کو بچے پر خرچ کرنے کی اجازت دے۔ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ قاضی کے حکم کے بغیر بھی اس مال کو پانے والا بچے پر خرچ کر سکتا ہے۔

وجہ: کیونکہ یہ مال بچے ہی کا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۴۱) پانے والے کو بچے پر خرچ کرنے کا حق ہوگا، اور جو کچھ اس کے لئے ضروری ہے اس کے بھی خریدنے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: ۱ جیسے کھانا ہے، کپڑا ہے اس لئے کہ یہ سب بچے پر خرچ کرنے کی چیزیں ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۲۹۴۲) نہیں جائز ہے پانے والے کا شادی کرنا۔

ترجمہ: ۱ کیونکہ قرابت، ملکیت، اور سلطنت میں سے کوئی سبب اس کے پاس نہیں ہے

تشریح: بچہ پانے والا بچے کی شادی خود اپنے سے کرائے یا کسی دوسرے سے کرائے تو جائز نہیں ہے۔

وجہ: شادی کرانے کا حق تین وجہ سے ہوتا ہے (۱) یا رشتہ دار ہو (۲) یا اس پر ملکیت ہو جیسے غلام یا باندی کا مولیٰ (۳) ملک کا

بادشاہ اور حاکم ہو۔ اور پانے والا ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے اس لئے لقیط کی شادی کرانے کا حق اس کو نہیں ہے (۲)

بچے کی شادی کرانے میں ابھی فائدہ بھی نہیں ہے کہ اس کی اس کو اجازت دی جائے۔

(۲۹۴۳) قَالَ: وَلَا تَصْرَفْهُ فِي مَالِ الْمُتَلَقِّطِ ۚ اِعْتَبَارًا بِالْأُمِّ، وَهَذَا؛ لِأَنَّ وَلَايَةَ التَّصْرِيفِ لِتَشْمِيرِ الْأَمْوَالِ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِالرَّأْيِ الْكَامِلِ وَالشَّفَقَةِ الْوَافِرَةِ وَالْمَوْجُودِ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَحَدُهُمَا.

(۲۹۴۴) قَالَ: وَيَجُوزُ أَنْ يَقْبِضَ لَهُ الْهَبَةَ؛ ۚ لِأَنَّهُ نَفْعٌ مُحْضٌ وَلِهَذَا يَمْلِكُهُ الصَّغِيرُ بِنَفْسِهِ إِذَا كَانَ عَاقِلًا وَتَمْلِكُهُ الْأُمُّ وَوَصِيُّهَا.

ترجمہ: (۲۹۴۳) اور نہیں جائز ہے لقیط کے مال میں تصرف کرنا۔

ترجمہ: پانے والا ماں کی طرح ہے [یعنی ماں بچے کے مال میں تصرف نہیں کر سکتی تو پانے والا بھی بچے کے مال میں تصرف نہیں کر سکتا۔ اور اس کی وجہ یہ کہ تصرف کی ولایت مال کو بڑھانے کے لئے ہوتا ہے، اور یہ پوری رائے سے ہوتا ہے، اور شفقت کاملہ سے ہوتا ہے، اور ماں اور پانے والے میں دو میں سے ایک ہے [ماں شفقت کاملہ ہے، لیکن کامل رائے نہیں ہے۔ اور پانے والے میں کامل رائے ہے، لیکن شفقت کاملہ نہیں ہے۔]

تشریح: پانے والا لقیط کے لئے لقیط کے مال سے کھانا، کپڑا اور ضروریات زندگی ملے ہوئے خرید سکتا ہے۔ لیکن اس کے مال کو خرید و فروخت میں ڈال کر اس سے نفع اٹھانے کی کوشش نہیں کر سکتا۔

وجہ: (۱) اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور بلا وجہ کی چیز میں لقیط کے مال کو ڈالنے کی ملے ہوئی کو ولایت نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مال کو بڑھانے کے کوئی کام کرنے کی دو شرطیں ہیں [۱] اس آدمی میں شفقت کاملہ ہو، اور اس میں کامل رائے ہو، ماں میں شفقت کاملہ تو ہے، لیکن عورت ہونے کی وجہ سے اس میں کامل رائے نہیں ہے، اس لئے وہ بھی اپنے چھوٹے بچے کے مال کو خرید و فروخت میں نہیں ڈال سکتی۔ اور پانے والے میں کامل رائے تو ہے، کیونکہ وہ عاقل بالغ مرد ہے، لیکن اس میں بچے کے لئے شفقت کاملہ نہیں ہے اس لئے وہ بھی خرید و فروخت میں اس کے مال کو نہیں ڈال سکتا۔

ترجمہ: (۲۹۴۴) اور جائز ہے کہ ملے ہوئے قبضہ کرے لقیط کے لئے ہبہ کو۔

ترجمہ: اس لئے کہ اس میں بچے کا خالص نفع ہے۔ اسی لئے اگر بچہ سمجھدار ہو تو خود بچہ بھی اس پر قبضہ کر سکتا ہے، اور اس کی ماں اور اس کا وصی بھی ہبہ پر قبضہ کر سکتا ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ لقیط کے فائدے کے لئے ملے ہوئے کام کر سکتا ہے۔ مثلاً لقیط کے لئے جو ہبہ آئے اس پر قبضہ کرے۔

اصول: لقیط کے لئے فائدے کا کام پانے والا کر سکتا ہے۔ نقصان کا کام نہیں کر سکتا۔

لغت: صناعت: پیشہ، کاریگری، ایواجر: اجرت پردے، مزدوری پردے۔

(۲۹۴۵) قَالَ: وَيُسَلِّمُهُ فِي صِنَاعَةٍ؛ ۱. لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ تَثْقِيفِهِ وَحِفْظِ حَالِهِ.

(۲۹۴۶) قَالَ: وَيُؤَاجِرُهُ. قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَهَذَا رِوَايَةُ الْقُدُورِيِّ فِي مُخْتَصَرِهِ، وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: لَا يَجُوزُ أَنْ يُؤَاجِرَهُ، ذَكَرَهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ. وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّهُ يُرْجَعُ إِلَى تَثْقِيفِهِ. وَوَجْهُ الثَّانِي أَنَّهُ لَا يَمْلِكُ إِتْلَافَ مَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَمَّ. بِخِلَافِ الْأَمِّ؛ لِأَنَّهَا تَمْلِكُهُ عَلَى مَا نَذَرَهُ فِي الْكَرَاهِيَةِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ: (۲۹۴۵) پانے والے کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ بچے کو کوئی پیشہ یا ہنر سکھائے، کیونکہ یہ بات بچے کی بہتری، اور مستقبل میں حفاظت کی قسموں میں سے ہے [جو اس کے لئے سراسر مفید ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

لغت: صناعت: کام کرنے کا پیشہ۔ تثقیف: مہذب بنانا۔

ترجمہ: (۲۹۴۶) اور پانے والا بچے کو مزدوری پر لگا سکتا ہے۔

تشریح: مزدوری پر لگانے میں بچے کا فائدہ بھی ہے کہ وہ کام سیکھے گا، اور اس سے روپیہ آئے گا، لیکن اس میں نقصان بھی ہے کہ بچے کو محنت اور مشقت کرنی پڑے گی، اس لئے دونوں قسم کی روایتیں ہو گئیں [۱] ایک میں ہے کہ پانے والا بچے کو مزدوری پر رکھ سکتا ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ اس کو مزدوری پر نہیں رکھ سکتا۔

ترجمہ: ۱: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ قدوری کی روایت ہے، اور جامع صغیر میں یہ ہے کہ مزدوری پر رکھنا جائز نہیں ہے، اس کو باب الکراہیۃ میں ذکر کیا ہے، اور صحیح روایت یہی ہے۔ قدوری کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ مزدوری بہتری کے لئے ہے۔ اور جامع صغیر کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ بچے کے نفع کو ضائع نہیں کر سکتا، اسلئے پانے والا چچا کی طرح ہو گیا۔ بخلاف ماں کی اس لئے کہ وہ اپنے بچے کو مزدوری پر رکھ سکتی ہے، ہم اس بات کو ان شاء اللہ کتاب الکراہیۃ میں ذکر کریں گے۔

تشریح: ماں بچے کو مزدوری پر رکھ سکتی ہے، کیونکہ اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ بچے کی کمائی کھائے۔ اور اس میں شفقت کاملہ بھی ہے۔ باقی بات واضح ہے، اس کی تفصیل کتاب الکراہیۃ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

کتاب اللقطة

(۲۹۴) قَالَ: اللَّقْطَةُ أَمَانَةٌ إِذَا أَشْهَدَ الْمُتَلَقِّطُ أَنَّهُ يَأْخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا وَيَرُدَّهَا عَلَى صَاحِبِهَا لِأَنَّ الْأَخْذَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ مَأْذُونٌ فِيهِ شَرْعًا بَلْ هُوَ الْأَفْضَلُ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَهُوَ الْوَاجِبُ إِذَا خَافَ الضَّيَاعَ عَلَى مَا قَالُوا،

کتاب اللقطة

ضروری نوٹ: کسی گرے ہوئے مال کو اٹھالینے کو لقطہ کہتے ہیں۔

وجہ: (۱) اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ سمعت سوید بن غفلة قال لقيت ابي بن كعب فقال اصبت صرة فيها مائة دينار فاتيت النبي ﷺ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من يعرفها ثم اتيتها فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتيتها ثلاثا فقال احفظها وعائها وعددها ووكاءها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقيته بعد بمكة فقال لا ادرى ثلاثة احوال او حولا واحدا (بخاری شریف، باب اذا ائبر رب اللقطة بالعلامة دفع اليه ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶ مسلم شریف، باب معرفة العفاس والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۲۳۷۱/۲۴۵۰۶) اس حدیث سے لقطہ کا حکم بھی معلوم ہوا اور اس کا ثبوت بھی۔

ترجمہ: (۲۹۴) لقطہ امانت ہے اٹھانے والے کے ہاتھ میں جبکہ اٹھانے والے نے گواہ بنایا کہ اس کو اٹھایا تاکہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو اس کے مالک کے پاس لوٹا دے۔

ترجمہ: اس لئے کہ مالک کے پاس لوٹانے کے لئے اٹھانا شرعا اجازت ہے، بلکہ عام علماء کے نزدیک افضل ہے، اور ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اٹھانا واجب ہے، اور شرعا اٹھانے کی اجازت ہے تو اس ضمان لازم نہیں ہوگا۔

تشریح: لقطہ کا مال اٹھایا اور گواہ بنایا کہ اس کو حفاظت کے لئے اٹھا رہا ہوں تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مال اٹھانے والے کے ہاتھ میں ضائع ہو گیا تو اس پر اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر حفاظت کرنے اور مالک کی طرف لوٹانے پر گواہ نہیں بنایا تو بعض صورتوں میں وہ ضمانت کا مال ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) حفاظت پر گواہ بنانے کیلئے یہ حدیث ہے۔ عن عیاض بن حمار قال قال رسول الله من وجد لقطعة فليشهد اعدا عدل ولا يكتنم ولا يغيب فان وجد صاحبها فليردها عليه والا فهو مال الله يؤتیه من يشاء (ابو داؤد شریف، باب التعلیف باللقطة ص ۲۴۵ نمبر ۷۰۹۱ ابن ماجہ شریف، باب اللقطة ص ۳۵۹ نمبر ۲۵۰۵) اس حدیث میں لقطہ پر گواہ

۲. وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ لَا تَكُونُ مَظْمُونَةً عَلَيْهِ، وَكَذَلِكَ إِذَا تَصَادَقَا أَنَّهُ أَخَذَهَا لِلْمَالِكِ لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهِمَا فَصَارَ كَالْبَيِّنَةِ، ۳. وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ أَخَذَهَا لِنَفْسِهِ يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ أَخَذَ مَالَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ وَبَغَيْرِ إِذْنِ الشَّرْعِ، ۴. وَإِنْ لَمْ يَشْهَدْ الشُّهُودُ عَلَيْهِ وَقَالَ الْآخِذُ أَخَذْتَهُ لِلْمَالِكِ وَكَذَّبَهُ الْمَالِكُ يَضْمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يَضْمَنُ وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ لِاخْتِيَارِهِ الْحِسْبَةَ دُونَ الْمَعْصِيَةِ،

بنانے کا حکم ہے (۲) ضروری نوٹ کی حدیث میں عرفہا حوالہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ اٹھانے پر گواہ بنانا چاہئے۔

اور لفظ ملتقط کے ہاتھ میں امانت ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمع زید بن خالد الجہنی صاحب رسول اللہ ﷺ يقول سئل رسول الله عن اللقطة الذهب او الورق فقال اعرف وكاءها وعفاصها ثم عرفها سنة فان لم تعرف فاستنفقها ولتكن ودیعة عندك فان جاء طالبها يوما من الدهر فادها اليه (مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ج ثانی ص ۷۸ نمبر ۲۲/۱۷۵۰۲/۱ بخاری شریف، باب ضالة الغنم ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۲۸) اس حدیث میں فرمایا کہ لفظ پانے والے کے پاس امانت ہوگا۔

ترجمہ: ۲. اگر مالک اور پانے والے نے تصدیق کر لیا کہ مالک کیلئے اٹھایا ہے، اسلئے دونوں تصدیق کرنا دونوں کے حق میں حجت ہے تو گواہ بنانے کی طرح ہو گیا۔

تشریح: اٹھانے پر گواہ نہیں بنایا تھا، لیکن چیز کے مالک اور پانے والے نے تصدیق کی کہ اس نے دینے کے لئے اٹھایا تھا تب بھی یہ چیز امانت کی ہو جائے گی، کیونکہ مالک کی تصدیق سے یہ گواہ بنانے کی طرح ہو گیا۔

ترجمہ: ۳. اور اگر اٹھانے والے نے اقرار کیا کہ اپنی ذات کے لئے اٹھایا ہے تو بالاجماع وہ ضامن ہو جائے گا۔ اس لئے کہ دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر لیا، اور شریعت کی بھی اجازت کے بغیر لیا۔

ترجمہ: ۴. اور اگر اٹھاتے وقت لوٹا نہ پر گواہ نہیں بنایا، اب اٹھانے والے نے کہا کہ میں نے اس کو مالک کے لئے اٹھایا تھا، اور مالک نے اس کا انکار کر دیا [یعنی یہ کہا کہ تم نے اپنے لئے اٹھایا تھا] تو امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک ضامن ہو جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ اٹھانے والا ضامن نہیں ہوگا، اور اٹھانے والے کی بات قبول کر لی جائے گی، کیونکہ ظاہری حالت اسی کا گواہ ہے، کیونکہ وہ ثواب ہی کے لئے اٹھایا ہوگا، گناہ کے لئے تو نہیں اٹھایا ہوگا [یعنی ظاہری ہی ہے کہ مالک کو دینے کے لئے اٹھایا ہوگا]

تشریح: اٹھاتے وقت دینے پر گواہ نہیں بنایا تھا، اب کہہ رہا ہے کہ میں نے دینے کے لئے اٹھایا تھا، لیکن مالک کہتا ہے کہ یہ اپنے پاس رکھ لینے کے لئے اٹھایا تھا، اور چیز ہلاک ہو گئی تو طرفین کے نزدیک اس کا ضمان لازم ہوگا، اور امام ابو یوسفؒ کے چیز

۵. وَلَهُمَا أَنَّهُ أَقْرَبُ سَبَبِ الضَّمَانِ وَهُوَ أَخَذُ مَالِ الْغَيْرِ وَادَّعَى مَا يُبْرِئُهُ وَهُوَ الْأَخْذُ لِلْمَالِكِ فِيهِ وَقَعَ الشَّكُّ فَلَا يَبْرَأُ، وَمَا ذُكِرَ مِنَ الظَّاهِرِ يُعَارِضُهُ مِثْلُهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنْ يَكُونَ الْمُتَصَرِّفُ عَامِلًا لِنَفْسِهِ ۖ وَيَكْفِيهِ فِي الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُولَ مَنْ سَمِعْتُمُوهُ يَنْشُدُ لِقَطْعَةٍ فَذَلُّوهُ عَلَيَّ وَاحِدَةً ۖ كَانَتْ اللَّقْطَةُ أَوْ أَكْثَرَ لِأَنَّهُ اسْمُ جُنْسٍ.

امانت کی سمجھی جائے گی اسلئے اس کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہری حالت اٹھانے والے کی طرف داری کرتی ہے، کیونکہ ایک مسلمان آدمی ثواب حاصل کرنے کے لئے اٹھاتا ہے، یعنی دینے کے لئے اٹھاتا ہے، گناہ کے لئے یعنی اپنے پاس رکھنے کے لئے نہیں اٹھاتا، کیونکہ اس میں گناہ ہے، اس لئے ظاہری حالت کی وجہ سے اٹھانے والے کی بات مان لی جائے گی اور اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

لغت: حسبہ: حساب سے مشتق ہے، یعنی ثواب کے لئے۔ معصیۃ: گناہ کے لئے۔

ترجمہ: ۵. امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اٹھانے والا ضمان کے سبب کے قریب ہے، کیونکہ اس نے غیر کے مال کو اٹھایا ہے، پھر اس سے بری ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے مالک کیلئے لیا ہے اسلئے اس میں شک پیدا ہو گیا اسلئے ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کا اٹھانا ضمان کے قریب ہے، کیونکہ ظاہری یہ ہے کہ اس نے نفع اٹھانے کے لئے اٹھایا ہے، مال کے ضائع ہونے کے بعد یہ دعویٰ کر رہا کہ دینے کے لئے اٹھایا تھا تا کہ ضمان سے بری ہو جاوے، اس لئے اس بارے میں شک ہو گیا کہ اس نے دینے کے لئے اٹھایا تھا، اس لئے وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۶. اور امام ابو یوسفؒ نے یہ جو ذکر کیا کہ ظاہری حالت اٹھانے والے کے موافق ہے، تو اس کے معارض ہے کہ ظاہری طور پر آدمی اپنے لئے اٹھاتا ہے [اس لئے اس پر ضمان لازم ہوگا]

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے یہ جو فرمایا کہ ظاہری حالت یہی ہے کہ اس نے دینے کی نیت سے اٹھایا ہوگا، تو ظاہری حالت یہ بھی ہے کہ خود نفع اٹھانے کے لئے اٹھایا ہوگا، اس لئے امام ابو یوسفؒ کی دلیل مضبوط نہیں رہی ہے۔

ترجمہ: ۷. اور گواہی بنانے کے لئے اتنی بات کہنا کافی ہے کہ تم لوگ کسی تلاش کرنے والے کے بارے میں سنو تو اس کو میرا پتہ بتادو [یعنی چیز کی پوری تفصیل بتانا ضروری نہیں ہے]

تشریح: گواہ بناتے وقت چیز کی ساری تفصیل کا ذکر کرنا ضروری نہیں، بلکہ اتنا کافی ہے کہ لوگوں سے کہے کہ کوئی تلاش کرنے والا ملے تو میرا پتہ بتا دینا، اتنے ہی سے سمجھا جائے گا کہ اس نے گواہ بنا دیا، اور اس سے ضمان لازم نہیں ہوگا۔ یعنی گول مول جملہ سے بھی گواہ بنانا ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۸. پائی ہوئی چیز ایک ہو یا زیادہ ہو سب کا حکم ایک ہی ہے، کیونکہ لفظ اسم جنس ہے جو سب کو شامل ہے۔

(۲۹۴۸) قَالَ: فَإِنْ كَانَتْ أَقَلُّ مِنْ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ عَرَفَهَا أَيَّامًا، وَإِنْ كَانَتْ عَشْرَةً فَصَاعِدًا عَرَفَهَا حَوْلًا. ۱. قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ: وَهَذِهِ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ. ۲. وَقَوْلُهُ أَيَّامًا مَعْنَاهُ عَلَى حَسَبِ مَا يَرَى. ۳. وَقَدَرَهُ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ بِالْحَوْلِ مِنْ غَيْرِ تَفْصِيلٍ بَيْنَ الْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "مَنْ التَّقَطَّ شَيْئًا فَلْيَعْرِفْهُ سَنَةً مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ".

تشریح: ایک چیز پائی ہو یا کئی قسم کی چیز پائی ہو تو سبھی میں گول مول اعلان کرنے سے بھی گواہ بنانا ہو جائے گا، کیونکہ لفظ کا لفظ اسم جنس ہے اس لئے سبھی کا حکم ایک ہی ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۴۸) پس اگر دس درہم سے کم کی ہو تو اس کی تشہیر کرے گا چند دن، اور اگر دس یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی تشہیر کرے گا پورے سال۔

ترجمہ: ۱. صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہ کی روایت ہے۔

تشریح: لفظ کا مال دس درہم سے کم ہو تو چند دنوں تک اس کی تشہیر کرے کہ یہ مال میرے پاس ہے جس کا ہو علامت بتا کر لے لو۔ اور دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت کی ہو تو ایک سال اس کی تشہیر کرے۔

وجہ: (۱) دس درہم ہو تو چند دنوں تک تشہیر کرنے پر دلیل یہ حدیث ہے۔ عن یعلیٰ بن مرة قال قال رسول اللہ ﷺ من التقط لقطه يسيره حبلا او درهما او شبه ذلك فليعرفه ثلاثة ايام فان كان فوق ذلك فليعرفه ستة ايام (سنن للبيهقي، باب ما جاء في قليل اللقطه، ج ۳ ص ۳۲۳، نمبر ۱۲۱۰۰ مصنف عبد الرزاق، باب احلت اللقطه اليسيرة، ج ۸ ص ۱۴۲، نمبر ۱۸۶۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تھوڑی بہت قیمت کی چیز ہو تو دس روز سے کم تشہیر کرے اور زیادہ کی چیز ہو تو ایک سال تشہیر کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۲) اوپر بخاری کی حدیث گزری جس میں تھا عرفہا حولًا جس سے معلوم ہوا کہ ایک سال تشہیر کرے (۳) دوسری حدیث میں ہے۔ عن زید بن خالد الجهني قال جاء اعرابي الى النبي ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعراف عفاصها وو كاءها (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۷ مسلم شریف، باب معرفته العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۸۷ نمبر ۴۳۹۸) اس حدیث میں قیمتی چیز کے لئے ایک سال تشہیر کرنے کا حکم ہے۔

اصول: یہاں اصول یہ ہے کہ مال جتنا قیمتی ہو اور مالک کے تلاش کرنے کا امکان ہوا تہی دیر مالک کو تلاش کرتا رہے۔

ترجمہ: ۲. اور متن میں جو ہے، ایام، اس کا مطلب ہے کہ امام جتنے دنوں تک مناسب اتنے دنوں تک اعلان کروائے۔

ترجمہ: ۳. امام محمدؒ نے مبسوط میں کم اور زیادہ کی تفصیل کے بغیر ایک سال کی مدت ذکر کی ہے، اور امام مالک او امام شافعیؒ

۴ وَجْهَ الْأَوَّلِ أَنَّ التَّقْدِيرَ بِالْحَوْلِ وَرَدَ فِي لُقْطَةٍ كَانَتْ مِائَةَ دِينَارٍ تُسَاوِي أَلْفَ دِرْهَمٍ، وَالْعَشْرَةُ وَمَا فَوْقَهَا فِي مَعْنَى الْأَلْفِ فِي تَعَلُّقِ الْقُطْعِ بِهِ فِي السَّرْفَةِ وَتَعَلُّقِ اسْتِحْلَالِ الْفَرْجِ بِهِ وَلَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا فِي حَقِّ تَعَلُّقِ الزَّكَاةِ، فَأَوْجَبْنَا التَّعْرِيفَ بِالْحَوْلِ احْتِيَاظًا، وَمَا دُونَ الْعَشْرَةِ لَيْسَ فِي مَعْنَى الْأَلْفِ بِوَجْهِ مَا فَفَوَّضْنَا إِلَى رَأْيِ الْمُتَبَلِّغِ بِهِ

کا یہی قول ہے، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے کوئی چیز پائی تو ایک سال تک اس کا اعلان کیا کرو۔ اور اس میں کم بیش کی تفصیل نہیں ہے۔

تشریح: امام محمدؒ نے مبسوط میں یہ ذکر کیا ہے کہ چیز کی قیمت دس درہم ہو یا اس سے زیادہ ہو ہر حال میں اس کو ایک سال تک اعلان کرنا پڑے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے اوپر حدیث ایک سال اعلان کرنے کا حکم ہے، اور اس میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ دس درہم ہو یا اس سے کم ہو اس لئے ہر حال میں ایک سال تک اعلان کرنا ہوگا۔ عن زید بن خالد الجہنی قال جاء اعرابی الى النبی ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعراف عفاصها ووکاءها (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۷۷) مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوکاء وحکم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۷۲۲/۱۷۹۸) اس حدیث میں ایک سال تک اعلان کرنے کا حکم ہے۔

ترجمہ: پہلی روایت [جس میں کم مقدار میں کچھ دنوں تک اعلان کرنے کہا گیا ہے] کی وجہ یہ ہے کہ ایک سال اعلان کرنے کے لئے اس لفظ میں کہا گیا ہے جو ایک سودینار کا تھا جو ایک ہزار درہم کے برابر ہے، اور دس سے جو زیادہ ہے وہ ہاتھ کے کٹنے میں اور مہر بننے میں ایک ہزار کے معنی میں ہے، لیکن زکوٰۃ واجب ہونے کے حق میں دس درہم ایک ہزار کے برابر نہیں ہے، اس لئے احتیاطاً ایک سال اعلان کرنے کے لئے کہا۔ اور جو دس سے کم ہے وہ کسی طرح بھی ایک ہزار درہم کے برابر نہیں ہے اس لئے بتلاء بہ کی رائے پر اس کا اعلان کرنا چھوڑ دیا۔

تشریح: پہلی روایت یعنی دس درہم سے کم ہو تو کچھ دنوں تک اعلان کرے اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جس حدیث میں ایک سال تک اعلان کرنے کے لئے کہا گیا اس میں راوی نے ایک سودینار پایا تھا جو ایک ہزار درہم کے برابر ہے، اور دس درہم اور ایک ہزار کا حکم دو جگہ ایک ہے، [۱] یعنی دس درہم کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور ایک ہزار کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے، [۲] اسی طرح دس درہم مہر باندھے تب بھی بیوی حلال ہو جاتی ہے، اور ایک ہزار مہر باندھے تب بھی حلال ہو جاتی ہے، لیکن زکوٰۃ کے معاملے میں دونوں کا حکم الگ الگ ہے، یعنی ایک ہزار میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، جبکہ دس درہم میں زکوٰۃ واجب

۵. وَقِيلَ الصَّحِيحُ أَنَّ شَيْئًا مِنْ هَذِهِ الْمَقَادِيرِ لَيْسَ بِلَازِمٍ، وَيَقْوُضُ إِلَى رَأْيِ الْمُتَلَقِّطِ يُعْرِفُهَا إِلَى أَنْ يَغْلِبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّ صَاحِبَهَا لَا يَطْلُبُهَا بَعْدَ ذَلِكَ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِهَا، ۶. وَإِنْ كَانَتْ اللَّقْطَةُ شَيْئًا لَا يَبْقَى عَرَفُهُ حَتَّى إِذَا خَافَ أَنْ يَفْسُدَ تَصَدَّقَ بِهِ، ۷. وَيَنْبَغِي أَنْ يُعْرِفَهَا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي أَصَابَهَا. وَفِي الْجَمَاعِ: فَإِنَّ ذَلِكَ أَقْرَبُ إِلَى الْوُصُولِ إِلَى صَاحِبِهَا،

نہیں ہوتی ہے اس لئے احتیاط کے طور پر دس درہم کو ہزار کے برابر کیا اور دس درہم میں بھی ایک سال تک اعلان کرنے کے لئے کہا، اور دس درہم سے کم ہو تو پانے والا جتنا دن مناسب سمجھے اتنا اعلان کرے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ سمعت سوید بن غفلة قال لقيت ابي بن كعب فقال اصبت صرة فيها مائة دينار فاتيت النبي ﷺ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من يعرفها ثم اتيتها فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتيتها ثلاثا فقال احفظها وعائها وعددها ووكاءها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمعت فلقيتها بعد بمكة فقال لا ادرى ثلاثة احوال او حولا واحدا (بخاری شریف، باب اذا ائخر رب اللقطة بالعلامة دفع اليه ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲۶ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۲۴۳/۱۷۵۰۶) اس حدیث میں ہے کہ جس تھیلی کو پایا تھا اس میں ایک سودینار تھے۔

لغت: تعلق القطع بہ فی السرقة: دس درہم اور اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ تعلق الاستحلال الفرج بہ: دس درہم مہر باندھنے میں عورت حلال ہو جاتی ہے۔

ترجمہ ۵: بعض حضرات نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی متعین دن لازم نہیں ہے، اور پانے والے کی رائے کے حوالے ہے، وہ اس وقت تک اعلان کرتا رہے کہ غالب گمان ہو جائے کہ مالک اب اسکی تلاش چھوڑ دیا ہوگا، پھر اس چیز کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ ۶: اگر پائی ہوئی چیز دیر تک باقی نہیں رہ سکتی تو اس کا اعلان کرے گا یہاں تک کہ اگر خوف ہو جائے کہ یہ خراب ہو جائے گی تو اس کو صدقہ کر دے۔

تشریح: پائی ہوئی چیز ایسی ہے کہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی، تو ٹھیک رہنے تک اس کا اعلان کرے، جب دیکھے کہ اب خراب ہو جائے گی تو اس کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ ۷: مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان ایسی جگہ کرے جہاں اس کو پایا ہے، اور مجمع میں کرے [مثلاً مسجد کے دروازے پر اور بازار میں] کیونکہ اس سے مالک تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔

۸. وَإِنْ كَانَتْ شَيْئًا يَعْلَمُ أَنَّ صَاحِبَهَا لَا يَطْلُبُهَا كَالنُّورَةِ وَقُشُورِ الرِّمَانِ يَكُونُ الْفَاوَةُ إِبَاحَةً حَتَّى جَازَ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ مِنْ غَيْرِ تَعْرِيفٍ وَلَكِنَّهُ مُبْقَى عَلَى مُلْكٍ مَالِكِهِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنَ الْمَجْهُولِ لَا يَصَحُّ.

(۲۹۴۹) قَالَ: فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَلَا تَصَدَّقَ بِهَا ۱. إِيصَالًا لِلْحَقِّ إِلَى الْمُسْتَحَقِّ وَهُوَ وَاجِبٌ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ، وَذَلِكَ بِإِيصَالِ عَيْنِهَا عِنْدَ الظَّفَرِ بِصَاحِبِهَا وَإِيصَالِ الْعَوَضِ وَهُوَ الثَّوَابُ عَلَى اغْتِبَارِ إِجَارَةِ التَّصَدَّقِ بِهَا، وَإِنْ شَاءَ أُمْسَكَهَا رَجَاءَ الظَّفَرِ بِصَاحِبِهَا.

ترجمہ: ۸. اگر ایسی چیز ہو جسکے بارے میں یقین ہے کہ مالک اس کو تلاش نہیں کرے گا، جیسے کھجور کی گٹھلی، انار کا چھلکا، جس کو لوگ ایسے ہی پھینک دیتے ہیں تو بغیر اعلان کئے ہوئے بھی اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، پھر بھی وہ چیز اپنے مالک ہی کی ملکیت سمجھی جائے گی، اس لئے جس چیز کے مالک کا پتہ نہ ہو، اس کا مالک کسی اور کو بنا دینا صحیح نہیں ہے۔

تشریح: اتنی حقیر چیز ہے کہ لوگ اس کو ایسے ہی پھینک دیتے ہیں، جیسے کھجور کی گٹھلی تو اس کو بغیر اعلان کئے بھی استعمال کر لینا جائز ہے، اس لئے کہ وہ ہر ایک کے لئے مباح ہے، دوسری بات یہ فرما رہے ہیں کہ پھر بھی وہ مالک کی ملکیت میں رہے گی۔

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اس گٹھلی کا مالک مجہول ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ مجہول مالک کی جانب سے کسی کو مالک نہیں بنایا جاسکتا، اس لئے یہ گٹھلی حقیر ہونے کے باوجود اصلی مالک کی ملکیت میں رہے گی۔

ترجمہ: (۲۹۴۹) پس اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ: اتنا کہ چیز مستحق تک پہنچ جائے، کیونکہ ممکن حد تک مستحق تک پہنچانا واجب ہے، اور اس کی شکل یہ ہے کہ مالک مل جائے تو عین چیز اس کو پہنچا دے، یا اس وہ اجازت دیں تو اس کا بدلہ یعنی اس کا ثواب پہنچا دے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ مالک کے پالنے کی امید پر اس کو اپنے پاس روک رکھے۔

تشریح: اگر لفظ کا مالک ایک سال میں مل جائے تو اس کو یہ مال دیدے اور اگر نہ ملے تو اس کو صدقہ کر دے۔ تاکہ مالک کو اس کا ثواب مل جائے، اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کو اپنے پاس رکھے رہے تاکہ کبھی بھی مالک مل جائے تو اس کو واپس دے دے۔

وجہ: (۱) مالک مل جائے تو یہ چیز اس کو دے دے، اور نہ ملے تو حتی الامکان اس کے بدلے میں اس کا ثواب اس کو دے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو صدقہ کر دے تاکہ اس کا ثواب اس کو مل جائے۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو

دیدے ورنہ اس مال کو صدقہ کر دے۔ ان رجلا من بنی راؤس وجد صرة فاتی بها علیا ... قال تصدق بها فان جاء

صاحبها فرضی كان له الاجر وان لم یرض غرمتها وكان لك الاجر (سنن للبیہقی، باب اللقطۃ یا کلھا الغنی والفقیر

اذالم تحترف بعدتعریف سید، ج ۶ ص ۳۱۱، نمبر ۱۲۰۶۲ مصنف عبدالرزاق، کتاب اللقطۃ ج ۱ ص ۵۳۸ نمبر ۱۹۳۰۸) اس

۲. وَالْمَلِكُ يَبْتَئِلُ لِلْفَقِيرِ قَبْلَ الْإِجَارَةِ فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قِيَامِ الْمَحَلِّ، بِخِلَافِ بَيْعِ الْفُضُولِيِّ لِثُبُوتِهِ بَعْدَ الْإِجَارَةِ فِيهِ (۲۹۵۱) وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ ۱. الْمُتَلَقِّطُ لِأَنَّهُ سَلَّمَ مَالَهُ إِلَى غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ ۲. إِلَّا أَنَّهُ بِإِبَاحَةِ مَنْ جِهَةِ الشَّرْعِ وَهَذَا لَا يُنَافِي الضَّمَانَ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا فِي تَنَاوُلِ مَالِ الْغَيْرِ حَالَةَ الْمُخْمَصَّةِ،

جاء صاحبها بعد ما يتصدق بها خيره فان اختار الا جر كان له وان اختار المال كان له ماله (مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطة ج ۵، ص ۵۳۸، نمبر ۱۹۳۱) ان دونوں قول صحابی میں ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد مالک آئے تو دونوں اختیار ہیں۔ صدقہ بدستور رکھنے کا اور پانے والے سے ضمان لے لینے کا بھی۔

ترجمہ: ۲. مالک کی اجازت سے پہلے بھی فقیر کی ملکیت ہو جائے گی، اس لئے اجازت دینے کے لئے چیز کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، بخلاف فضولی کی بیع کے [اس میں بیع کا موجود رہنا ضروری ہے] کیونکہ مالک کی اجازت کے بعد ہی مشتری کی ملکیت ہوگی۔

تشریح: اس عبارت میں فقیر کے مالک ہونے اور فضولی کی بیع ہونے میں فرق بیان کر رہے ہیں۔ صورت یہ ہے کہ چیز کا مالک صدقہ کرنے کے بعد میں آیا، اس وقت فقیر کے ہاتھ سے وہ چیز ختم ہو چکی تھی تو اب مالک کی اجازت سے فقیر مالک ہوگا، یا نہیں؟ تو اس کا جواب دیا کہ ہاں چیز ختم ہونے کے بعد بھی مالک اجازت دے گا تو فقیر اس کا مالک بن جائے گا۔ اس کے برخلاف زید نے عمر کی اجازت کے بغیر اس کی گائے خالد کے ہاتھ میں بیچ دی تو خالد کے ہاتھ میں وہ گائے موجود رہے گی اور عمر نے اجازت دی تو وہ بیع ہوگی، اور خالد کے ہاتھ میں وہ گائے نہیں رہی اور عمر نے بیع کی اجازت دی تو وہ بیع نہیں ہوگی، کیونکہ فضولی کی بیع جائز ہونے کے لئے بیع کا موجود رہنا ضروری ہے، جبکہ فقیر کے مالک ہونے کے لئے صدقہ کی چیز کا موجود رہنا ضروری نہیں ہے، دونوں کے درمیان یہ فرق ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۱) اور اگر چاہے تو پانے والے کو چیز کا ضامن بنادے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ پانے والے نے مالک کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا ہے،

تشریح: مالک کو یہ بھی اختیار ہے کہ پانے والے کو اپنی چیز کا ضامن بنادے، کیونکہ اس کی اجازت کے بغیر صدقہ کیا تھا۔

وجہ: اوپر قول صحابی میں تھا کہ مالک ضامن بنا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲. یہ اور بات ہے کہ شریعت نے دینے کی اجازت دی ہے اور یہ بندے کے حق میں ضمان کے خلاف نہیں ہے جیسے مخمضہ کی حالت میں دوسرے کے مال کو کھایا تو ضمان بھی دینا پڑتا ہے۔

تشریح: مالک کو شریعت نے صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے لیکن مالک نے نہیں دیا ہے اس لئے مالک کے لئے ضمان ہوگا

۳. وَإِنْ شَاءَ صَمِنَ الْمُسْكِينُ إِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ لِأَنَّهُ قَبَضَ مَالَهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ، وَإِنْ كَانَ قَائِمًا أَخَذَهُ لِأَنَّهُ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ. (۲۹۵۲) قَالَ: وَيَجُوزُ الْإِلْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ ۚ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ: إِذَا وَجَدَ الْبَعِيرُ وَالْبَقَرُ فِي الصَّحْرَاءِ فَالتَّرْكُ أَفْضَلُ. وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْفَرَسُ. لَهُمَا أَنَّ الْأَصْلَ فِي أَخْذِ مَالِ الْغَيْرِ الْحُرْمَةُ وَالْإِبَاحَةُ مَخَافَةَ الضَّيَاعِ، وَإِذَا كَانَ مَعَهَا مَا تَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا يَقِلُّ الضَّيَاعُ وَلَكِنَّهُ يُتَوَهَّمُ فَيَقْضَى بِالْكَرَاهَةِ وَالنَّدْبِ إِلَى التَّرْكِ.

، اور شریعت کی اجازت سے فرق نہیں پڑے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ منحصر کی حالت میں دوسرے کا کھانا کھانے کی شریعت میں اجازت ہے، اس کے باوجود اس کے مالک کے لئے ضمان ہو ہوگا، اسی طرح یہاں صدقہ کرنے کی اجازت ہے پھر بھی صدقہ کرنے پر ضمان لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۳. اور چاہے تو مسکین کو ضامن بنا دے، کیونکہ اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا ہے، اس لئے کہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا تھا، اور مالک نے اپنے مال کو پایا تو عین مال کو بھی واپس لے سکتا ہے [کیونکہ یہ اسی کی چیز ہے] **تشریح:** یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مالک مسکین سے ضمان لے، کیونکہ اس نے مالک کی اجازت کے بغیر صدقہ کا مال خرچ کیا ہے۔ اور اگر مالک نے مسکین کے پاس اپنی چیز پایا تو اسکو یہ بھی حق ہے کہ مسکین سے اپنی چیز واپس لے لے، کیونکہ حقیقت میں اسی کی چیز ہے۔ **ترجمہ:** (۲۹۵۲) جائز ہے بکری، گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا۔

تشریح: حضورؐ کے زمانے میں لوگ اچھے تھے اسلئے اونٹ کو لقطہ بنانے سے آپؐ نے منع فرمایا تھا، کیونکہ وہ ضائع نہیں ہوگا۔ اور اس کا مالک خود اسکو لے جائے گا۔ لیکن بعد میں لوگ اچھے نہیں رہے اسلئے حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ فتویٰ دیا گیا کہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کو پکڑ لیا جائے اور تشہیر کی جائے۔ بعد میں اسکو بیچ کر اسکی قیمت رکھ لی جائے تاکہ اس کے مالک کو دیا جائے۔

وجہ: (۱) ول صحابی میں ہے۔ سمع ابن شہاب یقول کانت ضوال الابل فی زمان عمرؓ ابلا مؤبلة نتائج لا یمسها حتی اذا کان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها وتعریفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطی ثمنها (سنن للبیہقی، باب الرجل یجد ضالۃ یرید ردھا علی صاحبھا لا یرید اکلھا، ج ۱ ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطة، ج ۱ ص ۵۳۳، نمبر ۱۹۲۸) اس قول صحابی میں اونٹ پکڑ لینے کا فتویٰ ہے۔

ترجمہ: ۱. امام مالک اور امام شافعیؒ نے کہا اونٹ اور گائے صحراء میں پاؤ تو اس کو چھوڑ دینا بہتر ہے، اور اسی اختلاف پر گھوڑا ہے۔ ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کے مال لینے میں حرمت اصل ہے، اور ضائع ہونے کے خوف سے لینا مباح قرار دیا جاتا ہے، اور جانور کے ساتھ ایسی چیز ہو جو اس کا دفعیہ کر سکتا ہو تو ضائع ہونا کم ہو جاتا ہے، لیکن ضائع ہونے کا خطرہ ہے اس

۲. وَلَنَا أَنَّهَا لَقُطَةٌ يَتَوَهَّمُ صَيَاغَهَا فَيُسْتَحَبُّ أَخْذُهَا وَتَعْرِيفُهَا صَيَانَةٌ لِلْأَمْوَالِ النَّاسِ كَمَا فِي الشَّاعِ.
(۲۹۵۳) فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُلْتَطِقُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ ۚ لِقُصُورٍ وَلَا يَتِيهِ عَنْ ذِمَّةِ
الْمَالِكِ، وَإِنْ أَنْفَقَ بِأَمْرِهِ كَانَ ذَلِكَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا لِأَنَّ لِلْقَاضِي وَلَا يَتِيهِ فِي مَالِ الْغَائِبِ نَظَرًا لَهُ
وَقَدْ يَكُونُ النَّظَرُ فِي الْإِنْفَاقِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ.

لئے کراہیت کے ساتھ لی لینے کا فیصلہ کیا جاتا ہے، لیکن چھوڑ دینا مستحب ہے

وجہ: (۱) اس کو جانو نہیں کھائے گا اور اس کے ساتھ کھانے پینے کی چیز ہے اس لئے غیر کے مال کو بلا وجہ نہ پکڑا جائے (۲)
حدیث میں پکڑنے کی ممانعت ہے۔ عن زید بن خالد الجهني قال جاء اعرابي الى النبي ﷺ فسأله عما
يلتقطه... قال يا رسول الله فضالة الغنم؟ قال لك او لا خيك او للذئب قال ضالة الابل؟ فتمعر وجه
النبي ﷺ فقال مالك ولها؟ معها حذاؤها وسقاؤها ترد الماء وتأكل الشجر (بخاری شریف، باب ضالة
الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۳۲۷ مسلم شریف، باب معرفة العفاس والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۸۷ نمبر ۲۲۷۸/۸۳۹۸) اس
حدیث میں بکری پکڑنے کی ترغیب دی اور اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔

ترجمہ: ۲: ہماری دلیل یہ ہے کہ اونٹ بھی بہر حال لقطہ ہے اور اس کے ضائع ہونے کا وہم ہے اس لئے اس کا لے لینا
مستحب ہوگا اور اس کا اعلان کرنا مستحب ہوگا تاکہ لوگوں کے مال کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، جیسے بکری میں ہوتا ہے
تشریح: ہمارے یہاں اونٹ کو لینا مستحب ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ اونٹ بھی بہر حال لقطہ ہے، اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہے اس لئے اس کو لے لینا مستحب ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۵۳) پس اگر پانے والے نے لقطہ پر خرچ کیا حاکم کی اجازت کے بغیر تو وہ احسان کرنے والا ہوگا۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ پانے والے کی ولایت مالک پر کم ہے۔ اور اگر حاکم کی اجازت سے خرچ کیا تو یہ خرچ مالک کے اوپر
قرض ہوگا اس لئے کہ غائب کی مصلحت کے لئے غائب کے مال پر ولایت ہے، اور کبھی خرچ کرنے میں مصلحت ہوتی ہے۔

تشریح: لقطہ اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر لقطہ پر خرچ کیا تو یہ اس پر احسان ہوگا۔ یعنی مالک سے مقدمہ کر کے
وہ خرچ نہیں لے سکے گا۔ البتہ مالک خود دیدے تو ہو سکتا ہے۔ اور اگر حاکم کے فیصلہ سے خرچ کیا تو یہ خرچ مالک کے ذمہ قرض
ہوتا جائے گا۔ جب مالک آئے گا تو اس سے یہ قرض وصول کرے گا۔

وجہ: (۱) حاکم کو ولایت عامہ ہے اس لئے ان کے فیصلے کے بعد لقطہ کا خرچ مالک پر قرض ہوگا ورنہ نہیں (۲) قول تابعی میں اس
کا ثبوت ہے۔ عن ابراهيم قالوا لو ان رجلا التقط ولد زنا فاراد ان ينفق عليه ويكون له عليه دين فليشهد

(۲۹۵۴) وَإِذَا رُفِعَ ذَلِكَ إِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيهِ، فَإِنْ كَانَ لِلْبَهِيمَةِ مَنَفْعَةٌ آجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أَجَرَتِهَا ۚ لِأَنَّ فِيهِ إِبْقَاءَ الْعَيْنِ عَلَى مِلْكِهِ مِنْ غَيْرِ الزَّامِ الدَّيْنِ عَلَيْهِ وَكَذَلِكَ يُفْعَلُ بِالْعَبْدِ الْآبِقِ.

(۲۹۵۵) وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا مَنَفْعَةٌ وَخَافَ أَنْ تَسْتَغْرِقَ النِّفْقَةَ قِيمَتَهَا بَاعَهَا وَأَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا ۚ إِبْقَاءٌ لَهُ مَعْنَى عِنْدَ تَعَذُّرِ إِبْقَائِهِ صُورَةً.

وان كان يريد ان يحتسب عليه فلا يشهد قال ابو حنيفة اقول انا ليس بشيء الا ان يقرضه له عليه السلطان (مصنف عبدالرزاق، باب ولاء اللقيط ج ۵ ص ۱۶۱۸۸) اس اثر میں ہے کہ بادشاہ طے کرے گا تب ملتقط کو خرچ ملے گا ورنہ تبرع ہوگا۔ (۲)۔ عن جابر عن الشعبي في الرجل يجد اللقيط ثم ينفق عليه قال ليس له من نفقته شيء، انما هو شيء احتسب به عليه۔ (مصنف عبدالرزاق، باب النفقة على الآبق والصاله، ج ۵ ص ۱۶۱، نمبر ۱۳۹۹۶) اس قول تابعی میں ہے کہ لقطہ پر خرچ کرنے والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ اس نے ثواب کے لئے یہ کیا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۴) جب یہ مقدمہ حاکم کے پاس آئے تو اس میں غور کرے۔ پس اگر جانور کے لئے منفعت ہو تو اس کو اجرت پر رکھے اور اس پر اس کی اجرت خرچ کرے۔

ترجمہ: اس لئے کہ اس صورت میں مالک کی ملکیت باقی رہے گی اور اس پر کوئی قرض بھی نہیں ہوگا، بھاگے ہوئے غلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا

تشریح: مثلاً گائے کو لقطہ کیا اور ہر روز تین درہم کا دودھ دیتی تھی اور دو درہم کا چارہ کھاتی تھی تو حاکم اس میں غور کر کے گویا کہ دو درہم روزانہ چارے کا پانے والے کو دلوائے گا اور روزانہ ایک درہم مالک کے لئے بچتا رہے گا۔

وجہ: اس صورت میں لقطہ بھی زندہ رہے گا اور نہ مالک پر بوجھ پڑے گا اور نہ ملتقط پر بوجھ پڑے گا۔ اگر بھاگا ہوا غلام کسی نے پکڑا تو اس کو بھی اجرت پر رکھے گا، اور اس اجرت سے غلام کا خرچ نکالے گا، اور اس سے جو بچے گا وہ مالک کے لئے محفوظ رکھے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ سب کے لئے جو زیادہ نفع بخش ہو وہ کام کیا جائے۔

لغت: آجرھا : اجرت پردے، بھیمتہ : جانور، چوپایہ۔

ترجمہ: (۲۹۵۵) اور اگر لقطہ کے لئے منفعت نہ ہو اور خوف ہو کہ خرچ اس کی قیمت کو بھی لے ڈوبے گا تو حاکم اس کو بیچے اور حکم دے اس کی قیمت کی حفاظت کا۔

ترجمہ: کیونکہ لقطہ کو صورت کے طور پر باقی نہیں رکھ سکتا رہا ہے تو معنی کے طور پر اس کو باقی رکھے گا، یعنی اس کی قیمت محفوظ رکھے گا۔

(۲۹۵۶) وَإِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهَا ذَنْ فِي ذَلِكَ وَجَعَلَ النِّفْقَةَ دَيْنًا عَلَى مَالِكِهَا ۱ لَأَنَّهُ نَصَبَ نَاطِرًا وَفِي هَذَا نَظَرٌ مِنَ الْجَانِبَيْنِ، ۲ قَالُوا: إِنَّمَا يَأْمُرُ بِالْإِنْفَاقِ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ عَلَى قَدْرِ مَا يَرَى رَجَاءً أَنْ يَظْهَرَ مَالُكُهَا، فَإِذَا لَمْ يَظْهَرَ يَأْمُرُ بِبَيْعِهَا لَأَنَّ دَارَةَ النِّفْقَةِ مُسْتَأْصَلَةٌ فَلَا نَظَرَ فِي الْإِنْفَاقِ مُدَّةً مَدِيدَةً. ۳ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَفِي الْأَصْلِ شَرْطُ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ غَضَبًا فِي

تشریح: لقطہ مال کی کوئی آمدنی نہیں ہے اور چارہ وغیرہ خرچ اتنا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد چارے کا خرچ اسکی قیمت سے بڑھ جائے گا اور مالک کیلئے جانور لینے کے بجائے چارے کا خرچ زیادہ دینا پڑ جائے گا۔ ایسی صورت میں حاکم لقطے کے مال کو بچوا دے گا۔ اور اسکی قیمت کسی امین کے پاس محفوظ رکھے گا تاکہ مالک آئے تو جانور کے بجائے اسکی قیمت اس کو حوالہ کر دی جائے۔
وجہ: مسئلہ نمبر ۲۹۵۲ میں حضرت عثمانؓ کا لمبا اثر گزرا جس میں تھا کہ انہوں نے اونٹ کو لقطہ قرار دیا اور اس کو بچوا کر اس کی قیمت محفوظ رکھواتے تھے۔ تاکہ جب اس کا مالک آئے تو اس کی قیمت حوالہ کر دی جائے۔ اثر کا ٹکڑا یہ ہے سمع ابن شہاب یقول ... حتی اذا كان زمان عثمان بن عفان امر بمعرفتها وتعريفها ثم تباع فاذا جاء صاحبها اعطى ثمنها (سنن للبيهقي، باب الرجل يبيع ذئبا ليريد اكلها، ج ۱ ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۰۸ / مصنف عبد الرزاق، کتاب اللقطه، ج ۱ ص ۵۳۳، نمبر ۱۹۲۸) اس قول صحابی میں اونٹ بچوا کر اس کی قیمت محفوظ رکھوانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مناسب سمجھے تو قیمت محفوظ رکھوا سکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۵۶) اور اگر لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہو تو اس کی اجازت دیدے اور خرچ اس کے مالک پر قرض کر دے۔
ترجمہ: ۱: اس لئے کہ حاکم مصلحت کو دیکھنے کے لئے متعین کیا گیا ہے، اور اس صورت میں دونوں کی مصلحت ہے [کہ پانے والے کو خرچ مل جائے گا، اور مالک کو اس کی چیز مل جائے گی]

تشریح: حاکم اگر یہ مناسب سمجھے کہ اس لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہے تو خرچ کرنے کی اجازت دیدے اور جتنا خرچ کیا وہ سب لقطہ کے مالک پر قرض ہوتا رہے گا۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں کی مصلحت ہے۔

ترجمہ: ۲: مشائخ نے فرمایا کہ دو دن یا تین دن تک خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا حاکم جیسا مناسب سمجھے، اس امید پر کہ مالک آئے گا، لیکن اگر اس مدت میں نہیں آیا تو اس کے بیچنے کا حکم دیا جائے گا، اس لئے کہ نفقے کا خرچ تو بہت دیر تک چلے گا، اس لئے لمبی مدت تک خرچ کرنے میں مصلحت نہیں ہے۔

تشریح: واضح ہے۔۔۔ مستاصلہ: وصل سے مشتق ہے، دیر تک رہے گا۔

ترجمہ: ۳: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اصل اس بات پر بینہ قائم کرنا ہے کہ [یہ لقطہ ہے اور اس کو واپس دینے کے لئے ہی

يَدِهِ فَلَا يَأْمُرُ فِيهِ بِالْإِنْفَاقِ وَإِنَّمَا يَأْمُرُ بِهِ فِي الْوَدِيعَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ لِكَشْفِ الْحَالِ وَلَيْسَتْ الْبَيِّنَةُ تَقَامُ لِلْقَضَاءِ. ۴. وَإِنْ قَالَ لَا بَيِّنَةَ لِي بِقَوْلِ الْقَاضِي لَهُ أَنْفَقَ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُ صَادِقًا فِيمَا قُلْتُ حَتَّى تَرْجِعَ عَلَى الْمَالِكِ إِنْ كَانَ صَادِقًا، وَلَا يَرْجِعُ إِنْ كَانَ غَاصِبًا. ۵. وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّهُ إِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَى الْمَالِكِ بَعْدَ مَا حَضَرَ وَلَمْ تَبْعِ اللَّفْطَةُ إِذَا شَرَطَ الْقَاضِي الرُّجُوعَ عَلَى الْمَالِكِ، وَهَذِهِ رَوَايَةٌ وَهِيَ اللَّاصِحُ.

اٹھایا ہے [صحیح یہی ہے کیونکہ یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ اس کے قبضے میں غصب کے طور پر ہو، اور غصب میں اس پر خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا، خرچ کرنے کا حکم تو صرف امانت کی صورت میں دی جاسکتی ہے، اس لئے حال کی وضاحت کے لئے گواہ ضروری ہے، فیصلے کے لئے یہ گواہی نہیں ہے۔

تشریح: یہ ممکن ہے کہ اٹھانے والے کے ہاتھ غصب کا مال ہو جس پر خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا، اس لئے اس بات پر بینہ چاہئے کہ یہ لفظ کا مال ہے اور مالک کو واپس دینے کے لئے اٹھایا ہے، یہ گواہ حالات کی وضاحت کے لئے ہے، فیصلے کے لئے نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴۔ اٹھانے والے نے یہ کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہے، تو قاضی اس طرح حکم دے گا کہ اگر تم اپنے بات میں سچے ہو تو اس چیز پر خرچ کرتے رہو، اور تم سچے ہو گے تو مالک سے خرچ لے لینا۔ اور غاصب ثابت ہوئے تو خرچ نہیں ملے گا۔

تشریح: اٹھانے والا اٹھانے پر گواہ نہیں پیش کر سکتا تو قاضی حتمی فیصلہ نہیں دے گا، بلکہ درمیانی فیصلہ کرے گا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو تم کو مالک سے خرچ ملے گا، اور غاصب ثابت ہوئے تو تم کو خرچ نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۵۔ متن میں جو یہ جملہ ہے کہ، خرچ مالک پر قرض کر دے، اس جملے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہے کہ اٹھانے والے مالک کے آنے پر اس وقت خرچ لے گا جبکہ چیز بیچی نہیں گئی ہو اور قاضی نے مالک پر لینے کی شرط لگائی ہو، اور یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: صاحب ہدایہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر قاضی نے اٹھانے والے سے صرف اتنا کہا کہ اس پر خرچ کرتے رہو تو اس جملے سے مالک سے خرچ نہیں لے پائے گا، یہ مالک کی جانب سے تبرع اور احسان ہو جائے گا، ہاں یہ بھی کہا کہ یہ خرچ چیز کے مالک پر قرض ہے تب اٹھانے والا مالک سے خرچ لے سکے گا۔ یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ لیکن دوسری روایت یہ بھی ہے کہ حاکم نے خرچ کرنے کے لئے کہا، اور یہ نہیں بھی کہا کہ یہ خرچ مالک پر قرض ہوگا، تب بھی چونکہ حاکم کے حکم سے خرچ کیا ہے اس لئے مالک سے یہ خرچ لیا جائے گا۔

(۲۹۵۷) قَالَ: وَإِذَا حَصَرَ يَعْنِي الْمَالِكُ فَلِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَمْنَعَهَا مِنْهُ حَتَّى يُحْضَرَ النَّفَقَةُ ۱ لِأَنَّهُ حَتَّى يَنْفَقَتِ فَصَارَ كَأَنَّهُ اسْتَفَادَ الْمُلْكَ مِنْ جِهَتِهِ فَأَشْبَهَ الْمَبِيعَ؛ ۲ وَأَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ رَأْدُ الْبَقِي فَإِنَّ لَهُ الْحَبْسَ لَا سُتَيْفَاءَ الْجُعَلِ لِمَا ذَكَرْنَا، ۳ ثُمَّ لَا يَسْقُطُ دَيْنُ النَّفَقَةِ بِهَلَاكِهِ فِي يَدِ الْمُلتَقِطِ قَبْلَ الْحَبْسِ، وَيَسْقُطُ إِذَا هَلَكَ بَعْدَ الْحَبْسِ لِأَنَّهُ يَصِيرُ بِالْحَبْسِ شَبِيهَ الرِّهْنِ.

ترجمہ: (۲۹۵۷) پس جب اس کا مالک آئے تو ملتقط کے لئے جائز ہے کہ اس سے روک دے یہاں تک کہ خرچ لے لے۔
ترجمہ: ۱: اس لئے کہ پانے کے خرچ سے جانور زندہ رہا ہے تو ایسا ہوا کہ مالک نے اٹھانے والے کی ملک سے فائدہ اٹھایا اس لئے یہ بیچ کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: مالک آنے کے بعد ملتقط کو حق ہے کہ جب تک اپنا خرچ نہ لے لے اس وقت تک لفظ کو اپنے پاس روک رکھے۔
وجہ: (۱) چونکہ حاکم کے فیصلے سے خرچ کیا ہے اور اس کی رقم خرچ ہوئی ہے اس لئے اس کو وصول کرنے کا حق ہے۔ (۲) صاحب ہدایہ نے یہ دلیل دی ہے کہ اٹھانے والے کی ملکیت سے جانور زندہ رہا ہے تو ایسا سمجھو کہ مالک نے اٹھانے والے کی ملکیت سے فائدہ اٹھایا ہے اس لئے اس کو اپنی چیز مالک سے لینے کا حق ہے۔ (۳) اور یوں ہو گیا گویا کہ مالک نے جانور کو خرچ کے بدلے میں بیچ دیا ہے، اس لئے پانے والے کو مالک سے لینے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: ۲: اس مسئلے کے قریب ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کو کسی نے پکڑا اور اس پر خرچ کیا تو خرچ لینے کے لئے غلام کو روک لینے کا حق ہوگا اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا کہ اس نے حاکم کی اجازت سے خرچ کیا اس لئے اس کو اپنا خرچ لینے کا حق ہوگا]

تشریح: زید کا غلام بھاگا، اور عمر نے اس کو پکڑا اور حاکم کی اجازت سے اس پر ایک سودرہم خرچ کیا تو عمر کو حق ہوگا کہ ایک سودرہم وصول کرنے کے لئے غلام روک لے، جیسے لفظ روک لینے کا حق ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۳: جانور کو روکنے سے پہلے پانے والے کے ہاتھ میں جانور ہلاک ہو گیا تو خرچ کیا ہوا ساقط نہیں ہوگا، اور جانور کو روکنے کے بعد ہلاک ہوا تو خرچ ساقط ہو جائے گا اور روکنا رہن کے مشابہ ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں دو صورتیں ہیں [۱] پانے والے نے خرچ لینے کے لئے جانور کو ابھی روکا نہیں تھا کہ جانور ہلاک ہو گیا اس کے باوجود پانے والے نے جو خرچ کیا تھا وہ مالک سے لے سکتا ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے چونکہ پانے والے نے روکا نہیں ہے اس لئے یہ جانور مالک کا ہی ہلاک ہوا ہے اس لئے مالک پر خرچہ دینا ضروری ہے۔

(۲۹۵۸) قَالَ وَلَقَطَّةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ ۚ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجِبُ التَّعْرِيفُ فِي لَقَطَةِ الْحَرَمِ إِلَى أَنْ يَجِيءَ صَاحِبُهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْحَرَمِ "وَلَا يَحِلُّ لَقَطْتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ".

اور اگر پانے والے نے خرچ کے لئے جانور روکا تو گویا کہ پانے والے نے جانور کو رہن پر رکھ لیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ رہن کی چیز ہلاک رہن رکھنے والے کے پاس ہلاک ہو جائے تو جانور کی جتنی قیمت ہے وہ ساقط ہو جاتی ہے، اس لئے پانے والے نے جتنا خرچ کیا تھا وہ ساقط ہو جائے گا اور پانے والا اب مالک سے خرچ نہیں لے سکے گا۔

ترجمہ: (۲۹۵۸) حل اور حرم کے لقطے برابر ہیں۔

تشریح: یعنی دونوں کے احکام برابر ہیں کہ جس طرح حل کا لقطہ ایک سال تشہیر کے بعد اس کو خرچ کر سکتا ہے اسی طرح حرم کا لقطہ کی تشہیر کے بعد خرچ کر سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مالک پانے کی امید میں ہمیشہ تشہیر کرتا ہی رہے۔

وجہ: (۱) حضرت عائشہ کا قول ہے۔ ان امرأة سألت عائشة فقالت انى اصبت ضالة فى الحرم وانى عرفتها فلم اجد احدا يعرفها فقالت لها عائشة استنفعى بها (طحاوی شریف، باب اللقطة والضوال ج ثانی ص ۲۵۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرم کا لقطہ بھی تشہیر کے بعد خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (۲) امام ابو حنیفہؒ نے اس احادیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ ایک سال اعلان کرنے کے بعد اس کو صدقہ کر سکتے ہو اور اس حدیث میں حل اور حرم کی کوئی قید نہیں ہے، اس لئے حرم کے بارے میں بھی یہی حکم ہوگا کہ ایک سال اعلان کے بعد اس کو صدقہ کر سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن زید بن خالد الجهني قال جاء اعرابي الى النبي ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعراف عفاصها وو كء ها (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۳۲۷ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۸۷ نمبر ۲۲۸۱/۲۲۹۸) اس حدیث میں ایک سال تک اعلان کر پھر اس کی علامات کو یاد کر کے اس کو صدقہ کر دے۔

ترجمہ: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حرم کے لقطے کو مالک کے آنے تک اعلان کرنا پڑے گا، حرم کے بارے میں حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اس کے لقطے کو اٹھانا حلال نہیں ہے مگر اس آدمی کے لئے جو اس کا اعلان کرتا رہے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک مالک نہ آجائے اس وقت تک حرم کے لقطے کی تشہیر کرتا رہنا ہی پڑے گا۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں حرم کے لقطے کی تشہیر ہمیشہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان رسول الله قال ولا تحل لقطتها الا لمنشد. (بخاری شریف، باب كيف تعرف لقطته اهل مكة ص ۳۲۸ نمبر ۲۳۳۳) (۲) اور ابو داؤد میں ہے۔ عن عبد الرحمان بن عثمان التيمي ان رسول الله ﷺ نهى عن لقطه الحاج قال احمد قال ابن وهب يعني فى لقطه الحاج يتركها حتى يجدها صاحبها (ابوداؤد

۲. وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "اعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَاتُمَّ عَرَفَهَا سَنَةً" مِنْ غَيْرِ فَصْلِ ۳ وَلِأَنَّهَا لُقْطَةٌ، وَفِي التَّصَدُّقِ بَعْدَ مُدَّةِ التَّعْرِيفِ إِبْقَاءُ مُلْكِ الْمَالِكِ مِنْ وَجْهِ فَيَمْلِكُهُ كَمَا فِي سَائِرِهَا. ۴. وَتَأْوِيلُ مَا رَوَى أَنَّهُ لَا يَحِلُّ الْإِلْتِقَاطُ إِلَّا لِلتَّعْرِيفِ، وَالتَّخْصِصُ بِالْحُرْمِ لِبَيَانِ أَنَّهُ لَا يَسْقُطُ التَّعْرِيفُ فِيهِ لِمَكَانِ أَنَّهُ لِلْغُرَبَاءِ ظَاهِرًا.

شریف، باب التعریف باللقطۃ ص ۲۳۵ نمبر ۱۷۱) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حاجیوں کے لقطے کی ہمیشہ تشہیر کرتا رہے۔
ترجمہ: ۲. ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ ایک سال لقطے کا اعلان کرو، پھر اس کی علامت یاد کر لو اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اٹھا لو، صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن زید بن خالد الجهني قال جاء اعرابي الى النبي ﷺ فسأله عما يلتقطه فقال عرفها سنة ثم اعرف عفاصها ووكاءها (بخاری شریف، باب ضالة الابل ص ۳۲۷ نمبر ۲۴۲) مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۲۴۹۸/۱) اس حدیث میں حل اور حرم کی تفصیل نہیں ہے اس لئے حرم اور حل دونوں کے لقطے کے لئے یہی ہوگا کہ ایک سال کے بعد اس کو صدقہ کر دے، یا خود فائدہ اٹھالے۔

ترجمہ: ۳. اور اس لئے کہ یہ بھی لقطہ ہے، اور اعلان کی مدت کے بعد صدقہ کرنے میں گویا کہ مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے کہ اس کو چیز کا ثواب دے دیا جاتا ہے، اس لئے حل کے لقطے کی طرح اس کو بھی صدقہ کر سکتا ہے۔

تشریح: حرم کے لقطے کو اٹھانے کی دو وجہ بیان کر رہے ہیں [۱] ایک یہ کہ بہر حال یہ لقطہ ہے، اس لئے ایک سال ہی اس کا اعلان ہونا چاہئے [۲] دوسری وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ صدقہ کرنے سے مالک کو ثواب ملے گا تو گویا کہ اس کی ملکیت میں ہی باقی رکھ رہے ہیں، اس لئے جس طرح حرم کے علاوہ کے لقطہ کو صدقہ کر کے مالک کی ملکیت میں باقی رکھی جائے گی، حرم کے لقطے کو بھی صدقہ کر کے مالک کی ملکیت میں باقی رکھنے کا حق ہوگا۔

ترجمہ: ۴. اور امام شافعیؒ نے جو روایت کی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ اعلان کرنے والے کے لئے ہی اٹھانا حلال ہے، اور حرم کی تخصیص اس لئے ہے کہ مسافر کی جگہ ہونے کی وجہ سے اعلان کرنا ساقط نہیں ہوگا۔

تشریح: اور امام شافعیؒ نے جو روایت بیان کی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ اس حدیث میں اس پر زور دیا گیا کہ حرم کے لقطے کا بھی اعلان کرنا ہی ہوگا، چاہے ایک سال ہی کے لئے ہو، اور وہاں مسافر آتے ہیں اس لئے مسافر ہونے کی وجہ سے اعلان ساقط نہیں ہوگا، اس لئے جو اعلان کرے گا اسی کے لئے لقطے کا اٹھانا حلال ہوگا، البتہ ایک سال میں وہ اعلان ساقط ہو جائے گا، جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

(۲۹۵۹) وَإِذَا حَضَرَ رَجُلٌ فَادَّعَى اللَّفْطَةَ لَمْ تَذْفَعْ إِلَيْهِ حَتَّى يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ. فَإِنْ أُعْطِيَ عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُتَلَقِّطِ أَنْ يَذْفَعَهَا إِلَيْهِ وَلَا يُجْبَرُ عَلَى ذَلِكَ فِي الْقَضَاءِ.

ترجمہ: (۲۹۵۹) اگر آدمی حاضر ہوا اور حاکم کے پاس دعویٰ کیا کہ لفظ اس کا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ بینہ قائم کرے۔ لیکن اگر گواہی پیش نہیں کی، صرف علامت بتائی پانے والے کے گنجائش ہے کہ چیز مالک کو دے دے لیکن قضا میں اس کو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ گواہ پیش کرے تب ہی دینا واجب ہے، علامت بتانے سے دینا واجب نہیں ہے، دینے کی گنجائش ہے۔

اصول: امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ علامت بتادے تب بھی دینا واجب ہے۔

تشریح: مالک نے اپنی چیز ہونے پر گواہ پیش کر دیا تب تو قاضی اس کو دے دینے پر مجبور کرے گا، لیکن بینہ پیش نہیں کی صرف چیز کی علامت بتائی تو قاضی اب دینے پر مجبور نہیں کرے گا، البتہ اٹھانے والے کا دل گواہی دیکھ یہی اس کا مالک ہے تو وہ مالک کو دے دے۔

وجہ: یہاں دو حدیثیں ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ مالک کو بینہ پیش کرنا ہوگا، اس لئے اس سے استدلال کیا جائے گا کہ بینہ پیش کر دے تو دینا ضروری ہوگا۔ [۲] اور دوسری حدیث ہے کہ مالک علامت بیان کر دے تو اس کو دے دیا جائے، اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ علامت بیان کر دے تو دینے کی گنجائش ہوگی، دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (۲) بینہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال لو يعطى الناس بدعواهم لادعى ناس دماء رجال واموالهم ولكن اليمين على المدعى عليه (مسلم شریف، باب اليمين على المدعى عليه ص ۲۷۱ نمبر ۱۱۷۱/۲۷۱) (۳) اور مدعی کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال البينة على من ادعى واليمين على من انكر الا فى القسامة (دارقطنی، کتاب الحدود والديات وغیرہ ج ۳ ص ۸ نمبر ۳۱۶۵) اس لئے مالک کے لئے بینہ پیش کرنا ضروری ہے۔

(۴) اور علامت بتائے تو اس کو دینے کی گنجائش ہے اس کی حدیث یہ ہے۔ عن زید ابن خالد الجهني ان رجلا سأل رسول الله ﷺ عن اللفظة قال عرفها سنة ثم اعر ف وكاء ها وعفاصها ثم استنقق بها فان جاء ربها فادها اليه (بخاری شریف، باب اذا جاء صاحب اللفظة بعد سنة ردھا عليه لانا وديعة عنده ص ۳۲۹ نمبر ۲۴۳۶/۳۲۹) مسلم شریف، باب معرفة العفاص والكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۷۸ نمبر ۲۲۷۱/۲۵۰۲) اس حدیث میں ہے کہ مالک آجائے تو اس کو دے دو اور بینہ پیش کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اس لئے بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۵) اور مسلم شریف کی حدیث میں

۱۔ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى: يُجْبَرُ، وَالْعَلَامَةُ مِثْلُ أَنْ يُسَمَّى وَزَنَ الدَّرَاهِمَ وَعَدَدَهَا وَوَكَّاءَ هَا وَوَعَاءَ هَا. لَهْمَا أَنَّ صَاحِبَ الْيَدِ يُنَازِعُهُ فِي الْيَدِ وَلَا يُنَازِعُهُ فِي الْمَلِكِ، فَيُشْتَرَطُ الْوُصْفُ لِرُجُودِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهِ، وَلَا تُشْتَرَطُ إِقَامَةُ الْبَيِّنَةِ لِعَدَمِ الْمُنَازَعَةِ مِنْ وَجْهِ.

۲۔ وَلَنَا أَنَّ الْيَدَ حَقٌّ مَقْصُودٌ كَالْمَلِكِ فَلَا يُسْتَحَقُّ إِلَّا بِحُجَّةٍ وَهُوَ الْبَيِّنَةُ اعْتِبَارًا بِالْمَلِكِ.

یہ زیادتی ہے کہ مالک علامت بتائے تو اس کو دے دو۔ فان جاء احد يخبرك بعددها ووعاءها ووكاءها فاعطها اياه۔ (مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء ص ۸ نمبر ۲۳/۱۷۸۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علامت بتائے تو اس کے حوالے کرنا جائز ہے، البتہ ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ: امام مالک اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ علامت بتانے پر ہی دینے پر مجبور کیا جائے گا، اور علامت یہ ہیں مثلاً درہم کا وزن بتائے، اس کی عدد بتائے، اس پر گرہ کیسی لگی تھی، اس کی تھیلی کیسی تھی، امام شافعیؒ اور امام کی دلیل یہ ہے کہ جس نے پایا ہے وہ قبضے کے بارے میں مالک سے جھگڑا کر رہا ہے، مالک ہونے کے بارے میں اس سے جھگڑا نہیں کر رہا ہے، کیونکہ مالک تو علامت بتانے والا ہی ہے، اس لئے وصف بتانے کی شرط ہوگی، کیونکہ کچھ ہی جھگڑا ہے، گواہ پیش کرنے کی شرط نہیں ہوگی، کیونکہ ملک کے بارے میں جھگڑا نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ علامت بتادی تو دینے پر مجبور کیا جائے گا، چاہے ملکیت پر گواہ پیش نہ کیا ہو۔

وجہ: (۱) ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اٹھانے والا یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ میری ملکیت ہے اس لئے ملکیت کے بارے میں جھگڑا نہیں ہے، البتہ چیز پر اس کا قبضہ ہے تو وہ مالک کو اس کا قبضہ نہیں دینا چاہتا ہے، اس لئے قبضے کے بارے میں جھگڑا ہے، اس لئے گویا کہ کچھ جھگڑا ہے اور کچھ جھگڑا نہیں ہے، اس لئے دینے کے لئے علامت بتادینا کافی ہے، اس لئے جب علامت بتادی تو دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (۲) ان کی دوسری دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں ہے کہ علامت بتادے تو اس کو دے دو، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی بنا پر دینا واجب ہے۔

لغت: وکاءھا: وکاء، یکی وکاء، مشک کو بندھن سے باندھنا۔ وعاءھا: برتن، یہاں مراد ہے اس کی تھیلی کیسی تھی۔

ترجمہ: ۲۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ملکیت کی طرح قبضہ بھی ایک مقصود کی چیز ہے، اس لئے مالک گواہ دئے بغیر قبضے کا مستحق نہیں ہوگا ملک پر قیاس کرتے ہوئے

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قبضہ بھی ملکیت کی طرح مقصود ہوتا ہے اس لئے قبضے کے لئے بھی مالک پر گواہی ضروری ہے۔

۳۔ إِلَّا أَنَّهُ يَحِلُّ لَهُ الدَّفْعُ عِنْدَ إِصَابَةِ الْعَلَامَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَعَرَفَ عَفَا صَهَا وَعَدَّهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ" وَهَذَا لِلْبَاحَةِ عَمَلًا بِالْمَشْهُورِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي" الْحَدِيثُ ۴ وَيَأْخُذُ مِنْهُ كَفِيلٌ إِذَا كَانَ يَدْفَعُهُ إِلَيْهِ اسْتِثْنَاءً، وَهَذَا بِإِلْخَافٍ، لِأَنَّهُ يَأْخُذُ الْكَفِيلَ لِنَفْسِهِ، بِإِلْخَافٍ التَّكْفِيلِ لَوَارِثٍ غَائِبٍ عِنْدَهُ. ۵ وَإِذَا صُدِّقَ قِيلَ لَا يُجْبَرُ عَلَى الدَّفْعِ كَالْوَكِيلِ بِقَبْضِ الْوَدِيعَةِ إِذَا صَدَّقَهُ. وَقِيلَ يُجْبَرُ لِأَنَّ الْمَالِكَ هَاهُنَا غَيْرُ ظَاهِرٍ وَالْمُودِعُ مَالِكٌ ظَاهِرًا.

ترجمہ: ۳۔ لیکن علامت کے بتانے پر پانے والے کے لئے دے دینا حلال ہوگا، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر مالک آئے اور تھیلی کا رنگ بتائے، اور درہم کی تعداد بتائے تو چیز اس کو دے دو، مشہور حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہ حکم اباحت کے لئے ہے، اور وہ حدیث ہے کہ مدعی پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔

تشریح: اوپر حدیث گزری جس کی وجہ سے یہ ہے کہ اگر چیز کی علامت بتادے تو اٹھانے والے کے دینا حلال ہو جاتا ہے۔
وجہ: مشہور حدیث میں ہے کہ گواہ پیش کرے تب دو، اور دوسری حدیث میں ہے کہ علامت بتائے تو دے دو، اس لئے اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ علامت بتائے تو دینے کی گنجائش ہے۔ دونوں حدیثیں اوپر گزر گئیں ہیں۔
لغت: عفاص: بوتل کا ڈاٹ، یہاں مراد تھیلی کا رنگ وغیرہ۔

ترجمہ: ۴۔ اور جب دے تو مالک سے کفیل لے لے بات کو مضبوط کرنے کے لئے، اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ اپنی ذات کے لئے کفیل لے رہا ہے۔

تشریح: پانے والا مالک کو چیز دے تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ مالک سے کفیل لے تاکہ بعد میں کوئی دوسرا مالک نکل آئے تو کفیل مالک کو حاضر کرے اور اس سے چیز لیکر اصل مالک کو دے سکے، اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵۔ اس کے برخلاف غائب وارث کے لئے کفیل لینا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح: زید مرگیا اب اس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں وارثین سے اس بات پر کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر کوئی وارث نکل گیا تو تم لوگ اس کو بھی وراثت دو گے، کیونکہ یہاں وارث موجود ہیں، مزید وارث نکل جائے اس کا صرف وہم ہے، اس لئے وہم کے لئے کفیل لینے کی ضرورت نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک یہاں بھی کفیل لیا جا سکتا ہے، کیونکہ اگر کوئی وارث نکل گیا تو اس کو وارث کون دے گا۔

ترجمہ: ۵۔ اور پانے والا اگر مالک کی تصدیق کرے تو کہا گیا کہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، جیسے امانت کے قبضہ کرنے کا وکیل جب اس کی تصدیق کر دے [کہ آپ واقعی امانت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہیں] تو دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور بعض

(۲۹۶۰) وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللَّقْطَةِ عَلَى غَنِيٍّ ۚ لِأَنَّ الْمَأْمُورَ بِهِ هُوَ التَّصَدُّقُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "فَإِنْ لَمْ يَأْتِ" بِعُنِي صَاحِبِهَا، "فَلْيَتَصَدَّقْ بِهِ" وَالصَّدَقَةُ لَا تَكُونُ عَلَى غَنِيٍّ فَاشْبَهَ الصَّدَقَةَ الْمَفْرُوضَةَ.

(۲۹۶۱) وَإِنْ كَانَ الْمُتَلَقِّطُ غَنِيًّا لَمْ يَجْزُ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا

حضرات نے فرمایا کہ دینے پر مجبور کیا جائے گا، اس لئے کہ یہاں مالک کا پتہ نہیں ہے، اور امانت کی صورت میں مالک کا پتہ ہے [اس لئے یہ کہہ سکتا ہے کہ اصلی مالک کو ہی دوں گا۔

تشریح: پانے والے نے علامت بتانے والے کی تصدیق کی کہ ہاں تم ہی اس چیز کا مالک ہو تب بھی دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ دینے کی گنجائش ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ زید کے پاس عمر کی گائے امانت ہے، خالد آیا اور کہا کہ میں عمر کی جانب سے گائے لینے آیا ہوں، زید نے اس کی تصدیق کی پھر بھی زید پر گائے دینا واجب نہیں نہیں ہے، اسی طرح یہاں چیز دینا واجب نہیں ہے۔

لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ لقطہ کی شکل میں تصدیق کے بعد دینا واجب ہے، اور امانت کی صورت میں تصدیق کے بعد دینا واجب نہیں ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ، امانت کی صورت میں اس کا مالک معلوم ہے کہ وہ عمر ہے، اس لئے اصل مالک کو بلوا کر دے سکتا ہے۔ اور لقطہ کی صورت میں اصل مالک کا پتہ نہیں ہے، اس لئے ابھی جو مالک سامنے آیا ہے اسی کو دینا واجب ہے۔

ترجمہ: (۲۹۶۰) اور لقطہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

ترجمہ: اس لئے کہ حدیث میں صدقہ کرنے کا حکم ہے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر مالک نہ آئے تو چیز کو صدقہ کر دے اور فرض صدقہ مالدار پر نہیں ہوتا [اس لئے مالدار پر یہ صدقہ نہ کرے]

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ صدقہ کرے اور صدقہ غرباء پر ہوتا ہے۔ اس لئے پتہ چلتا ہے کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ وسئل عن اللقطة فقال لا تحل اللقطة من النقط شيئا فليعرفه سنة فان جاء صاحبها فليردھا اليه وان لم يأت صاحبها فليصدق بها (دارقطنی، کتاب الرضاع ج ۱ ص ۱۰۸ نمبر ۴۳۴۳ مصنف عبدالرزاق، کتاب اللقطة ج ۱ ص ۵۳۸، نمبر ۱۹۳۱۰) مصنف میں حضرت عمر کا قول ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ کرے اور صدقہ فقیر پر ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مالدار پر صدقہ نہ کرے۔

ترجمہ: (۲۹۶۱) اور اگر ملقط مالدار ہو تو جائز نہیں ہے کہ لقطہ سے فائدہ اٹھائے۔

وجہ: (۱) اس قول صحابی میں ہے۔ عن نافع ان رجلا وجد لقطه فجاء الى عبد الله بن عمر فقال له اني وجدت لقطه فماذا ترى فقال له ابن عمر عرفها قال قد فعلت قال زد قال قد فعلت قال لا آمرک ان

۱۔ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجُوزُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي حَدِيثِ أَبِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ "فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعُهَا إِلَيْهِ وَإِلَّا فَانْتَفِعْ بِهَا" وَكَانَ مِنَ الْمَيَاسِيرِ، ۲. وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا يُبَاحُ لِلْفَقِيرِ حَمْلًا لَهُ عَلَى رَفْعِهَا صِيَانَةً لَهَا وَالْعِنَى يُشَارِكُهُ فِيهِ. ۳. وَلَنَا مَالُ الْغَيْرِ فَلَا يُبَاحُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ إِلَّا بِرِضَاهُ لِإِطْلَاقِ النُّصُوصِ وَالِإِبَاحَةِ لِلْفَقِيرِ لِمَا رَوَيْنَاهُ، أَوْ بِالْإِجْمَاعِ فَيَنْقُي مَا وَرَاءَهُ عَلَى الْأَصْلِ،

تأكلها ولو شئت لم تأخذها (سنن للبيهقي، باب اللقطة يأكلها الغني والفقير إذا لم تعترف بعد تعريف سنة، ج سادس، ص ۳۱۲، نمبر ۱۲۰۶۳) (۲) لقطہ پانے والی عورت نے تین مرتبہ اصرار کیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا تھا۔ فقالت (عائشة) اتريدین ان آمرک بذبحها (مصنف عبدالرزاق، کتاب اللقطة ج ۹، ص ۵۳۹، نمبر ۱۹۳۱) ان آثار سے معلوم ہوا کہ خود مالدار ہو تو لقطہ کا مال استعمال نہ کرے۔

ترجمہ: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مالدار کے فائدہ اٹھانا جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب سے حضور نے فرمایا تھا کہ اگر مالک آئے تو اس کو دے دو، اور نہ آئے تو خود فائدہ اٹھا لو، حالانکہ حضرت ابی بن کعب مالدار تھے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ سمعت سوید بن غفلة قال لقيت ابي بن كعب فقال اصبت صرة فيها مائة دينار فاتيت النبي ﷺ فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد من يعرفها ثم اتيتها فقال عرفها حولا فعرفتها فلم اجد ثم اتيتها ثلاثا فقال احفظها وعائها وعددها ووكاءها فان جاء صاحبها والا فاستمتع بها فاستمتعت فلقيتها بعد بمكة فقال لا ادري ثلاثة احوال او حولا واحدا (بخاری شریف، باب اذا خبر رب اللقطة بالعلامة دفع اليه ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۲۶ مسلم شریف، باب معرفة العفاص والوكاء وحكم ضالة الغنم والابل ص ۸ نمبر ۲۳۷۱۷۷۵۰۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اٹھانے والا مالدار ہو تب بھی اس سے نفع اٹھا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ فقیر کے لئے مباح اس لئے ہے تاکہ وہ لقطہ کی چیز اٹھائے اور اس کی حفاظت کرے، اس امید پر کہ اس کو بھی وہ کام آئے گی، اور اس امید میں فقیر اور مالدار برابر ہیں [اس لئے مالدار کو بھی فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے]

تشریح: امام شافعیؒ کی جانب سے یہ دلیل عقلی پیش کی ہے۔ فقیر لقطہ کی چیز اس لئے اٹھائے گا کہ اس کو امید ہوگی کہ بعد میں مجھے بھی یہ کام آسکتی ہے، اور اس امید میں مالدار اور غریب برابر ہیں، اس لئے مالدار کے لئے بھی فائدہ اٹھانا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۳۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غیر مال ہے حدیث کی وجہ سے مالک کی رضامندی کے بغیر اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ مال فقیر کے لئے مباح ہے [اس لئے فقیر ہی استعمال کر سکتا ہے]۔ یا یوں کہو کہ اس پر اجماع ہو گیا کہ مالدار اس کو استعمال نہ کرے۔ اس لئے جو حدیث روایت کی وہ اصل پر باقی رہے گی۔

۴ وَالْغَنَى مَحْمُولٌ عَلَى الْأَخْذِ لَا حَيْثَمَالِ اقْتِبَارِهِ فِي مُدَّةِ التَّعْرِيفِ، وَالْفَقِيرُ قَدْ يَتَوَانَى لَا حَيْثَمَالِ اسْتِغْنَائِهِ فِيهَا ۵ وَانْتِفَاعُ أَبِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ بِإِذْنِ الْإِمَامِ وَهُوَ جَائِزٌ بِإِذْنِهِ.
(۲۹۶۲) وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ فَقِيرًا فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا ۱ لِمَا فِيهِ مِنْ تَحْقِيقِ النَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَلِهَذَا جَازَ الدَّفْعُ إِلَى فَقِيرٍ غَيْرِهِ

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ غیر کامل ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا حقدار وہی ہو سکتا، ہے حدیث نے جسکو فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے، اور وہ فقیر ہے اس لئے فقیر ہی فائدہ اٹھائے گا، اس لئے یوں سمجھو کہ اس پر لوگوں کا اجماع ہو گیا، اور حدیث میں جو فائدہ اٹھانے کی بات ہے وہ مطلق نہیں ہے، بلکہ اس سے فقیر مراد ہے۔

ترجمہ: ۴ اور مالدار اس امید پر اٹھائے گا کہ شاید وہ اعلان کرنے کی مدت میں فقیر ہو جائے، اور فقیر بھی کبھی سستی کرتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو لقطہ کی ضرورت نہ پڑے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے عقلی دلیل کا جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ فقیر اپنے فائدے کے لئے اٹھائے گا، اس امید میں مالدار بھی شامل ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مالدار کو بھی یہ خیال ہوگا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ابھی میں مالدار ہوں لیکن اعلان کرنے کی مدت میں میں فقیر ہو جاؤں تو اس لقطہ سے فائدہ اٹھاؤں، اس لئے وہ بھی اٹھائے گا، اور چیز کی حفاظت کرے گا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ فقیر کو یہ خیال ہو جائے کہ اعلان کے درمیان میں مالدار ہو جاؤں تو اس لقطہ سے فائدہ نہ اٹھا سکوں، اس لئے وہ اٹھانے میں اور اس کی حفاظت کرنے میں سستی کرے گا۔

ترجمہ: ۵ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے حضورؐ کی اجازت سے فائدہ اٹھایا اس لئے اس کے لئے جائز ہو گیا۔

تشریح: امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی تھی اس کا جواب ہے، کہ حضرت ابی بن کعبؓ مالدار تھے لیکن حضورؐ نے انکو فائدہ اٹھانے کی اجازت دی اس لئے امام کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہوئی اس لئے انکے لئے جائز ہو گیا، لیکن کسی دوسرے کے لئے اجازت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۲۹۶۲) اگر پانے والا فقیر ہو تو لقطہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے،

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ اس میں دونوں کو [مالک اور پانے والے کو] فائدہ ہے، اسی لئے دوسرے فقیر کو دینا بھی جائز ہے۔

تشریح: فقیر کو فائدہ یہ ہے کہ اس کو نفع اٹھانے ملا، اور مالک کو فائدہ یہ ہے کہ اس کو اس کا ثواب ملا، تو گویا کہ دونوں کو فائدہ ملا۔

وجہ: اوپر کی امام شافعیؒ والی حدیث ہمارے نزدیک اسی پر محمول ہے کہ آدمی غریب ہو تو خود استعمال کر سکتا ہے۔ الا فاستفقھا

(بخاری شریف نمبر ۲۴۲۷ / مسلم شریف نمبر ۱۷۲۲)

(۲۹۶۳) وَكَذَا إِذَا كَانَ الْفَقِيرُ أَبَاهُ أَوْ ابْنَهُ أَوْ زَوْجَتَهُ وَإِنْ كَانَ هُوَ غَنِيًّا ۖ لِمَا ذَكَرْنَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ: (۲۹۶۳) اور جائز ہے کہ صدقہ کرے لقطہ کو جبکہ خود مالدار ہوا اپنے باپ اور بیٹے اور اپنی ماں اور اپنی بیوی پر اگر یہ لوگ فقیر ہوں۔

ترجمہ: اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کی [کہ فقیر پر صدقہ کرنا جائز ہے، چاہے وہ پانے والے کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔
تشریح: پانے والا خود مالدار ہے لیکن اس کا باپ، بیٹا، ماں اور بیوی غریب ہیں تو یہ ان لوگوں پر لقطہ کا مال صدقہ کر سکتا ہے۔
وجہ: زکوٰۃ کا اپنا مال اپنے باپ، بیٹا، ماں اور بیوی پر خرچ نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن یہ مال تو پانے والے کا نہیں ہے بلکہ اجنبی کا ہے اس لئے اجنبی کا مال پانے والے کے فقیر باپ یا بیٹے یا ماں یا بیوی پر لگ سکتا ہے۔ اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اور جب خود فقیر ہو تو کھا سکتا ہے تو ان لوگوں پر کیوں خرچ نہیں کر سکتا جبکہ وہ فقیر ہوں۔

﴿کتابِ الْآبَاقِ﴾

(۲۹۶۳) الْآبِقُ أَخْذُهُ أَفْضَلُ فِي حَقِّ مَنْ يَقْوَى عَلَيْهِ ۱ لِمَا فِيهِ مِنْ إِحْيَائِهِ، وَأَمَّا الضَّالُّ فَقَدْ قِيلَ كَذَلِكَ، وَقَدْ قِيلَ تَرْكُهُ أَفْضَلُ لَأَنَّهُ لَا يَبْرُحُ مَكَانَهُ فَيَجِدُهُ الْمَالِكُ وَلَا كَذَلِكَ الْآبِقُ ۲ ثُمَّ أَخْذُ الْآبِقِ يَأْتِي بِهِ إِلَى السُّلْطَانِ لَأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى حِفْظِهِ بِنَفْسِهِ، بِخِلَافِ اللَّقْطَةِ ۳ ثُمَّ إِذَا رُفِعَ الْآبِقُ إِلَيْهِ يَحْبِسُهُ، وَلَوْ رُفِعَ الضَّالُّ لَا يَحْبِسُهُ لَأَنَّهُ لَا يُؤْمَنُ عَلَى الْآبِقِ الْإِبَاقُ ثَانِيًا، بِخِلَافِ الضَّالِّ.

﴿کتابِ الْآبَاقِ﴾

ضروری نوٹ: غلام مولیٰ کے قبضے سے بھاگ جائے اس کو اباق کہتے ہیں۔ جو آدمی اس کو لائے گا اس کو لانے کا انعام ملے گا جس کو جعل کہتے ہیں۔ اور جو مز دوری سے کم ہو اس کو رُخ، کہتے ہیں، اور جو غلام راستہ بھٹک گیا ہو، اس کو ضال، کہتے ہیں۔

وجہ: اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قال قضی رسول اللہ ﷺ فی العبد الابق یوجد فی الحرم بعشرة دراهم (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج ۶ ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳ مصنف عبدالرزاق، باب الجعل فی الابق، ج ۸ ص ۱۵۹، نمبر ۱۴۹۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا بھاگے ہوئے غلام کو حرم سے لائے تو دس درہم ملیں گے۔ اس سے جعل کا ثبوت ہوا۔

ترجمہ: (۲۹۶۳) جو بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ سکتا ہو اس کے لئے پکڑ لینا افضل ہے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ اس نے آقا کے لئے گویا کہ زندہ کر دیا، جو غلام بھٹک گیا ہو بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے بارے میں یہی حکم ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دینا افضل ہے، اس لئے کہ وہ زیادہ ادھر ادھر نہیں جائے گا اس لئے مالک اس کو پالے گا، لیکن بھاگا ہو غلام تو ایسا نہیں ہے [وہ تو نہ پکڑنے پر بھاگ جائے گا]

تشریح: بھاگا ہو غلام کیلئے افضل یہ ہے کہ اس کو پکڑ لے اور مالک کو سپرد کر دے، ورنہ وہ اور بھاگ جائے گا، اور مالک غلام ضائع ہو جائے گا۔ اور غلام بھاگا نہ ہو بلکہ راستہ بھٹکا ہو تو وہ چونکہ دور تک نہیں جاتا اس لئے اس کے افضل یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دے۔

ترجمہ: ۲: پھر بھاگے ہوئے غلام کو پکڑنے والا اس کو بادشاہ کے پاس لائے، اس لئے کہ خود اس کی حفاظت نہیں کر سکتا ہے، بخلاف پائی ہوئی چیز کے، کیونکہ خود بھی اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳: پکڑنے والا بادشاہ کے پاس لے جائے تو بادشاہ غلام کو قید کر دے، لیکن بھٹکے ہوئے غلام کو بادشاہ کے پاس

(۲۹۶۵) قَالَ: وَمَنْ رَدَّ الْبَقَّ عَلَى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهُ عَلَيْهِ جُعْلُهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، وَإِنْ رَدَّهُ لِقَلٍّ مِنْ ذَلِكَ فَبِحَسَابِهِ ۚ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ شَيْءٌ إِلَّا بِالشَّرْطِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ بِمَنَافِعِهِ فَأَشْبَهَ الْعَبْدَ الضَّالَّ.

لے جائے تو اس کو قید نہ کرے، اس لئے کہ بھاگے ہوئے پر کوئی اطمینان نہیں ہے کہ وہ پھر کب بھاگ جائے، لیکن بھٹکا ہوا پر بے اطمینانی نہیں ہے اس لئے اس کو قید نہ کرے۔

ترجمہ: (۲۹۶۵) اگر مملوک بھاگ جائے اور کوئی آدمی اسکے مولیٰ کے پاس تین دن کی مسافت سے لائے یا اس سے زائد سے لائے تو اس کے لئے اس کی مزدوری ہے اور وہ چالیس درہم ہے۔ اور اگر اس سے کم مسافت سے واپس کیا تو اس کے حساب سے ہوگا۔

تشریح: قول صحابی میں اختلاف ہے۔ بعض قول صحابی سے پتہ چلتا ہے کہ چالیس دیئے جائیں اس لئے حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ تین دن کی مسافت یا اس سے زائد سے لائے تو چالیس درہم دیئے جائیں۔ اور اس سے کم سے لائیں تو اس کے حساب سے دیئے جائیں۔

وجہ: (۱) دس درہم دینے کی حدیث ضروری نوٹ میں گزری۔ قال قضی رسول اللہ فی العبد الآبق یوجد فی الحرم بعشرة دراهم (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ص ۳۲۹، نمبر ۱۲۱۲۳) (۲) اور چالیس درہم کے لئے یہ قول صحابی ہے۔ عن ابی عمرو والشیانی قال اصبت غلمانا اباقا بالعين فأتیت عبد الله بن مسعود فذکرت ذلک له فقال الاجر والغنیمۃ قلت هذا الاجر فما الغنیمۃ؟ قال اربعون درهما من کل رأس (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج ۶، ص ۳۳۰، نمبر ۱۲۱۲۵/ مصنف عبدالرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ۳، ص ۱۶۰، نمبر ۱۲۹۹۰) اس اثر میں چالیس درہم دینے کا تذکرہ ہے۔ (۳) اور حساب سے دینے کا ذکر اس قول تابعی میں ہے۔ ان عمر بن عبد العزيز قضی فی یوم بدینار وفی یومین دینارین وفی ثلاثة ايام ثلاثة دنانیر فما زاد علی الاربعة فلیس له الا اربعة (مصنف عبدالرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ۳، ص ۱۶۰، نمبر ۱۲۹۹۱) اس اثر میں ایک دن کی مسافت سے لایا تو ایک دینار دینے کا فیصلہ کیا اور ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔ اس لئے چار دینار چالیس درہم کے ہوئے۔ اور دو دن کی مسافت سے لایا تو دو دینار ملیں گے۔ اور تین دن کی مسافت سے لایا تو تین دینار ملیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین سے کم کی مسافت سے لایا تو اسی کے حساب سے انعام دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱: چالیس درہم دے یہ استحسان کا تقاضہ ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ شرط کے بغیر اس کو کچھ بھی نہ ملے، اور امام شافعی کا قول بھی یہی ہے اس لئے کہ پکڑنے والا خوشی سے نفع دے رہا ہے۔ اس لئے بھٹکے ہوئے غلام پکڑنے کی طرح ہو گیا۔

۲ وَلَنَّا أَنَّ الصَّحَابَةَ رَضَوْنَ اللَّهَ عَلَيْهِمْ اتَّفَقُوا عَلَى وُجُوبِ أَصْلِ الْجُعْلِ، إِلَّا أَنَّ مِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ أَرْبَعِينَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَوْجَبَ مَا دُونَهَا، فَأَوْجَبْنَا الْأَرْبَعِينَ فِي مَسِيرَةِ السَّفَرِ وَمَا دُونَهَا فِيمَا دُونَهُ تَوْفِيقًا وَتَلْفِيقًا بَيْنَهُمَا، ۳ وَلِأَنَّ إِجَابَ الْجُعْلِ أَصْلُهُ حَامِلٌ عَلَى الرَّدِّ إِذْ الْحِسْبَةُ نَادِرَةٌ فَتَحْصُلُ صَيَانَةُ أَمْوَالِ النَّاسِ ۴ وَالتَّقْدِيرُ بِالسَّمْعِ وَلَا سَمْعَ فِي الصَّالِّ فَاُمْتَمَعَ. وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى صَيَانَةِ الصَّالِّ دُونَهَا إِلَى صَيَانَةِ الْبَاقِ لِأَنَّهُ لَا يَتَوَارَى وَالْبَاقُ يَخْتَفَى،

وجہ: (۱) جب تک مزدوری کی شرط نہ ہو، مزدوری طے نہیں ہوتی، اس لئے بغیر طے کئے ہوئے غلام کو پکڑ کر لایا تو مزدوری نہیں ملے گی۔ (۲) قول تابعی میں ہے کہ مزدوری نہیں ملے گی، قول صحابی یہ ہے۔ عن جابر عن الشعبي في الرجل يجد اللقيط ثم ينفق عليه قال ليس له من نفقته شيء، انما هو شيء احتسب به عليه۔ (مصنف عبدالرزاق، باب النفقة على الالباق والصاله، ج ثامن، ص ۱۶۱، نمبر ۱۳۹۹۶) اس قول تابعی میں ہے کہ لفظ پر خرچ کرنے والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا، کیونکہ اس نے ثواب کے لئے کیا ہے۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے انعام دینے پر اتفاق کیا ہے، لیکن بعض حضرات نے چالیس درہم دینے کو کہا اور بعض حضرات نے اس سے کم کہا ہے، اسلئے مسافت کی مدت میں ہم نے چالیس درہم کہا اور اس سے کم میں کہا سب اقوال پر عمل کرنے کیلئے۔ **تشریح:** ہماری دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے مزدوری طے کی ہے، اوپر حدیث میں بھی دس درہم کا ذکر کیا ہے اس لئے سب پر عمل کرنے کے لئے ہم نے یہ کہا کہ تین دن کی مسافت سے غلام کو لایا ہو تو چالیس درہم اور اس سے کم سے لایا ہو تو اس کا حساب کر کے دیا جائے گا، مثلاً ایک دن کی مسافت سے لایا ہو تو چالیس کی تہائی 13.33 درہم ملے گا۔

ترجمہ: ۳ دوسری وجہ یہ ہے کہ انعام اس لئے متعین کیا کہ پکڑنے والا واپس دے دے، اس لئے کہ ثواب کے لئے بہت کم لوگ کرتے ہیں، اس لئے انعام دینے سے مال کی حفاظت ہو جائے گی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ ثواب کے لئے کم لوگ اتنی دور کی مسافت طے کر کے غلام کو لائیں گے، اس لئے حدیث ہی سے مزدوری متعین کر دی تاکہ لوگ خوشی سے لائیں، اور مالک کا غلام ضائع ہونے سے بچ جائے۔

لغت: حبیۃ: حساب سے مشتق ہے، مراد ہے ثواب۔

ترجمہ: ۴ اور یہ جو چالیس درہم متعین کیا یہ قول صحابی سے ہے، اور جو غلام بھٹک گیا ہے اس کے انعام کے بارے میں کوئی قول صحابی نہیں ہے، اس لئے اس بارے میں کوئی انعام متعین نہیں ہوگا۔ ایک بات اور ہے کہ بھاگے ہوئے غلام کی حفاظت مشکل ہے، کیونکہ وہ چھپتا ہے، اور بھٹکے ہوئے کی حفاظت اتنی مشکل نہیں ہے، کیونکہ وہ چھپتا نہیں ہے۔

۵. وَيُقَدَّرُ الرِّضْخُ فِي الرَّدِّ عَمَّا دُونَ السَّفَرِ بِاصْطِلَاحِهِمَا أَوْ يُفَوَّضُ إِلَى رَأْيِ الْقَاضِي وَقِيلَ تَقَسَّمُ
الْأَرْبَعُونَ عَلَى الْيَوْمِ الثَّلَاثَةِ إِذْ هِيَ أَقَلُّ مُدَّةِ السَّفَرِ.

(۲۹۶۲) قَالَ: وَإِنْ كَانَتْ قِيَمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ يُقْضَى لَهُ بِقِيَمَتِهِ إِلَّا دَرَهْمًا.

تشریح: اس عبارت میں بتانا چاہتے ہیں کہ بھٹکے ہوئے غلام کے لئے حدیث میں کوئی مزدوری متعین نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث اور قول صحابی کی وجہ سے بھاگے ہوئے غلام کی مزدوری متعین ہوئی ہے، اور بھٹکے ہوئے غلام کے بارے میں قول صحابی میں کوئی مزدوری متعین نہیں ہے اس لئے بھٹکے ہوئے غلام کو پکڑ کر لائے گا تو اس کو کوئی مزدوری نہیں ملے گی، ہاں مالک اور پانے والا دونوں راضی ہو کر کچھ طے کر لیں تو ہو جائے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بھاگنے والا چھپے گا اور دوبارہ بھاگنے کی کوشش کرے گا، اس لئے اس کو پکڑ کر لانا مشکل ہے اس لئے اس کی مزدوری حدیث میں متعین ہے۔ اور راستہ بھٹکنے والا نہ چھپے گا اور نہ بھاگے گا اس لئے اس کو لانا آسان ہے اس لئے اس کی مزدوری متعین نہیں ہے۔

ترجمہ: سفر سے کم کی مدت سے لایا تو مالک اور پانے والے رضامندی سے جو متعین ہو جائے، یا قاضی کی رائے پر سونپا جائے گا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چالیس درہم کو تین دن پر تقسیم کر دیں، کیونکہ کم سے کم مدت سفر تین دن ہیں۔

تشریح: تین دن کی مسافت سے غلام کو لایا تو چالیس درہم مزدوری ہے، لیکن اس سے کم کی مسافت سے لایا تو اس بارے میں تین رائے ہیں [۱] مالک اور لانے والا آپس میں جو رقم طے کر لیں وہ ملے گی [۲] قاضی جتنا دلوا دے وہ لے لے۔ [۳] اور تیسری رائے یہ ہے کہ سفر کی کم سے کم مدت تین دن کی ہے اس لئے چالیس کو تین دن پر تقسیم کر لیں اور ایک دن کے حساب سے 13.33 درہم دے دیں۔

وجہ: حساب سے دینے کا ذکر اس قول تابعی میں ہے۔ ان عمر بن عبد العزیز قضی فی یوم بدینار و فی یومین دینارین و فی ثلاثة ايام ثلاثة دنانیر فمأزاد علی الاربعة فلیس له الا اربعة (مصنف عبدالرزاق، باب الجعل فی الآبق ج ثامن ص ۱۶۰ نمبر ۱۳۹۹) اس اثر میں ایک دن کی مسافت سے لایا تو ایک دینار دینے کا فیصلہ کیا اور ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے۔ اس لئے چار دینار چالیس درہم کے ہوئے۔ اور دو دن کی مسافت سے لایا تو دو دینار ملیں گے۔ اور تین دن کی مسافت سے لایا تو تین دینار ملیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم کی مسافت سے لایا تو اسی کے حساب سے انعام دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۶۲) اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو لٹوانے والے کے لئے فیصلہ کریں گے اس کی قیمت کا مگر ایک درہم۔

تشریح: مثلاً غلام کی قیمت تیس درہم تھی اور واپس لانے والے نے تین دن کی مسافت سے واپس لایا ہے اس لئے اس کو چالیس درہم ملنے چاہئے۔ اب اگر مالک پر چالیس درہم لازم کرتے ہیں تو تیس درہم کے غلام کے بدلے چالیس درہم دینا پڑ رہا ہے جو

۱۔ قَالَ: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: لَهُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا، لِأَنَّ التَّقْدِيرَ بِهَا ثَبَتَ بِالنَّصِّ فَلَا يَنْقُصُ عَنْهَا وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ الصُّلْحُ عَلَى الزِّيَادَةِ، بِخِلَافِ الصُّلْحِ عَلَى الْأَقْلِ لِأَنَّهُ حَظٌّ مِنْهُ. ۲. وَلَمْ حَمْدٌ أَنَّ الْمَقْصُودَ حَمْلَ الْغَيْرِ عَلَى الرَّدِّ لِيَحْيَا مَالُ الْمَالِكِ فَيَنْقُصَ دِرْهَمٌ لِيَسْلَمَ لَهُ شَيْءٌ تَحْقِيقًا لِلْفَائِدَةِ، ۳. وَامَّا أُمُّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْقَنْنِ إِذَا كَانَ الرَّدُّ فِي حَيَاةِ الْمَوْلَى لِمَا فِيهِ مِنْ إِحْيَاءٍ مَلَكَهٖ، وَلَوْ رَدَّ بَعْدَ مَمَاتِهِ لَا جُعِلَ فِيهِمَا لِأَنَّهُمَا يُعْتَقَانِ بِالْمَوْتِ بِخِلَافِ الْقَنْنِ،

مالک پر بوجھ ہوگا۔ اس لئے غلام کی جتنی قیمت ہے اس سے ایک درہم کم کر کے فیصلہ کریں گے۔ مثلاً انتیس درہم دلوائیں گے تاکہ واپس لانے والے کو بھی مزدوری مل جائے اور مالک کو بھی غلام کی قیمت سے زیادہ بوجھ نہ پڑے بلکہ مالک کیلئے کچھ بچ جائے۔
ترجمہ: ۱۔ چالیس درہم سے کم ہونا یہ امام محمدؒ کی رائے ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ نے فرمایا لانے والے کو چالیس درہم ہی ملے گا اس لئے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے اس لئے اس سے کم نہیں ہوگا، اس لئے اس سے زیادہ پر صلح کرنا جائز نہیں ہے، بخلاف چالیس سے کم کرنے میں لانے والے کی جانب سے کم کرنا شمار کیا جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ چونکہ حدیث میں چالیس درہم مزدوری ہے، اس لئے مدت مسافت سے لائے گا تو غلام کی قیمت چاہے کم ہولانے والے کو چالیس دے ملے گا۔

وجہ: کیونکہ حدیث میں یہی مزدوری متعین ہے، یہی وجہ ہے کہ چالیس سے زیادہ پر صلح ہو جائے تو وہ جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں چالیس ہے۔ ہاں پکڑنے والا چالیس سے کم لے تو جائز ہے، کیونکہ یوں سمجھا جائے گا کہ پکڑنے والے نے اپنی جانب سے کم کر دیا ہے، جس کا اس کو اختیار ہے۔

ترجمہ: ۲۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پکڑنے والے کو لانے کی ترغیب دینا ہے تاکہ مالک کی چیز زندہ رہے اس لئے ایک درہم کم کیا جائے گا تاکہ مالک کے لئے بھی کچھ فائدہ ہو جائے۔

تشریح: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کی رعایت ہو جائے، لانے والے کو مزدوری ملے گی تو وہ خوشی سے لائے گا، اور مالک کو کچھ بچے گا تو وہ خوشی سے اپنی چیز لے گا، ورنہ اس کو گھانا ہوگا تو وہ خوشی سے اپنا غلام بھی نہیں لے گا۔

ترجمہ: ۳۔ اس بارے میں ام ولد اور مدبر کو لانا بھی خالص غلام کے حکم میں ہے اگر آقا کی زندگی میں لوٹائے اس لئے کہ اس کی ملکیت کو زندہ کرنا ہے، اور اگر آقا کی موت کے بعد واپس کیا تو لانے والے کو مزدوری نہیں ملے گی، اس لئے کہ آقا کی موت سے دونوں آزاد ہو گئے، بخلاف خالص غلام کے۔

تشریح: جو حکم خالص غلام کا ہے وہی حکم ام ولد، اور مدبر غلام کا بھی، البتہ یہ فرق ہوگا کہ آقا کی موت کے بعد لائے گا تو ام

۴ وَلَوْ كَانَ الرَّأْدُ أَبَا الْمَوْلَى أَوْ ابْنَهُ وَهُوَ فِي عِيَالِهِ أَوْ أَحَدَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخِرِ فَلَا جُعْلَ لَأَنَّ هَؤُلَاءِ يَتَبَرَّعُونَ بِالرَّدِّ عَادَةً وَلَا يَتَنَاولُهُمْ إِطْلَاقُ الْكِتَابِ.

(۲۹۶۷) قَالَ: وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الذِّى رَدَّهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ ۱ لَأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ لَكِنَّ هَذَا إِذَا أَشْهَدَ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي اللَّقْطَةِ.

ولد اور مدبر آزاد ہو چکا ہوگا، اس لئے لانے والے کو کوئی مزدوری نہیں ملے گی، اور خالص غلام کو لائے گا تو چونکہ وہ ابھی بھی غلام ہے اس لئے آقا کے وارث کی جانب سے مزدوری مل جائے گی۔۔۔ قن: خالص غلام۔

ترجمہ: ۴ اور اگر واپس لانے والا آقا کا باپ ہو، یا اس کا بیٹا ہو اور یہ دونوں مالک کی کفالت میں ہوں، یا واپس کرنے والا بیوی شوہر میں سے کوئی ایک ہو تو ان کو مزدوری نہیں ملے گی اس لئے کہ یہ لوگ عادی احسان کے طور پر واپس لا کر دیتے ہیں، اور مطلق مزدوری میں یہ لوگ شامل نہیں ہیں۔

تشریح: بیٹا اگر باپ کا خرچ برداشت کرتا ہے، اسی طرح باپ اگر اپنے بڑے بیٹے کا خرچ برداشت کرتا ہے، بیوی ہے اور شوہر ہے تو یہ لوگ بھاگے ہوئے غلام کو اپنی چیز سمجھ کر لاتے ہیں، اور احسان کے طور پر لاتے ہیں، اس لئے اگر ان لوگوں نے غلام کو لایا تو ان کو حدیث والی مزدوری نہیں ملے گی، ہاں مالک کچھ دے دے تو بہتر ہے۔

ترجمہ: (۲۹۶۷) اور اگر بھاگ گیا اس سے جو واپس لوٹا رہا تھا تو اس پر کچھ نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مزدوری ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ یہ غلام اس کے ہاتھ میں امانت ہے، لیکن یہ اس وقت ہے کہ اس نے غلام کو پکڑتے وقت لوٹانے پر گواہ بنایا ہو، جیسا کہ ہم نے کتاب اللقطہ میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: جو آدمی غلام کو واپس لا رہا تھا اس کے ہاتھ سے بھی غلام بھاگ گیا اور واپس لانے والے کے بغیر تعدی کے بھاگ گیا تو اس پر غلام کا ضمان نہیں ہے۔ لیکن اس کو مزدوری بھی نہیں ملے گی۔ کیونکہ اس نے واپس نہیں لایا تو مزدوری کیسی؟

وجہ: قول صحابی میں ہے۔ عن علی فی الرجل یجد الآبق فیأبق منه لا یضمنه وضمنه شریح و نحن نقول بقول علی ان كان الآبق ابق من دون تعدیه (سنن للبیہقی، باب الجعالة، ج ۳ ص ۳۳۰، نمبر ۱۲۱۲، مصنف عبدالرزاق، باب العبد الآبق یأبق من اخذه ج ۳ ص ۱۶۰ نمبر ۱۳۹۹) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ واپس لانے والے سے بھاگ جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ (۲) یہ غلام اس کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا، اور قاعدہ یہ ہے کہ امانت کی چیز بغیر تعدی نے کے ضائع ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

۲. قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسخ أَنَّهُ لَا شَيْءَ لَهُ، وَهُوَ صَحِيحٌ أَيْضًا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَائِعِ مِنَ الْمَالِكِ، وَلِهَذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ الْأَبْقَ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْجُعْلَ بِمَنْزِلَةِ الْبَائِعِ بِحَبْسِ الْمَبِيعِ لَا سِتِفَاءِ الثَّمَنِ، ۳. وَكَذَا إِذَا مَاتَ فِي يَدِهِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِمَا قُلْنَا.

(۲۹۶۸) قَالَ: وَلَوْ أَعْتَقَهُ الْمَوْلَى كَمَا لَقِيَهُ صَارَ قَابِضًا بِالْإِعْتِاقِ ۱. كَمَا فِي الْعَبْدِ الْمُشْتَرَى،

ترجمہ: ۲. بعض نسخے میں، لاشیء لہ، لکھا ہوا ہے [کہ غلام لانے والے کو کچھ نہیں ملے گا، یہ جملہ بھی صحیح ہے، اس لئے کہ یہ مالک سے بیچنے کے معنی میں ہے، اسی لئے مزدوری لینے کے لئے بھاگے ہوئے غلام کو روک سکتا ہے، جیسے کہ بائع قیمت لینے کے لئے بیع روک سکتا ہے۔

تشریح: بعض نسخے میں لاشیء لہ، لکھا ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پکڑ کر لانے والے کو کوئی مزدوری نہیں ملے گی، کیونکہ اس نے غلام لا کر نہیں دیا ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ غلام کو لا کر دینا ایسا ہے گویا کہ مالک سے غلام کو بیچا، تو جیسے قیمت لینے کے لئے بائع بیع روک سکتا ہے، اسی طرح مزدوری لینے کے لئے پکڑنے والا غلام کو روک سکتا ہے، لیکن یہاں غلام کے بھاگ جانے کی وجہ سے غلام ہی نہیں دے پایا تو اس کو مزدوری کیسے ملے گی۔

ترجمہ: ۳. اسی طرح اگر پکڑنے والے کے ہاتھ میں غلام مر گیا، تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور اس پر کچھ لازم بھی نہیں ہوگا، **تشریح:** پکڑنے والے کے ہاتھ میں غلام مر گیا جس کی وجہ سے غلام مالک کو نہیں دے سکا تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی، کیونکہ غلام نہیں دیا۔ اور اس پر کوئی ضمان بھی لازم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ غلام اس کے ہاتھ میں امانت تھا۔

ترجمہ: (۲۹۶۸) اگر غلام سے ملاقات ہوتے ہی غلام کو آزاد کر دیا تو آزاد کرنے کی وجہ سے آقا غلام پر قبضہ کرنے والا ہو گا [یعنی پکڑنے والے کو مزدوری ملے گی]

ترجمہ: ۱. جیسے کہ خریدے ہوئے غلام میں ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آزاد کرنا بھی غلام پر قبضہ سمجھا جائے گا۔

تشریح: پکڑ کر لانے والے نے غلام مالک کو دیا، اس نے ابھی قبضہ بھی نہیں کیا کہ اس نے آزاد کر دیا تو یہ آزاد کرنا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اس پر لانے کی مزدوری لازم ہوگی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلاً زید نے عمر سے غلام بیچا، ابھی عمر نے اس پر قبضہ بھی نہیں کیا کہ اس نے آزاد کر دیا، تو اس سے عمر کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اس پر غلام کی قیمت لازم ہوگی، اسی طرح مالک کے آزاد کرنے سے اس کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اس پر لانے کی مزدوری لازم ہوگی۔

۲. وَكَذَا إِذَا بَاعَهُ مِنَ الرَّادِّ لِسَلَامَةِ الْبَدَلِ لَهُ، وَالرَّادُّ وَإِنْ كَانَ لَهُ حُكْمُ الْبَيْعِ. لَكِنَّهُ يَبْعُ مِنْ وَجْهِ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ النَّهْيِ الْوَارِدِ عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ فَجَازَ.

(۲۹۶۹) قَالَ: وَيَنْبَغِي إِذَا أَخَذَهُ أَنْ يُشْهَدَ أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِرُدِّهِ ۱. فَالْإِشْهَادُ حَتْمٌ عَلَيْهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، حَتَّى لَوْ رَدَّهٖ مِنْ لَمْ يُشْهَدَ وَقَدْ أَخَذَ لَا جُعْلَ لَهُ عِنْدَهُمَا لِأَنَّ تَرْكَ الْإِشْهَادِ أَمَارَةٌ أَنَّهُ أَخَذَهُ لِنَفْسِهِ.

ترجمہ: ۲. ایسے ہی لوٹانے والے کے ہاتھ میں بیچ دیا تو غلام پر قبضہ کرنے والا ہو جائے گا اس لئے کہ مالک کے لئے شمن محفوظ رہ گئی۔

تشریح: زید نے غلام کو پکڑ کر عمر مالک کو دیا، اس نے قبضہ کرنے سے پہلے زید ہی کے ہاتھ میں بیچ دیا تو اس سے بھی یہ سمجھا جائے گا کہ عمر نے غلام پر قبضہ کر لیا، اس لئے اس پر مزدوری لازم ہو جائے گی، کیونکہ غلام کے بدلے میں عمر کو غلام کی قیمت مل گئی۔

ترجمہ: ۳. اور لوٹے کا حکم بیچ کی طرح ہے لیکن من وجہ بیچ ہے، اس لئے بیچ پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا جو منع کیا گیا ہے اس ممانعت میں یہ داخل نہیں ہوگا۔ اس لئے پکڑنے والے سے بیچنا جائز ہے۔

تشریح: یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ بیچ پر قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا جائز نہیں ہے، اور پہلے کہا گیا کہ لانے والے نے جو مالک کو دیا تو گویا کہ اس نے مالک کو بیچا ہے، اب دوبارہ مالک نے قبضہ کرنے سے پہلے لانے والے کے ہاتھ میں بیچا تو غلام پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچا تو یہ کیسے جائز ہوا؟ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ لانے والا جو مالک کے ہاتھ میں دے رہا ہے یہ پورے طور پر بیچ نہیں ہے، من وجہ بیچ ہے، اس لئے حدیث میں جو ممانعت ہے اس میں داخل نہیں ہوگا، اور مالک کا لانے والے کے ہاتھ میں بیچنا جائز ہوگا

ترجمہ: (۲۷۶۹) اور مناسب ہے کہ گواہ بنائے جب غلام کو لے کہ اس کو پکڑا ہے تاکہ اس کے مالک کو لوٹائے۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک پکڑنے پر گواہ بنانا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ پکڑتے وقت گواہ نہیں بنایا تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی، کیونکہ گواہ بنانے کو چھوڑنا اپنے لئے پکڑنے کی دلیل ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ کہ غلام کو پکڑتے وقت واجب ہے کہ گواہ بنائے کہ میں اس کو مالک کی طرف لوٹانے کے لئے پکڑ رہا ہوں تب ہی پکڑنے والے کو مزدوری ملے گی، اگر اس نے گواہ نہیں بنایا تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی۔

وجہ: گواہ بنانے سے یہ تہمت نہیں رہے گی کہ اس نے اپنے لئے پکڑا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مزدوری کا مستحق ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر اپنے لئے پکڑا ہو تو پکڑنے والا مزدوری کا مستحق نہیں ہوگا۔

۲. وَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَاهُ مِنَ الْآخِذِ أَوْ اتَّهَبَهُ أَوْ وَرِثَهُ فَرَدَّهُ عَلَى مَوْلَاهُ لَا جُعْلَ لَهُ لِأَنَّهُ رَدَّهُ لِنَفْسِهِ، إِلَّا إِذَا أَشْهَدَ أَنَّهُ اشْتَرَاهُ لِيَرُدَّهُ فَيَكُونُ لَهُ الْجُعْلُ وَهُوَ مُتَبَرِّعٌ فِي أَدَاءِ الثَّمَنِ.

(۲۹۷۰) وَإِنْ كَانَ الْآبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ ۱. لِأَنَّهُ أَحْيَا مَالِيَّتَهُ بِالرَّدِّ وَهِيَ حَقُّهُ، إِذِ الْاِسْتِيفَاءُ مِنْهَا وَالْجُعْلُ بِمُقَابَلَةِ أَحْيَاءِ الْمَالِيَّةِ فَيَكُونُ عَلَيْهِ،

ترجمہ: ۲. اور ایسا ہو گیا کہ لوٹانے والے نے غلام کو پکڑنے والے سے خریدا، یا اس سے ہبہ میں وصول کیا، یا اس سے وراثت میں ملا اور پھر آقا کے پاس لایا تو لوٹانے والے کو مزدوری نہیں ملے گی، اس لئے کہ اپنے لئے لیا ہے، لیکن اگر خریدتے وقت گواہ بنالیا کہ مالک کے پاس لوٹانے کے لئے خرید رہا ہوں تو لوٹانے والے کو مزدوری ملے گی، اور لوٹانے والے مالک قیمت دے یا اس کا احسان ہوگا [کیونکہ مالک نے خریدنے کا حکم نہیں دیا تھا]

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ لوٹانے والا اپنے لئے خریدا ہو، یا لیا ہو تو اس کو مزدوری نہیں ملے گی۔

تشریح: مثلاً عمر کا غلام بھاگ گیا تھا، اس کو خالد نے پکڑا، بعد میں زید نے خالد سے اس غلام کو خرید لیا، یا ہبہ کے طور پر وصول کر لیا، یا اس سے وراثت میں لے لیا، اس کے بعد زید اس غلام کو عمر کے پاس لایا تو زید کو لانے کی مزدوری نہیں ملے گی، کیونکہ اپنے لئے اس نے خریدا ہے، لیکن اگر خریدتے وقت زید نے کسی کو گواہ بنایا کہ میں اس کو عمر کی طرف لوٹانے کے لئے خرید رہا ہوں تو اس کو مزدوری ملے گی، کیونکہ اس صورت میں عمر ہی کے لئے خریدا ہے۔ خریدنے کی صورت میں زید عمر سے غلام کی قیمت لینا چاہے تو نہیں لے سکے گا، کیونکہ عمر نے زید کو خریدنے کے لئے نہیں کہا تھا، اور زید عمر کا وکیل نہیں ہے، ہاں عمر زید کو غلام کی قیمت دے دے تو یہ عمر کا احسان ہوگا۔ اتہبہ: ہبہ کے طور پر وصول کیا ہو۔

ترجمہ: (۲۹۷۰) پس اگر بھاگنے والا غلام رہن پر ہو تو مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ غلام کو لوٹا کر اس کی مالیت کو زندہ کیا، اور یہی غلام مرتہن کا حق تھا اس لئے کہ وصول کرنا اسی کا حق تھا، اور مزدوری مالیت کے زندہ کرنے کے مقابلے میں ہوتی ہے اس لئے مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

لغت: مثلاً زید نے ایک ہزار درہم عمر سے قرض لیا، اور قرض کے بدلے میں خالد غلام کو رہن پر رکھا تو زید راہن ہوا، اور عمر مرتہن ہوا، اور غلام رہن پر ہوا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غلام میں دو آدمیوں کا حق ہے، تو جس کا حق جتنا ہوگا، اسی حساب سے اس پر مزدوری ہوگی، مثلاً زید کا ایک حصہ ہے اور عمر کا دو حصہ غلام میں ہے تو زید پر ایک حصہ مزدوری ہوگی، اور عمر پر دو حصہ ہوگی۔

تشریح: عمر نے خالد کے پاس ایک ہزار درہم کے بدلے غلام رہن پر رکھا، غلام بھاگ گیا، اب زید وہ غلام لیکر آیا تو لانے

۲ وَالرُّدُّ فِي حَيَاةِ الرَّاهِنِ وَبَعْدَهُ سَوَاءٌ، لِأَنَّ الرَّهْنَ لَا يَبْطُلُ بِالْمَوْتِ، ۳ وَهَذَا إِذَا كَانَتْ قِيَمَتُهُ مِثْلَ الدِّينِ أَوْ أَقَلَّ مِنْهُ، فَإِنْ كَانَتْ أَكْثَرَ فَيَقْدَرُ الدِّينُ عَلَيْهِ وَالْبَاقِي عَلَى الرَّاهِنِ لِأَنَّ حَقَّهُ بِالْقَدْرِ الْمَضْمُونِ فَصَارَ كَشَمَنِ الدَّوَاءِ وَتَخْلِيصُهُ عَنِ الْجَنَائَةِ بِالْفِدَاءِ، ۴ وَإِنْ كَانَ مَذْيُونًا فَعَلَى الْمَوْلَى إِنْ اخْتَارَ قَضَاءَ الدِّينِ، وَإِنْ بَاعَ بُدِءَ بِالْجُعْلِ وَالْبَاقِي لِلْغَرَمَاءِ لِأَنَّهُ مُؤَنَّةُ الْمَلِكِ وَالْمَلِكُ فِيهِ كَالْمَوْقُوفِ فَتَجِبُ

کی مزدوری خالد مرتہن پر ہوگی۔

وجہ: (۱) مرتہن یعنی جس کے پاس غلام رہن پر رکھا ہوا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ غلام کو حفاظت سے رکھے۔ اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی (۲) مرتہن کا مال پھنسا ہوا ہے اور غلام واپس کر کے اس کے مال کو بچایا اس لئے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی۔ کیونکہ لانے والے نے اس کے حق کو زندہ کیا ہے۔

اصول: جس پر حفاظت لازم ہے اس پر مزدوری ہوگی۔

ترجمہ: ۲: راہن کی زندگی میں غلام واپس کرے یا اسکے مرنے کے بعد دونوں کا حکم برابر ہے اسلئے کہ راہن کی موت سے رہن ختم نہیں ہوتا۔

تشریح: راہن کی موت کے بعد غلام کو واپس کیا تب بھی مزدوری مرتہن ہی پر ہوگی، کیونکہ راہن کی موت کے بعد بھی رہن کا معاملہ باقی ہے اس لئے مزدوری مرتہن ہی پر ہی ہوگی۔

ترجمہ: ۳: اور یہ جو مسئلہ گزرا کہ پوری مزدوری مرتہن پر ہوگی اس وقت ہے جبکہ غلام کی قیمت قرض کے برابر ہو، یا قرض سے کم ہو، اور اگر غلام کی قیمت قرض سے زیادہ ہو، تو قرض کی مقدار مرتہن پر مزدوری ہوگی، اور باقی مزدوری راہن پر ہوگی اس لئے کہ مرتہن کا حق قرض کے برابر ہی ہے، اور ایسا ہو گیا جیسا کہ، غلام کی دوائی کی قیمت، اور غلام کو جنایت سے نکالنے کی ذمہ داری [جتنا جس کا حق ہوتا ہے، اسی حساب سے دوائی کی قیمت دینی پڑتی ہے، یا جرمانے کی ادائیگی لازم ہوتی ہے]

تشریح: مثلاً عمر کے غلام کی قیمت پندرہ سو تھی، اور زید سے ایک ہزار درہم قرض لیا، اور غلام رہن پر رکھ دیا، تو یہاں ایک ہزار کی ذمہ داری زید کی ہے، اور پانچ سو کی ذمہ داری عمر کی ہے، اور مزدوری پندرہ درہم آئی تو دس درہم زید سے لی جائے گی اور پانچ درہم عمر دے گا۔ کیونکہ اس وقت عمر کی ذمہ داری ایک تہائی ہی تھی۔ اسکی دو مثال دیتے ہیں [۱] غلام بیمار ہوا اور اسکی دوائی کا خرچ پندرہ درہم آیا تو پانچ درہم عمر پر ہوگا، اور دس درہم زید پر ہوگا۔ [۲] غلام نے جرم کیا اور اس پر پندرہ سو درہم جرمانہ آیا تو پانچ سو درہم عمر دے گا، اور ایک ہزار درہم زید جرمانے کے طور پر دے گا، حاصل یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اسی حساب سے اس کی مزدوری لازم کی جائے گی۔

ترجمہ: ۴: اور اگر غلام پر قرض ہے، پس اگر آقا قرض ادا کر کے اپنے پاس رکھنا چاہے تو پوری مزدوری آقا پر ہوگی۔]

عَلَى مَنْ يَسْتَقِرُّ لَهُ، ۵. وَإِنْ كَانَ جَانِبًا فَعَلَى الْمَوْلَى إِنْ اخْتَارَ الْفِدَاءَ لِعَوْدِ الْمَنْفَعَةِ إِلَيْهِ، وَعَلَى الْأُولِيَاءِ إِنْ اخْتَارَ الدَّفْعَ لِعَوْدِهَا إِلَيْهِمْ، ۶. وَإِنْ كَانَ مُوْهُوبًا فَعَلَى الْمُوْهُوبِ لَهُ، وَإِنْ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي هَبَّتِهِ بَعْدَ الرَّدِّ لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لِلْوَاهِبِ مَا حَصَلَتْ بِالرَّدِّ بَلْ بَتَرَكَ الْمُوْهُوبُ لَهُ التَّصَرُّفَ فِيهِ بَعْدَ الرَّدِّ،

کیونکہ اب غلام صرف اسی کا ہے۔ اور اگر غلام قرض میں بک گیا تو پہلے مزدوری نکالی جائے گی، اور جو باقی بچے گا وہ قرض والوں کا ہوگا، اس لئے کہ یہ مزدوری ملکیت بچانے کا خرچ ہے، اس لئے جسکی ملکیت ہوگی اسی پر یہ خرچ لازم ہوگا۔

تشریح: یہ مسئلہ غلام کے رہن کا نہیں ہے بلکہ اس سے ذرا ہٹ کر ہے۔ غلام پر اتنا قرض ہے کہ اسکی پوری قیمت اس میں چلی جائے گی، ایسا غلام بھاگ گیا، تو اگر آقا اس قرض کو ادا کر کے غلام کو لے گا تو مزدوری آقا پر ہوگی، کیونکہ غلام اسی کا رہا، اور اگر غلام بک گیا تو اس کی قیمت میں سے پہلے مزدوری نکالی جائے گی، اور جو بچے گی وہ رقم قرض دینے والوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔
وجہ: مزدوری غلام کو بچانے کا خرچ ہے، اس لئے غلام کی قیمت سے پہلے مزدوری نکالی جائے گی، اس کے بعد قرض خواہوں میں رقم تقسیم ہوگی۔

لغت: بدیء: شروع کی جائے گی۔ غرماء: قرض دینے والے۔ مؤنۃ الملک: ملکیت کو بچانے کا خرچ۔ من یستقر: جس کی ملکیت ہوگی، خرچ اسی پر آئے گا۔

ترجمہ: ۵. اگر غلام نے جرم کیا اور آقا فدیہ دیکر غلام کو چھڑانا چاہے تو یہ مزدوری آقا پر ہوگی، اس لئے کہ مزدوری کا نفع آقا کی طرف لوٹے گی۔ اور اگر غلام جرم کے ویوں کو دے دیا تو یہ مزدوری ویوں پر ہوگی، کیونکہ نفع ویوں کی طرف چلا گیا ہے۔
تشریح: بھاگے ہوئے غلام نے قتل خطا کی تھی، جس کی وجہ سے اس پر دیت لازم تھی، اب آقا اس کی دیت ادا کر کے غلام کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو غلام لانے کی مزدوری آقا پر ہوگی، کیونکہ غلام ابھی اسی کا ہے۔ اور اگر اس نے مقتول کے ورثہ کو دے دیا کہ تم لوگ اس کو بیچ کر دیت کی رقم وصول کر لو تو یہ مزدوری ورثہ پر ہوگی، کیونکہ ابھی غلام انہیں لوگوں کا ہے۔

ترجمہ: ۶. اور اگر غلام کو کسی کے لئے ہبہ کر دیا ہے تو لانے کی مزدوری اس سے لی جائے گی جس کو ہبہ کیا ہو۔ اور بعد میں ہبہ کرنے والے نے ہبہ واپس لے لیا ہو تب بھی اس پر مزدوری نہیں ہوگی، کیونکہ ابھی واپس کرنے سے واہب کو کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ غلام واپس آنے کے بعد موہوب لہ نے اس غلام میں تصرف نہیں کیا اس لئے واہب کے پاس واپس آیا ہے۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ عمر نے زید کو غلام ہبہ کر دیا، اب غلام بھاگ گیا تو اسکو واپس لانے کی مزدوری زید پر ہوگی۔

وجہ: مزدوری دیتے وقت یہ غلام زید کا ہے، اس لئے زید موہوب لہ ہی پر اس کی مزدوری ہوگی۔ اور بعد میں عمر نے زید سے غلام واپس لے لیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زید نے غلام کو بچا نہیں، اور اپنی ملکیت سے ہٹایا نہیں تو عمر کو اپنا غلام واپس لینے کا حق مل

۷. وَإِنْ كَانَ لَصَبِيٍّ فَالْجُعْلُ فِي مَالِهِ لِأَنَّهُ مُؤَنَّةٌ مِلْكِهِ، ۸. وَإِنْ رَدَّهُ وَصِيَّهُ فَلَا جُعْلَ لَهُ لِأَنَّهُ هُوَ الَّذِي يَتَوَلَّى الرَّدَّ فِيهِ.

گیا، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ شیء موہوب اپنی ملکیت سے ختم کر دے تو واہب اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے، یہاں زید نے اپنی ملکیت سے ختم نہیں کیا اس لئے یہ غلام عمر واہب کی طرف واپس آ گیا۔ اس میں واہب کو مزید کوئی چیز نہیں ملی بلکہ پہلے والا غلام ہی ملا ہے۔ اس لئے مزدوری عمر واہب پر نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۷. اور اگر یہ غلام بچے کا تھا تو اس کی مزدوری بھی بچے کے مال میں لازم ہوگی، اس لئے کہ اس کی ملکیت کا خرچ ہے۔

تشریح: بھاگا ہوا غلام نابالغ بچے کا تھا تو مزدوری اسی کے مال سے دیا جائے گا، کیونکہ یہ غلام اسی کا ہے۔ اور یہ بچے کے نقصان کی چیز نہیں ہے اس لئے دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۸. اور اگر بچے کے وصی نے غلام کو واپس لایا تو وصی کو مزدوری نہیں ملے گی اس لئے کہ غلام کو واپس لانے کی ذمہ داری وصی ہی کی تھی [اس لئے کہ اس نے اپنا فرض پورا کیا اس لئے اس کو مزدوری نہیں ملے گی]

تشریح: واضح ہے۔

﴿کِتَابُ الْمَفْقُودِ﴾

(۲۹۷۱) إِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرِفْ لَهُ مَوْضِعَ وَلَا يُعْلَمُ أَحَدٌ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِي مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُومُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِي حَقَّهُ ۚ لِأَنَّ الْقَاضِي نَصَبَ نَاطِرًا لِكُلِّ عَاجِزٍ عَنِ النَّظَرِ لِنَفْسِهِ وَالْمَفْقُودُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ وَصَارَ كَالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ، وَفِي نَصَبِ الْحَافِظِ لِمَالِهِ وَالْقَائِمِ عَلَيْهِ نَظَرٌ لَهُ.

﴿کِتَابُ الْمَفْقُودِ﴾

ضروری نوٹ: کوئی آدمی گھر سے بالکل غائب ہو جائے تو اس کو مفقود کہتے ہیں۔ اس کی بیوی اور اس کے مال کے کیا احکام ہیں اس کے بارے میں اس باب میں بیان ہے۔

وجہ: اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها الخبر (دارقطني، کتب النکاح ج ثالث ص ۲۱۷ نمبر ۳۸۰ سنن للبیہقی، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها یقین وفاته، ج سابع، ص ۷۳۱، نمبر ۱۵۵۶۵) اس حدیث سے مفقود کا ثبوت بھی ہوا اور اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ موت کے یقین ہونے سے پہلے وہ مفقود کی بیوی ہے۔

ترجمہ: (۲۹۷۱) اگر آدمی غائب ہو جائے اور اس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو، اور نہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مردہ تو متعین کرے گا قاضی کسی شخص کو جو اس کے مال کی حفاظت کرے اور انتظام رکھے۔

ترجمہ: اس لئے کہ قاضی ہر اس عاجز کی دیکھ بھال کے متعین کیا گیا ہے جو خود دیکھ بھال نہیں کر سکتا ہو، اور مفقود کا حال اسی انداز کا ہے، اور یہ مفقود بچے اور مجنون کی طرح ہو گیا،، اور اس کے مال کی حفاظت کرنے اور اس کی دیکھ بھال کرنے والے کو متعین کرنے میں اسی مفقود کا فائدہ ہے

تشریح: کوئی آدمی اس طرح غائب ہو گیا کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو اب قاضی کسی آدمی کو متعین کرے تاکہ وہ تین کام کرے [۱] اس کے مال کی حفاظت کرے [۲] اور اس کی نگرانی کرے [۳] اور اس کا کہیں حق لگتا ہو تو اس کو وصول کرے۔ ایسے آدمی کو وصی، کہا جاتا ہے۔

وجہ: ایسے آدمی کے لئے قاضی ہی منتظم ہوتا ہے۔ اس لئے قاضی ہی کسی آدمی کو متعین کرے گا تاکہ اس کے مال کی حفاظت کرے۔

۲ وَقَوْلُهُ يَسْتَوْفِي حَقَّهُ لِإخْفَاءِ أَنَّهُ يَقْبِضُ غَلَاتِهِ وَالَّذِينَ الَّذِينَ أَقْرَبَ بِهِ غَرِيمٍ مِنْ غُرْمَائِهِ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ، وَيُخَاصِمُ فِي دَيْنٍ وَجَبَ بَعْقِدِهِ لِأَنَّهُ أَصِيلٌ فِي حُقُوقِهِ، ۳ وَلَا يُخَاصِمُ فِي الَّذِي تَوَلَّاهُ الْمَفْقُودُ وَلَا فِي نَصِيبٍ لَهُ فِي عَقَارٍ أَوْ عُرُوضٍ فِي يَدِ رَجُلٍ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِكٍ وَلَا نَائِبٍ عَنْهُ إِنَّمَا هُوَ كَيْلٌ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْقَاضِي وَأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْخُصُومَةَ بِلَا خِلَافٍ،

ترجمہ: ۲: متن میں ہے کہ مفقود کے حقوق کو وصول کرے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مفقود کے غلے پر قبضہ کرے گا، کسے قرض لینے والے نے قرض لینے کا اقرار کیا تو وہ وصول کرے گا، اس لئے کہ یہ بھی حفاظت میں سے ہے، وصی نے کوئی عقد کیا ہے جس کی وجہ سے قرض ہوا ہے اس میں بھی وصی مقدمہ دائر کرے گا، کیونکہ وصی اس بارے میں اصيل ہے۔

اصول: یہاں چھ مسئلے ہیں، جو ایک اصول پر مبنی ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ، غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے وصی کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا جس میں مفقود جو غائب ہے اس پر فیصلہ ہو سکے۔ البتہ ایسا کام کر سکتا ہے، جس میں مفقود پر قضاء نہ ہو۔
اصول: قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے۔

وجہ: عن علی قال فاذا جلس بين يدىك الخصمان فلا تقضين حتى تسمع كلام الآخر كما سمعت من الاول فانه احرى ان يتبين لك القضاء۔ (ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۵۱۲، نمبر ۳۵۸۲) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے کے کلام کو سن کر فیصلہ کریں، جس سے معلوم ہوا کہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: متن میں ہے کہ یستوفی حقہ، کہ مفقود کے حق کو وصول کر سکتا ہے۔ یہاں تین مسئلے وہ ہیں جن کو وصی کر سکتا ہے [۱] مفقود کی زمین ہے، جس سے غلہ آ رہا تھا تو وصی اس غلے کو وصول کر سکتا ہے۔ [۲] کسی قرض لینے والے نے یہ اقرار کیا کہ میرے اوپر مفقود کا قرض ہے، تو وصی اس قرض کو وصول کر سکتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں مسئلوں میں نالش کرنے اور قضاء علی الغائب کی ضرورت نہیں پڑتی ہے [۳] وصی نے کوئی ایسا عقد کیا جس کی وجہ قرض ہوا تو وصی اس کو مقدمہ کر کے بھی وصول کر سکتا ہے، کیونکہ یہاں خود وصی پر مقدمہ ہوگا اور خود وصی پر فیصلہ ہوگا جو حاضر ہے، قضاء علی الغائب کی صورت نہیں ہے، اس لئے وصی یہ سب کام کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳: اور جس قرضہ کا ذمہ خود مفقود ہوا ہو اس بارے میں وصی مختصم نہیں کر سکتا، اور مفقود کا کوئی حصہ زمین میں ہو، یا کسی آدمی کے قبضے میں مفقود کا سامان ہو تو اس بارے میں بھی وصی مختصم نہیں کر سکتا، اس لئے کہ وصی نہ مالک ہے اور نہ نائب ہے، وہ توقاضی کی جانب سے قبضہ کرنے کا وکیل ہے، اور قبضہ کرنے کا وکیل مقدمہ دائر کرنے کا اہل نہیں ہوتا۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تشریح: یہاں تین مسئلے ہیں جن میں مفقود کے خلاف فیصلہ ہوگا جو غائب ہے اس لئے وصی یہ کام نہیں کر سکتا۔ [۱] خود مفقود

۴. إِنَّمَا الْخِلَافُ فِي الْوَكِيلِ بِالْقَبْضِ مِنْ جِهَةِ الْمَالِكِ فِي الدَّيْنِ، ۵. وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يَتَضَمَّنُ الْحُكْمَ بِهِ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ، وَأَنَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا إِذَا رَأَاهُ الْقَاضِي وَقَضَى بِهِ لَأَنَّهُ مُجْتَهِدٌ فِيهِ، ۶. ثُمَّ مَا كَانَ يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادَ يَبِيعُهُ الْقَاضِي لَأَنَّهُ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ حِفْظُ صُورَتِهِ وَمَعْنَاهُ فَيَنْظُرُ لَهُ بِحِفْظِ الْمَعْنَى (۲۹۷۲) وَلَا يَبِيعُ مَا لَا يَخَافُ عَلَيْهِ الْفَسَادُ فِي نَفَقَةٍ وَلَا غَيْرِهَا،

نے کسی قرض کی ذمہ داری لی ہے، تو وصی اس کے بارے میں مختصم نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ قضاء علی الغائب ہو جائے گا۔ [۲] مفقود کا کسی زمین میں حصہ ہے تو وصی اس کے بارے میں مختصم نہیں کر سکتا [۳] کسی آدمی کے قبضے میں مفقود کا سامان ہے تو وصی اس کے بارے میں مختصم نہیں کر سکتا، کیونکہ یہاں بھی قضاء علی الغائب ہے، اور وصی کی حالت یہ ہے کہ یہ قاضی کی جانب سے مفقود کے قرض وصول کرنے کا وکیل ہے، قاضی سے مختصم کرنے کا وکیل نہیں ہے، اور اوپر کی ان تین چیزوں میں مختصم کرنا پڑتا ہے اس لئے وصی یہ تینوں کام نہیں کر سکتا۔

ترجمہ: ۴. مالک نے قرض پر قبضے کا وکیل بنایا تو اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مختصم کر سکتا ہے یا نہیں۔

تشریح: یہاں ایک الگ مسئلہ ہے جو کتاب الوکالت کا ہے، کہ مالک نے زید کو قرض وصول کرنے کا وکیل بنایا تو وہ اس کو وصول کرنے کے لئے مقدمہ کر سکتا ہے یا نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقدمہ دائر کر سکتا ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک مقدمہ دائر کر کے قرض وصول نہیں کر سکتا، تاہم یہاں موکل حاضر ہے اس لئے قضاء علی الغائب نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵. جب بات یہ ہے کہ قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے، اور اوپر کے تین معاملے قضاء علی الغائب پر شامل ہیں اس لئے وصی کو یہ تین کام کرنا جائز نہیں ہوگا، لیکن قاضی اس کام کرنے میں مناسب سمجھے اور ان کاموں کو کرنے کا فیصلہ کرے تو کر سکتا ہے، کیونکہ یہ معاملہ مجتہد فیہ ہے۔

تشریح: اوپر کے تینوں مسئلوں میں قضاء علی الغائب ہے اس لئے وصی ان کاموں کو نہیں کر سکتا، لیکن اگر قاضی ان کاموں کو کرنے کا فیصلہ کر دے تو ایسا کر سکتا ہے، کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے قاضی اپنی اجتہاد سے فیصلہ کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۶. جو چیزیں خراب ہونے کے قابل ہوں قاضی اسکو بیچے گا کیونکہ صورت میں اس کی حفاظت ناممکن ہو گیا تو اب اس کی قیمت جمع کر کے معنوی طور پر حفاظت کرے گا۔

تشریح: مفقود کی جو چیزیں خراب ہونے کے قابل ہوں قاضی ان چیزوں کو بیچ کر اس کی قیمت جمع کرے گا تاکہ چیز کی حفاظت نہ ہو سکے تو اس کی قیمت کی حفاظت کرے گا۔

ترجمہ: (۲۹۷۲) جو چیزیں خراب ہونے والی نہ ہوں اس کو نفقہ یا اس کے علاوہ میں بیچ نہیں سکتا۔

۱۔ لَآئِنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْغَائِبِ إِلَّا فِي حِفْظِ مَالِهِ فَلَا يَسْوَغُ لَهُ تَرْكُ حِفْظِ الشُّورَةِ وَهُوَ مُمَكِّنٌ.
(۲۹۷۳) قَالَ: وَيُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ مِنْ مَالِهِ ۱. وَلَيْسَ هَذَا الْحُكْمُ مَقْصُورًا عَلَى الْأَوْلَادِ
بَلْ يَنْفِقُ عَلَى جَمِيعِ قَرَابَةِ الْوَلَادِ. ۲. وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَنْ يَسْتَحِقُّ النِّفْقَةَ فِي مَالِهِ حَالِ حَضْرَتِهِ بِغَيْرِ قَضَاءِ
الْقَاضِي يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ عِنْدَ غَيْبَتِهِ لِأَنَّ الْقَضَاءَ حِينَئِذٍ يَكُونُ إِعَانَةً، وَكُلُّ مَنْ لَا يَسْتَحِقُّهَا فِي
حَضْرَتِهِ إِلَّا بِالْقَضَاءِ لَا يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ فِي غَيْبَتِهِ لِأَنَّ النِّفْقَةَ حِينَئِذٍ تَجِبُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَضَاءُ عَلَى

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ صورت کے طور پر ہی غائب کے مال کی حفاظت ضروری ہے، اس لئے جب تک ممکن ہو صورت کی حفاظت نہیں چھوڑ سکتا۔

تشریح: جو چیز خراب نہیں ہو سکتی ہو اور اس کو صورت کے طور پر حفاظت کرنا ممکن ہو تو اس کو قاضی نہ نفقہ میں بیچ سکتا ہے اور نہ اس کے علاوہ میں بیچ سکتا ہے۔

وجہ: قاضی پر ضروری ہے کہ جہاں تک ہو سکے صورت کے اعتبار سے اس کی حفاظت کرے۔

ترجمہ: (۲۹۷۳) اور خرچ کرے گا اس کی بیوی پر اور اس کے چھوٹے بچوں پر اس کے مال میں سے۔

تشریح: مفقود کا جو مال ہے وہ مال اس کی بیوی اور اس کے چھوٹی اولاد پر وصی خرچ کرے گا۔

وجہ: (۱) اس لئے کہ بیوی مفقود کے لئے محبوب ہے۔ اور چھوٹی اولاد کا خرچ بھی ابھی اس کے ذمے ہے۔ اس لئے ان لوگوں پر مفقود کے مال سے خرچ کیا جائے گا (۲) قول صحابی میں ہے۔ عن ابن عباس وابن عمر تذاکرا امرأة المفقود فقالا تربص بنفسها اربع سنين ثم تعتد عدة الوفاة ثم ذكروا النفقة فقال ابن عمر لها نفقتها لحبسها نفسها عليه۔ (سنن للبیہقی، باب من قال تنظر اربع سنين ثم اربعة اشهر وعشرا ثم تحل، ج ۳ ص ۳۳، نمبر ۱۵۵۶۹ / مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يغيب عن امرأته فلا ينفق عليها، ج ۳ ص ۷۰، نمبر ۱۲۳۹۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی پر خرچ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱۔ یہ حکم اولاد کے نفقے پر منحصر نہیں ہے بلکہ ولادت کی تمام رشتہ داری پر عام ہے۔

تشریح: ولادت کی رشتہ داری کا مطلب یہ ہے کہ نیچے میں بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، اوپر میں ماں، باپ، دادا، اور دادی، یہ سب ولادت کی رشتہ داری ہے، کیونکہ ان میں پیدا ہونے کی وجہ سے رشتہ داری ہے، اور ان لوگوں کا نفقہ مفقود کے مال میں ہے۔

ترجمہ: ۲۔ اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ قاضی کے فیصلے کے بغیر مفقود کی حاضری میں نفقہ کا مستحق ہے تو مفقود کی غیر حاضری میں بھی ان پر خرچ کیا جائے گا، اس لئے کہ یہاں قضاء کا مطلب اس کی مدد ہے [قضاء علی الغائب نہیں ہے]، اور جو لوگ

الْغَائِبِ مُمْتَنِعٌ. فَمِنْ الْأَوَّلِ الْأَوْلَادُ الصَّغَارُ وَالْإِنَاثُ مِنَ الْكِبَارِ وَالزَّمْنِيُّ مِنَ الذُّكُورِ الْكِبَارِ، وَمِنْ الثَّانِي الْأَخُ وَالْأُخْتُ وَالْخَالَ وَالْخَالَةُ. ۳ وَقَوْلُهُ مِنْ مَالِهِ مُرَادُهُ الدَّرَاهِمُ وَالْذَّنَانِيرُ لِأَنَّ حَقَّهُمْ فِي الْمَطْعُومِ وَالْمَلْبُوسِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ فِي مَالِهِ يَحْتَاجُ إِلَى الْقَضَاءِ بِالْقِيمَةِ وَهِيَ النِّقْدَانِ وَالنَّبْرُ بِمَنْزِلَتِهِمَا فِي هَذَا الْحُكْمِ لِأَنَّهُ يَصْلَحُ قِيمَةً كَالْمَضْرُوبِ، ۴ وَهَذَا إِذَا كَانَتْ فِي يَدِ الْقَاضِي، فَإِنْ كَانَتْ وَدِيعَةً أَوْ دَيْنًا يُنْفَقُ عَلَيْهِمْ مِنْهُمَا إِذَا كَانَ الْمُودِعُ وَالْمَدْيُونُ مُقَرَّرَيْنِ بِالذَّيْنِ الْوَدِيعَةِ وَالنِّكَاحِ

مفقود کی حاضری میں قضاء کے بغیر نفقہ کا مستحق نہیں ہے، تو مفقود کی غیر حاضری میں ان پر خرچ نہیں کیا جائے گا اس لئے اس وقت فیصلے سے نفقہ متعین کیا جائے گا، اور پہلے گزر چکا ہے کہ غائب پر قضاء جائز نہیں ہے۔ پہلی قسم جن کا نفقہ لازم ہے وہ چھوٹا بچہ ہے بڑی لڑکیاں ہیں آپانچ بیٹے ہیں۔ اور دوسری قسم جن کا نفقہ لازم نہیں ہوگا وہ بھائی ہے، بہن ہے، ماموں ہے، خالہ ہے۔

تشریح: مصنف یہاں ایک قاعدہ بیان کر رہے ہیں، کہ مفقود کی موجودگی میں قاضی کے فیصلے کے بغیر جن لوگوں کا نفقہ مفقود کے مال میں ہے، مفقود کے گم ہونے پر بھی ان لوگوں کا نفقہ لازم ہوگا، کیونکہ یہاں قضاء علی الغائب نہیں ہوا، قاضی کا فیصلہ صرف مدد کے طور پر ہے۔ جیسے چھوٹا بچہ، بڑی بیٹیاں، آپانچ بیٹے، ان لوگوں کا نفقہ مفقود کے مال میں لازم ہوگا۔

اور مفقود کی موجودگی میں قاضی کے فیصلے کے بغیر جن لوگوں کا نفقہ لازم نہیں تھا، مفقود کے گم ہونے پر بھی ان لوگوں کا نفقہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قضاء علی الغائب کرنا پڑے گا جو جائز نہیں ہے، اس لئے ان لوگوں کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوگا، جیسے بھائی، بہن، ماموں، خالہ کا نفقہ لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۳ اور متن میں جو جملہ ہے کہ من ماله، یعنی مفقود کے مال میں خرچ کرے گا، اس سے مراد مفقود کا درہم ہے، دینار ہے اس لئے کہ نفقہ لینے والے کا حق کھانا ہے اور لباس ہے، اور جب یہ مال نہ ہو تو قیمت کی فیصلے کی ضرورت پڑے گی اور اس سے مراد یہی درہم اور دینار ہیں۔ اور اسی حکم میں چاندی کی ڈلی اور سونے کی ڈلی ہے [کہ ان دونوں سے بھی نفقہ حاصل کیا جائے گا] کیونکہ یہ ڈلی سکے کی طرح ہے۔

تشریح: متن میں من ماله، کا جملہ ہے اس سے کیا مراد ہے، فرماتے ہیں کہ اس سے مفقود کا درہم، دینار، چاندی کی ڈلی، سونے کی ڈلی، مراد ہے کہ اس سے نفقہ دیا جائے گا۔ نفقہ میں کھانا اور لباس دیا جاتا ہے، اس لئے اگر کھانے کی چیز مثلاً چاول گیہوں موجود ہوں تو اس سے نفقہ دیا جائے گا، اسی طرح لباس لازم ہے، اس لئے اگر مفقود کا کپڑا موجود ہو تو اس سے لباس دیا جائے گا، اور اگر یہ دونوں موجود نہ ہوں تو پھر درہم، دینار، چاندی کی ڈلی اور سونے کی ڈلی سے نفقہ ادا کیا جائے گا، مفقود کے مال سے یہی مراد ہے۔

ترجمہ: ۴ نفقہ دینے کا حکم اس وقت ہے جبکہ درہم اور دینار قاضی کے قبضے میں ہو، لیکن اگر کسی کے پاس امانت ہو، یا کسی پر

وَالنَّسَبِ، وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُنَا ظَاهِرَيْنِ عِنْدَ الْقَاضِي. فَإِنْ كَانَا ظَاهِرَيْنِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْإِقْرَارِ، ۵
وَأِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا ظَاهِرًا الْوَدِيعَةِ وَالذَّيْنِ أَوْ النِّكَاحِ وَالنَّسَبِ يَشْتَرِطُ الْإِقْرَارَ بِمَا لَيْسَ بِظَاهِرٍ هَذَا
هُوَ الصَّحِيحُ. ۶ فَإِنْ دَفَعَ الْمُودِعُ بِنَفْسِهِ أَوْ مَنْ عَلَيْهِ الذَّيْنُ بغيرِ أَمْرِ الْقَاضِي يَضْمَنُ الْمُودِعُ وَلَا
يُبرَأُ الْمَدْيُونُ لِأَنَّهُ مَا أَذَى إِلَى صَاحِبِ الْحَقِّ وَلَا إِلَى نَائِبِهِ.

قرض ہو تو ان دونوں سے بھی خرچ کیا جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ امانت رکھنے والا امانت رکھنے کا اقرار کرتا ہو، اور قرض والا قرض کا اقرار کرتا ہو، اور نکاح اور نسب کا بھی اقرار کرتا ہو۔ اور یہ اس وقت ہے کہ قاضی کے سامنے قرض اور امانت ظاہر نہ ہو، لیکن اگر قاضی بھی اس قرض اور امانت کی چیز کو جانتا ہو تو امانت دار اور قرض دار کے اقرار کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: مفقود کے اہل کو نفقہ دینے کے لئے تین صورتیں بتا رہے ہیں [۱] قاضی کے قبضے میں مفقود کا مال ہو تو وہ نفقہ دے سکتا ہے۔ [۲] اگر امانت رکھنے والے، یا مقروض کے پاس مفقود کا مال ہو تو وہ دو باتوں کا اقرار کرتا ہو، ایک تو اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ مفقود کا یہ مال میرے پاس ہے، اور دوسرا یہ اقرار کرتا ہو کہ واقعی یہ مفقود کے رشتہ دار ہیں، یعنی بیوی ہے، یا بیٹا ہے، تو قاضی مفقود کے اہل کو نفقہ دے سکتا ہے [۳] لیکن امانت دار کا اقرار کرنا اس صورت میں ہے جبکہ قاضی کو اس کا علم نہ ہو، لیکن اگر قاضی کو اس کا علم ہو تو امانت رکھنے والا اقرار نہ بھی کرے تب بھی نفقہ لازم ہو جائے گا، کیونکہ قاضی کو اس کا علم ہے۔

ترجمہ ۵: اور اگر ایک چیز ظاہر ہو [یعنی اور قرض اور نسب میں سے ایک چیز ظاہر ہو] تو جو چیز ظاہر نہ ہو اس میں اقرار کی شرط ہے صحیح بات یہی ہے۔

تشریح: اگر قاضی کے سامنے ایک بات ظاہر ہو، اور دوسری بات ظاہر نہ ہو تو جو بات ظاہر نہ ہو تو امانت رکھنے والا اس کا اقرار کرے تب نفقہ دے سکتا ہے، مثلاً قاضی کے سامنے یہ بات تو ظاہر تھی کہ مفقود کا مال امانت رکھنے والے کے پاس ہے، لیکن یہ ظاہر نہیں تھا کہ یہ عورت اسکی بیوی ہے تو امانت رکھنے والا اس بات کا اقرار کرے کہ یہ عورت مفقود کی بیوی ہے تب قاضی نفقہ دے سکتا گا۔

وجہ: یہ قید اس لئے لگا رہے ہیں کہ اگر امانت رکھنے والا اقرار نہ کرے، یا قاضی کے سامنے ظاہر نہ ہو تو قاضی کو مفقود پر فیصلہ کرنا پڑے گا جو غائب ہے، اور یہ جائز نہیں ہے اس لئے نفقہ بھی نہیں دے سکتا گا۔

ترجمہ ۶: اگر امانت رکھنے والے نے، یا قرض لینے والے نے بغیر قاضی کے حکم کے خود ہی نفقہ والے کو نفقہ دے دیا تو امانت رکھنے والا ضامن بن جائے گا، اور مقروض قرض سے بری نہیں ہوگا، اس لئے کہ صاحب حق [یعنی مفقود کو] حق نہیں ملا، اور نہ اس کے نائب کو حق ملا، ہاں اگر قاضی کے حکم سے نفقہ دیا [تو امانت رکھنے والا ضامن نہیں بنے گا] اس لئے کہ قاضی مفقود کا نائب ہے۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ بِأَمْرِ الْقَاضِي لِأَنَّ الْقَاضِي نَائِبٌ عَنْهُ، وَإِنْ كَانَ الْمُودِعُ وَالْمَدْيُونُ جَاهِدَيْنِ أَصْلًا أَوْ كَانَا جَاهِدَيْنِ الزُّوجِيَّةَ وَالنَّسَبَ لَمْ يَتَّصِبْ أَحَدٌ مِنْ مُسْتَحَقِّي النَّفَقَةِ خَصْمًا فِي ذَلِكَ لِأَنَّ مَا يَدْعِيهِ لِلْغَائِبِ لَمْ يَتَّعِنْ سَبَبًا لِثُبُوتِ حَقِّهِ وَهُوَ النَّفَقَةُ، لِأَنَّهَا كَمَا تَجِبُ فِي هَذَا الْمَالِ تَجِبُ فِي مَالٍ آخَرَ لِلْمَفْقُودِ. (۲۹۷۴) قَالَ: وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَمْرَاتِهِ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کے حکم سے نفقہ دے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ قاضی کے حکم سے امانت رکھنے والا اور قرض لینے والا مفقود کے اہل کو نفقہ دے، لیکن اگر بغیر اس کے حکم کے نفقہ دے دیا تو یہ اپنی جانب سے احسان ہوگا، اس لئے نہ امانت کی ادائیگی ہوگی اور نہ قرض کی ادائیگی ہوگی۔

وجہ: یہ مال مفقود کا تھا اس کو نہیں ملا، اور قاضی مفقود کا نائب تھا اس کے حکم سے بھی نہیں دیا گیا، تو اس کے نائب کو بھی نہیں ملا، اس لئے مقروض کا قرض ادا نہیں ہوگا، اور امانت دار کی امانت ادا نہیں ہوگی۔

ترجمہ: اے اور اگر امانت رکھنے والا اور مقروض دونوں چیزوں کا انکار کرتا ہے [یعنی اپنے پاس امانت ہونے کا بھی انکار کرتا ہے، اور زوجیت کا بھی انکار کرتا ہے، یا دونوں نسب اور زوجیت کا انکار کرتا ہے۔

تشریح: امانت رکھنے والا، اور مقروض امانت کا اور رشتہ دار ہونے کا یعنی دونوں کا انکار کرتا ہے، یا دونوں میں سے ایک چیز کا انکار کرتا ہے تو نفقہ لینے والا دعویٰ کر کے قاضی کے سامنے اس کو ثابت نہیں کر سکتا ہے۔

وجہ: (۱) اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں قضاء علی الغائب ہوگا اس لئے یہ نہیں کر سکتا ہے۔ (۲) دوسری وجہ جس کو مصنف نے بیان کیا ہے کہ، نفقہ مفقود کے اسی مال میں نہیں ہے جو امانت رکھنے والا، اور قرض لینے والا ہے، بلکہ نفقہ مفقود کے دوسرے مال سے بھی لے سکتا ہے اس لئے اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۷۴) مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

تشریح: جب تک کہ کوئی حتمی بات نہ ہو جائے مثلاً موت کی خبر آجائے یا طلاق نہ ہو جائے اس وقت تک مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

وجہ: (۱) اوپر ضروری نوٹ میں حدیث گزری۔ عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها الخبر۔ (دارقطني، کتاب النکاح ج ثالث ص ۲۱۷ نمبر ۳۸۰ سنن للبيهقي، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها اليقين وفاته، ج سابع ص ۳۱، نمبر ۱۵۵۶۵) (۲) عن علي في امرأة المفقود اذا قدم وقد تزوجت امرأته هي امرأته ان شاء طلق وان شاء امسك ولا تخير (سنن للبيهقي، باب من قال امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها اليقين

۱. وَقَالَ مَالِكٌ: إِذَا مَضَى أَرْبَعُ سِنِينَ يُفَرِّقُ الْقَاضِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ وَتَعْتَدُ عِدَّةَ الْوَفَاةِ ثُمَّ تَتَزَوَّجُ مِنْ شَاءَتْ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هَكَذَا قَضَى فِي الَّذِي اسْتَهْوَاهُ الْجَنُّ بِالْمَدِينَةِ وَكَفَى بِهِ إِمَامًا،
 ۲. وَلَئِنَّهُ مَنَعَ حَقَّهَا بِالْغِيَةِ فَيَفَرِّقُ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا بَعْدَ مُضِيِّ مُدَّةٍ اعْتِبَارًا بِالْإِلْيَاءِ وَالْعِنَةِ، وَبَعْدَ هَذَا الْاعْتِبَارِ أَخَذَ الْمُقَدَّارُ مِنْهُمَا الْأَرْبَعَ مِنَ الْإِلْيَاءِ وَالسِّنِينَ مِنَ الْعِنَةِ عَمَلًا بِالشَّبْهِينِ.

وفاتہ، ج ۳، ص ۷۳، نمبر ۱۵۵۶۲/ مصنف عبدالرزاق، باب الی لا تعلم مہلک زوجہا ج ۳، ص ۶۷ نمبر ۱۲۳۸۰) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ دونوں کے درمیان تفریق نہ کرائی جائے۔ کیونکہ وہ مفقود کی بیوی ہے (۳) عن ابن جریج قال بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انها تنتظرہ ابدًا (مصنف عبدالرزاق، باب الی لا تعلم مہلک زوجہ ج ۳، ص ۶۷ نمبر ۱۲۳۸۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ مفقود کا انتظار کرے گی۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ مفقود پر چار سال گزر جائے تو قاضی مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دے گا، پھر وہ عدت وفات [چار ماہ دس دن گزارے گی، پھر چاہے گی تو نکاح کر لے گی، اس لئے جس آدمی کو مدینہ شریف میں جنات لے گیا تھا حضرت عمرؓ نے انکے بارے میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور ہمارے فیصلے کے لئے ان کا قول کافی ہے۔

تشریح: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خبر نہ آئے تو چار سال کے بعد مفقود کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور عدت وفات چار ماہ دس دن گزار کر عورت کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ عن ابی عثمان قال اتت امرأة عمر بن الخطاب قال استهوت الجن زوجها فامرها ان تتربص اربع سنين ثم امر ولي الذي استهوته الجن ان يطلقها ثم امرها ان تعتد اربعة اشهر وعشرا (دارقطنی، کتاب النکاح، ج ۳، ص ۲۱۷، نمبر ۳۸۰ سنن للبیہقی، باب من قال تنتظر اربع سنين ثم اربعة اشهر وعشرا ثم تحل، ج ۳، ص ۳۲، نمبر ۱۵۵۶۲/ مصنف عبدالرزاق، باب الی لا تعلم مہلک زوجہا ج ۳، ص ۶۷ نمبر ۱۱۲۳۶۵) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ چار سال گزار کر موت کا فیصلہ دیا جائے گا۔

نوٹ: زمانہ خراب ہونے کی وجہ سے جو ان عورت کے لئے آج کل اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔

ترجمہ: ۲. دوسری دلیل یہ ہے کہ مفقود نے غائب رہ کر عورت کا حق روکا اس لئے قاضی ایک مدت گزار جانے کے بعد تفریق کر دے گا ایلاء پر اور عینین پر قیاس کرتے ہوئے، اس اعتبار کرنے کے بعد دونوں سے مقدار لیا چار کا لفظ ایلاء سے لیا اور سال کا لفظ عینین سے لیا دونوں شبہ پر عمل کرتے ہوئے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ مفقود غائب رہ کر عورت کے حق کو روکا اس لئے قاضی اس کے درمیان تفریق کر دے گا، البتہ ایلاء

۳ وَلَنَا قَوْلُهُ ” صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي امْرَأَةٍ الْمَقْذُودِ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ حَتَّى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ “. وَقَوْلُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيهَا: هِيَ امْرَأَةٌ ابْتُلِيَتْ فَلْتَصْبِرْ حَتَّى يَسْتَبِينَ مَوْتُ أَوْ طَلَاقٌ خَرَجَ بَيَانًا لِلْبَيَانِ الْمَذْكُورِ فِي الْمَرْفُوعِ، ۴ وَلِأَنَّ النِّكَاحَ عُرِفَ ثُبُوتُهُ وَالْغَيْبَةُ لَا تُوجِبُ الْفُرْقَةَ وَالْمَوْتُ فِي حَيْزِ الْإِحْتِمَالِ فَلَا يُزَالُ النِّكَاحُ بِالشَّكِّ، ۵ وَعُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ رَجَعَ إِلَى قَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

میں چار مہینے ہیں، اس لئے ایلاء سے چار کا عدد لیا، اور عین میں ایک سال تک انتظار کا حکم ہے، اس لئے سال کا لفظ عین میں لیا اور چار سال کا حکم لگا دیا۔

ترجمہ: ۳: ہماری دلیل مقفود کے بارے میں حضورؐ کا قول ہے کہ جب تک بیان نہ آجائے عورت اس کی بیوی ہے، اور ایک عورت بتلا ہوئی تو اس بارے میں حضرت علیؓ کا بھی قول ہے، کہ موت یا طلاق کی وضاحت نہ ہو جائے اس وقت تک یہ صبر کرے، حضرت علیؓ کا یہ جملہ مرفوع حدیث کا بیان ہے۔

تشریح: ہماری دلیل ایک تو اوپر کی حدیث ہے جس میں تھا کہ موت یا طلاق کی خبر آنے تک عورت مقفود کی بیوی ہے۔ دوسری دلیل حضرت علیؓ کا قول ہے کہ وہ صبر کرتی رہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا قول صحابی یہ ہے۔ عن الحكم ان عليا قال هي امرأة ابتليت فلتصبر حتى يأتيها موت او طلاق۔ (مصنف عبدالرزاق، باب اللتي لاتعلم مهلك زوجها، ج ۵، ص ۶۷، نمبر ۱۲۳۸۰ سنن للبيهقي، باب من قال امرأة المفقود امرأتها حتى يأتيها يتيقن وفاته، ج ۵، ص ۳۱، نمبر ۱۵۵۶۲) اس حضرت علیؓ کے قول میں ہے کہ موت یا طلاق کی خبر آنے تک صبر کرتی رہے۔ اور یہ قول صحابی حدیث کا بیان ہے اس لئے اس پر عمل کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴: دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح ثابت ہے اور غیو بت سے فرقت نہیں ہوتی، اور موت کا صرف احتمال ہے اس لئے شک کی وجہ سے نکاح جیسی ثابت شدہ چیز ختم نہیں ہوگی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، نکاح ثابت ہے، اور مقفود کی موت ہوئی ہے یا نہیں اس میں شبہ ہے اس لئے شبہ سے ایک ثابت شدہ چیز ختم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۵: حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی بات کی طرف رجوع کیا ہے۔

تشریح: حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع کیا اس کا ثبوت مجھے نہیں ملا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت علیؓ کی موافقت کی ہے۔ روایت یہ ہے۔ بلغنی ان ابن مسعود وافق عليا على انها تنتظره ابدًا۔ (مصنف وبدالرزاق، باب اللتي لاتعلم مهلك زوجها، ج ۵، ص ۶۶، نمبر ۱۲۳۸۱) اس روایت میں ہیکہ حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت علیؓ کی موافقت کی ہے۔

۶ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالْإِبْلَاءِ لَأَنَّهُ كَانَ طَلَاقًا مُعْجَلًا فَاعْتَبِرْ فِي الشَّرْعِ مُؤَجَّلًا فَكَانَ مُوجِبًا لِلْفُرْقَةِ، وَلَا بِالْعَنَةِ لِأَنَّ الْغِيَّةَ تَعْقُبُ الْاَوْدَةَ، وَالْعَنَةُ فَلَمَّا تَحُلَّ بَعْدَ اسْتِمْرَارِهَا سَنَةً.

(۲۹۷۵) قَالَ: وَإِذَا تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً مِنْ يَوْمٍ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهِ ۚ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَهَذِهِ رَوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: وَفِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ يُقَدَّرُ بِمَوْتِ الْاَقْرَانِ، وَفِي الْمَرْوِيِّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ بِمِائَةِ سَنَةٍ، وَقَدَّرَهُ بَعْضُهُمْ بِتِسْعِينَ، وَالْاَقْيَسُ أَنْ لَا يُقَدَّرَ بِشَيْءٍ. وَالْاَرَفُّ أَنْ يُقَدَّرَ بِتِسْعِينَ، وَإِذَا حُكِمَ بِمَوْتِهِ اعْتَدَّتْ امْرَأَتُهُ عِدَّةَ الْوَفَاةِ مِنْ ذَلِكَ الْوَقْتِ،

ترجمہ: ۱۔ ایلاء پر قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء سے فوری طلاق واقع ہوتی تھی، شریعت نے اس کو چار ماہ کے موخر پر طلاق واقع کی، تاہم ایلاء فرقت کا سبب ہے۔ جبکہ غائب ہونا فرقت کا سبب نہیں ہے۔ اور عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ غائب ہونے کے بعد واپس ہونے کا امکان ہے جبکہ عنین میں ایک سال گزر چکا ہو تو ٹھیک ہونے کا امکان نہیں ہے، اس لئے عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے۔

تشریح: یہ امام مالکؒ کے استدلال کا جواب ہے۔ مفقود کو ایلاء پر قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء کا ترجمہ تھا فوراً طلاق واقع ہونا، اور شریعت نے اس کو یہ کیا کہ چار مہینے کے بعد طلاق واقع ہوگی تاہم طلاق واقع ہوتی ہے، لیکن گم ہونا فرقت کا سبب نہیں ہے اس لئے گم ہونے کو ایلاء پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اور گم ہونے کو عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے، کیونکہ عنین پر ایک سال گزر جائے تو اب اچھا ہونے کی امید نہیں ہے، اور گم ہونے میں ہر وقت یہ امکان ہے کہ وہ گھر آجائے گا، اس لئے گم ہونے کو عنین پر بھی قیاس نہیں کر سکتے، اس لئے ایلاء سے چار کا عدد لیا، اور عنین سے سال کا عدد لیا یہ قیاس صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۹۷۵) پس جبکہ اس کیلئے ایک سو بیس سال پورے ہو جائیں جس دن سے پیدا ہوا ہے تو حکم لگا دیں گے اسکی موت کا۔
تشریح: زیادہ سے زیادہ آدمی ایک سو بیس سال زندہ رہتا ہے اس لئے پیدائش سے لیکر ایک سو بیس سال گزر جائے تو اب حکم لگا دیا جائے گا کہ وہ مر گیا ہے اور اس وقت اس کی بیوی عدت وفات گزارے گی۔ اور اس وقت جو ورثہ موجود ہوں ان کے درمیان اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱۔ ایک سو بیس سال کا قول امام ابو حنیفہؒ کا حضرت حسن سے ہے اور ظاہر مذہب میں ہم عمر کی موت کے ساتھ اندازہ لگایا، اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ ایک سو سال سے اندازہ لگایا، اور بعض حضرات نے نوے سال سے اندازہ لگایا، اور زیادہ قیاس کی چیز یہ ہے کہ کسی عمر کی قید نہ لگائی جائے، اور زیادہ آسان یہ ہے کہ نوے سال سے اندازہ لگایا جائے۔ اور جب موت کا حکم لگ گیا تو اس وقت سے عورت عدت وفات گزارے گی۔

(۲۹۷) وَيُقَسَّمُ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُودِينَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ ۚ كَأَنَّهُ مَاتَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ مُعَايَنَةً إِذِ الْحُكْمُ مُعْتَبَرٌ بِالْحَقِيقِيِّ.

(۲۹۷) وَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذَلِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ ۚ لِأَنَّهُ لَمْ يُحْكَمْ بِمَوْتِهِ فِيهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَتْ حَيَاتُهُ مَعْلُومَةً

تشریح: یہاں پانچ روایتیں بیان کر رہے ہیں [۱] ایک سو بیس سال یہ امام ابوحنیفہؒ سے حضرت حسن کی روایت ہے۔ [۲] دوسری روایت ہے کہ گم ہونے والے کے ہم عمر مرجائیں تو اب اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے۔ [۳] تیسری روایت یہ ہے کہ، ایک سو سال کے بعد موت کا حکم لگایا جائے، [۴] چوتھی روایت یہ ہے کہ نوے سال کے بعد موت کا حکم لگایا جائے اور یہ روایت زیادہ آسان ہے۔ [۵] اور پانچویں رائے یہ ہے کہ کسی سال کے ساتھ متعین نہ کیا جائے بلکہ حالات کا جائزہ لیکر فیصلہ کیا جائے، مثلاً گم ہونے کی حالت یہ ہے کہ اب وہ مر گیا ہوگا تو اب مرنے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور جب موت کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو اس وقت سے اس کی بیوی عدت و فوات چار ماہ دس روز عدت گزارے گی۔ اور موت کے فیصلے کے وقت جو وارثین ہوں گے ان میں مفقود کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۷) اور تقسیم کیا جائے گا اس کا مال اس وقت میں موجود ورثہ کے درمیان۔

ترجمہ: لے لگایا کہ ابھی اس کی موت ہوئی ہے حکم کو حقیقی موت پر قیاس کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) ایسا سمجھا جائے گا کہ ابھی وفات ہوئی ہے۔ اس لئے اس وقت جتنے ورثہ موجود ہوں گے ان میں اس کا مال تقسیم کیا جائے گا۔ اور جو لوگ اس سے پہلے مر چکے ہیں ان میں اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا (۲) موت کے فیصلے کے بعد مال تقسیم کرنے کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن قتادة قال اذا مضت اربع سنين من حين ترفع امرأة المفقود امرها انه يقسم ماله بين ورثته (مصنف عبدالرزاق، باب التي لا تعلم مهلك زوجها ج ۱ ص ۶۷، نمبر ۱۲۳۷۷) (۳) ان عمر و عثمان قضيا في ميراث المفقود ان ميراثه يقسم من يوم تمضي الاربع سنوات على امراته و تستقبل عدتها اربعة اشهر و عشرا (مصنف عبدالرزاق، باب التي لا تعلم مهلك زوجها ج ۱ ص ۶۷، نمبر ۱۲۳۶۶) اس قول صحابی میں ہے۔ کہ چار سال کے بعد مفقود کے لئے موت کا فیصلہ کیا جائے گا اور مال اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

نوٹ: ایک سو بیس سال کے پہلے غالب گمان کی کوئی بات سامنے آجائے تو اس وقت بھی موت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: (۲۹۷) ورثہ میں سے جو اس سے پہلے مر جائے تو مفقود کے کسی چیز کے وارث نہیں ہوں گے۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ جب تک موت کا فیصلہ نہیں کیا جاتا ہے وہ زندہ ہی سمجھا جائے گا۔

(۲۹۷۸) وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُودُ أَحَدًا مَاتَ فِي حَالِ فَقْدِهِ ۚ لِأَنَّ بَقَاءَهُ حَيًّا فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ

بِاسْتِصْحَابِ الْحَالِ وَهُوَ لَا يَصْلُحُ حُجَّةً فِي الْاِسْتِحْقَاقِ

(۲۹۷۹) وَكَذَلِكَ لَوْ أَوْصَى لِلْمَفْقُودِ وَمَاتَ الْمُوصِي ۚ ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ مَعَ الْمَفْقُودِ

وَارِثٌ لَا يُحْبَبُ بِهِ وَلَكِنَّهُ يُنْتَفَضُ حَقُّهُ بِهِ يُعْطَى أَقْلُ النَّصِيبَيْنِ وَيُوقَفُ الْبَاقِي وَإِنْ كَانَ مَعَهُ وَاَرِثٌ

تشریح: مفقود کی موت کے حکم لگانے سے پہلے جو ورثہ مر جائے وہ مفقود کے کسی مال کے وارث نہیں ہوں گے۔

وجہ: (۱) مفقود پر موت کے حکم سے پہلے گویا کہ وہ زندہ ہے۔ اور زندہ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس لئے موت کے

فیصلے سے پہلے جو لوگ مر گئے ان کو مفقود کے مال میں حصہ نہیں دیا جائے گا۔ (۲) اوپر قول صحابی میں تھا کہ موت کے فیصلے کے

بعد وراثت تقسیم ہوگی، اس لئے اس سے پہلے جو مر گیا اس کو وراثت نہیں ملے گی۔

ترجمہ: (۲۹۷۸) مفقود کے گم ہونے کے زمانے میں جو مر گئے ہوں مفقود اس کا وارث نہیں ہوگا۔

ترجمہ: مفقود کو کچھلی حالت کے اعتبار سے زندہ سمجھا گیا ہے، لیکن یہ وراثت کے مستحق ہونے کے لئے کافی نہیں ہے

تشریح: مثلاً ۲۰۰۰ء کی پہلی تاریخ کو مفقود گم ہوا اور چار سال بعد اس پر موت کا حکم لگایا تو دو ہزار سے دو ہزار چار تک جو

لوگ مریں گے مفقود اس کا وارث نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) مفقود کا زندہ رہنا مشکوک ہے صرف ظاہری حالت کی وجہ سے اس کو زندہ سمجھا گیا ہے اس لئے اس کو وراثت نہیں

ملے گی، کیونکہ ان کا زندہ رہنا یقینی نہیں ہے۔

اصول: مفقود کو زندہ سمجھا گیا ہے اس لئے اس کے مال میں کوئی وارث نہیں ہوگا۔ لیکن مفقود کسی اور کا وارث ہو اس بارے

میں اس کو مردہ سمجھا گیا ہے اس لئے وہ کسی کا وارث نہیں بنے گا۔

لغت: استصحاب حال: یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جو حالت چل رہی تھی اسی حالت کو مانا ہے۔ وھولاً یصلح

حجۃ فی الاستحقاق: وراثت کے مستحق ہونے کے لئے یہ کافی نہیں ہے، کیونکہ مستحق ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یقینی طور پر وہ

زندہ ہو، اور مفقود یقینی طور پر زندہ نہیں ہے، اس کے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔

ترجمہ: (۲۹۷۹) ایسے ہی کسی نے مفقود کے لئے وصیت کی اور وصیت کرنے والا مر گیا [تو مفقود کو وصیت کی چیز نہیں ملے گی]

تشریح: گم ہونے کے زمانے میں کسی نے مفقود کے لئے وصیت کی تو وصیت کا یہ مال مفقود کو نہیں ملے گا۔

وجہ: کیونکہ جس دن سے گم ہوا ہے مال لینے کے حق میں اسی دن سے مردہ مانا جائے گا، اس لئے اس کو مال نہیں ملے گا۔

ترجمہ: اصل قاعدہ یہ ہے کہ مفقود کے ساتھ کوئی وارث ہو جو محبوب نہ ہوتا ہو لیکن اس کا حق کم ہو جاتا ہو تو کم دیا جائے گا

يُحَجَّبُ بِهِ لَا يُعْطَى أَصْلًا. بَيَانُهُ: رَجُلٌ مَاتَ عَنْ ابْنَتَيْنِ وَابْنٍ مَفْقُودٍ وَابْنٍ وَبْنَتِ ابْنٍ وَالْمَالُ فِي يَدِ الْأَجْنَبِيِّ وَتَصَادَقُوا عَلَى فَقْدِ الْإِبْنِ وَطَلَبَتِ الْإِبْنَتَانِ الْمِيرَاتِ تُعْطِيَانِ النِّصْفَ لِأَنَّهُ مُتَيَقَّنٌ بِهِ وَيُوقَفُ النِّصْفُ الْآخَرُ وَلَا يُعْطَى وَلَدَ الْإِبْنِ لِأَنَّهُمْ يُحَجَّبُونَ بِالْمَفْقُودِ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا فَلَا يَسْتَحِقُّونَ الْمِيرَاتِ بِالشَّكِّ.

(۲۹۸۰) وَلَا يُنْزَعُ مِنْ يَدِ الْأَجْنَبِيِّ إِلَّا إِذَا ظَهَرَتْ مِنْهُ خِيَانَةٌ

اور باقی مال کو موقوف رکھا جائے گا۔ اور اگر مفقود کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو جو محبوب ہوتا ہو تو اس کو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی مرا، اس کو دو بیٹی ہے اور ایک مفقود بیٹا ہے، اور پوتا اور پوتی بھی ہے اور مال اجنبی کے ہاتھ میں ہے اور دونوں [یعنی وارث اور جس کے ہاتھ میں مال ہے] تصدیق کرتے ہیں کہ بیٹا گم ہے، اور دونوں بیٹیوں نے وراثت مانگا تو دونوں بیٹیوں کو آدھا دے دیا جائے گا کیونکہ اتنا دینا تو یقینی ہے اور دوسرے آدھے کو موقوف رکھا جائے گا اور بیٹی کی اولاد کو نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ مفقود کی وجہ سے وہ محبوب ہیں، کیونکہ اگر مفقود بیٹا زندہ ہوتا تو پوتے کو حق نہیں ملتا اس لئے مفقود کی زندگی میں شک کی وجہ سے پوتے مستحق نہیں ہوں گے۔

اصول: دوسرا آدمی وارث بنے یا نہ بنے اس بارے میں مفقود کو زندہ سمجھا جاتا ہے۔

تشریح: یہاں مفقود کی دو حالتیں بیان کی جا رہی ہیں [۱] مفقود اگر یہاں موجود ہوتا تو اس کی وجہ سے ایک وارث محروم نہیں ہوتا ہو، البتہ کم ملتا ہو تو مفقود کو موجود مان کر اس وارث کو کم دیا جائے گا اور جو مال باقی رہے گا وہ اجنبی کے قبضے میں محفوظ رکھا جائے گا۔ [۲] اور اگر مفقود موجود رہتا تو ایک وارث کو کچھ نہیں ملتا تو مفقود کو موجود مان کر اس وارث کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔

زید مرا، اس نے دو بیٹی فاطمہ اور عائشہ چھوڑی، اور ایک بیٹا عمر چھوڑا جو ابھی گم ہے، اور اس گم بیٹے کا ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی ہے، جو زید مرنے والے کا پوتا اور پوتی ہوئی۔ اب اگر عمر بیٹے کو مردہ مان لیا جائے تو دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گی، اور باقی ایک تہائی پوتا اور پوتی کو مل جائے گی، لیکن یہاں ایسا نہیں کیا جائے گا، بلکہ عمر بیٹے کو زندہ مانا جائے گا، جسکی وجہ سے دونوں بیٹیوں کو آدھا مال ملے گا، اور جو باقی آدھا ہوگا [جو عمر کو ملنا چاہئے] وہ پوتے اور پوتی کو بھی نہیں دیا جائے گا، کیونکہ عمر کو زندہ تصور کیا گیا ہے، اور قاعدہ ہے کہ عمر زندہ ہوتا تو یہ مال اس کے بیٹے اور بیٹی کو نہیں ملتا اس لئے عمر کا یہ مال اس کے بیٹے اور بیٹی کو نہیں دیا جائے گا، بلکہ عمر کے وصی کے پاس رکھا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۸۰) اور اجنبی کے ہاتھ سے مفقود کا مال نہیں لیا جائے گا، ہاں اس سے خیانت ظاہر ہو جائے تو اس سے لیا جائے گا۔

۱۔ وَنَظِيرُ هَذَا الْحَمْلُ فَإِنَّهُ يُوقَفُ لَهُ مِيرَاثُ ابْنٍ وَاحِدٍ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَلَوْ كَانَ مَعَهُ وَارِثٌ آخَرُ إِنْ كَانَ لَا يَسْقُطُ بِحَالٍ وَلَا يَتَغَيَّرُ بِالْحَمْلِ يُعْطَى كُلُّ نَصِيْبِهِ، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَسْقُطُ بِالْحَمْلِ لَا يُعْطَى، وَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَغَيَّرُ بِهِ يُعْطَى الْأَقْلَ لِلتَّيَقُنِ بِهِ كَمَا فِي الْمَفْقُودِ وَقَدْ شَرَحْنَاهُ فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى بِأَتَمِّ مِنْ هَذَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

تشریح: مفقود کو جو آدھا مال اس کے مورث سے ملا تھا وہ مال وصی کے پاس رکھا جائے گا، اور جب تک اس سے خیانت کا پتہ نہ چلے اس سے نہیں لیا جائے گا، کیونکہ وہ وصی ہے۔ اسی طرح اگر مفقود نے اپنا مال کسی کے پاس رکھا تھا تو اس کے گم ہونے کے زمانے میں اسی کے پاس رکھا جائے گا، کیونکہ وہ مفقود کا قابل اعتماد آدمی ہے، ہاں اس سے خیانت کا پتہ چلے تو قاضی اس کے ہاتھ سے نکال کر کسی امانت دار کے ہاتھ میں رکھے گا تاکہ اس کا مال محفوظ رہے۔

ترجمہ: مفقود کی مثال حمل ہے، حمل کو لڑکا شمار کر کے اس کا حصہ رکھا جاتا ہے، جیسا کہ فتویٰ ہے۔

اگر حمل کے ساتھ دوسرے دو وارث ہوں جو کبھی ساقط نہ ہوتے ہوں اور نہ حمل کی وجہ سے وراثت میں کمی آتی ہو تو ان وارثوں کو پورا حصہ دیا جائے گا۔ اور اگر حمل کی وجہ سے وراثت ساقط ہو جاتی ہو تو وارث کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر حمل کی وجہ سے وراثت میں کمی آتی ہو تو کم والا حصہ دیا جائے گا، کیونکہ یہ یقینی ہے، جیسا کہ مفقود میں ہوتا ہے،۔ کفایۃ المنتہی میں میں پوری تفصیل سے بیان کیا۔

تشریح: مصنفؒ نے وراثت کے بارے میں مفقود کی حالت کو حمل پر قیاس کیا ہے۔ آگے حمل کی دو حالتیں بیان کی ہیں اور مفقود کو اس پر قیاس کیا ہے۔

[۱] زید کا انتقال ہوا اور اس کی بیوی کے پیٹ میں حمل ہے تو اس کو لڑکا شمار کیا جائے گا اور اس حساب سے وراثت تقسیم ہوگی، پس اگر زید کے ایسے وارث ہیں جو حمل لڑکا ہونے کی وجہ سے محروم نہیں ہوتا، اور نہ اس کا حصہ کم ہوتا ہے تو اس وارث کو پورا حصہ دے دیا جائے گا۔ مثلاً زید مر اور اس نے ایک حمل چھوڑا، ایک زندہ بیٹا چھوڑا، اور ایک دادا چھوڑا، تو دادا کو چھٹا حصہ، یعنی سو میں سے 16.66 دیا جائے گا، باقی رہا 83.34 تو اس میں سے آدھا زندہ بیٹا کو دیا جائے گا جو، 67. 41 ہوگا، اور 41.67 جو باقی رہا وہ حمل کے لئے محفوظ رکھا جائے گا۔ اگر حمل نہ بھی رہتا تو بھی چونکہ مرنے والے کا ایک بیٹا موجود ہے اس لئے دادا کو چھٹا حصہ ہی ملتا، اس لئے حمل کی موجودگی میں بھی دادا کو چھٹا حصہ ہی ملے گا۔

[۲] اور اگر حمل لڑکا ہو تو وارث محروم ہو جاتا ہو تو اس وارث کو کچھ نہیں ملے گا، مثلاً زید مر، اور اس نے حمل لڑکا چھوڑا، اور پوتا چھوڑا، اور بھائی چھوڑا، تو اگر بیٹا موجود ہو تو پوتا کو کچھ نہیں ملتا، اور بھائی کو بھی کچھ نہیں ملتا اس لئے یہاں حمل کو لڑکا مان کر پوتے

اور بھائی کو کچھ نہیں دیا جائے گا، یہ سارا مال حمل کے وصی کے پاس محفوظ رکھا جائے گا۔

[۳] زید مرا اس نے حمل چھوڑا، اور بیوی چھوڑی، اور ماں چھوڑی۔ اگر لڑکا موجود نہ ہوتا تو ماں کو ایک تہائی ملتی، اور بیوی کو چوتھائی ملتی، اور لڑکا کو موجود مانا جائے تو ماں کو چھٹا ملے گا، اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا، پس لڑکے کو موجود مان کر ماں کو چھٹا دیا جائے گا، اور بیوی کو آٹھواں دیا جائے گا، اور حمل کے حصے میں جو مال آئے گا اس کو وصی کے ہاتھ میں محفوظ رکھا جائے گا۔ حاصل یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں حمل کو مانا گیا، بلکہ لڑکا مانا گیا اور اسی حساب سے وراثت تقسیم کی گئی، اسی طرح مفقود کو زندہ مانا جائے گا، اور موجود مانا جائے گا، اور اس کے حساب سے وراثت تقسیم ہوگی، اور جو مال مفقود کے حصے میں آئے گا اس کو قاضی اس کے وصی کے پاس رکھے گا، تاکہ مفقود کے آنے پر اس کو دیا جائے گا، اس کو محروم نہیں کیا جائے گا۔

﴿کِتَابُ الشَّرْكَۃِ﴾

(۲۹۸۱) الشَّرْكَۃُ جَائِزَةٌ ۱۔ "لَآئِنَّہٗ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ بُعِثَ وَالنَّاسُ یَتَعَامَلُونَ بِہَا فَقَرَّرَہُمْ عَلَیْہِ"،
 (۲۹۸۲) [الف] قَالَ: الشَّرْكَۃُ ضَرْبَانِ: شَرْكَۃُ أَمْلَاکٍ، وَشَرْكَۃُ عُقُودٍ. فَشَرْكَۃُ الْأَمْلَاکِ: الْعَیْنُ
 یَرِثُہَا رَجُلَانِ أَوْ یَشْتَرِیَانِہَا فَلَا یَجُوزُ لِأَحَدِہِمَا أَنْ یَتَصَرَّفَ فِی نَصِیبِ الْآخَرِ إِلَّا بِإِذْنِہِ، وَكُلٌّ مِنْہُمَا
 فِی نَصِیبِ صَاحِبِہِ كَالْأَجْنَبِیِّ.

﴿کِتَابُ الشَّرْكَۃِ﴾

ضروری نوٹ: کسی چیز میں چند آدمیوں کے شریک ہونے کو شرکت کہتے ہیں۔

وجہ: (۱) شرکت کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث. (آیت ۱۲ سورۃ النساء
 ۴) اس آیت میں زیادہ وارثین کو تہائی وراثت میں شریک کیا گیا ہے۔ جس سے شرکت کا پتہ چلتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن
 ابی ہریرۃ رفعہ قال ان اللہ تعالیٰ یقول انا ثالث الشریکین مالہ یخزن احدہما صاحبہ فاذا خانہ خرجت من
 بینہم (ابوداؤد شریف، باب فی الشرکۃ ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۳) اس سے بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے اس لئے شرکت جائز ہے۔

ترجمہ: (۲۹۸۱) شرکت جائز ہے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ حضورؐ کی بعثت ہوئی اور دنیا کہ لوگ شرکت کا معاملہ کر رہے تھے اور حضورؐ نے اس کو برقرار رکھا [اس
 لئے شرکت کا معاملہ جائز ہے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن السائب قال اتیت النبی فجعلوا یشنون علی و یدکرونی، فقال
 رسول اللہ ﷺ انا اعلکم یعنی بہ قلت صدقت بابی انت و امی کنت شریکی فنعیم الشریک کنت
 لا تدارى ولا تماری۔ (ابوداؤد شریف، باب فی کراہیۃ المراء، ص ۶۸۳، نمبر ۲۸۳۶ ابن ماجہ شریف، باب الشرکۃ و
 المضاربتہ، ص ۳۲۷، نمبر ۲۲۸۷) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ خود شرکت کا معاملہ کیا کرتے تھے۔

ترجمہ: (۲۹۸۲) شرکت دو طرح کی ہیں (۱) شرکت املاک (۲) اور شرکت عقود۔ پس شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز
 کے دو وارث ہوں جائیں یا دونوں ملکر ایک چیز خریدیں۔ پس دونوں میں سے ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے حصے میں
 بغیر دوسرے کی اجازت کے تصرف کرے، اور ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے۔

اَوْ هَذِهِ الشَّرْكَۃُ تَحَقَّقُ فِي غَيْرِ الْمَذْكُورِ فِي الْكِتَابِ كَمَا اِذَا اتَّهَبَ رَجُلَانِ عَيْنًا اَوْ مَلَكَاہَا بِاِلَا سِتْيَلَاءٍ اَوْ اخْتَلَطَ مَا لِهَمَّا مِنْ غَيْرِ صُنْعٍ اَحَدِهِمَا اَوْ بَخْلَطِهِمَا خَلْطًا يَمْنَعُ التَّمْيِيزَ رَأْسًا اَوْ اِلَّا بِحَرَاجٍ،

تشریح: شرکت دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک کو شرکت الماک کہتے ہیں اور دوسری کو شرکت عقد کہتے ہیں۔ شرکت الماک کا مطلب یہ ہے کہ باضابطہ ایجاب اور قبول کر کے کسی چیز میں شریک نہ ہوئے ہوں، بلکہ ناگہانی طور پر دونوں ایک چیز میں شریک ہو گئے۔ مثلاً والد کا انتقال ہوا اور ایک چیز دو بیٹوں کے درمیان وراثت میں آ گئی۔ اور دونوں بیٹے اس چیز میں وراثت کے طور پر شریک ہو گئے تو دونوں ایجاب و قبول کر کے شریک نہیں ہوئے ہیں بلکہ وراثت کے طور پر شریک ہوئے ہیں۔ چونکہ دونوں ملکیت کے طور پر شریک ہوئے اس لئے اس کو شرکت الماک کہتے ہیں۔ یاد دو آدمیوں نے ایک چیز کو خرید لیا اور دونوں ایک چیز کے مالک بن گئے تو چونکہ ملکیت کے اعتبار سے شرکت ہوئی اس لئے اس کو شرکت الماک کہتے ہیں۔ شرکت الماک میں ہر فریق دوسرے کے لئے اجنبی کی طرح ہے، اس لئے ایک کو دوسرے کی چیز بغیر اس کی اجازت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) وراثت میں شرکت کا ثبوت اوپر کی آیت ہے۔ فان كانوا اكثر من ذلك فهم شركاء في الثلث (آیت ۱۲ سورۃ النساء) (۲) اور خریدنے میں شرکت کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن زهرة بن معبد انه كان يخرج به جده عبد الله بن هشام الى السوق فيشتري الطعام فيلقاه ابن عمر وابن الزبير فيقولان له اشركنا فان النبي ﷺ قد دعا لك بالبركة فيشركهم (بخاری شریف، باب الشركة فی الطعام وغیرہ ص ۳۴۰ نمبر ۲۵۰۲ سنن للبیہقی، باب الشركة فی البیع، ج ۱ ص ۳۰، نمبر ۱۱۳۲۶) اس عمل صحابی میں خریدی ہوئی چیز میں صحابی شریک ہوئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں شریک کرنا جائز ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہے۔ اور بغیر اجازت کے دوسرے کے حصے کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) اگرچہ ایک ہی چیز میں دونوں شریک ہیں لیکن دونوں کے حصے الگ الگ ہیں اس لئے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے لئے باری مقرر کر دے اور باری باری استعمال کرے (۲) حدیث میں اس کی تاکید ہے۔ عن عمر بن یثربی قال شهدت رسول الله ﷺ في حجة الوداع بمنى فسمعتنه يقول لا يحل لامرأ من مال اخيه شيء الا ما طابت به نفسه. (دارقطنی، کتاب البیوع، ج ۱ ص ۲۲، نمبر ۲۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کی اجازت کے بغیر اس کی چیز کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ شریک ہی کیوں نہ ہو۔

ترجمہ: متن میں جو صورت ذکر کی گئی ہے اس کے علاوہ کے طریقے سے بھی شرکت الماک ہو جاتی ہے، مثلاً دو آدمیوں کو کوئی چیز ہبہ کر دی، یاد دو آدمیوں نے کسی حربی سے زبردستی اس کی چیز لے لی۔ یاد دو آدمیوں کا مال بغیر اس کے ارادے کے مل

۲. وَيَجُوزُ بَيْعُ أَحَدِهِمَا نَصِيْبَهُ مِنْ شَرِيْكَهِ فِي جَمِيعِ الصُّوَرِ وَمِنْ غَيْرِ شَرِيْكَهِ بَغَيْرِ إِذْنِهِ إِلَّا فِي صُوْرَةِ الْخُلْطِ وَالْإِخْتِلَاطِ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَقَدْ بَيَّنَّا الْفَرْقَ فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى.

(۲۹۸۲) [ب] وَالضَّرْبُ الثَّانِي: شَرْكَةُ الْعُقُودِ، وَرَكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ، وَهُوَ أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمَا شَارَكَتَكَ فِي كَذَا وَكَذَا وَيَقُولَ الْآخَرُ قَبِلْتُ ۱. وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ التَّصَرُّفُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ عَقْدًا

گئے، یادوں نے اپنا اپنا مال اس طرح ملا لیا کہ اب الگ الگ کرنا ناممکن ہے، یا الگ ہو تو سکتا ہو لیکن مشکل سے۔
تشریح: قدوری کی متن میں شرکت املاک کی دو صورتیں بیان کی ہیں، مصنف شرکت املاک کی چار صورتیں اور بیان کر رہے ہیں [۱] دو آدمیوں کا ایک چیز ہبہ کی تو یہ دونوں ایک چیز میں شریک ہو گئے۔ [۲] دو آدمیوں نے حربی سے ایک چیز چھینی تو یہ دونوں اس چیز میں شریک ہو گئے۔ [۳] دو آدمیوں نے اپنی اپنی چیز ایک جگہ رکھی مثلاً چنا اور مٹر ایک جگہ رکھی اور بغیر دونوں کے ارادے کے دونوں مل گئے تو بھی شرکت املاک ہو گئی۔ [۴] دو آدمیوں نے اپنی اپنی چیز ایک جگہ رکھی اور دونوں نے جان کر ملا دیا تو یہ بھی شرکت املاک ہے۔ آگے ملنے کی دو صورتیں بیان کر رہے ہیں، [۱] ایک یہ کہ دونوں چیزوں کا الگ ہونا اب ناممکن ہے، مثلاً نمک اور شکر مل گئے تو ان دونوں کا الگ الگ ہونا ناممکن ہے [۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں کا الگ الگ ہونا ممکن تو ہو لیکن مشکل سے الگ ہوتا، جیسے مٹر اور چنا، کہ دونوں کو ہن کر الگ الگ کیا تو جاسکتا ہے، لیکن بہت مشکل ہے۔

لغت: يمنع التميز راسا: بالکل الگ نہیں ہو سکتا ہو۔ الا بخرج: اس کا مطلب یہ ہے کہ الگ ہونا ممکن تو ہو لیکن بہت مشکل سے الگ ہوتا ہو۔

ترجمہ: ۲: ان تمام صورتوں میں اپنا حصہ اپنے شریک سے بچ سکتا ہے۔ اور شریک کی اجازت کے بغیر دوسروں سے بھی بچ سکتا ہے۔ لیکن اگر چیز مل گئی ہو تو شریک کی اجازت کے بغیر دوسرے کے ہاتھ نہیں بچ سکتا۔ کفایۃ المنتہی میں میں نے اس کا فرق بیان کیا ہے

تشریح: یہاں شرکت املاک کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ اگر دونوں کی ملکیت بالکل خلط ملط ہو گئی ہو تب تو شریک کی اجازت کے بغیر دوسرے سے بچنا جائز نہیں ہے۔ لیکن خلط ملط نہیں ہوئی ہو تو شریک کی اجازت کے بغیر اپنا حصہ دوسرے سے بچنا جائز ہے۔
وجہ: بالکل خلط ملط ہوئی ہے تو اس کو مشتری کو سپرد کرنا مشکل ہوگا اس لئے شریک کی اجازت کے بغیر بچنا جائز نہیں ہوگا۔
ترجمہ: (۲۹۸۲) ”ب“ دوسری صورت عقود کی شرکت ہے، اور اس کا رکن ایجاب اور قبول ہے، مثلاً ایک شریک کہے کہ میں نے تم کو شریک کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے اس کو قبول کیا۔

الشَّرْكَۃِ قَابِلًا لِلْوَكَالَةِ لِيَكُونَ مَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا فَيَتَحَقَّقُ حُكْمُهُ الْمَطْلُوبُ مِنْهُ.

(۲۹۸۳) ثُمَّ هِيَ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ: مُفَاوَضَةٌ، وَعَنْانٌ، وَشَرْكَۃُ الصَّنَائِعِ، وَشَرْكَۃُ الْوُجُوهِ. (۲۹۸۴)

فَأَمَّا شَرْكَۃُ الْمُفَاوَضَةِ فَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوَيَانِ فِي مَالِهِمَا وَتَصَرُّفِهِمَا وَدَيْنِهِمَا

ترجمہ: ۱۔ شرکت عقد کی شرط یہ ہے کہ جس چیز میں شریک کیا اس میں وکیل بننے کی صلاحیت ہوتا کہ تصرف کر کے اس سے فائدہ حاصل کر سکے اور یہ نفع دونوں میں مشترک ہو، اور شرکت کا جو مقصد ہے وہ حاصل ہو جائے۔

تشریح: شرکت عقد کا مطلب یہ ہے کہ معاملات میں شرکت کر رہا ہے، اس لئے اس کا رکن اور اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک شریک کہے کہ میں نے شریک کیا، اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا تو شرکت ہو جائے گی، لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ جس میں شریک کر رہا ہو اس میں وکالت بھی جاری ہو سکتی ہو، تاکہ وکیل بن کر معاملہ کرے اور اس سے نفع اٹھائے، اور شریک کو تقسیم کر کے دے سکے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ لکڑی چننے میں شریک ہو تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ لکڑی چننے میں وکالت نہیں ہوتی ہے، کیونکہ لکڑی جو چننا ہے اسی کا ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ترجمہ: (۲۹۸۳) اور دوسری قسم شرکت عقد ہے۔ اور اس کی چار قسمیں ہیں (۱) شرکت مفاوضہ (۲) شرکت عنان (۳) شرکت صنائع (۴) اور شرکت وجوہ۔

تشریح: شرکت عقد کو عقد و اس لئے کہتے ہیں کہ اس شرکت میں باضابطہ عقد کرتے ہیں اور ایجاب اور قبول کے ذریعہ شرکت اور منفعت طے ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو شرکت عقد کہتے ہیں۔ اس کی چار قسموں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۲۹۸۴) بہر حال شرکت مفاوضہ وہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں، پس دونوں برابر ہوں مال میں، تصرف میں اور قرض میں، یا دین، یعنی مذہب میں۔

تشریح: مفاوضہ کے معنی ہیں برابری، اس لئے دونوں شریک تین باتوں میں برابر ہوں [۱] دونوں کا مال برابر ہو، ایک کا مال کم اور دوسرے کا زیادہ نہ ہو۔ [۲] دونوں کا تصرف برابر ہو، ایک مثلاً آزاد ہے، اور دوسرا غلام ہے تو آزاد کا تصرف زیادہ ہے اور غلام کا تصرف کم ہے تو ان دونوں میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ [۳] دونوں کا مذہب برابر ہو، مثلاً ایک کافر ہے وہ سور خریدے گا، اور دوسرا مسلمان ہے جو سور نہیں خرید سکے گا تو کافر اور مسلمان کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی، اور دوسرا مطلب یہ ہے دونوں پر قرض برابر ہو، یعنی کسی ایک نے قرض لیا تو یہ قرض دونوں پر آئے گا، اور دونوں اس کو ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ: (۱) شرکت مفاوضہ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن صالح بن صہیب عن ابیہ قال قال رسول اللہ

ﷺ ثلاث فہن البرکۃ البیع الی اجل والمقارضة واختلاط البر بالشعیر للبيت لا للبیع. (ابن ماجہ شریف

۱۔ لَإِنَّهَا شِرْكَةٌ عَامَّةٌ فِي جَمِيعِ التَّجَارَاتِ يُقَوِّضُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَمْرَ الشَّرْكَۃِ إِلَى صَاحِبِهِ عَلَى الْإِطْلَاقِ إِذْ هِيَ مِنَ الْمَسَاوَاةِ،

قَالَ قَائِلُهُمْ: شعر لا يصلح الناس فوضا لا سراة لهم و لا سراة اذا جهالهم سادوا
أَيُّ مُتَسَاوِيَيْنَ. فَلَا بُدَّ مِنْ تَحْقِيقِ الْمَسَاوَاةِ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَذَلِكَ فِي الْمَالِ، ۲. وَالْمُرَادُ بِهِ مَا تَصِحُّ الشَّرْكَۃُ فِيهِ، وَلَا يُعْتَبَرُ التَّفَاضُلُ فِيمَا لَا يَصِحُّ الشَّرْكَۃُ فِيهِ،

، باب الشریکۃ والمضاربتہ، ص ۳۲۶، نمبر ۲۲۸۹) اکثر روایت میں مقارضہ، قرض سے ہے، لیکن بعض روایت میں مفاوضہ، وفاوضہ سے ہے، اس لئے مفاوضہ والی روایت سے شرکت مفاوضہ ثابت ہوگی (۲) قول تابعی میں ہے۔ عن ابن سیرین قال المفاوضۃ فی المال اجمع (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین... احدهما اور پٹ مال اھل کیون پٹھما، ج ثامن، ص ۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱) اس اثر سے شرکت مفاوضہ کے جواز کا پتہ چلا۔ (۳) اور دونوں شریکوں کے مال برابر ہوں اس کے لئے یہ اثر ہے۔ اخبرنا سفیان قال لا تكون المفاوضۃ حتی تكون سواء فی المال وحتى یخلطاموالھما ولا تكون المفاوضۃ والشریکۃ بالعروض۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں دونوں کے مال برابر ہوں۔ اسی اثر کا اگلا ٹکڑا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں بھی دونوں برابر ہوں۔ وما ادا ان واحد من المتفاوضین فقال قد ادنت کذا و کذا فهو مصدق علی صاحبه وان مات احدهما اخذ الآخر وان شاء الغریم يأخذ ایھما باع سلعتھ اخذ المبتاع ایھما شاء (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین، ج ثامن، ص ۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱) اس قول تابعی میں ہے کہ ایک کا بیچنا، خریدنا اور اقالہ کرنا دوسرے کے لئے ہوں گے۔ اس سے تصرف میں برابر ہونے کا پتہ چلا۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ شرکت مفاوضہ تمام تجارتوں میں شرکت ہے شرکت کا کوئی بھی معاملہ ہوا ایک شریک دوسرے پر سونپنا ہے، کیونکہ مفاوضہ کا ترجمہ ہے مساوات، [برابری] چنانچہ شاعر نے کہا، جب لوگ بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی سردار نہ رہے، اور جاہل لوگ سردار بن جائیں تو اس میں سرداری نہیں رہ سکتی۔ اس شعر میں فوض کا ترجمہ برابری، ہے اس لئے شرکت کے شروع میں بھی برابری ہو اور آخر میں بھی برابری ہو۔

تشریح: مفاوضہ کا معنی ہے برابری، اسلئے شرکت مفاوضہ میں دونوں کا مال بھی برابر ہو، دونوں کا تصرف بھی برابر ہو، اور دونوں جو قرض لائے گا وہ بھی دونوں پر برابر ہوگا۔ مصنف نے عربی کے ایک شعر سے استدلال کیا ہے، جسمیں فوض کا ترجمہ برابری ہے۔

ترجمہ: ۲۔ اور یہ مال میں ہوگا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ جس مال میں شرکت ممکن ہو اس میں برابری ہو، اور جس میں شرکت نہیں ہے اس میں کمی بیشی ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

۳. وَكَذَا فِي التَّصْرِيفِ، لِأَنَّهُ لَوْ مَلَكَ أَحَدُهُمَا تَصَرُّفًا لَا يَمْلِكُ الْآخَرُ لَفَاتَ التَّسَاوِي، وَكَذَلِكَ فِي الدَّيْنِ لِمَا نَبَّيْنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. ۴. وَهَذِهِ الشَّرْكَۃُ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا اسْتِحْسَانًا. وَفِي الْقِيَاسِ لَا تَجُوزُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. وَقَالَ مَالِكٌ: لَا أَعْرِفُ مَا الْمُفَاوَضَةُ. وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهَا تَضَمَّنَتْ الْوَكَالَۃَ بِمَجْهُولِ الْجِنْسِ وَالْكَفَالَةَ بِمَجْهُولٍ، وَكُلُّ ذَلِكَ بِإِنْفِرَادِهِ فَاسِدٌ. ۵. وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَاوِضُوا فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ" وَكَذَلِكَ النَّاسُ يُعَامِلُونَ نَهَامِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ وَبِهِ يُتْرَكُ الْقِيَاسُ

تشریح: درہم اور دینار میں شرکت مفاوضہ ہوتی ہے اس لئے اس میں برابری ہو، یعنی دونوں کا درہم برابر ہو۔ اور سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوتی اس لئے اس میں کم بیش ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، ہاں جب سامان کو بیچے گا تو اس کی جو قیمت آئے گی اس میں برابری ہو۔

ترجمہ: ۳. اسی طرح تصرف میں بھی دونوں برابر ہوں کیونکہ ایک آدمی تصرف کر سکتا ہو اور دوسرا اس بارے میں تصرف نہیں کر سکتا ہو تو برابری نہیں رہی، ایسے مذہب میں بھی دونوں برابر ہوں [یا قرض لینے میں بھی دونوں برابر ہوں]، اس بات کو بعد میں بیان کروں گا ان شاء اللہ

ترجمہ: ۴. یہ شرکت مفاوضہ ہمارے نزدیک استحساناً جائز ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، چنانچہ یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام مالکؒ نے تو فرمایا کہ مفاوضہ کیا چیز ہے، مجھے اس کا علم نہیں ہے، قیاس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مجہول جنس کی وکالت ہے، اور کفالت بھی مجہول چیز کی ہے [یعنی کیا کام کریں گے اور کیا خریدیں گے یہ ابھی معلوم نہیں ہے] اور دونوں الگ الگ ہوں اور دونوں مجہول ہو تو فاسد ہے اس لئے دونوں ایک ساتھ ہو تب بھی فاسد ہوگا۔

تشریح: شرکت مفاوضہ جب ہو جائے گی تو کس چیز میں تجارت کرے گا، یہ پتہ نہیں ہے، اس لئے ایک دوسرے کا جوکیل ہوگا، وہ کس مال میں ہوگا یہ ابھی معلوم نہیں ہے اس لئے مجہول الجنس ہوا، اسی طرح کس مال میں ایک دوسرے کا کفیل بنے گا ابھی یہ معلوم نہیں ہے، اس لئے کفالت میں جہالت ہوئی اس لئے کہ شرکت جائز نہیں ہونی چاہئے، چنانچہ امام شافعیؒ، اور امام مالکؒ کا مسلک یہی ہے کہ ان کے یہاں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، لیکن حدیث کی بنا پر ہمارے یہاں یہ شرکت جائز ہے۔

ترجمہ: ۵. استحسان کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ شرکت مفاوضہ کیا کرو اس لئے کہ اس میں برکت ہے، اور لوگ بغیر نکیر کے یہ شرکت کرتے چلے آئے ہیں اس لئے اس سے قیاس چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح: شرکت مفاوضہ جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن صالح بن صہیب عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاث فہن البرکۃ البیع الی اجل والمقارضة واختلاط البر بالشعیر للبيت لا للبيع. (ابن ماجہ شریف)

۲. وَالْجَهَالَةُ مُتَحَمِّلَةٌ تَبَعًا كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ (۲۹۸۵) وَلَا تَنْعَقِدُ إِلَّا بِالْفَطَةِ الْمَفَاوِضَةِ ۱. لِبُعْدِ شَرَايِطِهَا عَنْ عِلْمِ الْعَوَامِّ، حَتَّى لَوْ بَيَّنَّا جَمِيعَ مَا تَقْتَضِيهِ تَجُوزُ لِلَّانِ الْمُعْتَبَرِ هُوَ الْمَعْنَى.

(۲۹۸۶) قَالَ: فَتَجُوزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْكَبِيرَيْنِ مُسْلِمَيْنِ أَوْ ذِمِّيَّيْنِ لِتَحْقِيقِ التَّسَاوَى، وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا كِتَابِيًّا وَالْآخَرُ مَجْرُوسِيًّا تَجُوزُ أَيْضًا [لِمَا قُلْنَا] وَلَا تَجُوزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ ۱. لَا نَعِدَامَ الْمُسَاوَاةِ، لِأَنَّ الْحُرَّ الْبَالِغَ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَالْكَفَالَةَ، وَالْمَمْلُوكُ لَا يَمْلِكُ وَاحِدًا مِنْهُمَا إِلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلَى، وَالصَّبِيُّ لَا يَمْلِكُ الْكَفَالَةَ وَلَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ إِلَّا بِإِذْنِ الْوَلِيِّ.

، باب الشَّرْكَه وَالْمُضَارَبَةِ، ص ۳۲۶، نمبر ۲۲۸۹

ترجمہ: ۱. اور جو وکالت، اور کفالت کی جہالت ہے وہ تابع کے طور پر ہے اسلئے اسکو برداشت کر لیا جائے گا، جیسے بیع مضاربہ میں وکالت مجہول ہوتی ہے پھر بھی اسکو برداشت کر لیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی مجہول وکالت کو برداشت کر لیا جائے گا۔

تشریح: یہ جملہ امام شافعی کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ شرکت مفادضہ کی وکالت، اور کفالت میں جہالت ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ جہالت تابع میں ہے اس لئے اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے، جیسے مضاربہ میں تابع میں جہالت ہوتی ہے اس لئے اس کو برداشت کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی برداشت کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۲۹۸۵) مفادضہ کے لفظ سے ہی شرکت مفادضہ منعقد ہوگی۔

ترجمہ: ۱. کیونکہ عوام اس کی شرطوں کو نہیں جانتے ہیں، چنانچہ مفادضہ کا جو تقاضہ ہے اگر اس کو بیان کر دیا جائے تو شرکت مفادضہ منعقد ہو جائے گی، اس لئے کہ معنی کا ہی اصل اعتبار ہے۔

تشریح: عوام کو شرکت مفادضہ کی شرطوں کا پتہ نہیں ہوتا، اس لئے لفظ مفادضہ سے شرکت مفادضہ منعقد ہوگی، لیکن اگر کوئی آدمی مفادضہ کا لفظ نہ بولے، اور اس کی تمام شرطوں کو بیان کر دے تب بھی مفادضہ منعقد ہو جائے گی، کیونکہ معنی کا اعتبار ہے اور معنی بیان کر دیا ہے اس لئے شرکت مفادضہ ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۲۹۸۶) شرکت مفادضہ جائز ہے اگر دونوں شریک آزاد ہوں، بڑے ہوں دونوں مسلمان ہوں یا دونوں ذمی ہوں، کیونکہ تصرف میں دونوں برابر ہیں، اور اگر ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تب بھی جائز ہے [کیونکہ دونوں کافر ہیں]، اور ایک آزاد ہو اور دوسرا غلام ہو تو جائز نہیں۔ اسی طرح ایک بچہ ہو اور دوسرا بالغ ہو تو بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ برابری نہیں ہے۔ کیونکہ آزاد اور بالغ تصرف کا مالک ہے اور کفالہ کا مالک ہے اور جو غلام ہے وہ آقا کی اجازت کے بغیر نہ تصرف کر سکتا ہے اور نہ کفیل بن سکتا ہے۔ اور بچہ ولی کی اجازت کے بغیر نہ کفیل بن سکتا ہے اور نہ تصرف کر سکتا ہے [اسلئے یہاں شرکت مفادضہ جائز نہیں ہے۔

(۲۹۸۷) قَالَ: وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ

تشریح: دونوں آدمی آزاد ہوں، دونوں مسلمان ہوں، دونوں عاقل اور بالغ ہوں تو ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے۔ لیکن ایک آزاد اور دوسرا غلام ہو تو ان کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ یا ایک بالغ ہو اور دوسرا بچہ ہو تو شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ دونوں ذمی ہوں تب بھی شرکت مفاوضہ ہو جائے گی، کیونکہ دونوں کا مذہب ایک ہے اسی طرح ایک نصرانی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تب بھی جائز ہے، کیونکہ نصرانی اور مجوسی کا مذہب تقریباً ایک جیسا ہے، اس لئے دونوں ایک دوسرے کا کفیل بھی بنے گا اور وکیل بھی بنے گا۔

وجہ: (۱) اصل میں شرکت مفاوضہ میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور کفیل بھی ہوتے ہیں۔ یعنی کچھ خریدے تو آدھا اپنے لئے خریدتے ہیں اور آدھا وکیل کے طور پر شریک کے لئے خریدتے ہیں۔ اور کسی پر کوئی دین اور قرض ہو جائے تو آدھا اس پر ہوتا ہے اور آدھا کفیل اور ذمہ دار کے طور پر دوسرے شریک پر ہوتا ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل اسی وقت بن سکتے ہیں جب دونوں آزاد ہوں۔ اگر ایک مملوک اور غلام ہو تو وہ نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کفیل۔ اس لئے وہ شرکت مفاوضہ کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے آزاد اور مملوک کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی (۲) اوپر اثر میں تھا۔ عن ابن سیرین فاذا كانت شركة مفاوضۃ فامر كل واحد جائز علی صاحبه فی البیع والشراء والاقالة . (مصنف عبدالرزاق، باب المفاضین، یقر احدھا اور یث مالاً بل یكون ینھما؟، ج ثامن، ص ۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱۶) کہ شرکت مفاوضہ میں بیع، شراء اور اقالہ میں ہر ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۸۷) اور نہیں جائز ہے شرکت مسلمان اور کافر کے درمیان۔

وجہ: (۱) اور مسلمان اور کافر کے درمیان اس لئے نہیں ہوگی کہ مثلاً کافر شراب اور سور خریدے تو وہ مسلمان کی وکالت میں نہیں خرید سکتا اور ایسا نہیں کر سکتا کہ آدھی شراب اور آدھا سور اپنے لئے ہو اور آدھی شراب اور آدھا سور مسلمان کے لئے ہو۔ یا وہ سود کا کاروبار کرے تو کفیل ہونے کے ماتحت آدھا سود اپنے لئے اور آدھا سود مسلمان کے لئے ہو۔ ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شراب، سور اور سود مسلمان کے لئے حرام ہیں تو چونکہ بہت سے مقامات پر کافر مسلمان کی وکالت اور کفالت نہیں کر سکتا جو شرکت مفاوضہ میں ضروری ہیں۔ اس لئے مسلمان اور کافر کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہو سکتی۔ شرکت عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ ہو سکتی ہیں (۲) اثر میں اس کی ممانعت ہے۔ قلت لابن عباس ان ابی جلاب الغنم وانه مشارک الیہودی والنصرانی قال لا تشارك یهودیا ولا نصرانیا ولا مجوسیا قلت لم؟ قال لانهم یربون الربوا لایحل۔ (سنن للبیہقی، باب کراہیۃ مباہیۃ من اکثر مالہ من الربا واثن المحرم، ج خامس، ص ۵۴۷، نمبر ۱۰۸۲۲ / مصنف ابن

۱۔ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَجُوزُ لِلتَّسَاوِي بَيْنَهُمَا فِي الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ، وَلَا مُعْتَبَرُ بِزِيَادَةِ تَصَرُّفٍ يَمْلِكُهُ أَحَدُهُمَا كَالْمُفَاوَضَةِ بَيْنَ الشَّفْعَوِيِّ وَالْحَنْفِيِّ فَإِنَّهَا جَائِزَةٌ. وَيَتَفَاوَتَانِ فِي التَّصَرُّفِ فِي مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ، إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِأَنَّ الدَّمِيَّ لَا يَهْتَدِي إِلَى الْجَائِزِ مِنَ الْعُقُودِ. ۲. وَلَهُمَا أَنَّهُ لَا تَسَاوِي فِي التَّصَرُّفِ، فَإِنَّ الدَّمِيَّ لَوْ اشْتَرَى بِرَأْسِ الْمَالِ خُمُورًا أَوْ خَنَازِيرَ صَحَّ، وَلَوْ اشْتَرَاهَا مُسْلِمٌ لَا يَصِحُّ.

ابی شبیبہؒ فی مشارکتہ الیہودی والنصرانی، ج ۱، ص ۲۷، نمبر ۱۹۹۷ (۳) اس اثر میں یہودی۔ نصرانی اور مجوسی کو شریک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ شرکت مفاوضہ میں وہ شریک نہیں بن سکتے۔

ترجمہ: ۱۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وکالت اور کفالت میں مسلمان اور ذمی برابر ہیں اس لئے ان دونوں میں شرکت مفاوضہ جائز ہے، اور کسی ایک کو زیادہ تصرف ہے اس کا اعتبار نہیں ہے، جیسے شافعیؒ اور حنفیؒ کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، حالانکہ ذبیحہ پر بسم اللہ چھوڑ دے تو امام شافعیؒ کے یہاں یہ ذبیحہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں جائز نہیں ہے، لیکن ذمی اور مسلمان کے درمیان شرکت مفاوضہ مکروہ ہے اس لئے کہ ذمی کئی معاملے میں صحیح کام نہیں کر سکے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ مسلم اور کافر کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، لیکن مکروہ ہے، اس کی مثال دیتے ہیں کہ جیسے شوافعؒ اور حنفیؒ کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ ذبیحہ پر بسم اللہ چھوڑ دے تو امام شافعیؒ کے یہاں یہ ذبیحہ حلال ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حلال نہیں ہے پھر بھی ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، اسی طرح مسلم اور کافر کے درمیان تصرف میں تھوڑا سا اختلاف ہے پھر بھی ان دونوں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز ہے، لیکن بعض جگہ کافر شریعت کے مطابق کام نہیں کر پائے گا اس لئے مکروہ ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ کافر عاقل بالغ ہے اس لئے وہ وکیل اور کفیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے مسلمان ساتھ شرکت مفاوضہ ہو سکتی ہے۔

ترجمہ: ۲۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ذمی تصرف میں مسلمان کے برابر نہیں ہے، کیونکہ ذمی اگر شرکت کے مال سے شراب اور سور خریدے تو اس کے لئے صحیح ہے لیکن اگر اس کو مسلمان خریدے تو اس کے لئے صحیح نہیں ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ ذمی شراب اور سور خریدے گا تو اس کے لئے صحیح ہے، لیکن شرکت مفاوضہ کی وجہ سے وہ وکیل ہے اس لئے شراب اور سور کا آدھا حصہ مسلمان کا بھی ہوگا، جو کسی حال میں صحیح نہیں ہے اس لئے مسلمان کا ذمی کے ساتھ شرکت

(۲۹۸۸) وَلَا يَجُوزُ بَيْنَ الْعَبْدَيْنِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّينِ وَلَا بَيْنَ الْمَكَاتِبِينَ ۚ لَا نَعْدَامُ صِحَّةَ الْكِفَالَةِ، وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ تَصِحَّ الْمُفَاوَضَةُ لِفَقْدِ شَرْطِهَا، وَلَا يُشْتَرَطُ ذَلِكَ فِي الْعِنَانِ كَانَ عِنَانًا لَا اسْتِجْمَاعَ شَرَائِطِ الْعِنَانِ، إِذْ هُوَ قَدْ يَكُونُ خَاصًّا وَقَدْ يَكُونُ عَامًّا.

(۲۹۸۹) قَالَ: وَتَنَعَّدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ ۚ أَمَّا الْوَكَالَةُ فَلِتَحَقُّقِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الشَّرْكَۃُ فِي الْمَالِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَأَمَّا الْكِفَالَةُ: فَلِتَحَقُّقِ الْمُسَاوَاةِ فِيمَا هُوَ مِنْ مُوَاجِبِ التَّجَارَاتِ وَهُوَ تَوَجُّهُ الْمُطَالَبَةِ نَحْوَهُمَا جَمِيعًا.

مفاوضہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۲۹۸۸) دو غلاموں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، اور نہ دو بچوں کے درمیان، اور نہ دو مکاتب کے درمیان۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ کفالت صحیح نہیں ہے، اس لئے شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے ان چیزوں میں مفاوضہ جائز نہیں ہے، اور چونکہ شرکت عنان میں کفالت کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے عنان کی ساری شرطیں موجود ہیں اس لئے شرکت عنان جائز ہے، اس لئے کہ شرکت عنان کبھی خاص ہوتی ہے اور کبھی عام ہوتی ہے۔

تشریح: دو غلاموں کے درمیان شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، اسی طرح دو بچوں کے درمیان بھی شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے، اور اسی طرح دو مکاتب غلام کے درمیان میں بھی شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ البتہ شرکت عنان جائز ہے۔

وجہ: ابھی اوپر گزرا کہ شرکت مفاوضہ میں ایک دوسرے کا کفیل بھی ہوتے ہیں۔ اور غلام کسی کا کفیل نہیں بن سکتا اس لئے شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی، اسی طرح بچہ بھی کفیل نہیں بن سکتا، اور مکاتب غلام بھی کفیل نہیں بن سکتا اس لئے ان لوگوں کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ ہاں شرکت عنان میں ایک دوسرے کا کفیل بننا شرط نہیں ہے اس لئے ان لوگوں کے درمیان شرکت عنان ہو سکتی ہے، شرکت عنان کی بحث آئے گی۔

ترجمہ: (۲۹۸۹) شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر۔

ترجمہ: ۱۔ وکالت اسلئے ہوگی تاکہ مقصد حاصل ہو جائے، اور مقصد یہ ہے کہ جو مال خریدے وہ دونوں کا ہو جائے۔ اور کفالت اسلئے کہ قرضے میں دونوں برابر ہو جائیں، کیونکہ یہ تجارت کے لوازمات ہیں، کفالت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پر قرض کا مطالبہ ہو۔

تشریح: شرکت مفاوضہ میں دونوں ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے، اور کفیل بھی ہوتا ہے۔ وکیل کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید اور عمر نے شرکت مفاوضہ کی، اور زید نے شرکت کے سرمایہ سے جو کچھ خریدا اس میں سے آدھا عمر کا بھی ہوگا، کیونکہ زید عمر کا

(۲۹۹۰) قَالَ: وَمَا يَشْتَرِيهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَكُونُ عَلَى الشَّرْكَةِ إِلَّا طَعَامُ أَهْلِهِ وَكِسْوَتُهُمْ

وکیل ہے۔ اور کفیل کا مطلب یہ ہے کہ زید پر جو کچھ قرض آئے گا اس میں سے آدھا عمر پر بھی قرضہ آئے گا، کیونکہ کفالت کی وجہ سے عمر بھی قرضہ کا ذمہ دار ہے۔

وجہ: (۱) عن ابن سیرین فاذا كانت شركة مفوضة فامر كل واحد جائز على صاحبه في البيع والشراء والاقالة. (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين يقر احدهما او يرث المالا بل يكون بينهما؟، ج ثامن، ص ۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱۶) کہ شرکت مفوضہ میں بیع، شراء اور اقالہ میں ہر ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں (۲) اخبرنا سفیان فلا تكون مفوضة حتى يخلطوا وما اذان واحد من المتفاوضين فقال قد ادنت كذا وكذا فهو مصدق على صاحبه. (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين يقر احدهما او يرث المالا بل يكون بينهما؟، ج ثامن، ص ۲۰۱، نمبر ۱۵۲۱۹) اس قول تابعی میں ہے کہ ایک نے قرض لیا تو یہ دونوں پر ہوگا

ترجمہ: (۲۹۹۰) دونوں شریکوں میں سے ہر ایک جو کچھ خریدے گا وہ شرکت پر ہوگی سوائے بیوی بچوں کے کھانے اور کپڑے کے۔

اصول: تجارت کی چیز خریدے گا تو اس کا آدھا شریک کا بھی ہوگا، لیکن نجی ضروریات کی چیز خریدے گا تو اس کا آدھا شریک پر نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تجارت کے متعلقات نہیں ہیں۔

تشریح: دونوں شریکوں میں سے ہر ایک تجارت کے متعلقات خریدے گا اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور آدھا وکالت کے ماتحت شریک کے لئے ہوگا۔ البتہ بال بچوں کے کھانے اور کپڑے اور ان کی ضروریات زندگی کے سامان متعلقات تجارت میں سے نہیں ہیں اس لئے وہ جب بھی خریدے گا تو وہ صرف اپنے لئے ہوں گے۔ شریک کے لئے نہیں ہوں گے۔ صاحب ہدایہ یہ فرما رہے ہیں کہ مفوضہ میں مساوات ہوتی ہے مساوات

وجہ: کیونکہ ان میں نہ شرکت ہے اور نہ ان میں کفالت ہے (۲) اثر میں گزر چکا ہے کہ صرف متعلقات تجارت میں کفالت ہوگی۔ عن ابن سیرین ... فاذا كانت شركة مفوضة فامر كل واحد جائز على صاحبه في البيع والشراء والاقالة (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن، ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۶) اس اثر میں ہے کہ خرید و فروخت اور اقالہ دوسرے شریک پر ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ متعلقات تجارت دوسرے شریک پر ہوں گے اور اہل وعیال کی ضروریات متعلقات تجارت میں نہیں ہیں اس لئے وہ کفالت میں شامل نہیں ہوں گے۔

اصول: شرکت مفوضہ میں متعلقات تجارت وکالت اور کفالت میں شامل ہوں گے باقی نہیں۔

۱. وَكَذَا كَسَوْتُهُ، وَكَذَا الْإِدَامُ لِأَنَّ مُقْتَضَى الْعَقْدِ الْمَسَاوَاةُ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَائِمٌ مَقَامَ صَاحِبِهِ فِي التَّصَرُّفِ، وَكَانَ شِرَاءُ أَحَدِهِمَا كَشِرَائِهِمَا، إِلَّا مَا اسْتَشْنَاهُ فِي الْكِتَابِ، وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ لِأَنَّهُ مُسْتَشْنَى عَنْ الْمَفَاوِضَةِ لِلضَّرُورَةِ، فَإِنَّ الْحَاجَةَ الرَّائِبَةَ مَعْلُومَةُ الْوُقُوعِ، وَلَا يُمَكِّنُ إِيْجَابُهُ عَلَى صَاحِبِهِ وَلَا التَّصَرُّفُ مِنْ مَالِهِ، وَلَا بُدَّ مِنَ الشِّرَاءِ فَيَخْتَصُّ بِهِ ضَرُورَةٌ. وَالْقِيَاسُ أَنْ يَكُونَ عَلَى الشَّرْكَۃِ لِمَا بَيَّنَّا. (۲۹۹۱) وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيُّهُمَا شَاءَ ۱. الْمُشْتَرِي بِالْأَصَالَةِ وَصَاحِبُهُ بِالْكَفَالَةِ،

۲. وَيَرْجِعُ الْكَفِيلُ عَلَى الْمُشْتَرِي بِحَصَّتِهِ مِمَّا آدَى لِأَنَّهُ قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُمَا.

لغت: کسوۃ: کپڑا وغیرہ۔ ادام: سالن۔

ترجمہ: ۱: ایسے ہی خود شریک کا کپڑا، اور ایسے ہی سالن، اس لئے کہ مساوات کا مقصد یہ ہے کہ تصرف میں دونوں ایک دوسرے کا قائم مقام ہو اور ایک کا خریدنا دوسرے کے لئے ہو، مگر متن میں جس کو الگ کیا ہے [وہ ایک کا خریدنا دوسرے کے لئے نہیں ہوگا] اور یہ استحسان کا تقاضہ ہے، اس لئے کہ ضرورت کی بنا پر یہ خریداری مفاوضہ سے مستثنیٰ ہے، اس لئے کہ روزمرہ کی ضرورت تو ہونے والی ہے، لیکن یہ خریداری شریک پر واجب نہیں کر سکتے، اور نہ ان چیزوں کو شرکت کے مال خریداجا سکتا ہے، حالانکہ اس کا خریدنا ضروری ہے، اس لئے ضرورت کی بنا پر اس کو خاص کر دیا، حالانکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ خریداری بھی شرکت پر ہو، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [کہ دونوں میں مساوات ضروری ہے۔

تشریح: اس لمبی عبارت میں یہ بتانا چاہئے ہیں کہ شرکت مفاوضہ میں برابری ہوتی ہے، اور ہر چیز میں شریک وکیل ہوتا ہے اس لئے اس کا تقاضہ یہ تھا کہ کھانا اور کپڑا خریدے تب بھی شرکت میں ہو، لیکن استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ کھانا کپڑا وغیرہ نجی ضروریات کی چیزوں میں شرکت نہیں ہوگی، کیونکہ ہر ایک کی ضرورت الگ الگ ہیں، اس لئے ایک کی چیز دوسرے پر واجب نہیں کر سکتے، اور نہ ہی شرکت کے مال سے یہ چیزیں خریدنا جائز ہوگی۔ اور اصل بات یہ ہے کہ تجارت کی چیزوں میں شرکت ہوتی ہے، نجی ضروریات میں شرکت نہیں ہوتی، جیسا کہ پہلے قول تابعی سے بیان کر دیا گیا۔

ترجمہ: (۲۹۹۱) اور بائع کے لئے جائز ہے کہ جس شریک سے چاہیں قیمت لے لیں۔

ترجمہ: ۲: خریدنے والے سے اسلئے کہ اس نے ہی خریدا ہے، اور اس کے ساتھی سے اسلئے کہ وہ بھی ذمہ دار ہے [کفیل ہے] **تشریح:** جس نے بیچا ہے اس کے لئے دو اختیار ہیں [۱] خریدنے والے سے اپنی قیمت وصول کر لے، کیونکہ اس نے ہی خریدا ہے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کے شریک سے وصول کر لے، کیونکہ وہ بھی کفیل اور ذمہ دار ہے۔

ترجمہ: ۳: پھر کفیل اپنے حصے کا خریدنیوالے سے وصول کرے گا اس لئے کہ خریدنے والے کا قرض مشترک مال سے ادا کیا ہے۔

(۲۹۹۲) قَالَ: وَمَا يَلْزَمُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الدُّيُونِ بَدَلًا عَمَّا يَصِحُّ فِيهِ الْإِشْتِرَاكُ فَالْآخَرُ ضَامِنٌ لَهُ ۚ ۱. تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ، ۲. فَمِمَّا يَصِحُّ الْإِشْتِرَاكُ فِيهِ الشَّرَاءُ وَالْبَيْعُ وَالِاسْتِئْجَارُ، وَمِنْ الْقِسْمِ الْآخَرِ الْجَنَائِيَّةِ وَالنِّكَاحِ وَالْخُلْعُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ وَعَنْ النَّفَقَةِ.

تشریح: بائع نے خریدنے والے سے قیت وصول نہیں کی بلکہ اس کے ساتھی سے قیت وصول کی تو ساتھی کو یہ حق ہوگا کہ جتنا حصہ مشتری کا ادا کیا وہ مشتری سے وصول کر لے۔

ترجمہ: (۲۹۹۲) اور جو کچھ دونوں میں سے ہر ایک کو قرض لازم ہو اس کے بدلے میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا شریک اس کا ضامن ہوگا۔

ترجمہ: ۱. برابری کو ثابت کرنے کے لئے۔

تشریح: تجارت اور اس کے متعلقات کی وجہ سے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک پر قرض لازم ہو گیا تو دوسرا شریک بھی اس کا ضامن ہوگا اور اس کو ادا کرنا ہوگا۔

وجہ: (۱) شریک پر جو کچھ بھی قرض آئے دوسرا شریک اس کا کفیل ہے۔ اس لئے کفالت کی وجہ سے وہ بھی ادا کرنے کا ذمہ دار ہے (۲) قول تابعی گزر چکا ہے۔ اخبرنا سفیان ... وما ادا ان واحد من المتفاوضين فقال قد ادنت كذا وكذا فهو مصدق على صاحبه وان مات احدهما اخذ الآخر وان شاء الغريم يأخذ ايهما باع سلعته اخذ المبتاع ايهما شاء (مصنف عبدالرزاق، باب المتفاوضين ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹) اس قول تابعی میں ہے کہ قرض دینے والا اپنا قرض شریک مفاوضہ میں سے کسی سے بھی وصول کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲. پس جس میں دونوں کا اشتراک صحیح ہے وہ خریدنا، ہے، بیچنا ہے، اجرت پر لینا ہے۔ اور جس میں اشتراک صحیح نہیں ہے، وہ شریک کا جرم کرنا ہے، نکاح کرنا ہے، خلع کرنا ہے، جان کر کسی کو قتل کیا اس پر صلح کرنا ہے، یا بیوی کے نفقے کے بارے میں صلح کرنا ہے [ان چیزوں میں ایک شریک نے کیا تو اس کا اڈھا دوسرے ساتھی پر نہیں جائے گا، کیونکہ یہ تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہے]

اصول: جو معاملہ تجارت کے متعلقات میں سے ہو ان میں ایک شریک کرے گا تو اس کا آدھا دوسرے پر بھی لازم آئے گا، اور جو معاملہ تجارت کے متعلقات میں سے نہ ہو، بلکہ اس کا نجی ہو وہ معاملہ کرے گا تو جو کرے گا اسی پر اس کی ذمہ داری ہوگی، شریک پر اس کا آدھا حصہ نہیں آئے گا۔

تشریح: خریدنا، بیچنا، تجارت کے کام کے لئے کسی کو اجرت پر لینا، ان میں شرکت ہوگی، اور ایک کرے گا تو اس کا آدھا

(۲۹۹۳) قَالَ: وَلَوْ كُفِّلَ أَحَدُهُمَا بِمَالٍ عَنْ أَجْنَبِيٍّ لَزِمَ صَاحِبَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَا يَلْزِمُهُ لِأَنَّهُ تَبَرَّعَ، وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ مِنَ الصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ الْمَأْذُونِ وَالْمُكَاتَبِ، وَلَوْ صَدَرَ مِنَ الْمَرِيضِ يَصِحُّ مِنَ الثَّلَاثِ وَصَارَ كَالْإِقْرَاضِ وَالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ.

دوسرے شریک پر بھی لازم ہوگا، کیونکہ یہ تجارت کے متعلقات ہیں۔ ایک شریک نے کوئی جرم کر لیا، اپنا نکاح کر لیا جس سے اس پر مہر لازم ہوا، عورت شریک تھی اس نے اپنا خلع کیا جس کے بدلے میں رقم دینی پڑی، جان کو قتل کیا اور اس کے بدلے میں رقم دے کر صلح کی، بیوی کا نفقہ لازم ہوا تو یہ سب جس شریک نے کیا ہے اسی پر لازم ہوگا، اس کا آدھا دوسرے پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ سب تجارت کے متعلقات نہیں ہیں۔

ترجمہ: (۲۹۹۳) اگر دو شریکوں میں سے ایک اجنبی کے مال کا کفیل بنا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں دوسرے شریک کو بھی یہ مال لازم ہو جائے گا، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دوسرے شریک کو لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: کیونکہ یہ احسان کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ بچہ، ماذون غلام، اور مکاتب کفیل نہیں بن سکتا، اور مریض کفیل بنے تو تہائی مال سے ہی کفالت جاری ہوتی ہے [یہ دلیل ہے کہ کفالت تبرع اور احسان ہے] اور ایسا ہو گیا کہ قرض دینا اور کفالتہ بالنفس لینا [یہ شریک پر نہیں ہوتا تو مال کا کفالتہ بھی شریک پر نہیں ہوگا]

لغت: کفالتہ بالمال: کسی کے مال کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لینا، اگر یہ [مکفول عنہ] اس آدمی کے حکم سے کفالت لی ہے تو جو رقم اس کو دیا ہے وہ واپس لے سکے گا، اس صورت میں یہ ابتداء میں احسان ہے، لیکن بعد میں یہ معاوضہ ہے۔ اور اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر ذمہ داری لی ہے تو جو رقم کفالتہ میں دی ہے اس کو واپس نہیں لے سکے گا، یہ تبرع اور احسان ہوگا، ہاں وہ خود دے دے تو یہ اس کی مرضی ہے۔ اس صورت میں یہ کفالتہ ابتداء میں بھی احسان ہے، اور انتہاء میں بھی احسان ہے۔ کفالتہ بالنفس: کسی کو قاضی کے پاس حاضر کرنے کی ذمہ داری لینا، مثلاً زید نے کسی کو قتل کیا تھا اس لئے قاضی اس کو دارالقضاء میں بلا رہے تھے، تو عمر نے یہ ذمہ داری لی کہ فلاں تاریخ کو میں اس کو قاضی کے سامنے حاضر کروں گا، اس کو کفالتہ بالنفس، کہتے ہیں، یہ ابتداء میں بھی تبرع اور احسان ہے، اور انتہاء میں بھی احسان ہے، کیونکہ اس میں کوئی رقم ملنے والی نہیں ہے۔ لو صدر من المريض: ایسا آدمی جو مرض الموت میں مبتلا ہو وہ وصیت کرے تو تہائی مال میں اس کی وصیت جاری ہوتی ہے، اسی طرح وہ کسی کا کفیل بن جائے تو اپنے تہائی مال سے کفالتہ ادا کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، کیونکہ کفالتہ ابتداء احسان ہے۔ مکفول لہ: جس آدمی کی جانب سے کفیل بنا ہے اس کو مکفول عنہ، کہتے ہیں۔

اصول: تبرع کی چیز میں شریک ذمہ دار نہیں ہوگا، تجارت کی چیز کی آدھی شریک کے ذمے ہوگی۔

۲ وَلِأَبَى حَنِيفَةَ أَنَّهُ تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً وَمُعَاوَضَةٌ بَقَاءً لِأَنَّهُ يَسْتَوْجِبُ الضَّمَانَ بِمَا يُؤَدِّي عَلَى الْمُكَفُولِ عَنْهُ إِذَا كَانَتْ الْكَفَالَةُ بِأَمْرِهِ، فَبِالنَّظَرِ إِلَى الْبَقَاءِ تَتَضَمَّنُهُ الْمُعَاوَضَةُ، وَبِالنَّظَرِ إِلَى الْإِبْتِدَاءِ لَمْ تَصَحَّ مِنْ ذِكْرِهِ وَتَصَحَّ مِنَ الثَّلَاثِ مِنَ الْمَرِيضِ،

تشریح: مثلاً زید اور عمر نے شرکت معاوضہ کی، پھر زید نے خالد پر ایک ہزار روپہ قرض تھا اس کو ادا کرنے کی کفالت یعنی ذمہ داری لے لی، تو کیا آدھا یعنی پانچ سو روپہ عمر پر بھی لازم آئے گا یا نہیں؟ تو امام ابوحنیفہ کی رائے یہ ہے کہ پانچ سو روپہ عمر پر بھی آئے گا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ پانچ سو روپہ عمر پر نہیں آئے گا۔

وجہ: صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ زید نے جو کفالہ لیا ہے وہ تبرع کے طور پر ہے، وہ کوئی مالی تجارت نہیں ہے، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ کوئی مالی تجارت ہواسی کی رقم شریک کے ذمے ہوتی ہے۔ یہ کفالہ تبرع ہے، صاحبین نے اس کی پانچ دلیل دی ہیں۔ [۱] یہ کفالہ بچہ نہیں لے سکتا، کیونکہ بچہ وہی لے سکتا جس میں مالی فائدہ ہو یا تجارت کی چیز ہو، اور اس میں مالی فائدہ نہیں ہے اس لئے بچہ کفالہ نہیں لے سکتا۔ [۲] وہ غلام کس کو تجارت کی اجازت ہو وہ بھی کفالہ نہیں لے سکتا، کیونکہ یہ تجارت کی چیز نہیں ہے، بلکہ تبرع ہے۔ [۳] مکاتب غلام بھی کفالہ نہیں لے سکتا، کیونکہ یہ تجارت کی چیز نہیں ہے۔ [۴] کوئی مرض الموت میں مبتلا ہو تو وہ تجارت کر سکتا ہے، لیکن کفالہ نہیں لے سکتا، اگر لے گا تو صرف تہائی مال میں یہ کفالہ جاری ہوگا، جیسے وصیت میں جاری ہوتی ہے۔ [۵] زید اپنے لئے قرض لے لے تو یہ قرض شریک پر نہیں آئے گا، کیونکہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے، تبرع ہے۔ [۶] زید کفالہ بالنفس لے لے تو یہ ذمہ داری شریک پر نہیں ہوگی کیونکہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے، بلکہ تبرع ہے، پس جس طرح ان چھ میں شریک پر ذمہ داری نہیں ہوگی، اسی طرح مال کا کفالہ لیا تو اس کی آدھی ذمہ داری شریک پر نہیں ہوگی۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ شروع میں تبرع ہے لیکن بعد میں یہ معاوضہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ جو کچھ ادا کیا مکفول عنہ پر اس کا ضمان لازم ہوتا ہے، اگر اس کے حکم سے ہو، اس لئے بعد پر نظر کرتے ہوئے یہ معاوضہ ہے، ہاں شروع پر نظر کرتے ہوئے ان لوگوں سے صحیح نہیں ہے جنکو آپ نے ذکر کیا [کہ بچے اور غلام سے کفالہ صحیح نہیں ہے] اور مریض کفالہ لے لے تو تہائی مال میں درست ہوتا ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر مکفول لہ کے حکم سے کفیل بنا ہے تو یہ رقم بعد میں مکفول عنہ دے گا، اس لئے ابتداء میں یہ تبرع ہے، لیکن انتہاء میں یہ معاوضہ ہے، جو ایک طرح کی تجارت ہوگی، اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ تجارت کی چیز شریک پر بھی ہوتی ہے اس لئے کفالہ شریک پر بھی آدھا ہوگا، اور صاحبین نے جن باتوں سے استدلال کیا ہے وہ ابتداء کا اعتبار کرتے ہوئے ہے، انتہاء کا اعتبار کرتے ہوئے نہیں ہے۔

۳ بِخِلَافِ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ لِأَنَّهَا تَبْرُعُ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً. ۴ وَأَمَّا الْإِقْرَاضُ فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَلْزَمُ صَاحِبَهُ، وَلَوْ سَلِمَ فَهُوَ إِعَارَةٌ فَيَكُونُ لِمِثْلِهَا حُكْمٌ عَيْنِيًّا لَا حُكْمُ الْبَدَلِ حَتَّى لَا يَصَحَّ فِيهِ الْأَجَلُ فَلَا يَتَحَقَّقُ مُعَاوَضَةٌ، ۵ وَلَوْ كَانَتْ الْكَفَالَةُ بِغَيْرِ أَمْرِهِ لَمْ تَلْزَمْ صَاحِبَهُ فِي الصَّحِيحِ لِانْعِدَامِ مَعْنَى الْمُفَاوَضَةِ ۶ وَمُطْلَقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ مَحْمُولٌ عَلَى الْمُقَيَّدِ،

ترجمہ: ۳: بخلاف کفالہ بالنفس کے [کہ وہ شریک پر نہیں ہوگا] کیونکہ وہ ابتداء میں بھی تبرع ہے اور انتہاء میں بھی تبرع ہے۔
تشریح: کفالہ بالنفس شروع میں بھی تبرع ہے اور انتہاء میں بھی تبرع ہے اس لئے یہ شریک پر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۴: کسی کو قرض دینے کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی روایت یہ ہے کہ وہ شریک پر بھی لازم ہو جائے گا، لیکن اگر مان لیا جائے کہ قرض شریک پر لازم نہ ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عاریت ہے [مانگ کر لینا ہے] مقرض جو کچھ دے گا وہ عین قرض ہے یہ بدلہ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قرض کی واپسی کے لئے مدت متعین کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے وہ معاوضہ نہیں ہوا [اس لئے یہ شریک پر لازم نہیں ہوگا]

تشریح: قرض کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی ایک رائے ہے کہ وہ شریک پر لازم نہیں ہے، اور دوسری رائے ہے کہ شریک پر لازم نہیں ہے۔

وجہ: شریک پر لازم نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے کہ قرض دینا عاریت ہے، یہ معاوضہ نہیں ہے، اور بدلہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ مقرض جو پیسہ دے گا وہ پہلا ہی پیسہ مانا جائے گا قرض کا بدلہ نہیں سمجھا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ قرض کسی وقت بھی واپس لے سکتا ہے، اس کے لینے کے لئے کوئی وقت متعین کرنا چاہے تو وقت متعین نہیں ہوگا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرض دینا تبرع ہے اس لئے وہ شریک پر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۵: اگر مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بن گیا تو صحیح روایت یہی ہے کہ یہ شریک پر لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں مفاوضہ کا معنی نہیں ہے۔

تشریح: مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بن گیا تو یہ تبرع ہے، اور مکفول عنہ چاہے گا تو رقم دے گا اور چاہے گا تو رقم نہیں دے گا اس لئے اس کا ادھا شریک پر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۶: اور متن میں جو کہا گیا ہے کہ شریک کفیل بن گیا تو وہ مطلق نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا ہے [تب ہی تو معاوضہ بنے گا اور شریک پر آدھا لازم ہوگا]

تشریح: واضح ہے۔

ۛ وَضَمَانُ الْغَضَبِ وَالِاسْتِهْلَاكِ بِمَنْزِلَةِ الْكِفَالَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ انْتِهَاءً.

(۲۹۹۴) قَالَ وَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا مَا لَا يَصِحُّ فِيهِ الشَّرْكَۃُ أَوْ وَهَبَ لَهُ وَوَصَلَ إِلَى يَدِهِ بَطَلَتْ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتْ عِنَانًا لِفَوَاتِ الْمَسَاوَاةِ فِيمَا يَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ إِذْ هِيَ شَرْطُ فِيهِ ابْتِدَاءً وَبَقَاءً، وَهَذَا لِأَنَّ الْآخَرَ لَا يُشَارِكُهُ فِيمَا أَصَابَهُ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ فِي حَقِّهِ، إِلَّا أَنَّهَا تَنْقَلِبُ عِنَانًا لِلِإِمْكَانِ، فَإِنَّ الْمَسَاوَاةَ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهِ،

ترجمہ: غصب کا ضمان دیا، اور کسی چیز کو ہلاک کر دیا اور اس کا ضمان دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ کفالہ بالمال کی طرح ہے اس لئے کہ آخر میں یہ معاوضہ ہے۔

تشریح: کسی نے دوسرے کا مال غصب کر لیا تھا، ایک شریک نے اس کا ضمان ادا کیا، یا کسی نے دوسرے کا مال ہلاک کر دیا تھا، ایک شریک نے اس کا ضمان ادا کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس کا آدھا دوسرے شریک پر بھی لازم ہوگا، **وجہ:** انکے یہاں یہ کفیل بننے کی طرح ہے، اور اس کا معاوضہ بعد میں ملے گا تو یہ معاوضہ ہو گیا اس لئے دوسرے شریک پر بھی اس کا آدھا لازم ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۹۴) پس اگر وارث ہو اور دونوں شریکوں میں سے ایک ایسے مال کا جس میں شرکت صحیح ہے یا اس کو ہبہ کر دیا گیا اور پہنچ گیا اس کے ہاتھ تک تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور بدل کر شرکت عنان ہو جائے گی۔

ترجمہ: اس لئے کہ اس مال میں برابری ختم ہو گئی، جبکہ شروع میں اور آخر میں بھی برابری ہونا ضروری ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرا شریک پائے ہوئے مال میں شریک نہیں ہو سکا، کیونکہ اس کے حق میں سبب نہیں ہوا [یعنی اس کی وراثت نہیں تھی]، لیکن یہ شرکت عنان بن جائے گی اس لئے کہ شرکت عنان میں برابری ضروری نہیں ہے

تشریح: آگے آ رہا ہے کہ شرکت مفاوضہ صرف درہم، دنانیر اور رانج سکوں میں ہوتی ہے ان کے علاوہ میں نہیں۔ پس اگر دونوں شریکوں میں سے ایک درہم، دنانیر یا رانج سکوں کا وارث بن گیا یا کسی نے اس کو ہبہ کر دیا اور شریک نے ان پر قبضہ بھی کر لیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور شرکت عنان بن جائے گی۔ مثلاً پہلے پہلے زید اور عمر نے شرکت مفاوضہ کی اور دونوں نے ایک ایک ہزار درہم جمع کئے، اب زید وراثت میں مزید پانچ سو درہم کا مالک بن گیا، اور انکے پاس پندرہ سو درہم ہو گئے، اور عمر کے پاس ایک ہزار درہم ہی رہے، اس لئے راس المال میں برابری نہ ہونے کی وجہ سے شرکت مفاوضہ ختم ہو جائے گی، اور شرکت عنان بن جائے گی، کیونکہ شرکت عنان میں برابری ہونا ضروری نہیں ہے۔

وجہ: (۱) یہاں وراثت اور ہبہ کے ذریعہ مالک ہونے کی وجہ سے دونوں کے مال برابر نہ رہے بلکہ ایک کا زیادہ ہو گیا اس

۲. وَلِدَوَامِهِ حُكْمُ الْإِبْتِدَاءِ لِكَوْنِهِ غَيْرَ لَازِمٍ (۲۹۹۵) وَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا عَرَضًا فَهُوَ لَهُ وَلَا تَفْسُدُ الْمَفَاوِضَةُ ۱. وَكَذَا الْعَقَارُ لِأَنَّهُ لَا تَصِحُّ فِيهِ الشَّرْكَهُ فَلَا تُشْتَرِطُ الْمَسَاوَاةُ فِيهِ.

لئے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی۔ (۲) اثر میں ہے اخبارنا سفیان قال لا تكون المفاوضة حتى تكون سواء في المال وحتى يخلط اموالهما. (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹) اس اثر میں ہے کہ دونوں کے مال برابر ہونے چاہئے اور دونوں کو ملانا بھی چاہئے۔ اور یہاں ایک کا مال زیادہ ہو گیا اس لئے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی (۳۰)۔ عن الشعبي قال كل شريك يبيعه جائز في شركة الا شريك الميراث (مصنف عبد الرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۸) اس سے پتہ چلا کہ میراث میں شرکت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲ اور اس کے دوام کا حکم ابتداء کا ہے جو لازم نہیں ہے۔

تشریح: یہ عبارت پیچیدہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہمیشہ برابری نہیں رہی تو سمجھو کہ شروع میں ہی برابری نہیں رہی، اور چونکہ شرکت مفاوضہ لازم نہیں ہے اس لئے برابری نہ ہونے کی وجہ سے وہ شرکت عنان بن جائے گی۔

لغت: ووصل الی یدہ : ہبہ کی چیز پر شریک کا قبضہ ہو اس کی شرط اس لئے لگائی کہ ہبہ میں قبضہ سے پہلے آدمی اس چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ قید لگائی کہ ہبہ ہوا ہو اور اس پر قبضہ بھی ہو گیا ہو تب شرکت مفاوضہ باطل ہوگی۔

ترجمہ: (۲۹۹۵) پس اگر کوئی ایک شریک سامان کا وارث بن گیا تو شرکت مفاوضہ ختم نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ایسے ہی زمین کا مالک بن گیا اس لئے کہ اس میں شرکت صحیح نہیں ہے اور اس میں برابری کی بھی شرط نہیں ہے۔

اصول: سامان جمع کرے تو اس میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوتی ہے۔

تشریح: ایک شریک سامان کا وارث بن گیا، یا زمین اور مکان کا وارث بن گیا تو شرکت مفاوضہ باطل نہیں ہوگی۔

وجہ: جب سامان میں شرکت نہیں ہوتی تو کسی ایک وارث کے پاس اس کے آنے سے اس المال میں برابر ختم نہیں ہوگی، اس لئے شرکت مفاوضہ برقرار رہے گی۔

﴿فصل﴾

(۲۹۹۶) وَلَا تَنْعَقِدُ الشَّرْكَۃُ إِلَّا بِالْأَرْهَامِ وَالْذَّنَابِيرِ وَالْفُلُوسِ النَّافِقَةِ ۚ وَقَالَ مَالِكٌ: تَجُوزُ بِالْعُرُوضِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ أَيْضًا إِذَا كَانَ الْجِنْسُ وَاحِدًا: لِأَنَّهَا عُقِدَتْ عَلَى رَأْسِ مَالٍ مَعْلُومٍ فَأَشْبَهَ النُّقُودَ، ۲. بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ لِأَنَّ الْقِيَاسَ يَأْبَاهَا لِمَا فِيهَا مِنْ رِبْحٍ مَالٌ يُمْضَنُ. فَيُقْتَصَرُ عَلَى مُورِدِ الشَّرْعِ.

﴿فصل﴾

ترجمہ: (۲۹۹۶) اور شرکت مفاوضہ نہیں منعقد ہوگی مگر درہم، دینار اور راتج سکوں سے۔

تشریح: جو شے ہیں ان میں شرکت مفاوضہ ہوگی، سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ ہاں سامان بیچ کر پھر برابر برابر درہم یا دینار ملائے اور شرکت کرے تو ہوگی۔

وجہ: (۱) قول تابعی میں ہے۔ اخبرنا سفيان قال لا تكون المفاوضة حتى تكون سواء في المال وحتى يخلط اموالهما ولا تكون المفاوضة والشركة بالعروض ان يجيئ هذابعرض وهذا بعرض (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹) (۲)۔ عن محمد ابن سيرين قال لا يكون الشركة والمضاربة بالدين والوديعة والعروض والمال الغائب (مصنف ابن ابي شيبة ۳۲۸ فی الشركة بالعروض، ج رابع، ص ۴۸۴، نمبر ۲۲۳۲۴) اس اثر میں فرمایا کہ سامان کے ذریعہ شرکت کرنا صحیح نہیں ہے۔ (۳) اوپر اثر میں آیا کہ دونوں کے مال برابر ہوں۔ لیکن سامان بیچا اور کسی کی قیمت زیادہ آئی اور کسی کی کم تو مال میں برابری نہیں ہوئی اسلئے سامان میں شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ: امام مالکؒ نے فرمایا کہ سامان سے، کیلی چیز سے، اور روزنی چیز سے بھی شرکت مفاوضہ ہوگی اگر دونوں ایک ہی جنس کے ہوں، اس لئے کہ اس المال معلوم ہے اس پر عقد ہوا ہے اس لئے یہ نقد کی طرح ہو گیا،

تشریح: امام مالکؒ نے فرمایا کہ غلہ ہے سامان ہے، اگر دونوں جانب ایک ہی چیز ہے تو اس سے شرکت مفاوضہ کرنا جائز ہے۔

وجہ: (۱) اس لئے کہ دونوں جانب ایک ہی چیز ہے، اور دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی نہیں ہوگی اس لئے جائز ہوگی۔ (۲) ان کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ عن ابن سيرين قال المفاوضة في المال اجمع (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضين ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۷) اس اثر میں ہے کہ تمام مالوں میں شرکت مفاوضہ کر سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲. بخلاف مضاربت کے اس لئے کہ قیاس اس کا انکار کرتا ہے اس لئے کہ اس میں جس چیز کا ضامن نہیں ہے اس کا نفع لے رہا ہے، اس لئے شریعت جتنے پر وارد ہوئی ہے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

۳ وَلَسْنَا أَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى رِبْحٍ مَا لَمْ يُضْمَنْ؛ لَأَنَّهُ إِذَا بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ مَالِهِ وَتَفَاضَلَ الثَّمَنَانِ فَمَا يَسْتَحِقُّهُ أَحَدُهُمَا مِنَ الزِّيَادَةِ فِي مَالِ صَاحِبِهِ رِبْحٌ مَا لَمْ يَمْلِكْ وَمَا لَمْ يُضْمَنْ، ۴ بِخِلَافِ الدَّرَاهِمِ وَالذَّنَانِيرِ لِأَنَّ ثَمَنَ مَا يَشْتَرِيهِ فِي ذِمَّتِهِ إِذْ هِيَ لَا تَتَعَيَّنُ فَكَانَ رِبْحٌ مَا يُضْمَنْ، ۵ وَلِأَنَّ أَوَّلَ التَّصَرُّفِ فِي الْعُرُوضِ الْبَيْعُ وَفِي النُّقُودِ الشِّرَاءُ، وَيَبْعُ أَحَدُهُمَا مَالَهُ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْآخَرُ شَرِيكًا فِي ثَمَنِهِ لَا يَجُوزُ، وَشِرَاءُ أَحَدِهِمَا شَيْئًا بِمَالِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ الْمَبِيعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ جَائِزٌ.

لغت: ربح مال لم یضمن: یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک چیز کی ذمہ داری نہیں لیتے ہیں، پھر بھی اس کا نفع لینا چاہتے ہیں، مثلاً مضاربت میں ایک آدمی کا مال ہوتا ہے اور دوسرے آدمی کی محنت ہوتی ہے، اب محنت والا مال کا ذمہ دار نہیں ہوتا کیونکہ مضاربت کا مال ضائع ہو جائے تو محنت والا اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا پھر بھی نفع لیتا ہے تو اس نفع کو ربح مال لم یضمن، کہتے ہیں۔

تشریح: یہ امام مالک کی دلیل ہے کہ مضاربت میں بغیر ضمان کے نفع لیتا ہے، اس لئے وہاں حدیث میں جتنا وارد ہوا کہ صرف درہم اور دینار میں مضاربت ہوگی اتنے ہی پراکتفاء کیا جائے گا، لیکن شرکت میں تو دونوں ذمہ دار ہوتے ہیں، اس لئے سامان اور غلے میں بھی شرکت ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳: ہماری دلیل یہ ہے کہ سامان سے شرکت ہوگی تو بھی ربح مال لم یضمن ہوگا، کیونکہ جب سامان بیچے گا اور دونوں کی قیمت کم بیش ہوگی تو جس کی رقم زیادہ ہوگی تو دوسرا آدمی اس کا نفع لیگا تو یہ ربح مال لم یضمن ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے، غور سے سمجھیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جب دونوں سامان بیچیں گے تو ایک کی قیمت زیادہ آئے گی اور دوسرے کی قیمت کم آئے گی، تو جس کی قیمت زیادہ آئے گی اس کا نفع دوسرے شریک نے لیا، بلکہ دوسرا شریک اس نفع کا ذمہ دار نہیں تھا، تو ربح مال لم یضمن تو یہاں بھی ہوا اس لئے سامان میں شرکت جائز نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۴: بخلاف درہم اور دینار کے اس لئے کہ اپنی قیمت سے جو خریدے گا وہ اسی خریدنے والے کے ذمے ہوگا، کیونکہ قیمت متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی اس لئے ربح ماضن ہوا۔

تشریح: بخلاف جب درہم اور دینار میں شرکت کی تو اس دینار سے جو کچھ خریدا وہ چونکہ متعین نہیں ہے اس لئے جس نے خریدا اسی کے ذمے درہم لازم ہوا اس لئے اب جو نفع آیا وہ اپنی ذمہ داری کا نفع آیا، اس لئے یہ نفع ماضن ہوا۔

ترجمہ: ۵: اور اس لئے کہ سامان میں پہلا تصرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو بیچا جاتا ہے، اور درہم دینار میں پہلے خریدا ہوتا ہے، اور اپنے مال کو بیچنا کہ دوسرا اس کی قیمت میں شریک ہو یہ جائز نہیں ہے۔ اور اپنے مال سے کسی چیز کو خریدا اس شرط پر کہ بیع دونوں کے درمیان ہو جائز ہے۔

۶. وَأَمَّا الْفُلُوسُ النَّافِقَةُ فَلِأَنَّهَا تَرْوُجُ رَوَاجَ الْإِثْمَانِ فَالْتَحَقَتْ بِهَا. قَالُوا: هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ لِأَنَّهَا مُلْحَقَةٌ بِالْثَقُودِ عِنْدَهُ حَتَّى لَا تَتَّعِينَ بِالتَّعِينِ، وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ بِأَعْيَانِهَا عَلَى مَا عُرِفَ.
کے اَمَّا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى لَا تَجُوزُ الشَّرِکَةُ وَالْمُضَارَبَةُ بِهَا لِأَنَّ ثُمْنِيَّتَهَا تَبَدَّلُ سَاعَةً فَسَاعَةً وَتَصِيرُ سِلْعَةً.

تشریح: سامان میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے اس کی یہ دوسری دلیل ہے۔ سامان میں تصرف کا طریقہ یہ ہوگا پہلے اس کو بیچے گا پھر اس کی رقم آئے تب جا کر شرکت کرے گا۔ اور درہم میں ایسا ہوگا اس سے خریدے گا پہلے خریدے گا۔ اس صورت حال میں سامان کو بیچنا اور اس کی قیمت میں دوسرے کو شریک کرنا جائز نہیں ہے۔ اور کسی چیز کو خریدنا کہ بیع دونوں کے درمیان ہو یہ جائز ہے، اس لئے سامان میں شرکت نہیں ہوگی

ترجمہ: ۶. رائج سکہ کا رواج درہم اور دینار کی طرح ہے اس لئے اس کا حکم درہم دینار کی طرح ہوگا، یعنی اس سے شرکت مفاوضہ ہو جائے گی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ امام محمد کا قول ہے، کہ شرکت جائز ہوگی اس لئے کہ ان کے یہاں نقد کے ساتھ ملحق ہے، چنانچہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگا، اور ایک سکہ کے بدلے میں دو سکے کا بیچنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ دوسری جگہ اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

لغت: فلوس نافقہ: سونے اور چاندی کے علاوہ کا سکہ جو جیسے ڈالرا اور روپیہ ہوتا ہے اس کو فلوس نافقہ، کہتے ہیں، اس کی دو حیثیت ہیں، اس سے خریدنے کا رواج ہو تو یہ درہم اور دینار کی طرح ثمن ہے، اور حکومت اس کی ثمنی حیثیت ختم کر دے تو یہ لوہا اور تانبے کی طرح سامان ہے، چونکہ اس کی دونوں حیثیت ہیں اس لئے اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام محمد کے نزدیک وہ درہم کی طرح ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ سامان کی طرح ہے۔ نقد: نقد کا مطلب ہے درہم اور دینار۔

تشریح: فلوس نافقہ کے ذریعہ شرکت مفاوضہ جائز ہے یا نہیں ہے؟ اس بارے میں امام محمد فرماتے ہیں کہ وہ درہم کی طرح ہے، اس کے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، ایک فلوس دیکر دو فلوس خریدنا جائز نہیں ہے، پس جب وہ درہم کی طرح ہے تو اس کے ذریعہ شرکت مفاوضہ جائز ہوگی۔

ترجمہ: ۷. امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک فلوس نافقہ کے ذریعہ شرکت مفاوضہ، اور مضاربہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ثمنیت روز بدلتی رہتی ہے اس لئے وہ سامان ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہ کے نزدیک فلوس نافقہ کے ذریعہ شرکت مفاوضہ، اور مضاربہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں فلوس نافقہ سامان ہے، کیونکہ اس کی قیمت روزانہ بدلتی رہتی ہے، اور حکومت نے اس کو

۸ وَرَوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ مِثْلَ قَوْلِ مُحَمَّدٍ، وَالْأَوَّلُ أَقْسَى وَأَظْهَرُ، ۹ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ صِحَّةُ الْمُضَارَبَةِ بِهَا.

(۲۹۹۷) قَالَ: وَلَا تَجُوزُ الشَّرِکَةُ بِمَا سِوَى ذَلِكَ إِلَّا أَنْ يَتَعَامَلَ النَّاسُ بِالنَّبْرِ ۱ وَالنُّقْرَةُ فَتَصِحَّ الشَّرِکَةُ بِهِمَا، هَكَذَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ.

(۲۹۹۸) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَلَا تَكُونُ الْمَفَاوِضَةُ بِمِثَاقِ قِيلٍ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ ۱ وَمُرَادُهُ النَّبْرُ، فَعَلَى هَذِهِ

راج کیا ہے تو آج وہ سکہ ہے، کل اس کو ختم کر دے گا تو اپنی اصلی حقیقت کی طرح پیتل اور تانبہ بن جائے گا، چونکہ یہ سامان ہوا اس لئے اس کے ذریعہ شرکت مفاوضہ اور مضاربت جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۸ یہ روایت کی گئی ہے کہ امام ابو یوسف کا قول امام محمد کی طرح ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ امام ابو یوسف کا قول امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہونا چاہئے اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسف کے یہاں فلوں نافقہ سے شرکت مفاوضہ جائز ہے یا نہیں، اس بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ وہ امام محمد کے ساتھ ہیں، یعنی جائز ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں کہ جائز نہیں ہے، اور زیادہ ظاہر روایت یہی ہے۔

ترجمہ: ۹ امام ابو حنیفہ کی ایک روایت یہ ہے کہ فلوں نافقہ سے مضاربت جائز ہے۔

ترجمہ: (۲۹۹۷) اور نہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ ان کے علاوہ میں مگر یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں، جیسے سونے چاندی کی ڈلی۔

ترجمہ: ۱ پس صحیح ہے شرکت ان دونوں سے۔ متن میں ایسے ہی ذکر کیا ہے۔

تشریح: درہم، دینار اور رائج سکوں کے علاوہ میں شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر لوگ کسی خاص چیز مثلاً چاندی اور سونے کی ڈلی میں شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہو جائے گی۔

وجہ: چاندی اور سونے کی ڈلی بھی درہم اور دینار کے حکم میں ہیں۔ کہ وہ بھی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی ہیں۔

لغت: النبتر : سونے کی ڈلی۔ النقرة : چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا۔

ترجمہ: (۲۹۹۸) جامع صغیر میں ہے کہ سونے کے مثقال اور چاندی کے مثقال سے شرکت مفاوضہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱۰ اس سے مراد ہے کہ سونے کی ڈلی، اور چاندی کی ڈلی سے [شرکت مفاوضہ جائز نہیں ہوگی] اس روایت پر ڈلی جو ہے وہ متعین کرنے سے متعین ہوگی اس لئے شرکت مفاوضہ اور مضاربت میں راس المال نہیں بنے گی۔ اور جامع صغیر کے کتاب الصرف میں ہے ڈلی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوگی [یعنی وہ درہم کی طرح ہے] یہی وجہ ہے کہ ڈلی کو سوونے سے

الرَّوَايَةُ التَّبَرُّسْلَةُ تَعَيَّنَ بِالْتَّعْيِينِ فَلَا تَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِي الْمَضَارِبَاتِ وَالشَّرِكَاتِ. وَذَكَرَ فِي كِتَابِ الصَّرْفِ أَنَّ النُّقْرَةَ لَا تَعَيَّنُ بِالْتَّعْيِينِ حَتَّى لَا يَنْفَسَخَ الْعَقْدُ بِهَا بَهْلَاكِه قَبْلَ التَّسْلِيمِ، فَعَلَى تِلْكَ الرَّوَايَةِ تَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ فِيهِمَا، وَهَذَا الْمَاعْرِفُ أَنَّهُمَا خُلِقَا ثَمَنَيْنِ فِي الْأَصْلِ، إِلَّا أَنَّ الْأَوَّلَ أَصَحُّ؛ لِأَنَّهَا وَإِنْ خُلِقَتْ لِلتَّجَارَةِ فِي الْأَصْلِ لَكِنَّ الثَّمَنِيَّةَ تَخْتَصُّ بِالضَّرْبِ الْمَخْصُوصِ؛ لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ لَا تُصَرَّفُ إِلَى شَيْءٍ آخَرَ ظَاهِرًا إِلَّا أَنْ يَجْرِيَ التَّعَامُلُ بِاسْتِعْمَالِهِمَا ثَمَنًا فَتَزَلِ التَّعَامُلُ بِمَنْزِلَةِ الضَّرْبِ فَيَكُونُ ثَمَنًا وَيَصْلُحُ رَأْسَ الْمَالِ. ۲ ثُمَّ قَوْلُهُ وَلَا تَجُوزُ بِمَا سِوَى ذَلِكَ يَتَنَاوَلُ الْمَكِيلَ وَالْمُوزُونَ وَالْعَدَدِيَّ الْمُتَقَارِبَ، وَلَا خِلَافَ فِيهِ بَيْنَنَا قَبْلَ الْخَلْطِ، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رِبْحٌ مَتَاعِهِ وَعَلَيْهِ وَضِيعَتُهُ،

پہلے ہلاک ہو جائے تو عقد فاسد نہیں ہوگی، اس روایت پر ڈلی مفاوضہ، اور مضاربہ میں راس المال بن سکتی ہے۔ اسے یہ معلوم ہوا کہ سونے اور چاندی کی ڈلی پیدائشی طور پر ثمن ہیں، لیکن جامع صغیر کی روایت زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ اگرچہ ڈلی تجارت کے لئے پیدا کی گئی ہے لیکن ثمنیت ڈھلے ہوئے سکے کے ساتھ خاص ہے، اس لئے کہ اس صورت میں سکے کسی اور چیز [زیور وغیرہ میں] صرف نہیں ہو سکتا، لیکن اگر دونوں کی ڈلی کو ثمن کی طرح استعمال کرنے لگے تو وہ راس المال بن جائے گا۔

تشریح: مسئلہ نمبر ۲۹۹۷ میں قدوری کی عبارت میں تھا کہ لوگ چاندی اور سونے کی ڈلی کو سکے کی طرح استعمال کرنے لگ جائیں تو اس سے شرکت مفاوضہ ہو جائے گی، اور جامع صغیر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ سونے اور چاندی کی ڈلی سے شرکت مفاوضہ اور مضاربہ نہیں ہوگی، اس لئے ان دونوں عبارتوں کی تصریح کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ڈلی بھی ثمن ہے، اور ڈھلا ہو سکے بھی ثمن ہے، لیکن ڈھلا ہوا سکے تجارت کے لئے ہی بنا گیا ہے، اب اس سے زیور وغیرہ نہیں بن سکتا اس لئے ڈھلا ہوا سکے تجارت میں اصل ہے، لیکن کسی ملک میں ڈلی کو بھی تجارت کے لئے استعمال کرنے لگیں تو یہ بھی سکے کے درجے میں آجائے گی، اور اس سے شرکت مفاوضہ اور مضاربہ صحیح ہو جائے گی۔

ترجمہ: مصنف کا قول کے اس کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے [درہم، دینار، سونے، چاندی کی ڈلی، فلوس نافقہ کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے] یہ جملہ کیلی چیز، وزنی چیز، ایسے گنتی کی چیز جو قریب قریب ہوں ان سب کو شامل ہے [یعنی ان چیزوں سے شرکت نہیں ہوگی]، اگر یہ چیز ملائی نہیں گئی ہو تو اس بارے میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، اور جس کا جتنا سامان ہوگا اسی حساب سے اس کو نفع مل جائے گا، اور اسی حساب سے اس کا نقصان بھی ہوگا۔

تشریح: متن میں یہ تھا کہ اس کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے، یعنی درہم، دینار، چاندی کی ڈلی، سونے کی ڈلی، فلوس نافقہ کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں ہے اس بارے میں اگر دونوں جنسوں کا ملایا نہیں ہے تب تو جس کی جتنی چیز ہے وہ اسی کی

۳. وَإِنْ خَلَطَا ثُمَّ اشْتَرَا فَكَذَلِكَ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ، وَالشَّرْكَۃُ شَرِكَۃُ مُلْكٍ لَا شَرِكَۃُ عَقْدٍ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ تَصَحُّ شَرِكَۃُ الْعَقْدِ. ۴. وَثَمَرَةُ الْاِخْتِلَافِ تَظْهَرُ عِنْدَ التَّسَاوِي فِي الْمَالَيْنِ وَاشْتِرَاطِ التَّفَاضُلِ فِي الرِّبْحِ، فَظَاهِرُ الرَّوَايَةِ مَا قَالَهُ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ بَعْدَ الْخُلْطِ كَمَا تَعَيَّنَ قَبْلَهُ. ۵. وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّهَا ثَمَنٌ مِنْ وَجْهِ حَتَّى جَازَ الْبَيْعُ بِهَا دَيْنًا فِي الدِّمَةِ. وَمَبِيعٌ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ، فَعَمِلْنَا بِالشَّبْهَيْنِ بِالْإِضَافَةِ إِلَى الْحَالَيْنِ،

رہے گی، اور اس کا جتنا نفع ہے اس کو ملے گا، اور اس کا جتنا نقصان ہے وہ اس کو ملے گا

لغت: ضیعة: نقصان۔

ترجمہ: ۳. لیکن اگر ان چیزوں کا ملا دیا گیا پھر دونوں شریک ہوئے تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں پھر بھی شرکت نہیں ہوگی، بس یوں کہا جائے گا کہ دونوں کی ملکیت مل گئی ہے، لیکن عقد میں دونوں الگ الگ ہیں۔ اور امام محمدؒ کے یہاں عقد کی شرکت بھی ہو جائے گی۔
تشریح: مثلاً دونوں کے پاس گےہوں ہے اور دونوں نے گےہوں کا ملا دیا تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ ہوگا کہ دونوں کی ملکیت جمع ہو جائے گی اور عقد کے اعتبار سے دونوں الگ الگ رہے گا، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہوگا کہ دونوں کی ملکیت بھی جمع ہوگئی اور عقد کے اعتبار سے بھی دونوں ایک ہو گئے۔

ترجمہ: ۴. اختلاف کا ثمرہ اس وقت ظاہر ہوگا جبکہ دونوں کا مال برابر برابر ہوں اور نفع میں کمی بیشی کی شرط لگا دی جائے، اس لئے ظاہر روایت یہی ہے جیسا امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ [نفع مال کے حساب سے ملے گا کمی زیادتی جائز نہیں] اس لئے کہ ملانے کے بعد بھی یہ چیز متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے، جیسے ملانے سے پہلے متعین ہوتی تھی۔

تشریح: دونوں اماموں کے درمیان اختلاف کا ثمرہ یہ ہوگا کہ۔ زید اور عمر نے گےہوں ملا دیا دونوں کا گےہوں برابر تھا، لیکن زید نے دو تہائی نفع مانگا، اور عمر نے ایک تہائی نفع مانگا، یعنی گےہوں کے برابر ہونے کے باوجود نفع میں کمی بیشی کی شرط رکھی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہوگی، کیونکہ انکے یہاں شرکت ہی نہیں ہوئی ہے، اور امام محمدؒ کے یہاں جائز نہیں ہوگی، کیونکہ ملانے کی وجہ سے شرکت ہوگئی ہے۔

وجہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ملانے کے باوجود بھی گےہوں متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے اس لئے وہ درہم و دینار کے درجے میں نہیں آیا اس لئے شرکت نہیں ہوگی، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ درہم اور دینار کے علاوہ میں شرکت نہیں ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۵. امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ مال من وجہ ثمن بھی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کو ذمہ میں قرض قرار دے اور اس کے بدلے میں کوئی چیز خریدے تو جائز ہے۔ اور دوسری اعتبار سے یہ بیع ہے، کیونکہ اس کو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے۔ اس لئے دو حالت

۶ بِخِلَافِ الْعُرُوضِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ ثَمَنًا بِحَالٍ ۖ وَلَوْ اخْتَلَفَا جِنْسًا كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّيْتِ وَالسَّمَنِ فَخُلِطَا لَا تَنْعَقِدُ الشَّرْكَۃُ بِهَا بِالِاتِّفَاقِ. وَالْفَرْقُ لِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْمَخْلُوطَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ، وَمِنْ جِنْسَيْنِ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيمِ فَتَتَمَكَّنُ الْجَهَالَةُ كَمَا فِي الْعُرُوضِ، وَإِذَا لَمْ تَصَحَّ الشَّرْكَۃُ فَحُكْمُ الْخُلُطِ قَدْ بَيَّنَّاهُ فِي كِتَابِ الْقَضَاءِ

کے اعتبار سے دوشبہ پر عمل کیا [یعنی اگر ملایا نہیں ہے تو سامان کا اعتبار کیا جائے گا اور شرکت عقد نہیں ہوگی، لیکن اگر ملا دیا ہے تو اب ثمن کا اعتبار کیا جائے گا اور شرکت عقد بھی ہو جائے گی]۔ بخلاف سامان کے کہ وہ کسی حال میں ثمن نہیں ہے اس لئے اس میں شرکت نہیں ہوگی۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ گہوں کو ملا دیا اب اس کی دو حیثیت ہوگی، ایک حیثیت سے یہ بیع ہے کیونکہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے، لیکن دوسرے اعتبار سے یہ ثمن بھی ہے، مثلاً گہوں کے بدلے میں انڈا خرید لے، اور گہوں ابھی نہ دے بلکہ بعد میں دینے کا وعدہ کر لے تو یہ ثمن کے درجے میں، ہو گیا چونکہ کسی نہ کسی درجے میں ثمن ہے اس لئے جب دونوں شریک نے گہوں ملا دیا تو ہم نے ثمن کا درجہ دیکر شرکت جائز کر دی۔ لیکن اگر سامان مثلاً کرسی وغیرہ ہو تو اس کو ملانے کے بعد بھی امام محمدؒ کے یہاں بھی شرکت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ کسی درجے میں بھی ثمن نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶ لیکن اگر کیلی چیز دو جنس کی ہوں، جیسے گہوں اور جو ہو، یا زیتون کا تیل اور گھی ہو، پھر دونوں کو ملا دیا تب بھی بالاتفاق شرکت نہیں ہوگی۔

تشریح: دو جنس کی چیزیں ہیں، مثلاً ایک شریک کا گہوں ہے، اور دوسرے شریک کا جو ہے اور دونوں نے ملا دیا تب بھی شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں نہیں ہوگی یہ تو ظاہر ہے، لیکن امام محمدؒ کے یہاں نہیں ہوگی اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۷ اور امام محمدؒ کے یہاں فرق یہ ہے کہ ایک جنس کی دونوں چیزیں ہوں تو یہ ذوات الامثال ہے۔ اور دو جنس کی چیز ہوں تو ذوات القیم ہے اور اس میں جہالت ہو جائے گی، جیسے سامان میں ہوتا ہے اس لئے شرکت صحیح نہیں ہوگی تو ملانے سے بھی شرکت نہیں ہوگی۔ اس کو ہم نے کتاب القضاء میں بیان کیا ہے۔

تشریح: ایک شریک کا گہوں اور دوسرے شریک کا چنا ہو، یعنی دو جنس ہوں اب اس کو ملا دیں تب بھی شرکت نہیں ہوگی، اس کی دلیل امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ دو جنس کو ملانے کے بعد اب یہ ذوات الامثال نہیں رہی، یہ قیمت والی چیز بن گئی، کیونکہ یہ ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت لازم ہوگی، اس کے مثل گہوں اور چنا ملا کر کوئی نہیں دے گا، اب اس کی قیمت ہے تو اس میں جہالت ہوگی، پتہ نہیں کتنی قیمت لازم ہوگی اس لئے شرکت صحیح نہیں ہوئی۔ اب جس شریک کا جتنا گہوں تھا اس کی

(۲۹۹۹) قَالَ: وَإِذَا أَرَادَ الشَّرِکَةُ بِالْعُرُوضِ بَاعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَ مَالِهِ بِنِصْفِ مَالِ الْآخَرِ، ثُمَّ عَقَدَ الشَّرِکَةَ، قَالَ: وَهَذِهِ الشَّرِکَةُ مِلْکٌ ۚ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الْعُرُوضَ لَا تَصْلُحُ رَأْسَ مَالِ الشَّرِکَةِ. ۲ وَتَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَ قِيَمَةُ مَتَاعِهِمَا عَلَى السَّوَاءِ، وَلَوْ كَانَ بَيْنَهُمَا تَفَاوُتٌ يَبِيعُ صَاحِبُ الْأَقْلِّ بِقَدْرِ مَا تَثَبُّتَ بِهِ الشَّرِکَةُ.

قیمت وہ لے لے گا، اور جس شریک کا جتنا چاہتا تھا اس کی قیمت وہ لے لے گا، کیونکہ یہاں شرکت نہیں ہوئی۔

لغت: ذواۃ الامثال: گیارہوں ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں گیارہوں ہی لازم ہو اس کو ذواۃ الامثال، کہتے ہیں۔ اور گائے ہلاک ہو جائے تو اس کے بدلے میں اس کی قیمت لازم ہو اس کو ذواۃ القیم، کہتے ہیں۔ گیارہوں اور چنانہ دونوں کو ملا دیا جائے اب وہ کسی سے ہلاک ہو جائے، تو اس کی مثل گیارہوں اور چنانہ ملا ہوا لازم نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ کون دے گا، بلکہ اس کی قیمت لازم ہوتی ہے اس لئے یہ ذواۃ القیم ہوگئی۔

ترجمہ: (۲۹۹۹) اور اگر سامان کے ذریعہ شرکت کرنے کا ارادہ کرے تو دونوں میں سے ہر ایک اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر عقد شرکت کرے۔

تشریح: چونکہ دونوں کے مالوں کا برابر ہونا ضروری ہے اس لئے سامان میں شرکت کرنا چاہیے تو یہی صورت ہے کہ اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے مال کے بدلے بیچے پھر شرکت ملک کر کے شرکت مفاوضہ کرے۔

وجہ: (۱) براہ راست سامان ملا کر شرکت مفاوضہ کرنا صحیح نہیں ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن محمد ابن سیرین قال لا یكون الشریکة والمضاربة بالدين والوديعة والعروض والمال الغائب (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲۸ فی الشریکة بالعروض، ج رابع، ص ۲۸۴، نمبر ۲۳۳۲) اس اثر میں فرمایا کہ سامان کے ذریعہ شرکت کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱۔ یہ شرکت ملک ہوگی [شرکت عقد نہیں ہوگی] کیونکہ ہم نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ میں اس المال سامان نہیں ہو سکتا۔

تشریح: ایک نے اپنا سامان دوسرے کے آدھے کے بدلے میں بیچا تو اس وقت چونکہ وہ سامان ہے اس لئے ابھی یہی کہیں گے کہ یہ شرکت ملک ہوئی، یعنی دونوں کی ملکیت ایک ساتھ ہوگئی، ابھی عقد میں شرکت نہیں ہوئی ہے۔

ترجمہ: ۲۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے سامان کی قیمت برابر ہو اور اگر دونوں میں فرق ہو تو کم والا کو چاہئے کہ

(۳۰۰۰) قَالَ: وَأَمَّا شَرِكَةُ الْعِنَانِ فَتَعْقُدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُونَ الْكِفَالَةِ، وَهِيَ أَنْ يَشْتَرِكَ اثْنَانِ فِي نَوْعٍ بَرٍّ أَوْ طَعَامٍ، أَوْ يَشْتَرِكَانِ فِي عُمُومِ التَّجَارَاتِ وَلَا يَذْكُرَانِ الْكِفَالَةَ، ۱. وَانْعِقَاؤُهُ عَلَى الْوَكَالَةِ لِيَحَقِّقَ مَقْصُودَهُ كَمَا بَيَّنَّاهُ، ۲. وَلَا تَعْقُدُ عَلَى الْكِفَالَةِ؛ لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْأَعْرَاضِ يُقَالُ عَنْ لَهٍ: أَيْ عَرَضَ، وَهَذَا لَا يُنبِئُ عَنِ الْكِفَالَةِ وَحُكْمِ التَّصَرُّفِ لَا يَثْبُتُ بِخِلَافِ مُقْتَضَى اللَّفْظِ.

(۳۰۰۱) وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ [لِلْحَاجَةِ إِلَيْهِ وَلَيْسَ مِنْ قَضِيَّةِ اللَّفْظِ الْمُسَاوَاةِ]. وَيَصِحُّ أَنْ يَتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرَّبْحِ

اپنی چیز اتنے زیادہ میں بیچے کہ قیمت میں برابر ہو جائے۔

تشریح: زید اور عمر ایک ایک کو نخل گیہوں لیکر شریک ہوئے، زید کے گیہوں کی قیمت کم ہے اور عمر کے گیہوں کی قیمت زیادہ ہے تو زید اپنا گیہوں عمر سے زیادہ قیمت میں بیچ دے، البتہ اتنے حساب سے بیچے کہ دونوں کی قیمت برابر ہو جائے۔

ترجمہ: (۳۰۰۰) بہر حال شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر۔ مثلاً دو آدمی کپڑے کے قسم میں شریک ہو جائیں، یا غلے میں یا عام تجارت میں شریک ہو جائیں اور کفالہ کا ذکر نہ کریں تو یہ شرکت عنان ہے۔

تشریح: عنان کے معنی اعراض کرنا ہے۔ چونکہ اس شرکت میں کفالت سے اعراض کرنا ہے اس لئے اس کو شرکت عنان کہتے ہیں۔ اس شرکت میں ہر ایک شریک سامان خریدنے میں دوسرے کا وکیل بنتا ہے کہ مال تجارت میں سے جو کچھ خریدے اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور آدھا شریک کے لئے ہوگا۔ البتہ کفیل نہیں ہوتا یعنی شریک پر جو قرض آئے گا اس کا آدھا دوسرے شریک پر نہیں ڈالے گا۔ بلکہ پورا قرض اسی کے ذمہ ہوگا جس نے قرض لیا۔

ترجمہ: ۱: شرکت عنان وکالت پر منعقد ہوتی ہے، کیونکہ اسی سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح: شرکت عنان میں صرف وکالت ہوتی ہے، یعنی ایک شریک جو کچھ خریدے گا تو دوسرے کا اس کا آدھا ہوگا۔

ترجمہ: ۲: شرکت عنان میں کفالہ نہیں ہوگا اس لئے کہ عن کا ترجمہ اعراض کرنا ہے، لوگ، کہتے ہیں عن لہ، اس سے اعراض کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کفالہ نہیں ہے اور لفظ کے مقتضی کے خلاف تصرف نہیں ہوتا۔

تشریح: عن کا ترجمہ ہے اعراض کرنا، اس لئے لفظ کا جو قفاضہ ہے اس کے خلاف نہیں ہوگا اس لئے اس میں کفالہ نہیں ہوتا ہے، یعنی ایک شریک پر قرض آئے تو اس کا آدھا دوسرے پر نہیں ہوگا، اسی شریک پر اسکے ادا کرنے کی ذمہ داری ہوگی جس سے قرض لیا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۰۱) اور صحیح ہے کہ بیشی مال میں [کیونکہ اس کی ضرورت ہے اور عنان کے لفظ میں یہ نہیں ہے کہ مال میں برابر ہو] اور صحیح ہے کہ برابر ہوں مال میں اور کمی بیشی ہو نفع میں۔

۱۔ وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ: لَا تَجُوزُ لَأَنَّ التَّفَاضُلَ فِيهِ يُؤَدِّي إِلَى رِبْحٍ مَا لَمْ يُضْمَنْ، فَإِنَّ الْمَالَ إِذَا كَانَ نَصْفَيْنِ وَالرَّبْحُ أَثْلَاثًا فَصَاحِبُ الزِّيَادَةِ يَسْتَحِقُّهَا بِمَا ضَمَّانِ، إِذَا الضَّمَانُ بِقَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ، ۲۔ وَلَأَنَّ الشَّرْكَۃَ عِنْدَهُمَا فِي الرَّبْحِ لِلشَّرْكَۃِ فِي الْأَصْلِ، وَلِهَذَا يَشْتَرِطَانِ الْخُلُطَ، فَصَارَ رِبْحُ الْمَالِ بِمَنْزِلَةِ نَمَاءِ الْأَعْيَانِ فَيُسْتَحَقُّ بِقَدْرِ الْمِلْكِ فِي الْأَصْلِ.

ترجمہ: ۱۔ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مال برابر ہو اور نفع میں کمی بیشی ہو یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں کمی بیشی سے ربح الم یضمن ہوگا [یعنی ایک چیز کا ذمہ دار نہیں ہے اور اس کا نفع لے رہا ہے]، اس لئے کہ جب مال آدھا آدھا ہے اور نفع ایک تہائی اور دو تہائی ہے، پس جو شریک زیادہ نفع لیگا وہ بغیر ذمہ داری کے نفع کا مستحق ہوگا، کیونکہ جتنا اس کا مال ہے اسی کی مقدار اس کی ذمہ داری ہے۔

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مال دونوں کا برابر ہو اور نفع کم زیادہ ہو، مثلاً ایک کی ایک تہائی ہو اور دوسرے کی دو تہائی نفع ہو تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ جس کا جتنا مال ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری ہے، اب اس کا مال ہے آدھا اور نفع لے رہا ہے دو تہائی تو بغیر ذمہ داری کے نفع لے رہا ہے، ورنہ پہلے گزر چکا ہے کہ ربح الم یضمن، جائز نہیں ہے اس لئے یہ شرکت جائز نہیں ہوگی۔

وجہ: ۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے نزدیک جو اصل مال ہے اسی کا نفع ہوتا ہے، اس لئے یہ دونوں حضرات ملانے کی شرط لگاتے ہیں، اس لئے نفع اصل کی پیداوار ہے اس لئے اصل مال میں جتنی ملکیت ہے اسی کی مقدار نفع کا مستحق ہوگا۔

تشریح: دوسری وجہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ، اور امام زفرؒ کے یہاں اصل مال کا نفع ہوتا ہے، جیسے اصل گائے کا بچھڑا ہوتا ہے، اس لئے اصل جتنا ہوگا اسی حساب سے نفع ملے گا، یہاں اصل مال آدھا آدھا ہے تو ایک کو دو تہائی نفع نہیں ملے گا، اور یہ شرط لگادی تو شرکت فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲۔ شرکت عنان میں شرکت مفاوضہ کی طرح مال اور نفع میں برابر ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ ممکن ہے کہ ایک شریک کا مال کم ہو اور ایک کا مال زیادہ ہو۔ اور نفع بھی کم و بیش ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کے مال برابر ہوں لیکن نفع میں کسی کو کم ملنے کی شرط ہو اور کسی کو زیادہ ملنے کی شرط ہو۔

وجہ: (۱) کوئی آدمی زیادہ عقلمند ہوتا ہے اور کوئی کم عقلمند ہوتا ہے اس لئے مال کم ڈالنے کے باوجود اپنی عقلمندی اور مہارت کی وجہ سے زیادہ نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے اگر شرط کر لے کہ میں زیادہ نفع لوں گا اور دوسرا شریک اس پر راضی ہو جائے تو شرکت

۳ وَلَنَا قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ ”الرَّبْحُ عَلَى مَا شَرَطَا، وَالْوُضِيعَةُ عَلَى قَدْرِ الْمَالَيْنِ“ وَلَمْ يَفْصِلْ، ۴ وَلِأَنَّ الرَّبْحَ كَمَا يُسْتَحَقُّ بِالْمَالِ يُسْتَحَقُّ بِالْعَمَلِ كَمَا فِي الْمُضَارَبَةِ؛ وَقَدْ يَكُونُ أَحَدُهُمَا أَحْذَقُّ وَأَهْدَى وَأَكْثَرَ عَمَلًا وَأَقْوَى فَلَا يَرْضَى بِالْمُسَاوَاةِ فَمَسَّتْ الْحَاجَةُ إِلَى التَّفَاضُلِ.

عنان میں یہ جائز ہے (۲) قول صحابی میں ہے۔ عن جابر بن زید قالوا الربح على ما اصلحوا عليه والوضيعة على المال هذا في الشريكين فان هذا بمائة وهذا بمائتين (مصنف عبدالرزاق، باب نفقة المضارب وضيعة، ج ثامن، ص ۱۹۲ نمبر ۱۵۱۶۸) (۳) حضرت علیؑ سے منقول ہے۔ عن علی فی المضاربة الوضيعة على المال، والربح على ما اصلحوا عليه (مصنف عبدالرزاق، باب نفقة المضارب وضيعة ج ثامن ص ۱۹۱، نمبر ۱۵۱۶۶) ان دونوں اثروں سے معلوم ہوا کہ نفع آپس میں جو طے ہو جائے برابر سراسر یا کم زیادہ وہ جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک شریک ایک سو جمع کرے اور دوسرا دو سو جمع کرے یعنی مال میں کمی زیادتی ہو تب بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۳: ہماری دلیل صحابی کا قول ہے آپس میں جتنا نفع طے ہو جائے اتنا لے سکتا ہے، اور نقصان مال کی مقدار ہوگا، اور اس قول صحابی میں کوئی تفصیل نہیں ہے [اس لئے مال برابر ہونے کے باوجود نفع میں کمی بیشی ہو سکتی ہے]

تشریح: صاحب ہدایہ کی قول صحابی یہ ہے۔ عن علی فی المضاربة الوضيعة على المال، والربح على ما اصلحوا عليه (مصنف عبدالرزاق، باب نفقة المضارب وضيعة ج ثامن ص ۱۹۱، نمبر ۱۵۱۶۶) اس قول صحابی میں ہے کہ نقصان جتنا ہوگا وہ مال کے مطابق ہوگا، اور نفع کے بارے میں جس پر صلح ہو جائے اتنا نفع لے سکتا ہے، یعنی کمی بیشی بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۴: دوسری وجہ یہ ہے کہ نفع جس طرح مال سے لیتا ہے، کام کے بدلے بھی نفع لے سکتا ہے، جیسے مضاربت میں ہوتا ہے [کہ مضارب اپنے کام کا نفع لیتا ہے]، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شریک ہوشیار ہو اور تجربہ کار ہو، زیادہ کام کرتا ہو اس کو طاقت بھی زیادہ ہو تو وہ برابر کے نفع پر راضی نہیں ہوگا، اس لئے نفع میں کمی بیشی کی ضرورت پڑ گئی ہے۔

تشریح: دوسری وجہ یہ ہے کہ مضاربت میں جو مضارب ہوتا ہے، وہ مال کا ذمہ دار نہیں ہوتا، مال ہلاک ہو جائے تو اس کی ذمہ داری نہیں ہے، پھر بھی وہ کام کرنے کا نفع لیتا ہے، جو ربح الم یضمن ہے، اسی طرح یہاں بھی ربح الم یضمن جائز ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی ہوشیار ہوتا اور وہ زیادہ کام کرتا ہے اس لئے وہ برابر نفع پر راضی نہیں ہوگا، اس لئے زیادہ نفع دینے کی مجبوری ہے، اس لئے شرکت عنان میں زیادہ نفع جائز ہوگا۔

لغت: احذق: حذقت سے مشتق ہے، زیادہ ہوشیار۔ اہدی: ہدایت سے مشتق ہے، زیادہ تجربہ کار

۵۔ بِخِلَافِ اشْتِرَاطِ جَمِيعِ الرِّبْحِ لِأَحَدِهِمَا لِأَنَّهُ يَخْرُجُ الْعَقْدُ بِهِ مِنَ الشَّرِکَةِ وَمِنْ الْمُضَارَبَةِ أَيْضًا إِلَى قَرْضٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِلْعَامِلِ أَوْ إِلَى بَضَاعَةٍ بِاشْتِرَاطِهِ لِرَبِّ الْمَالِ، ۶۔ وَهَذَا الْعَقْدُ يُشَبِّهُ الْمُضَارَبَةَ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ يَعْمَلُ فِي مَالِ الشَّرِیکِ، وَيُشَبِّهُ الشَّرِکَةَ اسْمًا وَعَمَلًا فَإِنَّهُمَا يَعْمَلَانِ فَعَمَلُنَا بِشَبِّهِ الْمُضَارَبَةِ. وَقُلْنَا: يَصِحُّ اشْتِرَاطُ الرِّبْحِ مِنْ غَيْرِ ضَمَانٍ وَيُشَبِّهُ الشَّرِکَةَ حَتَّى لَا تَبْطُلَ بِاشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَيْهَا.

(۳۰۰۲) قَالَ: وَيَجُوزُ أَنْ يَعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهِ دُونَ الْبَعْضِ

ترجمہ: ۵۔ ہاں پورا ہی نفع کسی ایک شریک کے لئے شرط لگا دی جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں شرکت اور مضاربہ سے نکل جائے گا، اگر کام کرنے والے کے لئے پورے نفع کی شرط لگا دی جائے تو یہ اس کے لئے قرض ہو جائے گا، اور مال والے کے لئے شرط لگائی جائے تو یہ بضاعت [یعنی مفت کا کام لینا ہو جائے گا]

تشریح: اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ پورا نفع کسی ایک کے لئے ہو جائے تو یہ مضاربہ ہوگی اور نہ شرکت رہے گی، کیونکہ مضاربہ میں پورا نفع کام کرنے والے کے لئے ہو تو یہ قرض ہو جاتا ہے، مضاربہ باقی نہیں رہتا، یعنی یوں سمجھو کہ کام کرنے والے نے رب المال سے مال قرض لیا اور اپنا فائدہ اٹھایا، اور پورا نفع مال والے کے لئے ہو جائے تو یوں سمجھا جائے گا کہ مال والے نے کام کرنے والے سے مفت کام لیا۔ اس لئے شرکت عنان میں پورا نفع کسی ایک کے لئے نہیں ہوگا، اور اگر ایسا کیا تو شرکت عنان فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۶۔ کم بیش نفع کی شرط اس لئے بھی لگا سکتے ہیں کہ شرکت عنان مضاربہ کے مشابہ ہے اس لئے کہ شریک کے مال میں کام کرتا ہے، اور شرکت کے مشابہ ہے، کیونکہ اس کا نام شرکت عنان ہے، اور دونوں کام بھی شرکت میں کرتے ہیں، اس لئے مضاربہ کے مشابہ کرتے ہوئے ربح مالم یضمن جائز قرار دیا، اور شرکت کے مشابہ کرتے ہوئے دونوں ہی کے کام کی شرط لگائی جائے تب بھی شرکت باطل نہیں ہوتی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا کہ ربح مالم یضمن جائز نہیں ہے، اس کا جواب دیا کہ یہ شرکت عنان مضاربہ کے مشابہ ہے، کیونکہ شریک کے مال میں کام کرتا ہے، اور مضاربہ میں ربح مالم یضمن جائز ہے اس لئے مضاربہ کا اعتبار کرتے ہوئے ربح مالم یضمن جائز ہوگا۔ اور شرکت تو ہے ہی، کیونکہ اس کا نام ہی شرکت عنان ہے، اس لہذا یہ شرط لگا دی جائے کہ دونوں شریک اس میں کام کریں گے تو اس سے یہ شرکت فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۳۰۰۲) جائز ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے عقد شرکت کرے نہ کہ کل سے۔

۱۔ لَأَنَّ الْمَسَاوَاةَ فِي الْمَالِ لَيْسَتْ بِشَرَطٍ فِيهِ إِذِ اللَّفْظُ لَا يَفْتَضِيهِ
(۳۰۰۳) وَلَا يَصِحُّ إِلَّا بِمَا بَيَّنَّا ۱۔ أَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِهِ لِلْوَجْهِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ.

(۳۰۰۴) وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِكََا مِنْ جِهَةٍ أَحَدُهُمَا ذَنَابِيرُ وَمِنْ الْآخِرِ دَرَاهِمُ، وَكَذَا مِنْ أَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ
بِیضٍ وَمِنْ الْآخِرِ سُودٌ ۱۔ وَقَالَ زُفَرُو الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ، وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى اشْتِرَاطِ الْخَلْطِ وَعَدَمِهِ فَإِنَّ

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ شرکت عنان میں مال کی برابری ہونا شرط نہیں ہے، اور عنان کا لفظ بھی برابری کا تقاضہ نہیں کرتا۔

تشریح: مثلاً زید کے پاس چھ سو درہم ہیں ان میں سے تین سو درہم سے شرکت کریں اور تین سو درہم سے شرکت عنان نہ کرے یہ جائز ہے۔

وجہ: (۱) اوپر بتایا کہ دونوں شریکوں کا برابر برابر مال ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے جتنا مال شرکت میں لگانا چاہے لگا سکتا ہے اور جتنا مال نہیں لگانا چاہے نہ لگائے۔ عنان کے لفظ سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ دونوں کا مال برابر ہو۔

ترجمہ: (۳۰۰۳) اور شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی مگر اس نقدوں کے ذریعہ جس کو میں نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ ان سے صحیح ہے۔

تشریح: اوپر بیان کیا تھا کہ درہم، دینار اور رانج سکوں، کے ذریعہ شرکت مفاوضہ صحیح ہے۔ اور چاندی اور سونے کی ڈلی سے لوگ شرکت مفاوضہ کرنا شروع کر دیں تو ان سے بھی صحیح ہے۔ اسی طرح شرکت عنان بھی درہم، دینار اور رانج سکوں کے ذریعہ صحیح ہوگی۔ سامان کے ذریعہ شرکت عنان صحیح نہیں ہوگی۔

وجہ: قول تابعی گزر چکا ہے۔ عن محمد قال لا يكون الشركة والمضاربة بالدين والوديعة والعروض
والمال الغائب (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲۸ فی الشركة بالعروض، ج رابع، ص ۸۴، نمبر ۲۲۳۲۲ مصنف عبدالرزاق، باب
المفاوضین، ج ثامن، ص ۲۰۰، نمبر ۱۵۲۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سامان کے ذریعہ شرکت عنان جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۰۴) اور جائز ہے کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک جانب سے دینار ہوں اور دوسری جانب سے درہم ہوں۔ ایسے ہی ایک جانب سے سفید درہم ہوں اور دوسری جانب سے کالے درہم ہوں

وجہ: چونکہ دونوں شمن ہیں اور تقریباً ایک جنس مانے جاتے ہیں اس لئے ایک شریک کی جانب سے درہم ہوں اور دوسرے شریک کی جانب سے دینار ہوں اور شرکت کرے تو جائز ہے۔ اسی طرح ایک جانب سے سفید درہم ہوں یعنی اچھا درہم ہو اور دوسری جانب سے کالے درہم ہوں یعنی کھوٹے درہم ہوں تب بھی شرکت عنان ہو جائے گی، کیونکہ یہ سبھی درہم میں شمار ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ۱۔ امام زفر اور امام شافعی نے فرمایا یہ جائز نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں درہم کو ملانا شرط ہے، اور مختلف

عِنْدَهُمَا شَرْطٌ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي مُخْتَلَفِي الْجِنْسِ، وَسَنُبَيِّنُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

(۳۰۰۵) قَالَ وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِلشَّرْكَۃِ طُولَبَ بِشَمَنِهِ دُونَ الْآخِرِ لِمَا بَيَّنَّا ۱ أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ الْوَكَالَۃَ دُونَ الْكِفَالَةِ، وَالْوَكِيلُ هُوَ الْأَصْلُ فِي الْحُقُوقِ. (۳۰۰۶) قَالَ: ثُمَّ يَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْهُ ۱ مَعْنَاهُ إِذَا أَدَّى مِنْ مَالِ نَفْسِهِ؛ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مِنْ جِهَتِهِ فِي حِصَّتِهِ فَإِذَا نَقَدَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ رَجَعَ عَلَيْهِ، ۲ فَإِنْ كَانَ لَا يَعْرِفُ ذَلِكَ إِلَّا بِقَوْلِهِ فَعَلَيْهِ الْحُجَّةُ؛ لِأَنَّهُ يَدَّعِي وَجُوبَ الْمَالِ فِي ذِمَّةِ الْآخِرِ وَهُوَ يُنْكِرُ، وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكَرِ مَعَ يَمِينِهِ.

جنس ہوتو ملانا متحقق نہیں ہوگا، اس لئے شرکت بھی نہیں ہو پائے گی، اس بات کو ان شاء اللہ بعد میں بیان کیا جائے گا۔

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک اس شرکت میں بھی غلط ملط کرنا ضروری ہے۔ اور درہم، دینار و جنس ہونے کی وجہ سے غلط ملط نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے یہاں درست نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۰۵) جو کچھ خرید ادونوں میں سے ہر ایک نے اس کی قیمت اسی سے طلب کی جائے گی نہ کہ دوسرے سے۔

ترجمہ: ۱: کیونکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ شرکت عنان میں وکالت ہے کفالت نہیں ہے، اور حقوق میں وکیل ہی ذمہ دار ہوتا ہے۔

تشریح: ایک شریک نے شرکت کے لئے مال خریدا تو اس کی قیمت خریدنے والے شریک پر ہی ہوگی۔ بائع خریدنے والے سے ہی اپنی قیمت وصول کرے گا، دوسرے شریک سے وصول نہیں کرے گا۔

وجہ: کیونکہ شرکت عنان میں خریدنے والا وکیل ہوتا ہے، کفیل نہیں ہوتا۔ اس لئے بائع صرف خریدنے والے سے اپنی قیمت وصول کرے گا۔

ترجمہ: (۳۰۰۶) پھر یہ خریدنے والا شریک سے اس کا حصہ وصول کرے گا۔

ترجمہ: ۱: کیونکہ اس نے اپنے مال سے خریدا تھا، اس لئے کہ یہ شریک کا وکیل ہے، پس جب اپنا مال دیا تو شریک سے اس کا حصہ لے گا۔

تشریح: زید اور عمر نے شرکت عنان کیا، پھر زید نے اپنے پیسے سے ایک ہزار کی چیز خریدی تو اس کا پانچ سو درہم عمر سے لے گا، کیونکہ زید عمر کا وکیل ہے، اور زید نے اپنا پیسہ دیا ہے اس لئے عمر کے حصے کا پیسہ عمر سے وصول کرے گا۔

ترجمہ: ۲: اور اگر ایسا ہے کہ خریدنے والے سے ہی معلوم ہوتا ہو کہ اس نے خریدا ہے تو اس کو گواہ پیش کرنا ہوگا، کیونکہ وہ دوسرے کے ذمے مال کا دعویٰ کر رہا ہے اور دوسرا اس کا انکار کر رہا ہے، پس اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

(۳۰۰۷) قَالَ وَإِذَا هَلَكَ مَالُ الشَّرْكَۃِ أَوْ أَحَدُ الْمَالِینِ قَبْلَ أَنْ یَشْتَرِیَا شَیْئًا بَطَلَتْ الشَّرْكَۃُ ۱ لَأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَیْهِ فِی عَقْدِ الشَّرْكَۃِ الْمَالُ، فَإِنَّهُ یَتَعَيَّنُ فِیهِ كَمَا فِی الْهَبَةِ وَالْوَصِیَّةِ، وَبِهَلَاکِ الْمَعْقُودِ عَلَیْهِ یَبْطُلُ الْعَقْدُ كَمَا فِی الْبَیْعِ، ۲ بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ وَالْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا یَتَعَيَّنُ الثَّمَنَانِ فِیهِمَا بِالتَّعَیْنِ، وَإِنَّمَا یَتَعَيَّنَانِ بِالْقَبْضِ عَلَى مَا عُرِفَ.

تشریح: مثلاً زید نے ایسی چیز خریدی جس کا ظاہری ثبوت نہیں ہے تو زید کو گواہی پیش کرنی ہوگی، اور گواہی پیش نہیں کر سکا تو قسم کے ساتھ عمر کی بات مانی جائے گی۔

وجہ: کیونکہ زید مدعی ہے اسلئے اس پر گواہ ہوگا، اور عمر منکر ہے اسلئے زید گواہ پیش نہیں کر سکا تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۰۷) اگر شرکت کا کل مال ہلاک ہو جائے یا کسی چیز کے خریدنے سے پہلے ایک کا مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: شرکت میں جو عقد ہوا ہے وہ مال ہے اس لئے کہ شرکت میں مال متعین ہوتا ہے جیسے ہبہ اور وصیت میں متعین ہوتا ہے اس لئے معقود علیہ کے ہلاک ہونے سے شرکت باطل ہو جاتی ہے، جیسے بیع میں بیع ہلاک ہو جائے تو بیع ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح: شرکت کا جو مال تھا وہ کسی چیز کے خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو شرکت ختم ہو جائے گی۔ یا ابھی کوئی چیز خریدی نہیں تھی کہ ایک شریک کا مال ہلاک ہو گیا تو بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔

وجہ: شرکت کا جو مال ہے وہ متعین ہوتا ہے، جیسے بیع متعین ہوتی ہے، جب متعین مال ہلاک ہو گیا تو اب دوسرا مال بھی جمع نہیں کر سکتا، اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲: بخلاف مضاربت کے، یا تنہا وکالت کے اس لئے کہ ان دونوں میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا بلکہ چیز پر قبضے کے بعد متعین ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

تشریح: مضاربت اور وکالت میں رقم متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی، چنانچہ اگر رقم ہلاک ہو جائے تو مضاربت اور وکالت باطل نہیں ہوتی، مثلاً زید نے عمر کو کہا کہ یہ ایک ہزار درہم دوں گا تم مضاربت کرو، ابھی درہم نہیں دیا تھا کہ وہ متعین ہزار ہلاک ہو گیا تو مضاربت باطل نہیں ہوگی، کیونکہ وہ ہزار متعین نہیں ہوا ہے اسلئے اب دوسرا ہزار دے گا اور مضاربت باقی رہے گی۔ یہی حالت وکالت کی ہے۔

۳. وَهَذَا ظَاهِرٌ فِيمَا إِذَا هَلَكَ الْمَالَانِ، وَكَذَا إِذَا هَلَكَ أَحَدُهُمَا؛ لِأَنَّهُ مَارَضَى بِشَرِكَةِ صَاحِبِهِ فِي مَالِهِ إِلَّا لِشَرِكَةٍ فِي مَالِهِ، فَإِذَا فَاتَ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِشَرِكَتِهِ فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ لِعَدَمِ فَائِدَتِهِ، ۴. وَأَيُّهُمَا هَلَكَ هَلَكَ مِنْ مَالِ صَاحِبِهِ؛ إِنْ هَلَكَ فِي يَدِهِ فَظَاهِرٌ، وَكَذَا إِذَا كَانَ هَلَكَ فِي يَدِ الْآخِرِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ، ۵. بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْخَلْطِ حَيْثُ يَهْلِكُ عَلَى الشَّرِكَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَمَيَّزُ فَيُجْعَلُ الْهَالِكُ مِنَ الْمَالَيْنِ.

(۳۰۰۸) وَإِنْ اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِمَالِهِ وَهَلَكَ مَالُ الْآخِرِ قَبْلَ الشَّرَاءِ فَالْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَّطَا

ترجمہ: ۳. اگر دونوں کے مال ہلاک ہو گئے تب تو ظاہر ہے کہ شرکت ختم ہو جائے گی، ایسے ہی ایک کا مال ہلاک ہو گیا تو بھی شرکت ختم ہو جائے گی یہ اسی وقت راضی ہے کہ اپنے مال میں شریک کریں جبکہ دوسرا اس کو اپنے مال میں شریک کرے، لیکن جب اس کا مال ہی ہلاک ہو گیا تو اب کس چیز میں شریک کرے گا، اسلئے یہ اس کو شریک کرنے پر راضی نہیں ہوگا اسلئے فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے شرکت باطل ہو جائے گی۔

تشریح: دونوں کا مال ہلاک ہو گیا تب تو ظاہر ہے کہ شرکت ختم ہو جائے گی۔ لیکن ایک کا مال کا مال ہلاک ہو گیا تب بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔

وجہ: مثلاً زید اس لئے عمر کو اپنے مال میں شریک کر رہا تھا کہ عمر بھی اپنے مال میں زید کو شریک کرے گا، لیکن جب عمر کا مال ہلاک ہو گیا تو اب وہ کس میں زید کو شریک کرے گا؟ اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۴. جس شریک کا بھی مال ہلاک ہوا اگر اسی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تب تو ظاہر ہے کہ اس کا مال ہلاک ہو گیا، اور اگر اس کا مال دوسرے شریک کے قبضے سے ہلاک ہوا تو بھی شرکت ختم ہو جائے گی کیونکہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔

تشریح: زید اور عمر نے شرکت عنان کی اور زید کا مال زید ہی سے ہلاک ہوا تو مال نہیں رہا، اور اگر عمر کے ہاتھ سے زید کا مال ہلاک ہوا تو عمر کے ہاتھ میں امانت ہے اسلئے بھی زید کا مال ہلاک ہوا اس لئے شرکت باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۵. اگر مال کو ملانے کے بعد ہلاک ہوا تو شرکت کا مال ہلاک ہوا اس لئے دونوں کے مال کا ہلاک سمجھا جائے گا۔

تشریح: کسی چیز کے خریدنے سے پہلے، یا مال کو ملانے سے پہلے مال ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جاتی ہے، لیکن اگر ملانے کے بعد ہلاک ہوا شرکت کا مال ہلاک سمجھا جائے گا، پس اگر سب مال ہلاک ہو گیا تو اب شرکت ختم ہو جائے گی، لیکن اگر کچھ مال ہلاک ہوا تو باقی مال میں شرکت باقی رہے گی۔

ترجمہ: (۳۰۰۸) اور اگر دونوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خرید لیا اور دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان ہوگی شرط کے مطابق۔

۱۔ لَآ اِنَّ الْمَلِكَ حِيْنَ وَقَعَ وَقَعَ مُشْتَرَا كَابَيْنَهُمَا لِقِيَامِ الشَّرِكَةِ وَقَتِ الشَّرَاءِ فَلَا يَتَغَيَّرُ الْحُكْمُ بِهَلَاكِ مَالِ الْآخِرِ بَعْدَ ذَلِكَ، ثُمَّ الشَّرِكَةُ شَرِكَةُ عَقْدٍ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِلْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ، حَتَّى اِنَّ اَيُّهُمَا بَاعَ جَازَ بَيْعُهُ؛ لَآ اِنَّ الشَّرِكَةَ قَدْ تَمَّتْ فِي الْمُشْتَرَى فَلَا يَنْتَقِصُ بِهَلَاكِ الْمَالِ بَعْدَ تَمَامِهَا.

(۳۰۰۹) قَالَ وَيُرْجَعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحِصَّةٍ مِنْ ثَمَنِهِ

ترجمہ: اس لئے کہ خریدی ہوئی چیز پر جب ملکیت ہوئی تو مشترک ملک ہوئی کیونکہ خریدتے وقت شرکت قائم تھی اس لئے دوسرے شریک کے مال کے ہلاک ہونے سے شرکت کا حکم نہیں بدلے گا۔

تشریح: دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ کچھ خریدا، دوسرے شریک نے ابھی کچھ خریدا نہیں تھا کہ اس کا مال ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز شرط کے مطابق دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ اور جتنا حصہ دوسرے شریک کا ہوتا ہے اتنے حصے کی قیمت اس سے وصول کرے گا۔

وجہ: چونکہ شرکت میں مال خرید اچا چکا ہے اس لئے وہ مال شرکت کا ہی ہوگا۔ اور خریدنے والا دوسرے شریک کا وکیل ہوگا۔ اور چونکہ خریدنے والے نے اپنا مال دیا تھا اس لئے اپنے شریک سے اس کے حصے کی قیمت وصول کرے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شریک نے وکالت کے طور پر خرید لیا تو دوسرے شریک کا بھی شرط کے مطابق حصہ ہوگا۔

ترجمہ: ۲۔ امام محمدؒ کے یہاں یہ عقد میں شرکت ہے اور حضرت حسن بن زیاد اس کے خلاف ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے بھی بیچا تو اسکی بیع جائز ہے اس لئے کہ خریدی ہوئی چیز میں شرکت پوری ہوگئی ہے، اسلئے شرکت پوری ہونے کے بعد مال کے ہلاک ہونے شرکت نہیں ٹوٹے گی۔

لغت: شرکت عقد: شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہی ہے لیکن صرف ساتھ رکھے ہوئے ہے، اس صورت میں جسکی ملکیت ہے صرف وہی اپنی چیز بیچ سکے گا دوسرا شریک اس کو نہیں بیچ سکے گا۔ اور شرکت عقد کا مطلب یہ ہے کہ عقد کے اعتبار سے بھی شرکت ہوگئی ہے، اور یہ چیز دونوں کی مشترکہ ہے۔ اس لئے اس کو دونوں بیچ سکتا ہے۔

تشریح: ایک شریک نے اپنے مال سے چیز خرید چکا ہے اس لئے عقد کے اعتبار سے بھی دونوں کی چیز مشترک ہو چکی ہے، اس لئے دونوں میں سے کوئی بھی اس چیز کو بیچ سکتا ہے۔

وجہ: خریدنے کی وجہ سے شرکت مکمل ہو چکی ہے اس لئے ایک کے مال ہلاک ہونے سے اب شرکت نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمہ: (۳۰۰۹) خریدنے والا شریک سے اس کے حصے کی رقم وصول کرے گا۔

۱۔ لَئِنَّهُ اشْتَرَى نِصْفَهُ بِوَكَالَتِهِ وَنَقَدَ الثَّمَنَ مِنْ مَالٍ نَفْسِهِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ، ۲۔ هَذَا إِذَا اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِأَحَدِ الْمَالَيْنِ أَوْ لَا ثُمَّ هَلَكَ مَالُ الْآخَرِ. أَمَّا إِذَا هَلَكَ مَالُ أَحَدِهِمَا ثُمَّ اشْتَرَى الْآخَرُ بِمَالِ الْآخَرِ، إِنْ صَرَّحَ بِالْوَكَالَةِ فِي عَقْدِ الشَّرِكَةِ فَالْمُشْتَرَى مُشْتَرِكٌ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا شَرَطَا؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ إِنْ بَطَلَتْ فَالْوَكَالَةُ الْمَصْرُوحُ بِهَا قَائِمَةٌ فَكَانَ مُشْتَرَاكَ بِحُكْمِ الْوَكَالَةِ، ۳۔ وَيَكُونُ شَرِكَةَ مِلْكٍ وَيَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِحَصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ لِمَا بَيَّنَّاهُ، ۴۔ وَإِنْ ذَكَرَ مُجَرَّدَ الشَّرِكَةِ وَلَمْ يَنْصَأْ عَلَى الْوَكَالَةِ فِيهَا كَانَ الْمُشْتَرَى لِلذِّى اشْتَرَاهُ خَاصَّةً؛ لِأَنَّ الْوُقُوعَ عَلَى الشَّرِكَةِ حُكْمُ الْوَكَالَةِ الَّتِي تَصْمَنْتُهَا الشَّرِكَةُ،

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ اس کا وکیل بن کر اس کا آدھا حصہ خریدا ہے، اور اپنا پیسہ دیا ہے، اس بات کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: یہ آدمی شریک کا وکیل تھا اور اپنے پیسے سے اس کی چیز خریدی تھی اس لئے اس سے آدھی رقم وصول کرے گا۔

ترجمہ: ۲۔ یہ تفصیل اس وقت ہے کہ ایک نے پہلے مال خریدا پھر دوسرے کا مال ہلاک ہوا [تو شرکت ہوگئی]۔ لیکن اگر ایک کا مال ہلاک ہو گیا پھر دوسرے نے اپنے مال سے چیز خریدی، تو اگر الگ سے وکیل بنانے کی تصریح کی تو شرط کے مطابق خریدی ہوئی چیز دونوں کی ہوگی، اس لئے کہ شرکت اگر ختم ہو چکی ہے، لیکن وکیل بنانے کی جو تصریح کی ہے وہ ابھی قائم ہے اس لئے وکالت کی وجہ سے خریدی ہوئی چیز مشترک ہو جائے گی۔

تشریح: چیز پہلے خریدی پھر دوسرے شریک کا مال ہلاک ہو گیا تو چیز مشترک ہوگی۔ لیکن اگر ابھی چیز نہیں خریدی تھی اور ایک شریک کا مال ہلاک ہو گیا، اس کے بعد دوسرے شریک نے مال خریدا، تو اگر شرکت کے علاوہ صراحت سے یہ کہا تھا کہ تم میرا وکیل ہو تو جو چیز اب خریدی گئی ہے وہ بھی شرکت پر ہوگی۔

وجہ: ایک کے مال ہلاک ہونے کی وجہ سے شرکت ختم ہوگئی تھی، لیکن صراحت کے ساتھ جب یہ کہا کہ تم میرا وکیل ہو تو اس وکالت کی وجہ سے خریدے ہوئے مال میں شرکت ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۳۔ اور شرکت ملک ہوگی، اور چیز کے آدھے حصے کی قیمت شریک سے وصول کرے گا، اس دلیل سے جو ہم نے بیان کیا کہ [یہ دوسرے کا بھی وکیل تھا اور اس کی وکالت میں چیز خریدا تھا]

تشریح: البتہ یہ شرکت عقد نہیں ہوگی، بلکہ شرکت عقد ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس نے خریدا تھا صرف وہی اس مال کو بیچ سکے گا، اور بتنا دوسرے شریک کے حصے میں آئے گا اس کی قیمت اس سے وصول کرے گا، کیونکہ اس نے اپنا پیسہ اس کی چیز خریدنے میں دیا تھا۔

ترجمہ: ۴۔ اور اگر صرف شرکت کا تذکرہ تھا، اور وکیل بنانے کی تصریح نہیں کی تھی، تو خریدی ہوئی چیز اسی کی ہوگی جس نے خریدا ہے، اس لئے کہ یہاں وکالت شرکت کے اندر ہے، پس جب شرکت ختم ہوگئی تو اس کے اندر کی وکالت بھی ختم ہوگئی، اس

فَإِذَا بَطَلَتْ يَبْطُلُ مَا فِي ضَمْنِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا صَرَّحَ بِالْوَكَالَةِ لِأَنَّهَا مَقْصُودَةٌ.

(۳۰۱۰) قَالَ: وَتَجُوزُ الشَّرْكَۃُ وَإِنْ لَمْ يَخْلُطَا الْمَالَ ۚ وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ: لَا تَجُوزُ لِأَنَّ الرَّبْحَ فَرْعُ الْمَالِ، وَلَا يَقَعُ الْفَرْعُ عَلَى الشَّرْكَۃِ إِلَّا بَعْدَ الشَّرْكَۃِ فِي الْأَصْلِ وَأَنَّهُ بِالْخَلْطِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَحَلَّ هُوَ الْمَالُ وَلِهَذَا يُضَافُ إِلَيْهِ، وَيُشْتَرَطُ تَعْيِينُ رَأْسِ الْمَالِ،

کے برخلاف وکالت کی صراحت کی ہو تو وہاں وکالت مقصود ہے [اس لئے وکالت ختم نہیں ہوگی]

تشریح: شرکت کے عقد کرتے وقت الگ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں تم کو وکیل بھی بناتا ہوں، تو ایک کے مال ہلاک ہونے کی وجہ سے شرکت ختم ہوگئی، اس لئے اس کے اندر جو وکالت تھی وہ بھی ختم ہوگئی، اس لئے دوسرے شریک نے جو مال خریدا وہ صرف اسی کا ہوگا، کیونکہ نہ شرکت رہی اور نہ وکالت رہی ہے۔ ہاں صراحت کے ساتھ وکیل بناتا تو اس وکالت کی وجہ سے خریدا ہوا مال میں دوسرا آدمی شریک ہو جاتا۔

ترجمہ: (۳۰۱۰) اور شرکت عنان جائز ہے اگرچہ دونوں نے مال خلط ملط نہ کیا ہو۔

تشریح: دونوں شریکوں کو اپنا اپنا مال دوسرے کے ساتھ خلط ملط کر دینا چاہئے لیکن شرکت عنان میں یہ گنجائش ہے کہ خلط ملط نہ کیا پھر بھی شرکت صحیح ہو جائے گی۔

وجہ: یہاں شرکت کا مدار تصرف پر ہے۔ اور جو بھی خریدے گا تو آدھا مال اپنے لئے ہوگا اور آدھا مال وکالت کے طور پر شریک کے لئے ہوگا۔ اور جب اس کو بیچیں گے تو شرط کے مطابق اسی مناسبت سے نفع بھی دونوں کے لئے ہوگا۔ اس لئے ملانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: امام زفر اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مال کو بغیر ملائے ہوئے شرکت عنان جائز نہیں ہے، کیونکہ نفع مال کا فرع ہے اور اصل مال میں شرکت کے بغیر فرع میں شرکت نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کا محل مال ہے اسی لئے نفع کو مال کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اس المال کو متعین کرنے کی شرط لگاتے ہیں،

تشریح: امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں جب تک دونوں شریک مال کو نہیں ملائے گا تب تک شرکت درست نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ نفع مال کا فرع ہے اس لئے نفع میں شرکت اس وقت ہوگی جبکہ اصل یعنی مال میں شرکت ہو، اس کی بنیاد یہ بتاتے ہیں کہ نفع کا محل مال ہے، یہی وجہ ہے کہ نفع کو مال کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اس المال یعنی مال کو متعین کرنا شرط لگاتے ہیں اس لئے مال کو ملانا ضروری ہے (۲)۔

تكون سواء في المال وحتى يخلطوا مالهما ولا تكون المفاوضة والشركة بالعروض ان يجبي هذا

۲. بِخِلَافِ الْمُضَارَبَةِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِشَرِكَةٍ، وَإِنَّمَا هُوَ يَعْمَلُ لِرَبِّ الْمَالِ فَيَسْتَحِقُّ الرِّبْحَ عِمَالَةً عَلَى عَمَلِهِ، أَمَّا هُنَا بِخِلَافِهِ، ۳. وَهَذَا أَصْلٌ كَبِيرٌ لَهُمَا حَتَّى يُعْتَبَرُ اتِّحَادُ الْجِنْسِ. وَيُشْتَرَطُ الْخَلْطُ وَلَا يَجُوزُ التَّفَاضُلُ فِي الرِّبْحِ مَعَ التَّسَاوِي فِي الْمَالِ. وَلَا تَجُوزُ شَرِكَةُ التَّقْبُلِ وَالْأَعْمَالِ لِإِعْدَامِ الْمَالِ. ۴. وَلَنَا أَنَّ الشَّرِكَةَ فِي الرِّبْحِ مُسْتَنَدَةٌ إِلَى الْعُقْدِ دُونَ الْمَالِ؛ لِأَنَّ الْعُقْدَ يُسَمَّى شَرِكَةً فَلَا بُدَّ مِنْ تَحَقُّقِ مَعْنَى هَذَا الْإِسْمِ فِيهِ فَلَمْ يَكُنْ الْخَلْطُ شَرْطًا،

بعرض و هذا بعرض (مصنف عبدالرزاق، باب المفاوضین ج ثامن ص ۲۰۰ نمبر ۱۵۲۱۹) اس قول صحابی میں ہے کہ مال کو ملائے گا تب ہی شرکت صحیح ہوگی۔

ترجمہ: ۲. بخلاف مضاربت کے [اس میں مال ملانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ شرکت نہیں ہے، مضاربت میں تو مضارب رب المال کے لئے کام کرتا ہے اور اپنے کام کا مفعول لیتا ہے، شرکت میں اس کے خلاف ہے] یعنی شرکت میں دونوں کام کرتے ہیں]

تشریح: مضاربت میں مال کی شرکت نہیں ہوتی، وہاں تو ایک کا مال ہوتا ہے اور دوسرا آدمی محنت کرتا ہے اور اس کے بدلے میں مزدوری لیتا ہے، بخلاف شرکت کے، یہاں دونوں کا مال ہوتا ہے اور دونوں ہی کام کرتے ہیں اور دونوں ہی پیسہ لیتے ہیں، اس لئے یہاں مال کا ملانا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۳. امام زفر، اور امام شافعی کے لئے یہ بہت بڑا قاعدہ ہے [کہ مال کو ملانا ضروری ہے] اس کی وجہ سے جنس کا متحد ہونا ضروری ہے، مال کو ملانا ضروری ہے، مال برابر ہو تو نفع میں کمی زیادتی جائز نہیں ہے، شرکت تقبیل اور شرکت اعمال جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ مال نہیں ہے۔

تشریح: امام زفر اور امام شافعی کے یہاں یہ بہت بڑا قاعدہ ہے کہ شرکت میں مال کا ملانا ضروری ہے، جس کی وجہ سے تین باتیں ہوں گی [۱] دونوں کی جنس ایک ہو، چنانچہ ایک کا درہم اور دوسرے کا دینار نہیں چلے گا، کیونکہ اس میں دونوں میں خلط ملط نہیں ہوگا [۲] مال برابر ہو تو نفع میں کمی بیشی بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے یہاں نفع مال کا فرع ہے، اس لئے جس کا جتنا مال ہوگا اتنا ہی نفع دیا جائے گا اسلئے مال کم ہو اور نفع زیادہ لے لے یہ صحیح نہیں ہوگا [۳] انکے یہاں شرکت تقبیل، یعنی شرکت صنائع بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ کاریگری میں مال نہیں ہوتا، اور شرکت کے مال ضروری ہے، اسلئے شرکت صنائع بھی جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴. ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع میں جو شرکت ہے وہ عقد کی طرف منسوب ہے مال کی طرف منسوب نہیں ہے، اس لئے کہ عقد کو شرکت کہتے ہیں اس لئے اس نام کا معنی متحقق ہونا چاہئے، اس لئے مال کو ملانا شرط نہیں ہے،

۵. وَلَإِنَّ الدَّرَاهِمَ وَالِدَنَانِ لَا يَتَعَيَّنَانِ فَلَا يُسْتَفَادُ الرَّبْحُ بِرَأْسِ الْمَالِ، وَإِنَّمَا يُسْتَفَادُ بِالتَّصَرُّفِ لِأَنَّهُ فِي النِّصْفِ أَصِيلٌ وَفِي النِّصْفِ وَكِيلٌ. وَإِذَا تَحَقَّقَتِ الشَّرْكَۃُ فِي التَّصَرُّفِ بِدُونِ الْخَلْطِ تَحَقَّقَتْ فِي الْمُسْتَفَادِ بِهِ وَهُوَ الرَّبْحُ بِدُونِهِ، وَصَارَ كَالْمُضَارَبَةِ فَلَا يُشْتَرَطُ اتِّحَادُ الْجِنْسِ وَالتَّسَاوَى فِي الرَّبْحِ، وَتَصَحُّ شَرْكَۃِ التَّقْبُلِ.

(۳۰۱۱) قَالَ وَلَا تَجُوزُ الشَّرْكَۃُ إِذَا شَرِطَ لِأَحَدِهِمَا دَرَاهِمُ مُسَمَّاءَ مِنَ الرَّبْحِ ۚ لِأَنَّهُ شَرَطُ يَوْجِبُ انْقِطَاعَ الشَّرْكَۃِ فَعَسَاهُ لَا يُخْرِجُ إِلَّا قَدْرَ الْمُسَمَّى لِأَحَدِهِمَا، وَنَظِيرُهُ فِي الْمُزَارَعَةِ.

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ نفع میں جو شرکت ہے وہ مال کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ عقد کی طرف منسوب ہے، یہی وجہ ہے کہ عقد کو شرکت کہتے ہیں اس لئے نام کا اعتبار کرتے ہوئے ملانے کی شرط نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ: ۵. اور اس لئے کہ درہم اور دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے اس المال سے نفع نہیں ہوتا ہے بلکہ تصرف سے نفع ہوتا ہے، اس لئے کہ آدھے تصرف میں اصل ہے اور آدھے تصرف میں وکیل ہے، اس لئے بغیر ملائے ہوئے تصرف میں شرکت متحقق ہوگی تو نفع میں بھی شرکت متحقق ہوگی اور یہ شرکت مضاربت کی طرح ہوگی اس لئے ایک جنس ہونے کی شرط نہیں ہوگی، اور نہ نفع میں برابری کی ضرورت ہے، اور شرکت تقبل بھی جائز ہوگی۔

تشریح: یہ امام شافعی کو جواب ہے، کہ دینار اور درہم متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے نفع درہم اور دینار سے نہیں ہے، بلکہ تصرف سے ہے اور تصرف میں آدھا اپنی جانب سے ہے اور آدھا دوسرے کی جانب سے وکیل کے طور پر ہے، اور جب تصرف میں شرکت ہوئی تو یہ تینوں کی ضرورت نہیں ہے [۱] مال کو ملانے کی ضرورت نہیں ہے، [۲] اور نہ نفع میں برابری کی ضرورت ہے [۳]، اور تقبل، یعنی ضائع میں بھی شرکت صحیح ہو جائے گی، کیونکہ وہاں بھی تصرف ہے، مال نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۱) اور نہیں صحیح ہے شرکت اگر شرط لگالے کسی ایک کے لئے نفع میں سے متعین درہم۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جس سے شرکت ہی ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اتنا ہی درہم نفع ہو جتنا ایک شریک کے لئے متعین کیا ہے۔ اس کی مثال کتاب المزارعت میں گزر گئی ہے۔

تشریح: مثلاً یوں شرط لگائی کہ نفع میں سے پہلے پچاس درہم مجھے دو گے باقی جو بچیں گے ان میں سے آدھے آدھے، تو اس قسم کی شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے۔ کیونکہ نفع میں شرکت کا نام شرکت ہے اور وہ یہاں نہیں ہوئی، اس لئے اس شرط سے شرکت فاسد ہو جائے گی۔

(۳۰۱۲) قَالَ: وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَفَاعِلِينَ وَشَرِيكِي الْعِنَانِ أَنْ يُضَعَ الْمَالُ ۱ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ فِي عَقْدِ الشَّرْكَۃِ، ۲ وَلِأَنَّ لَهُ أَنْ يَسْتَأْجَرَ عَلَى الْعَمَلِ، وَالتَّحْصِيلُ بِغَيْرِ عَوَضٍ ذُوْنَهُ فَيَمْلِكُهُ، ۳ وَكَذَا لَهُ أَنْ يُودِعَهُ لِأَنَّهُ مُعْتَادٌ وَلَا يَجِدُ النَّاجِرُ مِنْهُ بُدًّا.

وجہ: (۱) مان لیا جائے کہ کسی موقع پر صرف پچاس درہم ہی نفع ہوا تو وہ صرف ایک کو مل جائے گا اور دوسرا منہ تکتا رہ جائے گا جس سے اس کو ضرر ہوگا۔ اس لئے متعین درہم ایک کے لئے مخصوص ہو اس شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس قسم کے تخصّص کو منع فرمایا ہے۔ عن رافع بن خدیج قال حدثني عمي انهم كانوا يكرون الارض على عهد النبي ﷺ بما ينبت على الارباع او بشيء يستثنيه صاحب الارض فنهى النبي ﷺ عن ذلك (بخاری شریف، باب كراء الارض بالذهب والفضة ص ۳۱۶ نمبر ۲۳۴۶) اس حدیث میں ہے کہ زمین کی بٹائی میں کچھ مخصوص زراعت کو مستثنیٰ کر لینے کو آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے شرکت میں کچھ خاص نفع کو مستثنیٰ کر لینا بھی جائز نہیں ہے (۳) عن ابن المسيب قال يكره ان يبيع النخل ويستثنى منه كيلا معلوما (مصنف عبدالرزاق، باب بيع الثمرة ويشترط منها كيلاج ثامن ص ۲۰۳ نمبر ۱۵۲۲۹) اس قول تابعی میں متعین کیل کو مکروہ قرار دیا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۲) مفاوضہ اور عنان کے ہر شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو مال دیدے بضاعت کے طور پر۔
ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ شرکت میں یہ سب کام کرتے ہیں۔

تشریح: یہ مسائل اس قاعدے پر ہیں کہ تجارت کرنے میں جن جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے یا جن جن کاموں سے نفع حاصل ہو سکتا ہے وہ کام شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریک کر سکتے ہیں۔ مثلاً مال بضاعت پر کسی کو دیدے یعنی کسی کو مال دے کہ تم اس میں کام کرو اور اس کا نفع بڑھاؤ۔ کچھ اجرت دے دیں گے اس کو بضاعت پر دینا کہتے ہیں۔
اصول: شریک تجارت کے فوائد کے سارے کام کر سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شریک کے لئے یہ جائز ہے کہ کام کے لئے کسی کو اجرت پر لے، یہاں تو مفت لے رہا ہے جو اجرت سے بھی کم ہے اس لئے شریک اس کام کو بھی کر سکتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۳۔ شریک کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ شرکت کے مال کو کسی کے پاس امانت رکھے، اس لئے کہ تجارت میں اس کی بھی عادت ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تاجر کو امانت رکھے بغیر کوئی راستہ نہیں ہے [اس لئے امانت بھی رکھ سکتا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

(۳۰۱۳) قَالَ: وَيَدْفَعُهُ مُضَارَبَةً؛ ۱. لِأَنَّهَا دُونَ الشَّرِكَةِ فَتَتَضَمَّنُهَا. ۲. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ نَوْعُ شَرِكَةٍ، وَالْأَصَحُّ هُوَ الْأَوَّلُ، وَهُوَ رَوَايَةُ الْأَصْلِ؛ لِأَنَّ الشَّرِكَةَ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ تَحْصِيلُ الرِّبْحِ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَهُ بِأَجْرٍ بَلْ أَوْكَى؛ لِأَنَّهُ تَحْصِيلٌ بِدُونِ ضَمَانٍ فِي ذِمَّتِهِ، ۳. بِخِلَافِ الشَّرِكَةِ حَيْثُ لَا يَمْلِكُهَا لِأَنَّ الشَّيْءَ لَا يَسْتَتَبِعُ مِثْلَهُ.

ترجمہ: (۳۰۱۳) شرکت کے مال کو مضاربت کے طور پر دیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ یہ شرکت سے کم ہے اس لئے یہ بھی کر سکتا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اپنے برابر کا کام تو نہیں کر سکتا، لیکن اس سے کم حیثیت کا کام کر سکتا ہے، مضاربت شرکت سے کم درجے کا ہے اس لئے مضاربت کر سکتا ہے۔

تشریح: شرکت میں نقصان ہو تو دونوں کا ہوتا ہے، اور مضاربت میں مضارب سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے شریک شرکت کے مال کو مضاربت پر بھی رکھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲. امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ شریک کو مضاربت پر دینے کا حق نہیں ہے اس لئے کہ وہ بھی ایک قسم کی شرکت ہے، لیکن صحیح روایت پہلی ہے، اور یہی مبسوط کی روایت ہے، کیونکہ مضاربت میں شرکت مقصود نہیں ہوتا، صرف نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے کسی کو اجرت پر کام کرنے کو لے لے، بلکہ مضاربت میں یہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ نفع نہ ہو تو مضارب کچھ بھی نہیں لیتا ہے [جبکہ مزدور کو دینا ہی پڑتا ہے]

تشریح: پہلی روایت یہ ہے کہ شریک مال کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔

وجہ: (۱) مضاربت میں نفع مقصود ہوتا ہے، شرکت مقصود نہیں ہے اس لئے مضاربت کر سکتا ہے۔ (۲) شرکت کے مال کو اجرت پر تجارت کے لئے دو تو نفع نہ بھی ہو تب بھی مزدوری دینی پڑتی ہے، جبکہ مضاربت میں اگر نفع نہ ہو تو مضارب کو کچھ بھی نہیں دینا پڑتا ہے، اس لئے اجرت پر دے سکتا ہے تو مضاربت پر بھی دے سکتا ہے۔

لغت: تحصیل بدون ضمان فی ذمتہ: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مضاربت میں نفع نہ ہو تو کچھ بھی لازم نہیں ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۳. بخلاف شرکت کا کام نہیں کر سکتا، اس لئے کہ کوئی چیز اپنی مثل نہیں کر سکتا۔

تشریح: شریک کسی کو شریک بنا کر شرکت کا کام نہیں کر سکتا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس درجے کی چیز ہے اس سے کم درجے کا کام کرنے کا تو مالک ہوگا، اسی کے مثل کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔

(۳۰۱۴) قَالَ: وَيُوكَّلُ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيهِ ۱. لِأَنَّ التَّوَكِيلَ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مِنْ تَوَابِعِ التَّجَارَةِ وَالشَّرْكَهُ انْعَقَدَتْ لِلتَّجَارَةِ، ۲. بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ حَيْثُ لَا يَمْلِكُ أَنْ يُوكَّلَ غَيْرَهُ لِأَنَّهُ عَقْدٌ خَاصٌّ طُلِبَ مِنْهُ تَحْصِيلُ الْعَيْنِ فَلَا يَسْتَتَبِعُ مِثْلَهُ (۳۰۱۵) قَالَ: وَيَدُهُ فِي الْمَالِ يَدُ أَمَانَةٍ ۱. لِأَنَّهُ قَبْضُ الْمَالِ بِإِذْنِ الْمَالِكِ.

ترجمہ: (۳۰۱۴) ایسے کسی کو وکیل بنائے جو تجارت کرے۔

ترجمہ: ۱۔ اسلئے کہ خریدنے اور بیچنے کا وکیل بنانا تجارت کے تابع ہیں، اور شرکت اسلئے کیا ہے تاکہ تجارت کرے [اس لئے تجارت کا وکیل بنا سکتا]

تشریح: شرکت تجارت کے لئے ہے، اور تجارت کرنے کا وکیل بنانا تجارت کرنا ہے اس لئے تجارت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲۔ خریدنے کا وکیل بنایا تھا وہ کسی دوسرے کو خریدنے کا وکیل نہیں بنا سکتا، اس لئے کہ یہ خاص عقد ہے جس سے متعین چیز کو حاصل کرنا ہے اس لئے اس کی مثل وکیل نہیں بنا سکتا۔

تشریح: خریدنے کا وکیل بنایا اب یہ وکیل چاہے کہ دوسرے کو اسی چیز کے خریدنے کا وکیل بنے دے تو ایسا نہیں کر سکتا۔

وجہ: دوسرے کو وکیل بنانا بھی پہلے کی طرح ہے اس لئے اپنے مثل کرنے کا مالک نہیں بنے گا

لغت: فلا يستتبع مثله: اپنے مثل کو تابع نہیں بنا سکتا۔ یعنی وکیل بالشراء، دوسرے کو وکیل بالشراء نہیں بنا سکتا۔

ترجمہ: (۳۰۱۵) اور شریک کا قبضہ مال میں امانت کا قبضہ ہے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ مالک کی اجازت سے مال پر قبضہ کیا ہے۔

تشریح: یعنی شریک کے ہاتھ میں شریک کا جو مال ہے وہ امانت کے طور پر ہے۔ اور بغیر زیادتی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) شریک کی اجازت سے اس کا قبضہ ہے۔ اور کسی بدلے کے بغیر قبضہ ہے اسلئے امانت کا قبضہ ہوگا (۲) ان کا استدلال اس اثر

سے بھی ہے۔ عن صالح بن دينار ان علياً كان لا يضمن الاجير المشترك. (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴ فی الاجیر یضمن ام

لا؟ ج رابع ص ۳۱۶، نمبر ۲۰۸۹) اس اثر میں اجیر مشترک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اسلئے اس پر حضرت علیؑ نے ضمان لازم

نہیں کیا۔ اسی طرح شریک نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہے اسلئے اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوگا (۳) قول تابعی میں ہے۔ عن

الحسن قال المضارب مؤتمن وان تعدى امرک (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان المتقارض اذا تعدى لمن الرنک، ج ثامن، ص

۱۹۶، نمبر ۱۵۲۰) اس قول تابعی میں ہے کہ مضارب امین ہے تو شریک بھی امین ہوگا اور جو مال اسکے ہاتھ میں ہے وہ امانت کا مال ہے۔

۲۔ لَا عَلَى وَجْهِ الْبَدَلِ وَالْوَثِيقَةِ فَصَارَ كَالْوَدِيعَةِ.

(۳۰۱۶) قَالَ: وَأَمَّا شَرِکَةُ الصَّنَائِعِ [وَتُسَمَّى شَرِکَةَ النَّقْبُلِ] كَالْحَيَّاطِينَ وَالصَّبَّاعِينَ يَشْتَرِکَانِ عَلَى أَنْ يَتَقَبَّلَا الْأَعْمَالَ وَيَكُونَ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوزُ ذَلِكَ ۚ وَهَذَا عِنْدَنَا. وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ: لَا تَجُوزُ لِأَنَّ هَذِهِ شَرِکَةٌ لَا تُفِيدُ مَقْصُودَهَا وَهُوَ التَّشْمِيرُ؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ، وَهَذَا لِأَنَّ الشَّرِکَةَ فِي الرِّبْحِ تُبْنَى عَلَى الشَّرِکَةِ فِي الْمَالِ عَلَى أَصْلِهِمَا عَلَى مَا قَرَّرْنَاهُ.

ترجمہ: ۲۔ بدل اور وثیقہ کے طور پر نہیں لیا ہے۔

تشریح: بھاؤ کرنے کے لئے کوئی بیع لے جاتا ہے تو یہ بدلے کے لئے لے جاتا ہے اس لئے وہ امانت کا مال نہیں ہے بلکہ ضمانت کا مال ہے۔ اسی طرح رہن کے طور پر کوئی چیز لے کر جاتا ہے تو یہ ضمانت کے طور پر ہوتا ہے، کیونکہ وثیقہ اور مضبوط کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ شرکت کا مال نہ بھاؤ لے طور پر لیا، اور نہ رہن کے طور پر لیا ہے، اس لئے یہ امانت کا مال ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۶) اور شرکت صنائع یہ ہے [اس کو شرکت تقبل بھی کہتے ہیں] کہ دو درزی یا دو رنگریز شریک ہو جائیں اس بات پر کہ دونوں کام لیں گے اور کمائی دونوں میں تقسیم ہوگی، پس یہ جائز ہے۔

تشریح: دو کارگر شریک ہو جائیں کہ ہم دونوں کام لیں گے اور کام کر کے دیں گے اور جو نفع ہوگا اس میں دونوں آدھا آدھا لے لیں گے یا شرط کے مطابق لیں گے۔ چونکہ کاریگری میں شرکت کی ہے اس لئے اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں۔ اس صورت میں ایک شریک جو کام لے گا وہ دوسرے پر لازم ہوگا۔ اور دوسرا شریک بھی اس کام کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔

وجہ: (۱) شرکت صنائع کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ عن عبد اللہ قال اشترکت انا و عمار و سعد فیما نصیب یوم بدر قال فجاء سعد باسیرین ولم اجئی انا و عمار بشيء (ابوداؤد شریف، باب فی الشریکۃ علی غیر رأس مال ص ۱۲۴ نمبر ۳۳۸۸ نسائی شریف، باب شرکت الابدان ص ۱۴۱ نمبر ۳۹۶۹ ابن ماجہ شریف، باب الشریکۃ والمضاربة ص ۳۲۷ نمبر ۲۲۸۸) اس حدیث میں تین آدمیوں نے کام کرنے اور قیدی لانے پر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت صنائع جائز ہے۔ (۲) اور نفع کے سلسلہ میں اثر گزر چکا ہے۔ عن علی فی المضاربة الوضیعة علی المال، والربح علی ما اصلحو اعلیہ (مصنف عبدالرزاق، باب نفقة المضارب ووضیعتہ ج ۸ ص ۱۹۱، نمبر ۱۵۱۶۶) (۳) یہ نفع اس بنیاد پر ہے کہ ایک آدمی دوسرے کے کام کا ذمہ دار ہے اور کام کر بھی رہا ہے۔ اس لئے شرکت بھی صحیح ہے اور نفع لینا بھی صحیح ہے۔

ترجمہ: ۱۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ہے، اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ شرکت جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں مال نہیں ہے تو اس کا نفع بھی نہیں ہوگا، اور اسکی وجہ یہ ہے امام شافعیؒ کے قاعدے کے مطابق شرکت میں نفع کی بنیاد مال ہے، جیسا

۲. وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ التَّحْصِيلُ وَهُوَ مُمَكِّنٌ بِالتَّوَكُّلِ، لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ وَكِيلًا فِي النِّصْفِ أَصِيلًا فِي النِّصْفِ تَحَقَّقَتِ الشَّرِکَةُ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ ۳. وَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ اتِّحَادُ الْعَمَلِ وَالْمَكَانِ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَزُفَرٍ فِيهِمَا؛ لِأَنَّ الْمَعْنَى الْمَجُوزَ لِلشَّرِکَةِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ لَا يَتَفَاوَتْ.

(۳۰۱۷) وَلَوْ شَرَطَا الْعَمَلَ نِصْفَيْنِ وَالْمَالَ أَثْلًا جَازَ.

کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ امام شافعی، اور امام زفر کے یہاں مال سے ہی نفع ہوتا ہے اور شرکت صنائع میں مال نہیں ہے بلکہ صرف کام کر کے نفع لینا ہے اس لئے ان کے یہاں شرکت صنائع جائز نہیں ہے، اس مسئلے کی تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۲. اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شرکت کا مقصود نفع ہے اور نفع میں وکیل بنا کر یہ ممکن ہے، اس لئے کہ جب آدمی میں وکیل ہوا تو آدمی میں اصیل ہوگا اور نفع میں شرکت ہو جائے گی۔

تشریح: ہماری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مقصود نفع حاصل کرنا ہے، اور نفع میں شرکت کر لی جائے کہ آدھا اس کا ہوا اور آدھا شریک کا ہوا اتنا ہی کافی ہے، اس کے لئے مال ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳. شرکت صنائع میں مکان اور کام بھی ایک ہو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے، امام مالک اور امام زفر اس کے خلاف ہیں، کیونکہ جائز شرکت معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تشریح: دونوں شریک کا ایک ہی کام ہو اس کی ضرورت نہیں ہے، ایک آدمی رنگ کا کام کرے اور دوسرا آدمی درزی کا کام کرے اور دونوں شرکت کر لے تب بھی جائز ہے، اسی طرح ایک جگہ پر دونوں کا کام کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ الگ الگ کام کرے اور شرکت کر لے تب بھی جائز ہے

وجہ: اصل مقصود نفع کمانا ہے اس لئے نفع میں شرکت کر لے اتنا ہی کافی ہے۔

امام مالک اور امام زفر فرماتے ہیں کہ کام بھی ایک ہو اور جگہ بھی ایک ہو تب شرکت صنائع ہوگی، ان کے یہاں شرکت کے لئے کام کو خلط ملط کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۷) اگر شرط لگائی کہ کام آدھا کرے اور نفع ایک تہائی اور دوتہائی ہو تو بھی جائز ہے۔

تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کام کرنے والا تجربہ کار اور ماہر ہوتا ہے اور دوسرا اتنا ماہر نہیں ہوتا اور کام سستی سے کرتا ہے اس لئے ایک نے دوتہائی نفع لیا اور دوسرے نے ایک تہائی رقم لی تب بھی جائز ہوگا۔

۱۔ وَفِي الْقِيَاسِ: لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ الضَّمَانَ بِقَدْرِ الْعَمَلِ، فَالزِّيَادَةُ عَلَيْهِ رِبْحٌ مَا لَمْ يُضْمَنْ فَلَمْ يَجْزِ الْعَقْدُ لِتَأْدِيَتِهِ إِلَيْهِ، وَصَارَ كَشَرِكَةِ الْوُجُوهِ، ۲ وَلَكِنَّا نَقُولُ: مَا يَأْخُذُهُ لَا يَأْخُذُهُ رِبْحًا لِأَنَّ الرِّبْحَ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ، وَقَدْ اخْتَلَفَ لِأَنَّ رَأْسَ الْمَالِ عَمَلٌ وَالرِّبْحُ مَالٌ فَكَانَ بَدَلُ الْعَمَلِ وَالْعَمَلُ يُتَقَوَّمُ بِالتَّقْوِيمِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ مَا قُومَ بِهِ فَلَا يَحْرُمُ، ۳ بِخِلَافِ شَرِكَةِ الْوُجُوهِ؛ لِأَنَّ جِنْسَ الْمَالِ مُتَّفِقٌ وَالرِّبْحُ يَتَحَقَّقُ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّفِقِ، وَرِبْحٌ مَا لَمْ يُضْمَنْ لَا يَجُوزُ إِلَّا فِي الْمُضَارَبَةِ.

(۳۰۱۸) قَالَ: وَمَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَيَلْزَمُ شَرِيكَهُ

ترجمہ: ۱۔ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نفع کام کی مقدار سے ہوتا ہے اور اس پر زیادہ کرنا، ربح مالم یضمن ہے۔ اس لئے ربح مالم یضمن تک پہنچنے کی وجہ سے یہ عقد جائز نہ ہو، جیسے شرکت وجوہ میں جائز نہیں ہے۔

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ شرکت صحیح نہ ہو اس لئے کہ جتنا کام ہو اسی کے حساب سے نفع ملنا چاہئے، اس لئے اس سے جو زیادہ نفع ملا وہ ربح مالم یضمن ہوا، تو جس طرح شرکت وجوہ میں کم زیادہ جائز نہیں ہے یہاں بھی جائز نہیں ہونی چاہئے۔

ترجمہ: ۲۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ربح نہیں ہے، کیونکہ ربح اس کو کہتے ہیں جو اتحاد جنس سے ہو یعنی مال سے ہو، اور یہاں تو دونوں الگ الگ ہیں، اس لئے کہ یہاں راس المال کام ہے، اور ربح جو ہے وہ مال ہے، تو یہاں نفع کام کا بدلہ ہوا، اور کام کی جو قیمت لگائی جائے وہ ہو جاتی ہے اس لئے کام کی جتنی قیمت لگائی جائے گی وہ حلال ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ربح مالم یضمن اس کو کہتے ہیں جو مال کا نفع ہو، اور یہاں مال کا نفع نہیں ہے، کیونکہ یہاں مال ہی نہیں ہے، یہاں کام کا نفع ہے، اور کام ماہر والے کا ہو تو نفع زیادہ لے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳۔ بخلاف شرکت وجوہ کے اس لئے کہ وہاں مال کی جنس متفق ہے اور نفع متفق جنس سے متحقق ہو رہا ہے۔ اور ربح مالم یضمن صرف مضاربہ میں جائز ہے۔

تشریح: شرکت وجوہ میں ہر شریک اپنی کوشش سے مال ہی لاتا رہا ہے، اس لئے وہاں نفع مال کا ہی ہے کام کا نہیں ہے، اس لئے جتنا مال ہے اسی حساب سے نفع ملنا چاہئے تاکہ ربح مال یضمن، نہ ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ صرف مضاربہ میں ربح مالم یضمن جائز ہے۔

لغت: الربح يتحقق في الجنس المتفق: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جنس متفق، یعنی درہم اور دینار کا نفع ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۸) دونوں میں سے ایک نے کام کو قبول کیا تو شریک پر بھی یہ کام لازم ہو جائے گا۔

۱۔ حَتَّىٰ إِنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يُطَالِبُ بِالْعَمَلِ وَيُطَالِبُ بِالْأَجْرِ وَيَبْرَأُ الدَّافِعُ بِالْدَّفْعِ إِلَيْهِ ۲۔ وَهَذَا ظَاهِرٌ فِي الْمَفَاوِضَةِ وَفِي غَيْرِهَا اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ خِلَافُ ذَلِكَ لِأَنَّ الشَّرِکَةَ وَقَعَتْ مُطْلَقَةً وَالْكَفَالَةُ مُقْتَضَى الْمَفَاوِضَةِ. ۳۔ وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ أَنَّ هَذِهِ الشَّرِکَةَ مُقْتَضِيَةٌ لِلضَّمَانِ؛ ۱۔ أَلَا تَرَى أَنَّ مَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ مَضْمُونٌ عَلَى الْآخَرِ، وَلِهَذَا يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِسَبَبِ نَفَاذِ تَقَبُّلِهِ عَلَيْهِ فَجَرَى مَجْرَى الْمَفَاوِضَةِ فِي ضَمَانِ الْعَمَلِ وَاقْتِضَاءِ الْبَدَلِ.

ترجمہ: ۱۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں سے کام کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور دونوں ہی کا ہک سے اجرت مانگ سکتا ہے۔ اور کسی ایک شریک کو اجرت دے دی تو دینے والا اجرت سے بری ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں تین باتیں بیان کر رہے ہیں۔ [۱] شرکت صنائع میں ایک شریک نے کام قبول کیا تو یہ کام دوسرے شریک پر بھی لازم ہو جائے گا، چنانچہ گا ہک دوسرے شریک سے بھی کام کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ [۲] اور دوسرا شریک گا ہک سے اجرت بھی وصول کر سکتا ہے۔ [۳] اور گا ہک دوسرے شریک کو اجرت دے دے تو اجرت کی ادائیگی ہو جائے گی۔

وجہ: شرکت صنائع میں ایک قسم کا مفاوضہ بھی ہوتا ہے اس لئے دونوں شریک اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۲۔ شرکت صنائع میں مفاوضہ بھی کر لیا تو تب تو ظاہر ہے [کہ کسی ایک کو اجرت دینے سے اجرت پوری ہوگئی] لیکن اگر مفاوضہ نہیں ہے تب بھی استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ دینے سے اجرت پوری ہو جائے، اور قیاس اس کے خلاف ہے اس لئے کہ مطلق شرکت ہوئی ہے اور مفاوضہ میں کفالہ بھی ہوتا ہے۔

تشریح: شرکت صنائع میں شرکت مفاوضہ بھی کر لیا تب تو ظاہر ہے کہ ہر ایک شریک ذمہ دار بن جائے گا، لیکن اگر شرکت مفاوضہ نہیں کیا تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ایک شریک ذمہ دار نہ ہو، اور دوسرے شریک کو اجرت دینے سے اجرت کی ادائیگی نہ ہو، کیونکہ یہ شرکت مطلق ہے، جس میں ہر ایک کے کفیل ہونے کی شرط نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس شرکت میں ہر شریک ضامن ہوتا ہے، کیوں آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ ایک شریک کام قبول کرے تو دوسرے پر بھی کام لازم ہو جاتا ہے، اور اس پر کام لازم ہونے کی وجہ سے وہ اجرت لینے کا بھی مستحق ہو جاتا ہے، اس لئے یہ شرکت کام کے ضمان لازم ہونے میں مفاوضہ کے قائم مقام ہے اور بدل کا تقاضہ کرتا ہے۔

تشریح: استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں کفالہ بھی ہے، کیونکہ کام کرنے کا ضامن دونوں ہوتے ہیں، اور دونوں اجرت کے مستحق ہوتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اندر خانہ کفالہ بھی ہے اسلئے ایک کو اجرت دے تو اس سے اجرت کی ادائیگی ہو جائے گی۔

لغت: يستحق الاجر بسبب نفاذ تقبلہ فجرى مجرى المفاوضۃ؛ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے شریک پر بھی کام کی ذمہ

(۳۰۱۹) قَالَ: وَأَمَّا شَرِكَةُ الْوُجُوهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِيَانِ وَلَا مَالَ لِهَمَا عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوهِمَا وَيَبِيعَا فَتَصِحَّ الشَّرِكَةُ عَلَى هَذَا ۱. سُمِّيَتْ بِهِ لِأَنَّهُ لَا يَشْتَرِي بِالنَّسِيبَةِ إِلَّا مَنْ كَانَ لَهُ وَجَاهَةٌ عِنْدَ النَّاسِ، ۲. وَإِنَّمَا تَصِحُّ مَفَاوِضَةٌ لِأَنَّهُ يُمَكِّنُ تَحْقِيقُ الْكَفَالَةِ وَالْوَكَالَةِ فِي الْإِبْدَالِ، وَإِذَا أُطْلِقَتْ تَكُونُ عِنَانًا لِأَنَّ مُطْلَقَهُ يُنْصَرِفُ إِلَيْهِ.

داری آگئی ہے، اسی لئے وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے، اس لئے یہ مفاوضہ کے درجے میں ہے۔ اقتضاء العمل، واقتضاء البذل: کام کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور اجرت کا بھی تقاضہ کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۱۹) شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں اور ان دونوں کے پاس مال نہ ہو اس بات پر کہ دونوں اپنے اپنے تعلقات سے خریدیں گے اور بیچیں گے تو اس طرح شرکت صحیح ہے۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ جس کا لوگوں کے درمیان رعب ہو وہی ادھار چیز خرید سکتا ہے۔

تشریح: شرکت وجوہ کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے پاس مال نہ ہوں بلکہ اپنے اپنے تعلقات سے دوسروں کے مال ادھار خریدیں اور بیچیں اور نفع کمائیں۔ اس طرح دو آدمی شرکت کر لے تو جائز ہے۔ اور اس شرکت کو وجوہ اس لئے کہتے ہیں کہ چہرہ اور رعب سے مال خرید اور بیچ رہا ہے۔ اس لئے اس شرکت کو شرکت وجوہ کہتے ہیں۔

وجہ: اس شرکت کے جواز کا ثبوت اس لمبے قول صحابی میں ہے۔ قال اخبرني ابي قال كنت ابيع البز في زمان عمر بن الخطاب وان عمر قال لا يبيعه في سوقنا اعجمي فانهم لم يفقهوا في الدين ولم يقيموا في الميزان والمكيال قال يعقوب فذهبت الى عثمان بن عفان فقلت له هل لك غنيمة باردة؟ قال ماهي؟ قلت بز قد علمت مكانه ببيعه صاحبه برخص لا يستطيع بيعه اشتريه لك ثم ابيعه لك قال نعم الخ (موطأ امام محمد، باب الشركة في البيع ص ۳۴۷) اس اثر میں حضرت یعقوب کے پاس مال نہیں تھا، حضرت عثمان سے کپڑا لیکر شرکت کی جس سے معلوم ہوا کہ شرکت وجوہ جائز ہے۔

لغت: وجوہ: اس کا معنی ہے، چہرہ، یہاں اس کا معنی ہے، رعب، جان پہچان۔

ترجمہ: ۲: اس شرکت میں مفاوضہ بھی ہوگی اس لئے کہ بیع اور ثمن میں وکالت اور کفالت دونوں ہونا ممکن ہے، لیکن جب مطلق شرکت کی تو شرکت عنان ہوگی اس لئے مطلق شرکت عنان کی طرف پھیرا جاتا ہے۔

تشریح: اس شرکت وجوہ میں شرکت مفاوضہ بھی ہوگی یا نہیں، اس بارے میں فرماتے ہیں کہ چونکہ اس شرکت میں بیع بھی ہے اور ثمن بھی ہے اس لئے اس میں وکالت بھی ہوگی اور کفالت بھی ہوگی، اس لئے شرکت مفاوضہ ہو سکتی ہے، البتہ شرکت

۳. وَهِيَ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ، وَالْوَجْهُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مَا قَدَّمْنَاهُ فِي شَرِكَةِ التَّقْبُلِ.

(۳۰۲۰) قَالَ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيلٌ الْآخَرِ فِيمَا يَشْتَرِيهِ ۚ لِأَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الْغَيْرِ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِوَكَالَةٍ أَوْ بِلَايَةٍ وَلَا وَلَايَةَ فَتَتَعَيَّنُ الْوَكَالَةُ.

(۳۰۲۱) فَإِنْ شَرَطَا أَنْ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالرَّبْحُ كَذَلِكَ يَجُوزُ، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَفَاضَلَ فِيهِ، وَإِنْ شَرَطَا أَنْ يَكُونَ الْمُشْتَرَى بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا فَالرَّبْحُ كَذَلِكَ

مفاضہ کا تذکرہ نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں شرکت عنان ہو جائے گی، کیونکہ جب مطلق شرکت ہوتی ہے تو اس سے شرکت عنان ہی قائم ہوتی ہے۔

ترجمہ: ۳. ہمارے نزدیک یہ شرکت جائز ہے، خلاف امام شافعیؒ کے، شرکت تقبل میں دوں حضرات کی دلیل ہم نے بیان کر دی ہے۔

تشریح: ہمارے نزدیک شرکت وجوہ جائز ہے، اور شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وجہ: شرکت کے لئے ہمارے یہاں مال ہونا ضروری نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے کا ذمہ دار بن جائے اور نفع میں شرکت ہو جائے تب بھی شرکت ہو سکتی ہے، اور شرکت وجوہ میں نفع میں شرکت ہوتی ہے، اور ایک دوسرے کا ذمہ دار بھی ہوتا ہے اس لئے یہ شرکت جائز ہے۔ اور امام شافعیؒ کے یہاں شرکت کے لئے مال کا ہونا ضروری ہے، اور یہاں کسی کے پاس مال نہیں ہے اس لئے شرکت وجوہ بھی نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۳۰۲۰) دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس چیز میں جو خریدا۔

تشریح: ایک شریک جو کچھ خریدے گا اس میں سے آدھا اس کا ہوگا اور آدھا شریک کا ہوگا۔

وجہ: اس شرکت میں بھی شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔ اسلئے جو کچھ خریدے گا دوسرے کی وکالت کی وجہ سے آدھا اس کا ہوگا۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ دوسرے کے مال پر تصرف دو وجہ سے ہوتی ہے، وکالت ہو یا ولایت ہو، یعنی آپ کو مال دے دے، یہاں ولایت نہیں ہے اس لئے وکالت ہی ہوگی۔

تشریح: دوسرے کے مال پر تصرف کرنے کی دو صورتیں ہیں، یا یہ چیز آپ کو دے دے، اور آپ اس کا ولی بن جائیں تو تصرف کر سکتے ہیں، یا دوسرے آدمی کا آپ وکیل بن جائیں، اس وکالت کی بنیاد پر اس مال پر تصرف کریں۔ یہاں ولایت تو ہے نہیں اس لئے وکالت ہی ہوگی، یعنی شریک کا وکیل بن کر اس کے مال پر تصرف کریں۔

ترجمہ: (۳۰۲۱) پس اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کی آدمی آدمی ہوگی تو نفع بھی ایسا ہی ہوگا یعنی آدھا آدھا

۱۔ وَهَذَا لِأَنَّ الرَّبْحَ لَا يُسْتَحَقُّ إِلَّا بِالْمَالِ أَوْ بِالْعَمَلِ أَوْ بِالضَّمَانِ قَرُبُ الْمَالِ يَسْتَحِقُّهُ بِالْمَالِ، وَالْمُضَارِبُ يَسْتَحِقُّهُ بِالْعَمَلِ، وَالْأُسْتَاذُ الَّذِي يُلْقِي الْعَمَلَ عَلَى التَّلْمِيزِ بِالنَّصْفِ بِالضَّمَانِ، وَلَا يُسْتَحَقُّ بِمَا سِوَاهَا؛ أَلَا تَرَى أَنَّ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ تَصَرَّفْ فِي مَالِكَ عَلَى أَنَّ لِي رُبْحَهُ لَمْ يَحْزَلْ لِعَدَمِ هَذِهِ الْمَعَانِي. وَاسْتِحْقَاقُ الرَّبْحِ فِي شَرَكَةِ الْوُجُوهِ بِالضَّمَانِ عَلَى مَا بَيَّنَّا

ہوگا۔ اور اس سے کمی زیادتی جائز نہیں ہے۔ اور اگر دونوں نے شرط کی کہ خریدی ہوئی چیز تین تہائی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا۔
تشریح: اگر دونوں کا خریدا ہوا مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی دونوں کا آدھا آدھا ہوگا۔ اس سے کم زیادہ نفع لینا کسی شریک کے لئے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ ایک آدمی کی خریدی ہوئی چیز ایک تہائی ہوگی اور دوسرے کی دو تہائی ہوگی تو نفع بھی ہر ایک کو اسی مناسبت سے ہوگا۔ یعنی جس کی ایک تہائی ہے اس کو ایک تہائی نفع ملے گا اور جس کی دو تہائی ہے اس کو دو تہائی نفع ملے گا۔ اس سے کم زیادہ نفع کی شرط کرنا جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) نفع لینے کا مدار تین باتوں میں سے ایک پر ہوتا ہے۔ یا تو مال کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضارب کا مال ہوگا۔ یا کام کرنے کے لئے وہ نفع لیتا ہے۔ یا کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہو جیسے مضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع لیتا ہے۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذمہ داری اور ضمان کی وجہ سے نفع لیتا ہو۔ شرکت وجوہ میں نفع لینے کی وجہ یہ تیسری شکل ہے۔ کیونکہ کسی کے پاس مال تو ہے نہیں اور نہ کوئی کام کرنے کی بنیاد پر نفع لے رہا ہے۔ اس لئے اپنی ذمہ داری پر جتنا مال لائے گا اسی حساب سے نفع لینے کا مستحق ہوگا۔ اس سے زیادہ نفع لینے سے بغیر ذمہ داری کے نفع لینا ہوگا۔ اس لئے نفع الم یضمن کے ماتحت ناجائز ہوگا (۲) اور ربح الم یضمن کی حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح مالم يضمن ولا بيع مالميس عندك۔ (ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یبیع مالیس عنده ص ۱۳۹ نمبر ۳۵۰۴ رتزدی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ بیع مالیس عنده ص ۲۳۳ نمبر ۱۲۳۲) اس لئے اس حدیث کی بنا پر جتنی ذمہ داری لے گا اتنا ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر مال یا عمل نہ ہو بلکہ صرف ذمہ داری کی وجہ سے نفع کا حقدار ہو تو جتنی ذمہ داری ہوگی اتنے ہی نفع کا حقدار ہوگا۔

ترجمہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع کا مستحق یا مال کی وجہ سے ہوتا ہے، یا کام کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا ذمہ داری لینے کی وجہ سے ہوتا ہے، پس رب المال مال کی وجہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے، اور مضارب کام کرنے کی وجہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے، اور استاذ جو شاگردوں کو آدھے پر کام دیتا ہے وہ ذمہ داری کی وجہ سے نفع لیتا ہے، ان تین کے علاوہ کے طریقے سے نفع کا مستحق نہیں ہوتا، کیا

۲ وَالضَّمَانُ عَلَى قَدْرِ الْمَلِكِ فِي الْمُشْتَرَى وَكَانَ الرَّبْحُ الزَّائِدُ عَلَيْهِ رِبْحٌ مَا لَمْ يُضْمَنْ فَلَا يَصِحُّ اشْتِرَاؤُهُ إِلَّا فِي الْمَضَارِبَةِ وَالْوُجُوهُ لَيْسَتْ فِي مَعْنَاهَا، ۳ بِخِلَافِ الْعِنَانِ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَاهَا مِنْ حَيْثُ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَعْمَلُ فِي مَالٍ صَاحِبِهِ فَيُلْحَقُ بِهَا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

آپ نہیں دیکھتے کہ دوسرے سے یوں کہیں آپ اپنے مال میں تصرف کریں اور نفع میرے لئے ہو تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں تینوں صورتوں میں سے کوئی نہیں ہے۔ اور شرکت وجوہ میں نفع ذمہ داری کی وجہ سے آتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ تین ذریعہ سے نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ [۱] مال لگائے تو اس کے نفع کا مستحق ہوتا ہے، جیسے مضاربہ میں رب المال، مال لگاتا ہے تو وہ نفع کا مستحق ہوتا ہے۔ [۲] کام کے ذریعہ نفع کا مستحق ہوتا ہے، جیسے مضاربہ کام کرتا ہے اور اس کے بدلے نفع لیتا ہے۔ [۳] ذمہ داری کے ذریعہ نفع کا مستحق ہوتا ہے، جیسے کوئی ذمہ دار کام لیتا ہے، اور وہ کام مزدور سے کروا لیتا ہے اور جو نفع بچتا ہے وہ لے لیتا ہے، لیکن یہ تین صورتیں نہ ہوں تو نفع کا مستحق نہیں ہوتا ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلاً زید عمر سے کہے کہ تم اپنے مال میں کام کرو اور اس کا نفع مجھے دو تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ شرکت وجوہ میں ذمہ داری کی وجہ سے نفع لیتا ہے۔

ترجمہ: ۲: اور خریدی ہوئی چیز میں جتنی ملکیت جس کی ہے اتنی ہی ذمہ داری ہے، اور اس سے زیادہ نفع لینا ربح الملم یضمن ہے اس لئے اس کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے سوائے مضاربہ کے، اور شرکت وجوہ مضاربہ کے معنی میں نہیں ہے۔

تشریح: شرکت وجوہ میں جتنی چیز اپنی ذمہ داری پر لایا اسی کا وہ ذمہ دار ہے، اس لئے جتنی ذمہ داری ہے اتنا ہی نفع لینا چاہئے، اس لئے اس سے زیادہ نفع جائز نہیں ہوگا، کیونکہ وہ ربح الملم یضمن ہے۔

ترجمہ: ۳: بخلاف شرکت عنان کے اس لئے کہ وہ مضاربہ کے معنی میں ہے اس لئے کہ دونوں شریک دوسرے ساتھی کے مال میں کام کرتا ہے اس لئے عنان کو مضاربہ کے ساتھ ملحق کر دیا۔

تشریح: مضاربہ میں مضارب رب المال کے لئے کام کرتا ہے، اسی طرح عنان کا ہر شریک دوسرے کے مال میں کام کرتا ہے، اس لئے شرکت عنان کو مضاربہ کے ساتھ ملا دیا، اور مضاربہ میں زیادہ نفع لے سکتا ہے تو شرکت عنان میں بھی زیادہ نفع لے سکتا ہے۔ البتہ شرکت وجوہ میں زیادہ نفع نہیں لے سکتا۔

﴿فَصْلٌ فِي الشَّرْكِ الْفَاسِدَةِ﴾

(۳۰۲۲) وَلَا تَجُوزُ الشَّرْكَۃُ فِي الْإِحْتِطَابِ وَالْإِصْطِيَادِ، وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَوْ احْتَبَطَهُ فَهُوَ لَهُ دُونَ صَاحِبِهِ، ۱ وَعَلَى هَذَا الْإِشْتِرَاكُ فِي أَخْذِ كُلِّ شَيْءٍ مُبَاحٌ؛ لِأَنَّ الشَّرْكَۃَ مُتَضَمِّنَةً مَعْنَى الْوَكَالَةِ، وَالتَّوَكُّيلُ فِي أَخْذِ الْمَالِ الْمُبَاحِ بَاطِلٌ لِأَنَّ أَمْرَ الْمُوَكَّلِ بِهِ غَيْرُ صَحِيحٍ. وَالْوَكِيلُ يَمْلِكُهُ بِدُونِ أَمْرِهِ فَلَا يَصْلَحُ نَائِبًا عَنْهُ،

﴿فصل فی شرکتہ الفاسدہ﴾

ترجمہ: (۳۰۲۲) نہیں جائز ہے شرکت ایندھن لانے میں، گھاس جمع کرنے میں اور شکار کرنے میں۔ اور ان میں جو کوئی بھی شکار کرے گا یا ایندھن لائے گا وہ اسی کا ہو گا نہ کہ دوسرے کا۔

اصول: مباح چیزوں میں شرکت صحیح نہیں ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ جو چیزیں مباح ہیں اور اس پر جو قبضہ کر لے اسی کی مفت ہو جاتی ہیں۔ ان میں شرکت کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ان میں وکالت درست ہے۔

وجہ: (۱) کیونکہ جوں ہی اس پر قبضہ کر لیا وہ چیز اس کی ہو گئی تو دوسرے کی وکالت کی کیا ضرورت ہے؟ مثلاً ایندھن کی لکڑی جنگلوں میں مفت ملتی ہے جو اس کو چنے گا اسی کی ہو جائے گی۔ گھاس جنگلوں میں مفت ملتی ہے اس لئے جو اس کو کاٹے گا اسی کی ہو جائے گی۔ یہی حال شکار کے جانور کا ہے (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جو ان مباح چیزوں پر قبضہ کرے گا اسی کی ہو جائے گی۔ عن ابیض بن جمال ... فقال رسول الله ﷺ هو منك صدقة وهو (الملح) مثل الماء العد من ورده اخذه. (ابن ماجہ شریف، باب اقطاع الانهار والعیون ص ۳۵۵ نمبر ۲۴۷) اس حدیث میں ہے کہ نمک وغیرہ پر جو قبضہ کرے گا اسی کا ہو جائے گا۔ (۳) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ المسلمون شركاء في الثلاث، في الماء والكلاء والنار وثمرته حرام۔ (ابن ماجہ شریف، باب المسلمون شركاء في الثلاث، ص ۳۵۴ نمبر ۲۴۷) اس حدیث میں ہے کہ پانی، اور گھاس اور آگ سبھی کا ہے، یعنی وہ مباح ہے۔

لغت: الاحتطاب: حطب سے مشتق ہے، جمع کرنا۔ الاحتشاش: حشیش سے مشتق ہے، گھاس کاٹنا۔ الاصطیاد: صید سے مشتق ہے، شکار کرنا۔

۲. وَإِنَّمَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ لَهُمَا بِالْأَخْذِ وَإِحْرَازِ الْمُبَاحِ، فَإِنْ أَخَذَاهُ مَعًا فَهُوَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ لَا اسْتِوَاءَ لِهَؤُلَاءِ فِي سَبَبِ الْاِسْتِحْقَاقِ، وَإِنْ أَخَذَهُ أَحَدُهُمَا وَلَمْ يَعْمَلِ الْآخَرُ شَيْئًا فَهُوَ لِلْعَامِلِ، ۳. وَإِنْ عَمِلَ أَحَدُهُمَا وَأَعَانَهُ الْآخَرُ فِي عَمَلِهِ بِأَنْ قَلَعَهُ أَحَدُهُمَا وَجَمَعَهُ الْآخَرُ، أَوْ قَلَعَهُ وَجَمَعَهُ وَحَمَلَهُ الْآخَرُ فَلِلْمُعِينِ أَجْرُ الْمِثْلِ ۴. بِالْعَلَا مَا بَلَغَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ. وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يُجَاوِزُ بِهِ نِصْفُ ثَمَنِ ذَلِكَ، وَقَدْ عُرِفَ فِي مَوْضِعِهِ.

ترجمہ: اس قاعدہ پر ہر وہ چیز جو مباح ہے اس کے لینے میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ شرکت میں وکالت ہوتی ہے، اور مباح مال میں وکیل بنانا باطل ہے اس لئے کہ موکل کا حکم دینا اس میں صحیح نہیں ہے، موکل کے حکم کے بغیر بھی وکیل اس چیز کا مالک ہے اس لئے کہ وکیل موکل کا نائب نہیں بن سکتا۔

تشریح: جتنی بھی چیز مباح ہے اس میں شرکت نہیں ہوگی۔ شرکت میں وکالت ہوتی ہے، اور مباح چیز میں وکیل بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ موکل کے حکم کے بغیر بھی وکیل اس چیز کو لے سکتا ہے اور مالک بن سکتا ہے اس لئے کہ وکیل بنانے سے فائدہ نہیں ہے، اس لئے اس میں شرکت بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲. دونوں کی ملکیت لینے سے اور جمع کرنے سے ہوگی۔ اگر دونوں نے ساتھ ساتھ لیا تو سبب کے برابر ہونے کی وجہ سے دونوں کو آدھا آدھا ملے گا، اور اگر ایک نے حاصل کیا اور دوسرے نے کچھ نہیں کیا تو حاصل کرنے والے کی ملکیت ہوگی۔

تشریح: مباح چیز کو لینے اور حاصل کرنے سے ملکیت ہو جائے گی، پس اگر دونوں نے لیا تو دونوں مالک ہوں گے، کیونکہ دونوں کا سبب برابر ہے، اور اگر ایک نے لیا اور دوسرے نے کچھ نہیں کیا تو لینے والا مالک بنے گا، اور دوسرے کو کچھ نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۳. اور اگر ایک نے لیا اور دوسرے نے اس کی مدد کی، مثلاً ایک نے درخت اکھیڑا اور دوسرے نے جمع کیا، یا ایک نے اکھیڑا اور جمع کیا اور دوسرا لے گیا تو مدد کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی۔

تشریح: اگر ایک نے لیا اور دوسرے نے اس کی مدد کی تو لینے والے کی ملکیت ہوگی، اور مدد کرنے والے کو بازار میں اس کی جو اجرت ہو سکتی ہے وہ ملے گی۔

ترجمہ: ۴. امام محمدؒ کے یہاں یہ اجرت جتنی بھی ہو جائے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آدھی قیمت سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے، اس کی تفصیل دوسری جگہ الا جارة الفاسدہ میں موجود ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں مثلی اجرت جتنی بھی ہو سکتی ہو وہ ملے گی، چاہے اس چیز کی آدھی قیمت سے برابر ہو یا اس سے زیادہ ہو جائے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ زیادہ سے زیادہ اجرت اس چیز کی آدھی قیمت ہو اس سے زیادہ اس کو اجرت

(۳۰۲۳) قَالَ: وَإِذَا اشْتَرَا وَلَا حِدَهُمَا بَغْلٌ وَلِلْآخِرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِي عَلَيْهَا الْمَاءَ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرِکَةُ، وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِي اسْتَقَى، وَعَلَيْهِ أَجْرٌ مِثْلُ الرَّاوِيَةِ إِنْ كَانَ الْعَامِلُ صَاحِبَ الْبَغْلِ، وَإِنْ كَانَ صَاحِبَ الرَّاوِيَةِ فَعَلَيْهِ أَجْرٌ مِثْلُ الْبَغْلِ ۱. أَمَّا فَسَادُ الشَّرِکَةِ فَلَانْعِقَادُهَا عَلَى إِحْرَازِ الْمُبَاحِ وَهُوَ الْمَاءُ، ۲. وَأَمَّا وَجُوبُ الْأَجْرِ فَلِإِنَّ الْمُبَاحَ إِذَا صَارَ مِلْكًا لِلْمُحْرَزِ وَهُوَ الْمُسْتَقَى، وَقَدْ اسْتُوفِيَ مَنَافِعُ مَلِكٍ الْغَيْرِ وَهُوَ الْبَغْلُ أَوْ الرَّاوِيَةُ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَيَلْزَمُهُ أَجْرُهُ.

نہیں ملے گی، کیونکہ چیز لینے والے کا بھی آدھا حق ہے۔ اس کی تفصیل اجرت فاسدہ کے باب میں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۲۳) اگر دو آدمی شریک ہو جائے ان میں سے ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہوگی تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے۔ کمائی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے۔ ہاں اس پر مشک کی اجرت مثل واجب ہوگی اگر کام کرنے والا خچر والا ہے۔ اور اگر کام کرنے والا مشک والا ہے تو اس پر خچر کی اجرت مثل واجب ہوگی۔

تشریح: دو آدمی ملے، ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا مشک ہے کہ اس سے پانی کھینچ کر پلائیں گے اور نفع کمائیں گے۔ تو اس صورت میں جس نے کام کیا ہے پوری اجرت اسی کی ہوگی۔ اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔ پس اگر خچر والے نے پانی پلایا تو نفع اس کا ہوگا اور مشک والے کو مشک کی اجرت واجب ہوگی۔ اور مشک والے نے کام کیا ہے تو نفع مشک والے کا ہوگا اور خچر والے کو خچر کی اجرت ملے گی۔

وجہ: پانی مباح ہے اس کے نکالنے میں شرکت کرنا شرکت فاسدہ ہے اس لئے شرکت فاسدہ ہوگی۔ اس لئے جس آدمی نے پانی پر قبضہ کیا پانی اسی کا ہوا اور نفع بھی اسی کا ہوا۔ اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔

اصول: پانی مباح ہے، اس لئے جس نے اس پر قبضہ کیا، یعنی اس کو کنواں سے کھینچ کر باہر نکالا، پانی اسی کا ہے، باقی دوسرے لوگ مزدور ہیں، ان کو انکی مزدوری ملے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شرکت فاسدہ میں مدد کرنے والے کو یا جس کا سامان استعمال ہوا ہے انکو اسکی اجرت مثل مل جائیگی۔

لغت: استقی : پانی پلانا، سیراب کرنا۔ الراویۃ : مشک، چرس۔

ترجمہ: ۱۔ شرکت اس لئے فاسد ہے کہ مباح چیز کے جمع کرنے پر عقد ہوا ہے، یعنی پانی پر۔

تشریح: مباح چیز کے جمع کرنے پر شرکت کا عقد ہوا ہے اس لئے شرکت فاسد ہوگی۔

ترجمہ: ۲۔ خچر والے کو اس لئے اجرت دینی پڑے گی، کہ مباح چیز لینے والے کی جب ملکیت ہوگئی تو اس نے عقد فاسد کے ذریعہ غیر کا نفع حاصل کیا ہے اور وہ ہے خچر، یا مشک تو اس پر اس کی اجرت لازم ہوگی۔

(۳۰۲۴) وَكُلُّ شَرْكَۃٍ فَاسِدَةٍ فَالرَّبْحُ فِيهِمَا عَلَى قَدْرِ الْمَالِ، وَيَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ ۱. لِأَنَّ الرَّبْحَ فِيهِ تَابِعٌ لِلْمَالِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ، كَمَا أَنَّ الرَّبْحَ تَابِعٌ لِلْبَذْرِ فِي الزَّرَاعَةِ، وَالزِّيَادَةُ إِنَّمَا تُسْتَحَقُّ بِالتَّسْمِيَةِ، وَقَدْ فَسَدَتْ فَبَقِيَ الِاسْتِحْقَاقُ عَلَى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ.

تشریح: خچر والے، یا مشک والے کو کیوں اجرت دینی پڑتی ہے اس کی وجہ بیان کر رہے ہیں، کہ پانی پر قبضہ کرنے کی ملکیت ہوگئی، اور دوسرے سے عقد فاسد کے ذریعہ نفع حاصل کیا ہے، تو اس کی اجرت لازم ہوگی۔

لغت: محرز: حرز، سے مشتق ہے، جمع کرنے والا۔ بغل: خچر۔ راویۃ: مشک، چمڑے کا تھیلا، جس میں پانی بھرتے ہیں، اور کنواں سے نکالتے ہیں۔

وجہ: قاعدہ یہ ہے کہ عقد فاسد ہو جائے تو مزدوری والے کو اس کی مزدوری دینی پڑتی ہے، کیونکہ غیر سے کام لیا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۲۴) ہر فاسد شرکت میں نفع اس میں اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کسی بیشی کی شرط باطل ہوگی۔

تشریح: جن جن موقعوں پر شرکت فاسد ہو جائے تو جس شریک کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر حصہ سے زیادہ نفع لینے کی شرط ہو تو وہ باطل ہوگی۔

وجہ: (۱) شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے۔ جس طرح مزارعت فاسدہ میں غلہ بیج کے تابع ہو کر تمام غلہ بیج والے کو مل جاتا ہے۔ پس جب نفع اصل مال کے تابع ہو تو جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم ہوگا (۲) نفع اصل مال کے تابع ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن مجاہد قال اشترک اربعة رهط على عهد رسول الله ﷺ في زرع فقال احدهم قبلي الارض وقال الآخر قبلي الفدان وقال الآخر قبلي البذر وقال الآخر على العمل فلما استحصد الزرع فتفاوتوا فيه الى النبي ﷺ فجعل الزرع لصاحب البذر والغى صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان شيئاً معلوماً وجعل لصاحب العمل درهماً كل يوم (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۷ القوم يشتركون في الزرع، ج رابع، ص ۵۰۶، نمبر ۲۲۵۵) اس اثر میں پوری زراعت دانے والے کو دی گئی۔ کیونکہ زراعت پیدا ہونے کی اصل جڑ بیج ہی ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے نفع اصل مال کی پیداوار ہے اس لئے نفع مال کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ اور کسی زیادتی کی شرط باطل ہوگی۔ (۳) حضرت ابو قلابہ کا یہ جملہ ہے۔ عن ابی قلابۃ الضمان علی من تعدی والربح لصاحب المال (مصنف عبدالرزاق، باب ضمان المقارض اذا تعدی لمن الریح ج ثامن ص ۹۵ نمبر ۱۵۱۸) اس قول تابعی میں نفع مال کو دیا گیا ہے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ نفع مال کے تابع ہوتا ہے، اس لئے جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع ہوگا، جیسے کاشتکاری میں غلہ بیج کے تابع ہوتا ہے، اور جو زیادہ نفع کی بات تھی وہ متعین کرنے سے مستثنیٰ ہوتا تھا، اور وہ تعین فاسد ہو گیا تو اب اس المال کی

(۳۰۲۵) وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الشَّرِیکِیْنِ أَوْ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ الشَّرِکَةُ ۱ لَأَنَّهُاتَتَصَمَّنُ الْوُكَالَهَ، وَلَا بُدَّ مِنْهَا لِتَحَقُّقِ الشَّرِکَةِ عَلَى مَآرٍ، وَالْوُكَالَهَ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ، وَكَذَابًا لِاتِّحَاقِ مُرْتَدًّا إِذَا قَضَى الْقَاضِیُّ بِلِحَاقِهِ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْتِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ. ۲ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا عَلِمَ الشَّرِیکُ بِمَوْتِ صَاحِبِهِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ؛ لِأَنَّهُ عَزَلَ حُكْمُیَّ، وَإِذَا بَطَلَتْ الْوُكَالَهَ بَطَلَتْ الشَّرِکَةُ، ۳ بِخِلَافِ مَا إِذَا فَسَخَ أَحَدُ الشَّرِیکِیْنِ الشَّرِکَةَ وَمَالَ الشَّرِکَةَ دَرَاهِمُ وَدَنَانِیْرُ حَيْثُ يَتَوَقَّفُ عَلَى عِلْمِ الْآخِرِ لِأَنَّهُ عَزَلَ قَصْدِیَّ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

مقدار مستحق ہونا باقی رہ گیا، اس لئے جتنا اس المال ہوگا اسی کے حساب سے نفع ملے گا، زیادہ نہیں ملے گا

تشریح: یہاں ایک قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ جب کبھی بھی شرکت فاسد ہو جائے تو اب نفع کا معیار مال ہوگا، جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع ملے گا، مثلاً مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی آدھا آدھا ملے گا، اس سے زیادہ مانگے گا تو نہیں ملے گا۔
وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ زیادہ نفع عقد کی وجہ سے تھا، اور شرکت فاسد ہونے کی وجہ سے عقد فاسد ہو گیا تو اب زیادہ نفع بھی نہیں ملے گا۔
لغت: بذر: بیچ، دانہ۔ مزارعۃ: بھیتی۔ تسمیۃ: عقد کرنا، متعین کرنا۔

ترجمہ: (۳۰۲۵) اگر شریک میں سے کوئی ایک مرجائے یا مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔
ترجمہ: ۱: اسلئے کہ شرکت میں وکالت بھی ہوتی ہے تاکہ شرکت متحقق ہو جائے، اور مرنے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے [اسلئے شرکت ختم ہو جائے گی] ایسے ہی مرتد ہو کر دار الحرب میں مل جائے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا وہ بھی موت کے درجے میں ہے۔
وجہ: شرکت کے لئے شریک کا وکیل ہونا شرط ہے۔ اور مرجانے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اس لئے شرکت ختم ہو جائے گی۔ مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے بھی شرکت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا تو گویا کہ مرنے کے حکم میں ہو گیا اس لئے وکالت ختم ہو گئی۔

ترجمہ: ۲: اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ شریک کو ساتھی کی موت کی خبر ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ یہاں حکمی طور پر معزول کرنا ہے، اور جب وکالت ختم ہو گئی تو شرکت بھی ختم ہو گئی۔

تشریح: ایک شریک کے مرنے سے شرکت ختم ہو جائے گی چاہے دوسرے شریک کو موت کا علم ہو یا نہ ہو، دوسرے شریک کو خبر دینا ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں حکمی طور پر معزول کرنا ہے۔

ترجمہ: ۳: بخلاف جب دو شریک میں سے ایک نے شرکت فسخ کی ہو تو دوسرے کو بتلانا ضروری ہے، کیونکہ قصد اعزل کرنا ہے۔
تشریح: قصد اعزل کرنا ہو تو دوسرے شریک کو بتلانا ضروری ہے، جب تک اسکو علم نہیں ہو تو معزول نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں قصد معزول کرنا ہے۔

﴿فَصْلٌ﴾

(۳۰۲۶) وَلَيْسَ لِأَحَدٍ الشَّرِيكِينَ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاةَ مَالٍ الْآخَرِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ، [لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ التَّجَارَةِ]

(۳۰۲۷) ، فَإِنْ أُذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاتَهُ . فَإِنْ أَدَّى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَالثَّانِي ضَامِنٌ عِلْمَ بَأْدَاءِ الْأَوَّلِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ ، ۱ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَا : لَا يَضْمَنُ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ .

﴿فصل فی اداء الزکوۃ﴾

ترجمہ: (۳۰۲۶) شریک میں سے کسی ایک کیلئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے کے مال کی زکوۃ ادا کرے مگر اس کی اجازت سے۔
ترجمہ: ۱ اس لئے کہ زکوۃ ادا کرنا تجارت کی جنس میں سے نہیں ہے۔

تشریح: دوسرے شریک کے حصے میں جو مال آتا ہے اگر وہ نصاب زکوۃ کی مقدار ہے تو پہلے شریک کے لئے جائز نہیں ہے کہ بغیر اس کے حکم اور اجازت کے اس کی زکوۃ ادا کرے، ہاں اگر وہ زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے تو زکوۃ ادا کر سکتا ہے۔
وجہ: زکوۃ دینا تجارت کے اعمال میں سے نہیں ہے اس لئے اس کا اختیار نہیں رکھتا۔

ترجمہ: (۳۰۲۷) پس اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی، پھر دونوں میں سے ہر ایک نے زکوۃ ادا کر دی تو بعد میں دینے والا ضامن ہوگا چاہے اسکو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو امام صاحب کے نزدیک۔
ترجمہ: ۱ اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسے معلوم نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: ہر ایک شریک نے دوسرے کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دی تھی۔ پھر دونوں اپنی اپنی زکوۃ بھی ادا کی اور شریک کی بھی ادا کر دی۔ تو جس شریک نے بعد میں اپنے شریک کی زکوۃ ادا کی وہ تو زکوۃ واجب نہیں ہوئی وہ تو نفلی صدقہ ادا ہو گیا۔ کیونکہ پہلے شریک نے تو اپنی زکوۃ پہلے ہی ادا کر دی تھی۔ اسلئے بعد والے کا نفلی صدقہ ہوا۔ اب بعد میں ادا کرنے والا پہلے والے کا ضامن ہوگا یا نہیں؟ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ چاہے بعد والے کو پہلے والے کے ادا کرنے کی خبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں وہ ضامن ہوگا۔

وجہ: پہلے شریک نے جوں ہی زکوۃ ادا کی تو دوسرا شریک زکوۃ ادا کرنے کی وکالت سے معزول ہو گیا۔ اور جب وہ معزول ہو گیا تو اس کا ادا کرنا بیکار ہو گیا اس لئے جو کچھ شرکت کے مال سے ادا کیا اس کا حصہ دار کے لئے ضمان ہوگا۔ چاہے اس کو معزول ہونے کی خبر نہ ہو۔

۲. وَهَذَا إِذَا أَدَّيَا عَلَى التَّعَاقُبِ، أَمَّا إِذَا أَدَّيَا مَعًا ضَمِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَصِيبَ صَاحِبِهِ. وَعَلَى هَذَا الْاِخْتِلَافِ الْمَأْمُورُ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ إِذَا تَصَدَّقَ عَلَى الْفَقِيرِ بَعْدَمَا أَدَّى الْأَمْرُ بِنَفْسِهِ. ۳. لَهُمَا أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِالتَّمْلِيكِ مِنَ الْفَقِيرِ، وَقَدْ أَتَى بِهِ فَلَا يَضْمَنُ لِلْمُوَكَّلِ، وَهَذَا لِأَنَّ فِي وُسْعِهِ التَّمْلِيكَ لَا وَقُرْعَهُ زَكَاةً لِتَعْلُقِهِ بِنِيَّةِ الْمُوَكَّلِ، وَإِنَّمَا يُطْلَبُ مِنْهُ مَا فِي وُسْعِهِ وَصَارَ كَالْمَأْمُورِ بِذَبْحِ دَمِ الْإِحْصَارِ إِذَا ذَبَحَ بَعْدَمَا زَالَ الْإِحْصَارُ وَحَجَّ الْأَمْرُ لَمْ يَضْمَنِ الْمَأْمُورُ عِلْمَ أَوْ لَا.

صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر بعد والے کو پہلے کے ادا کرنے کی خبر ہو تو تب تو ضامن ہوگا اور اگر خبر نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

وجہ: بعد میں ادا کرنے والے شریک کو زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کو مالک بنانے کی اجازت تھی، چاہے وہ واجب زکوٰۃ کے طور پر ہو یا نفلی زکوٰۃ کے طور پر۔ اور اس کے حکم کے مطابق اس نے کی۔ اور اس کو پہلے والے کی زکوٰۃ ادا کر دینے کی خبر نہیں تھی اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا (۲) ادائیگی زکوٰۃ کی خبر کے بغیر اس نے اجازت کے مطابق عمل کیا ہے اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ علم کے بغیر وہ ادائیگی زکوٰۃ سے معزول نہیں ہوا۔

ترجمہ: ۲۔ یہ شریک پر ضمان لازم ہونا جب ہے کہ یکے بعد دیگرے زکوٰۃ ادا کی ہو، اور اگر دونوں نے ساتھ میں زکوٰۃ ادا کی تو دونوں ساتھی کے حصے کا ضامن ہوں گے، اور اسی اختلاف پر ہے اگر زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہو، اور اس نے فقیر کو دے دیا، جبکہ حکم دینے والے نے خود بھی زکوٰۃ ادا کی تھی۔

تشریح: یکے بعد دیگرے ادا کیا ہو تو بعد والا ضامن بنے گا، لیکن شریک نے خود ادا کیا، اس کے بعد دونوں نے ساتھی کی جانب سے ایک ساتھ زکوٰۃ ادا کی تو اس صورت میں دونوں دوسرے کے حصے کا ضامن بنے گا۔ کیونکہ خود ادا کرنے کی وجہ سے دونوں معزول ہو گئے تھے اور معزول کے بعد ادا کیا تو دونوں ایک دوسرے کے حصے کا ضامن ہوں گے۔ یہی حال ہے اگر کسی نے کسی کو زکوٰۃ ادا کرنے کا وکیل بنایا پھر خود ہی زکوٰۃ ادا کر دی، اور بعد میں وکیل نے زکوٰۃ ادا کی تو اسی اختلاف پر ہے، کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وکیل ضامن بن جائے گا، اور صاحبینؒ کے یہاں ضامن نہیں بنے گا۔

ترجمہ: ۳۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک نے فقیر کو مالک بنانے کا حکم دیا جو اس نے کر دیا اس لئے موکل کے لئے ضامن نہیں بنے گا، اس لئے کہ اس کے اختیار میں فقیر کو مالک بنانا تھا زکوٰۃ کو ادا کرنا نہیں تھا، کیونکہ اس کا مدار موکل کی نیت پر ہے، اس لئے جتنا اس کے اختیار میں ہے اسی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور ایسا ہو گیا کہ دم احصار کے لئے ذبح کرنے کا حکم دیا، پھر احصار ختم ہوا اور حج کیا اس کے بعد ذبح کیا، تو جس کو حکم دیا تو وہ ضامن نہیں بنے گا، مامور کو احصار ختم ہونے کا علم تھا یا نہیں تھا۔

تشریح: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک نے جب یہ کہا کہ زکوٰۃ ادا کرو تو گویا کہ یہ کہا کہ فقیر کو مالک بنا دو اور اس نے فقیر کو

۴. وَلِبَاسِي حَنِيفَةً أَنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَدَاءِ الزَّكَاةِ وَالْمُؤَدَّى لَمْ يَقَعْ زَكَاةً فَصَارَ مُخَالَفًا، وَهَذَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْأَمْرِ إِخْرَاجَ نَفْسِهِ عَنْ عُقْدَةِ الْوَاجِبِ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ لَا يَلْتَزِمُ الضَّرَرَ إِلَّا لِدَفْعِ الضَّرَرِ، وَهَذَا الْمَقْصُودُ حَصَلَ بِأَدَائِهِ وَعَرَى أَدَاءَ الْمَأْمُورِ عَنْهُ فَصَارَ مَعْزُولًا عِلْمًا أَوْ لَمْ يَعْلَمْ؛ لِأَنَّهُ عَزَلَ حُكْمِيًّا. ۵. وَأَمَّا دَمُ الْإِحْصَارِ فَقَدْ قِيلَ هُوَ عَلَى هَذَا الْاِخْتِلَافِ، وَقِيلَ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ. وَوَجْهُهُ أَنَّ الدَّمَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُمَكِّنُهُ أَنْ يَصْبِرَ حَتَّى يَزُولَ الْإِحْصَارُ. وَفِي مَسْأَلَتِنَا الْأَدَاءُ وَاجِبٌ فَاعْتَبِرَ الْإِسْقَاطُ مَقْصُودًا فِيهِ دُونَ دَمِ الْإِحْصَارِ.

مالک بنادیا اس لئے اس پر ضامن لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے اختیار میں اتنا ہی تھا۔ اس کی ایک مثال دی کہ، زید حج کرنے سے محصر ہو گیا، اس نے عمر کو حکم دیا کہ دم احصار ذبح کر دو، اس کے بعد زید کا احصار ختم ہو گیا، پھر عمر نے دم ذبح کیا تو اس پر ضامن لازم نہیں ہوتا، اسی طرح یہاں ذکوۃ کا ضامن لازم نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۴. امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مامور کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا تھا، اور جو ادا کی ہے وہ زکوۃ نہیں تھی وہ تو صدقہ نافلہ ہو گئی، اس لئے حکم دینے والے کی مخالفت ہو گئی [اس لئے ضامن لازم ہوگا] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آمر کا مقصد اپنے آپ کو واجب کی ذمہ داری سے نکالنا ہے، اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ نقصان کو دفع کرنے کے لئے ہی نقصان برداشت کرتے ہیں، اور یہ مقصد ادائیگی سے حاصل ہوتا ہے، اور یہاں مامور کی ادائیگی اس سے خالی ہے اس لئے مامور اس سے معزول ہو جائے گا، چاہے اس کو معزول ہونے کا علم ہو یا نہ ہو، کیونکہ یہ حکمی طور پر معزول کرنا ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ مامور کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا تھا، پس جب خود ادا کر دیا تو مامور معزول ہو گیا، اور یہ معزول حکمی ہے اس لئے مامور کو اس علم نہ بھی تب بھی معزول ہو جائے گا، اور معزول ہونے کے بعد شرکت کے مال سے صدقہ نافلہ ادا کیا اس لئے وہ ضامن ہوگا۔

ترجمہ: ۵. اور دم احصار کا معاملہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے کہا کہ اس میں بھی اختلاف ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دم احصار اور زکوۃ میں فرق ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ دم احصار واجب نہیں ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ صبر کرے جسکی وجہ سے بعد میں احصار زائل ہو جائے، اور زکوۃ کے مسئلے میں زکوۃ کا ادا کرنا واجب ہے تو زکوۃ ساقط کرنا اصل مقصود ہے، دم احصار میں ساقط کرنا مقصود نہیں ہے۔

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔ یہ امام صاحبینؒ کو جواب ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ دم احصار کے بارے میں بھی اختلاف ہے، یعنی امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ضامن لازم ہوگا، اور صاحبینؒ کے یہاں جان لازم نہیں ہوگا۔ لیکن اگر مان لیا جائے کہ

(۳۰۲۸) قَالَ: وَإِذَا أَذِنَ أَحَدُ الْمُتَفَاوِضِينَ لِصَاحِبِهِ أَنْ يَشْتَرِيَ جَارِيَةً فَيَطَّاهَا ففَعَلَ فَهِيَ لَهُ بِغَيْرِ شَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا: يَرْجِعُ عَلَيْهِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ ۚ لِأَنَّهُ أَذَى دَيْنًا عَلَيْهِ خَاصَّةً مِنْ مَالٍ مُشْتَرَكٍ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ بِنِصْبِهِ كَمَا فِي شِرَاءِ الطَّعَامِ وَالْكُسُورَةِ وَهَذَا ۚ لِأَنَّ الْمَلِكَ وَاقِعٌ لَهُ خَاصَّةً وَالثَّمَنُ بِمُقَابَلَةِ الْمَلِكِ.

امام ابو حنیفہؒ کے یہاں بھی ضمان لازم نہیں ہوگا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دم احصار میں اور زکوٰۃ میں فرق ہے۔ دم احصار دینا واجب نہیں ہے، کیونکہ محصر تھوڑا صبر کرے تاکہ احصار زائل ہو جائے تو دم لازم نہیں ہوگا، چونکہ یہ دم آمر پر لازم نہیں ہے، اس لئے مامور نے جیسا ادا کیا وہ ادا ہو گیا، اس لئے مامور پر ضمان نہیں ہے۔ اور زکوٰۃ دینا واجب ہے، اس لئے مامور کو واجب ہی ادا کرنا چاہئے، لیکن مامور نے واجب ادا نہیں کیا تو وہ ضامن ہو جائے گا۔

ترجمہ: (۳۰۲۸) شرکت مفادوضہ کرنے والے میں سے ایک شریک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ باندی خرید لو اور اس سے صحبت کرو، اس نے ایسا کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خریدنے والے شریک پر کچھ لازم نہیں ہوگا [کیونکہ کہنے والے نے اپنا حصہ خریدنے والے کو ہبہ کر دیا] اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ کہنے والا خریدنے والے سے آدمی قیمت وصول کرے گا۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ خریدنے والے نے مشترک مال سے اپنا قرض ادا کیا ہے، اس لئے کہنے والا اپنا حصہ خریدنے والے سے وصول کرے گا، جیسے وہ کھانا اور کپڑا خریدتا تو کہنے والا اپنا حصہ وصول کرتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خریدنے والے کی ملکیت ہوئی اور ثمن ملک کے مقابلے میں ہوتی ہے۔

اصول: یہاں امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ جب شریک نے باندی خریدنے اور اس سے وطی کرنے کے لئے کہا تو اس کے ضمن میں اپنے حصے کو خریدنے والے کو ہبہ کر دیا، اس لئے یہ اپنے حصے کی قیمت شریک سے وصول نہیں کر سکتا۔

اصول: اور صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ اپنی باندی کے لئے مشترک مال ادا کیا، اس لئے آدمی قیمت شریک کو دینا ہوگا۔

تشریح: زید اور عمر کے درمیان شرکت مفادوضہ تھی، زید نے عمر سے کہا کہ ایک باندی خرید لو اور اس سے وطی کرو، تو زید کی یہ اجازت کہ وطی کرو۔ اس کے ضمن میں یہ بھی ہوا کہ میں نے باندی کا اپنا حصہ تم کو ہبہ کر دیا، اس لئے میرے حصے کی رقم مجھے دینے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے عمر نے باندی خرید کر وطی کی تو اس پر زید کے حصے قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ اس نے اپنا حصہ عمر کو ہبہ کر دیا ہے۔ اور صاحبینؒ کے یہاں یہ ہوگا کہ زید کا جو حصہ بنتا ہے وہ زید کو ادا کرے۔

وجہ: کیونکہ عمر نے مشترک مال سے باندی خریدی ہے، اور پوری باندی کو اپنے استعمال میں لایا ہے، اس لئے عمر پر آدمی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ اس کی ایک مثال دی ہے کہ عمر مشترک مال سے اپنے لئے کھانا اور کپڑا خریدے تو اس کو زید کے حصے کی

۲ وَلَهُ أَنَّ الْجَارِيَةَ دَخَلَتْ فِي الشَّرِكَةِ عَلَى الْبَتَاتِ جَرِيًّا عَلَى مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ إِذْ هُمَا لَا يَمْلِكَانِ تَغْيِيرَهُ فَأَشْبَهَ حَالَ عَدَمِ الْإِذْنِ، غَيْرَ أَنَّ الْإِذْنَ يَتَضَمَّنُ هِبَةً نَصِيْبَهُ مِنْهُ؛ لِأَنَّ الْوُطْءَ لَا يَحِلُّ إِلَّا بِالْمَلِكِ، وَلَا وَجْهَ إِلَى إِبْتَاتِهِ بِالْبَيْعِ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ مُخَالَفٌ مُقْتَضَى الشَّرِكَةِ فَأَثْبَتْنَاهُ بِالْهِبَةِ الثَّابِتَةِ فِي ضَمَنِ الْإِذْنِ، ۳ بِخِلَافِ الطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ مُسْتَشَى عَنْهَا لِلضَّرُورَةِ فَيَقَعُ الْمَلِكُ لَهُ خَاصَّةً بِنَفْسِ الْعَقْدِ فَكَانَ مُؤَدِّيًّا دَيْنًا عَلَيْهِ مِنْ مَالِ الشَّرِكَةِ. وَفِي مَسْأَلَتِنَا قَضَى دَيْنًا عَلَيْهِمَا لِمَا بَيَّنَّا.

قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، ایسے ہی یہاں بھی زید کے حصے کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

ترجمہ: ۲۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ باندی یقینی طور پر شرکت میں تھی، کیونکہ یہ شرکت کا تقاضہ ہے، کیونکہ شرکت کو دونوں مالک بدل نہیں سکتا، اس لئے اجازت نہ دینے کی حالت کے مشابہ ہو گیا، یہ اور بات ہے کہ اجازت میں اپنے حصے کا بہہ شامل ہے، اس لئے کہ اپنی ملکیت کے علاوہ میں وطی حلال نہیں ہے، اور اس میں بیع ثابت نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ شرکت کے تقاضہ کے مخالف ہے اس لئے ہم نے اجازت کے ضمن میں ہبہ ثابت کر دیا۔

تشریح: یہاں بھی عبارت پیچیدہ ہے۔ اس عبارت میں تین باتیں ہیں۔۔ [۱] ایک بات تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زید اپنے حصے کو عمر کے ہاتھ بیچ نہیں سکتا، کیونکہ شرکت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپس میں بیع نہ ہو۔ [۲] دوسری بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وطی کے لئے ضروری ہے کہ باندی میں عمر کی پوری ملکیت ہو، ورنہ زنا کرنا لازم آئے گا۔ [۳] اور تیسری بات یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اجازت کے ضمن میں ہبہ ہے کہ زید نے عمر کو اپنا حصہ ہبہ کر دیا اس لئے زید اب اپنے حصے کی قیمت عمر سے وصول نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ ہبہ کر چکا ہے۔

ترجمہ: ۳۔ بخلاف کھانے اور کپڑے کے اس لئے کہ ضرورت کی بنا پر یہ مستثنیٰ ہے، اس لئے اس کے عقد کے تحت میں اسی کی ملکیت ثابت ہوگی، اور اس میں شرکت کے مال سے ادا کرنے والا ہوگا، اور ہمارے باندی کے مسئلے میں دونوں پر جو فرض ہے وہ ادا کرنے والا ہوگا۔

تشریح: یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے کھانے اور کپڑے پر قیاس تھا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کھانا اور کپڑا ضروری چیز ہے اس لئے عمر نے اس کو شرکت کے مال سے خریدا تو یہ عمر کا ہی ہوگا، اور اس نے مشترک مال سے اس کی قیمت ادا کی ہے، اس لئے عمر پر ضروری ہوگا کہ اس کی آدھی قیمت زید کی طرف لوٹائے۔ اور باندی سے وطی کرنا کھانے کی طرح ضروری نہیں ہے اس لئے اس میں اجازت دینا زید کی جانب سے ہبہ ہے اس لئے اس کی آدھی قیمت ادا نہیں کرے گا۔

(۳۰۲۹) وَلِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ أَيُّهَامَا شَاءَ ۚ بِإِلْتِفَاقٍ لِأَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ بِسَبَبِ التَّجَارَةِ،
وَالْمُفَاوَضَةُ تَصْمِنُ الْكَفَالَةَ فَصَارَ كَالطَّعَامِ وَالْكِسْوَةِ.

ترجمہ: (۳۰۲۹) اور بائع کے لئے جائز ہے کہ دونوں میں سے کسی سے بھی اپنی قیمت وصول کرے، یہ بالاتفاق ہے۔

ترجمہ: اس لئے کہ تجارت کی وجہ سے دین واجب ہوئی ہے اور شرکت مفاوضہ میں کفالہ بھی ہے، اس لئے باندی کی قیمت کھانے اور کپڑے کی طرح ہوگئی۔

تشریح: اوپر کے مسئلے میں باندی صرف عمر نے خریدی تھی، لیکن یہاں شرکت مفاوضہ ہے اس لئے زید بھی یہاں کفیل ہے اس لئے باندی کا مالک عمر سے بھی باندی کی قیمت وصول کر سکتا ہے اور زید سے بھی وصول کر سکتا ہے، کیونکہ کفالت کی وجہ سے وہ بھی قیمت کا ذمہ دار ہے، جیسے دونوں کے لئے مشترک کھانا اور کپڑا خریدتا تو بائع کسی شریک سے بھی اس کی قیمت وصول کر سکتا ہے کیونکہ دونوں ایک دوسرے کا کفیل ہیں۔

﴿کِتَابُ الْوَقْفِ﴾

(۳۰۳۰) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَا يَزُولُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ إِلَّا أَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ أَوْ يُعْلَقَهُ بِمَوْتِهِ فَيَقُولَ إِذَا مِتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِي عَلَى كَذَا.

﴿کِتَابُ الْوَقْفِ﴾

ضروری نوٹ: وقف کا معنی روکنا ہے۔ وقف میں زمین، جائیداد غریبوں کے لئے روکتے ہیں اسلئے اسکو روکنا کہتے ہیں۔

وجہ: (۱) وقف کا اشارہ آیت میں ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا شہادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل منکم (آیت ۱۰۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ﷺ وصیت کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس میں وقف کرنا بھی ہے اس لئے یہ آیت وقف کی طرف اشارہ ہے۔ (۲) اور حدیث میں یہ ہے۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخیر فاتی النبی ﷺ يستامره فيها فقال يا رسول الله انی اصبت ارضا بخیر لم اصب مالا قط انفس عندی منه فماتأمرنی؟ به قال ان شئت حبست اصلها وتصدق بها قال فتصدق بها عمر انه لا یباع ولا یوهب ولا یورث وتصدق بها فی الفقراء و فی القربی و فی الرقاب و فی سبیل اللہ و ابن السبیل و الضیف لا جناح علی من ولیها ان یأکل منها بالمعروف و یطعم غیر متمول (بخاری شریف، باب الشرط فی الوقف، کتاب الشرط ص ۳۸۲ نمبر ۳۷۲ مسلم شریف، باب الوقف، ص ۴۱ نمبر ۱۶۳۲/۴۲۲۴) اس حدیث سے وقف جائز ہونے کا پتہ چلا۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ کن کن شرطوں کے ساتھ وقف کیا جاسکتا ہے۔ (۳) حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة أشياء، من صدقة جاریۃ او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو الہ۔ (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت، ص ۴۱۹، نمبر ۲۸۸۰) اس حدیث میں ہے کہ صدقہ جاریہ کا ثواب ملتا ہے جس میں وقف شامل ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۰) نہیں زائل ہوگی واقف کی ملک وقف سے ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے یا اپنی موت پر معلق کر دے اور یوں کہے کہ جب میں مرجاؤں تو اپنا گھر فلاں پر وقف کر دیا۔

تشریح: وقف کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور وقف کرنے سے وقف ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ یہ جائیداد ہے اس لئے واقف کی ملکیت اس وقت ختم ہوگی جب وقف کرنے پر حاکم کا فیصلہ ہو جائے، یا وقف کو موت پر معلق کر دے، یوں کہے کہ اگر میں مر گیا تو میرا گھر فلاں کے لئے وقف ہے۔

(۳۰۳۱) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَزُولُ مِلْكُهُ بِمَجَرَّدِ الْقَوْلِ.

(۳۰۳۲) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَزُولُ حَتَّى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهُ إِلَيْهِ

وجہ: (۱) موت پر آدمی کی ملکیت تمام چیز سے ختم ہو جاتی ہے اس لئے واقف کی ملکیت موت سے ختم ہو گئی۔ اب چونکہ موقوف علیہ کے لئے دے چکا ہے اس لئے ورثہ کے بجائے موقوف علیہ مالک بن جائے گا (۲) اسی طرح قاضی کے فیصلے سے کسی کی بھی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے وقف کے مال سے بھی ملکیت ختم ہو جائے گی (۳) اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ ان سعد بن عبادۃ اخا بنی ساعدۃ توفیت امہ وهو غائب فاتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ان امی تفویت وانا غائب عنها فهل ينفعها شیء ان تصدقت به عنها قال نعم قال فانی اشهدک ان حاطی المخراف صدقة علیہا۔ (بخاری شریف، باب الاشهاد فی الوقف والصدقات ص ۳۸۷ نمبر ۲۷۲) اس حدیث میں حضرت سعد بن عبادہ نے وقف پر گواہ بنایا اور حضور کو گواہ بنایا گویا کہ حتمی وقف کے لئے فیصلہ بھی کروانا ہے۔ اس لئے اس حدیث سے اشارہ ملتا ہے کہ قاضی یا والی کے فیصلہ کے بعد وقف کی چیز واقف کی ملکیت سے نکلے گی (۴) حضرت عمر کے اثر سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ وقف لکھوانا چاہئے۔ عن یحییٰ ابن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب قال نسخها لی عبد الحمید بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا ما کتب عبد اللہ عمر فی ثمغ فقص من خبره نحو حدیث نافع (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی الرجل یوقف الوقف ص ۴۲ نمبر ۲۸۷) اس اثر میں حضرت عمر نے وقف کو باضابطہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ لکھنے کے بعد واقف کی ملکیت ختم ہوگی۔

ترجمہ: (۳۰۳۱) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا زائل ہو جائے گی ملک صرف کہنے ہی سے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف صرف کہہ دے کہ میں نے وقف کیا تو اس کی ملکیت وقف کے مال سے ختم ہو جائے گی، چاہے حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو یا موت پر وقف معلق نہ کیا ہو۔

وجہ: ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں واقف نے نہ موت پر معلق کیا ہے اور نہ فیصلہ کروایا ہے۔ مثلاً حدیث میں ہے۔ عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الی اللہ (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعة ارضا مشاعاً فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۱) اس حدیث میں نہ قضاء قاضی کا تذکرہ ہے نہ موت پر معلق کیا ہے، اور زمین کی ملکیت صرف واقف کے کہنے سے ختم ہو گئی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۲) اور امام محمدؒ نے فرمایا نہیں زائل ہوگی ملکیت یہاں تک کہ وقف کیلئے کسی کو ولی بنائے اور اسکو اسکی طرف سپرد کر دے۔

۱۔ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: الْوَقْفُ لُغَةً. هُوَ الْحَبْسُ تَقُولُ وَقَفْتُ الدَّابَّةَ وَأَوْقَفْتُهَا بِمَعْنَى ۲. وَهُوَ فِي الشَّرْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ: حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى مَلِكِ الْوَاقِفِ وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَةِ.

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت اس وقت زائل ہوگی جب وقف کے لئے کسی کو ولی بنائے اور وقف اس کو سپرد کر دے تب ملکیت زائل ہوگی۔

وجہ: اوپر کی حدیث میں بنو نجار نے حضور کو زمین کا ولی بنایا اور اس کو سپرد کر دیا تب ان کی ملکیت وقف سے ختم ہوئی۔ اس لئے ولی بنائے اور اس کے سپرد کرے تب ملکیت ختم ہوگی۔

ترجمہ: ۱۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ وقف کا لغوی ترجمہ روکنا ہے، لوگ کہتے ہیں وقف الدابة، یا واقفها، دونوں کا ترجمہ ہے میں نے سواری کو روک دیا۔

تشریح: وقف کا لغوی معنی ہے روکنا۔ اور شرعی معنی کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۲۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شریعت میں اس کا معنی یہ ہے کہ اصل زمین کو مالک کی ملکیت پر روک لو، اور زمین کا جوفع ہے اس کو صدقہ کر دو، جیسے عاریت کی زمین میں ہوتا ہے [کی زمین مالک کی ہوتی ہے اور نفع دوسرا آدمی اٹھاتا ہے]۔

تشریح: متن میں یہ بتایا گیا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی تین طریقے سے شیء موقوفہ سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی، لیکن یہاں صاحب ہدایہ یہ فرما رہے ہیں کہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ شیء موقوفہ پر واقف کی ملکیت باقی رہے گی، البتہ اس کا نفع ان لوگوں پر تقسیم ہوگا، جسکے لئے وقف کیا۔ دوسری بات یہ بتا رہے ہیں کہ یہ وقف لازم نہیں رہے گا، بلکہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے، جیسے کہ مانگی ہوئی عاریت کی چیز کو ہمیشہ عاریت والے کے پاس رکھنا لازم نہیں ہے، بلکہ جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے، اور دو حدیث بعد میں آرہی ہے۔ ان عمر ملک مائة سهم من خبیر اشتراھا

فاتی رسول اللہ ﷺ فقال یا رسول اللہ انی اصبت ما لا لم اصب مثله قط و قد اردت ان اتقرب به الی اللہ عز و جل فقال حبس الاصل و سبل الثمرة۔ (سنن بیہقی، باب وقف المشاع، ج سادس، ص ۲۶۸، نمبر ۱۱۹۰/۱۱۹۱ ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ص ۴۱۸ نمبر ۲۸۷۸) اس حدیث میں ہے کہ اصل زمین کو تو روک لو اور اس کے پھل کو وقف کر دو۔ (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا

بخیر فاتی النبی ﷺ یستامره فیھا فقال یا رسول اللہ انی اصبت ارضا بخیر لم اصب ما لا قط انفس عندی منه فمات امرنی به قال ان شئت حبست اصلھا وتصدق بھا (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشرط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷) اس حدیث میں آپؐ نے یوں فرمایا کہ حبست اصلھا جس کا مطلب یہ نکلا کہ اصل

۳. ثُمَّ قِيلَ الْمَنْفَعَةُ مَعْدُومَةٌ فَالْتَصَدَّقُ بِالْمَعْدُومِ لَا يَصِحُّ، فَلَا يَجُوزُ الْوَقْفُ أَصْلًا عِنْدَهُ، وَهُوَ الْمَلْفُوظُ فِي الْأَصْلِ. وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ جَائِزٌ عِنْدَهُ إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ بِمَنْزِلَةِ الْعَارِيَّةِ. ۴. وَعِنْدَهُمَا حَبْسُ الْعَيْنِ عَلَى حُكْمِ مُلْكِ اللَّهِ تَعَالَى فَيُزُولُ مُلْكُ الْوَاقِفِ عَنْهُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَى وَجْهِ تَعَوُّذِ مَنْفَعَتِهِ إِلَى الْعِبَادِ فَيَلْزَمُ وَلَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ. وَاللَّفْظُ يَنْتَظِمُهُمَا وَالتَّرْجِيحُ بِالِدَّلِيلِ. ۵. لَهُمَا "قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ حِينَ أَرَادَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِأَرْضٍ لَهُ تَدْعَى ثَمْغًا: تَصَدَّقْ بِأَصْلِهَا لَا يُبَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ"

زمین کی ملکیت اپنے پاس رکھو اور اس کا جو نفع آئے اس کو صدقہ کر دو۔

ترجمہ: ۳. پھر اس پر ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ، نفع تو ابھی معدوم ہے اور معدوم کا صدقہ جائز نہیں ہے، اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وقف کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے، چنانچہ مبسوط میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی وقف کرنا جائز ہے، لیکن وقف کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے لازم نہیں ہے، جیسے زمین عاریت پر دیں تو ہمیشہ کے لئے دے دینا لازم نہیں ہے۔

تشریح: مبسوط میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں وقف جائز نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں وقف جائز ہے، البتہ اس کی ملکیت مالک کے پاس رہے گی، اور عاریت کی طرح ہمیشہ کے لئے لازم نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴. صاحبینؒ کے نزدیک وقف کا مطلب یہ ہے کہ عین چیز [یعنی زمین] اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی، اور وقف کرنے والے کی ملکیت ختم ہو جائے گی، اس طرح کہ اس کا نفع بندوں کو پہنچتا رہے، اور یہ وقف کرنا لازم ہو جائے گا، اب زمین بیچی نہیں جاسکتی، نہ ہبہ کی جاسکتی ہے اور نہ وراثت میں تقسیم کی جاسکتی ہے، اور وقف کا ترجمہ دونوں ہی ہو سکتے ہیں [یعنی واقف کی ملکیت زائل نہ ہو، اور واقف کی ملکیت زائل ہو جائے]، البتہ دلیل سے ترجیح دی جائے گی۔

تشریح: صاحبینؒ کے یہاں وقف کا مطلب یہ پانچ ہیں [۱] شیء موقوف سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی، [۲] اور یہ اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی، [۳] اور اس کا نفع ہمیشہ اس کو ملتا رہے گا جن پر وقف کیا۔ [۴] یہ وقف لازم رہے گا، واقف دوبارہ اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ [۵] البتہ نہ یہ بیچی جائے گی، نہ مالک کے ورثہ میں تقسیم ہوگی۔ اور نہ ہبہ کی جاسکے گی۔

ترجمہ: ۵. صاحبین کی دلیل۔ حضرت عمرؓ مقام شمع کی زمین صدقہ کرنا چاہتے تھے تو حضورؐ نے ان سے کہا، تصدق باصلہا، کہ اصل زمین کو صدقہ کر دو اس طرح کہ نہ وہ بیچی جائے، نہ وراثت میں تقسیم ہو، اور نہ ہبہ کی جائے۔

تشریح: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ..... فقال النبي ﷺ تصدق باصله، لا يباع ولا

۶ وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ مَاسَّةً إِلَى أَنْ يَلْزَمَ الْوَقْفُ مِنْهُ لِيَصِلَ ثَوَابُهُ إِلَيْهِ عَلَى الدَّوَامِ، وَقَدْ أُمِكنَ دَفْعُ حَاجَتِهِ بِإِسْقَاطِ الْمَلِكِ وَجَعْلِهِ لِلَّهِ تَعَالَى. إِذْ لَهُ نَظِيرٌ فِي الشَّرْعِ وَهُوَ الْمَسْجِدُ فَيَجْعَلُ كَذَلِكَ.
۷ وَلِأَبَى حَنِيفَةَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَا حَبْسَ عَنْ فَرَائِضِ اللَّهِ تَعَالَى" وَعَنْ شُرَيْحٍ: جَاءَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِبَيْعِ الْحَبِيسِ.

یوہب ، و لا یورث و لكن ینفق ثمرته فتصدق به عمر۔ (بخاری شریف، باب والوصی ان یحمل فی مال الیتیم وما یأکل منه بقدر عائلته، ص ۲۵۷، نمبر ۶۲۴) اس حدیث میں ہے کہ اصل زمین کو صدقہ کر دو، اس طرح کہ اس کو نہ بیچی جائے اور نہ ہبہ کی جائے اور نہ اس کو وراثت میں تقسیم کی جائے۔

نوٹ: یہاں کئی قسم کی حدیثیں ہیں، بعض سے پتہ چلتا ہے کہ واقف اصل زمین کو اپنے لئے روک لے اور اس کا نفع صدقہ کرے۔ اور دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اصل زمین ہی کو صدقہ کر دے، اور اس کا نفع بھی صدقہ رہے، انہیں دو حدیثوں کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ اصل زمین کو اپنی ملکیت میں رکھے، اور صاحبینؒ کی رائے ہے کہ اصل زمین ہی کو صدقہ کرے۔

ترجمہ: ۱۔ اور واقف کو اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ، وقف لازم ہو جائے تاکہ ہمیشہ اس کا ثواب پہنچتا رہے، اور اس کی ضرورت اس طرح پوری کرنا ممکن ہے کہ واقف کی ملکیت ختم ہو جائے اور اللہ کی ملکیت ہو جائے، اور شریعت میں اس کی مثال مسجد موجود ہے، اس لئے اسی طرح کر دیا جائے [کہ واقف کی ملکیت ختم کر دی جائے اور اللہ کی ملکیت میں دے دی جائے]

تشریح: یہ صاحبینؒ کی دلیل عقلی ہے کہ۔ آدمی کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وقف لازم ہو جائے تاکہ ہمیشہ اس کو اس کا ثواب ملتا رہے، اور اس کی ضرورت اس طرح پوری کی جائے گی کہ وقف سے اس کی ملکیت ختم ہو جائے، اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلی جائے، اس کی مثال مسجد کی زمین ہے، یہ زمین انسان کی ملکیت سے ختم ہو جاتی ہے اور اللہ کی ملکیت میں چلی جاتی ہے۔ اسی طرح موقوفہ زمین کی ملکیت مالک سے ختم ہو جائے گی، اور اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی۔

ترجمہ: ۲۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل۔ حضورؐ کا قول ہے، اللہ کے فرائض میں جس نہیں ہے، اور حضرت شریح سے منقول ہے حضورؐ جس کو روکتے تھے۔

تشریح: وقف سے مالک کی ملکیت زائل نہ ہو اس لئے صاحب ہدایہ پانچ دلیلیں لا رہے ہیں، ان میں دو دلیل نقلی ہیں اور چار دلیل عقلی ہیں۔ [۱]۔ صاحب ہدایہ نے ایک حضورؐ کا قول [۲] اور دوسرا شریح کا قول نقل کیا ہے، اور اس سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ واقف کی ملکیت باقی رہے اور اس کا نفع صدقہ ہو جائے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا حبس عن فرائض الله عز وجل

۸ وَلِأَنَّ الْمَلَكَ بَاقٍ فِيهِ بِدَلِيلٍ أَنَّهُ يَجُوزُ الْإِنْتِفَاعُ بِهِ زَرَاعَةً وَسُكْنًى وَغَيْرَ ذَلِكَ وَالْمَلَكَ فِيهِ لِلْوَاقِفِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ وَلَايَةَ التَّصَرُّفِ فِيهِ بِصَرْفِ غَلَّتِهِ إِلَى مَصَارِفِهَا وَنَصْبِ الْقَوَامِ فِيهَا إِلَّا أَنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِمَنَافِعِهِ فَصَارَ شَبِيهَ الْعَارِيَةِ، ۹ وَلِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى التَّصَدُّقِ بِالْغَلَّةِ دَائِمًا وَلَا تَصَدَّقُ عَنْهُ إِلَّا بِالْبَقَاءِ عَلَى مَلِكِهِ،

۔ (دارقطنی، باب کتاب الفرائض والسیر وغیر ذالک، ج رابع، ص ۳۷، نمبر ۴۰۱) اللہ کے فرائض کو روکنا جائز نہیں ہے۔ (۲) قال علی : لا حبس عن فرائض الله الا ما كان من سلاح او كراع . (مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی الرجل يجعل اشیء حبسانی سبیل اللہ، ج رابع، ص ۳۵۵، نمبر ۲۰۹۲۲) اللہ کے فرائض سے جس نہیں ہے مگر ہتھیار ہو یا سواری کی چیز ہو۔ (۳) صاحب ہدایہ کا قول تابع یہ ہے۔ عن شریح قال جاء محمد ﷺ بمنع الحبس، (سنن بیہقی، باب من قال لا حبس عن فرائض اللہ، ج سادس، ص ۲۶۹، نمبر ۱۱۹۱۰ مصنف ابن ابی شیبہ، باب فی الرجل يجعل اشیء حبسانی سبیل اللہ، ج رابع، ص ۳۵۵، نمبر ۲۰۹۲۲) اس قول تابعی میں ہے کہ جس کی چیز کو روکتے تھے۔ یعنی اوٹنی کو بیکرہ، سائبہ، وصلیہ اور حام بنانے سے روکتے تھے۔

ترجمہ: ۵: [۳] اور مالک کی ملکیت باقی رہنے کی دلیل یہ بھی ہے کہ کھیتی کر کے یا اس میں قیام کر کے، اور اس کے علاوہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور اس میں وقف کرنے والے کی ملکیت موجود رہتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ واقف کو شئیء موقوفہ میں تصرف کرنے کا حق ہے، اس کے غلے کو مصرف میں خرچ کر کے اس پر نگراں متعین کر کے، یہ اور بات ہے کہ اس کے نفع کو صدقہ کرے تو یہ وقف عاریت کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: [۳] یہ تیسری دلیل عقلی ہے۔ موقوفہ چیز پر مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ وقف کے بعد مالک زمین میں کھیتی کرتا ہے، مکان ہو تو اس میں قیام کرتا ہے، یہ کرنا اس کی ملکیت کی دلیل ہے۔ پھر اس پر تصرف کرتا ہے، مثلاً وقف کے غلے کو اس کے مصرف میں خرچ کرتا ہے، اس پر نگراں متعین کرتا ہے، یہ بھی اس کی ملکیت کی دلیل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے نفع کو صدقہ کرتا ہے، اس لئے یہ عاریت کے مشابہ ہو گیا۔

لغت: غلاتہ: غلہ، اناج۔ قوام: قائم کی جمع ہے، نگرانی کرنے والے۔ نصب: متعین کرنا۔ عاریۃ: مانگی ہوئی چیز۔

ترجمہ: ۹: [۴] دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے اس کے غلے کو صدقہ فہر کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کی ملکیت میں باقی رہے۔

تشریح: [۴] یہ چوتھی دلیل عقلی ہے۔ واقف کو ہمیشہ ثواب چاہئے، اور یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ موقوف شئیء پر اس کی ملکیت باقی رہے۔

• اَوْلَانَّهُ لَا يُمَكِّنُ اَنْ يُزَالَ مَلِكُهُ، لَا اِلَى مَالِكٍ لَانَّهُ غَيْرُ مَشْرُوعٍ مَعَ بَقَائِهِ كَالسَّائِبَةِ. بِخِلَافِ الْاِعْتَاقِ لَانَّهُ اِتْلَافٌ، وَبِخِلَافِ الْمَسْجِدِ لَانَّهُ جُعِلَ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ الْاِنْتِفَاعُ بِهِ، وَهُنَا لَمْ يَنْقَطِعْ حَقُّ الْعَبْدِ عَنْهُ فَلَمْ يَصِرْ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى. قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ^۱ قَالَ فِي الْكِتَابِ: لَا يُزُولُ مَلِكُ الْوَاقِفِ اِلَّا اَنْ يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ اَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهِ، وَهَذَا فِي حُكْمِ الْحَاكِمِ صَحِيحٌ؛ لَانَّهُ قَضَاءٌ فِي مُجْتَهَدٍ فِيهِ. اَمَّا فِي تَعَلُّقِهِ بِالْمَوْتِ فَالْصَّحِيحُ اَنْهُ لَا يُزُولُ مَلِكُهُ اِلَّا اَنْهُ تَصَدَّقَ بِمَنَافِعِهِ مُؤَبَّدًا اَوْ يَصِيرُ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالْمَنَافِعِ مُؤَبَّدًا اَوْ يَلْزَمُ، وَالْمُرَادُ بِالْحَاكِمِ الْمَوْلَى، فَامَّا الْمُحْكَمُ فَفِيهِ اخْتِلَافُ الْمَشَايخِ.

ترجمہ: [۵۱۰] ایک بات اور بھی ہے کہ واقف کی ملکیت ختم ہو جائے اور اس کا کوئی مالک نہ بنے یہ شریعت میں مشروع نہیں ہے، جبکہ وہ چیز موجود ہے، جیسے سائڈ وغیرہ چھوڑنا ممنوع ہے۔ بخلاف غلام آزاد کرنے کے، اس لئے یہاں تو غلام کو گویا کہ ضائع کرنا ہے۔ بخلاف مسجد کے اس لئے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کر دی جاتی ہے، اس لئے مسجد سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اور وقف میں بندے کا حق منقطع نہیں ہوتا، اس لئے خالص اللہ کے لئے نہیں ہوا۔

تشریح: [۵۱] ایک چیز موجود ہے اور واقف کی ملکیت اس سے ختم ہو جائے اور اس کا کوئی مالک نہ ہو، یہ ممکن نہیں ہے، جیسے عرب میں اونٹنی چھوڑ دیتے تھے، کہ اصل مالک بھی اس کا مالک نہ رہے اور کوئی دوسرا بھی اس کا مالک نہ ہو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح یہاں زمین مالک کی ملکیت سے نکل جائے اور اس کا کوئی مالک نہ ہو یہ جائز نہیں ہوگا، اسلئے موقوف شیء مالک کی ملکیت میں رہتی چاہئے۔

وجہ: صاحب ہدایہ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے۔ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَحَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى الْكَذِّ وَكَثُرَ هُمْ لَا يَعْقِلُونَ (آیت ۱۰۳، سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں ان جانوروں چھوڑنے سے منع فرمایا۔ **لغت:** سائبۃ: لوگ اونٹنیوں کا بت کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے، جس سے قرآن نے منع فرمایا۔

تشریح: یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ غلام کو آزاد کیا تو یہ مالک کی ملکیت سے نکل گیا، اور کسی کی ملکیت میں داخل نہیں ہوا تو یہ کیسے جائز ہو گیا؟ اس کا جواب دیا کہ وہ چیز موجود رہے اور کسی کی ملکیت میں نہ رہے وہ جائز نہیں ہے، اور غلام کو آزاد کرنا گویا کہ اس کو غلامیت سے ہلاک کرنا اور ضائع کرنا ہے اس لئے وہ جائز ہوگا

ترجمہ: ۱۱: دوسرا اعتراض ہے۔ مالک نے مسجد کے لئے زمین وقف کی تو اس میں بھی اس کی ملکیت سے نکل گئی، حالانکہ وہ موجود ہے تو یہ کیسے جائز ہوئی؟ تو اس کا جواب دیا کہ مالک کی ملکیت سے نکل خالص اللہ کی ملکیت میں داخل ہوگئی، اسی لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اور وقف کی زمین سے بندہ اٹھاتا ہے، اس لئے وہ خالص اللہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی

۲۔ وَلَوْ وَقَفَ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ: هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ. وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَعِنْدَهُمَا يَلْزَمُهُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْتَبَرُ مِنَ الثَّلَاثِ وَالْوَقْفُ فِي الصَّحَّةِ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ،

اس لئے اس کو وقف ہی کی ملکیت میں رکھی جائے گی۔

نوٹ: حدیثوں کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دونوں طرح وقف کرنا جائز ہے [۱] زمین اپنی ملکیت میں رکھے اور اس کا نفع صدقہ کرے۔ [۲] خود زمین ہی کو اپنی ملکیت سے نکال دے، اور اس کا نفع صدقہ کر دے۔

متن میں جو کہا گیا کہ، جب تک حاکم فیصلہ نہ کرے وقف کرنے والے کی ملکیت ختم نہیں ہوگی، یا اپنی موت پر معلق کرے، یہ معاملہ حاکم کے فیصلے کے بارے میں تو صحیح ہے، اس لئے کہ مجتہد فیہ مسئلے میں فیصلہ کرنا ہے۔ اور موت پر معلق کرنے کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ جب تک ہمیشہ کے لئے نفع کو صدقہ نہ کرے اس وقت تک ملکیت ختم نہیں ہوگی، اور یہ نفع کو ہمیشہ کے لئے وصیت کرنے کے درجے میں ہو جائے گی اس لئے لازم ہوگی۔ اور حاکم سے مراد یہ ہے کہ امیر نے حاکم متعین کیا ہو، اور وہ حکم جو مدعی اور مدعی علیہ متعین کرتے ہیں اس کے فیصلے کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

تشریح: یہاں صاحب ہدایہ متن کے دو جملوں کی تشریح کر رہے ہیں۔ متن کا پہلا جملہ تھا، کہ حاکم فیصلہ کرے، اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، اس لئے حاکم کے فیصلے سے واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی، دوسری بات فرماتے ہیں کہ۔ ایک ہوتا ہے جو بادشاہ حاکم کو متعین کرے، یہاں یہی حاکم مراد ہے۔ دوسرا ہوتا ہے جو مدعی اور مدعی علیہ کسی کو حکم مان لے، یہاں یہ مراد نہیں ہے، کیونکہ حکم فیصلہ کرے تو واقف کی ملکیت ختم ہوگی یا نہیں اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ دوسرا جملہ تھا کہ وقف کو اپنی موت پر معلق کرے، تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ شئیء موقوفہ کیمنافع کو ہمیشہ کے لئے صدقہ کر دے تو یہ وصیت کے درجے میں ہو جائے گی، اور وقف لازم ہو جائے گا۔

لغت: المولیٰ: بادشاہ نے جس کو حاکم بنایا ہو۔ محکم: مدعی اور مدعی علیہ نے جس کو حکم بنایا ہو۔

ترجمہ ۲: اور اگر مرض الموت میں وقف کیا تو حضرت طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ موت کے بعد وصیت کے درجے میں ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ وصیت لازم بھی نہیں ہے، اوصاحبینؒ کے یہاں یہ لازم ہے مگر تنہائی مال میں اس کا اعتبار ہوگا، اور صحت کے زمانے میں وقف کرے تو پورے مال میں اس کا اعتبار کیا جائے گا،

تشریح: اگر مرض الموت میں وقف کیا تو امام طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ موت کے بعد وصیت کے درجے میں ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ لازم نہیں ہوگا، اور صاحبینؒ کے یہاں یہ وقف لازم ہو جائے گا، البتہ چونکہ یہ وصیت ہے اس لئے یہ وقف تنہائی مال میں جاری ہوگا۔ لیکن اگر صحت کی حالت میں وقف کیا ہو تو پورے مال میں وقف جاری ہوگا۔

۱۳۔ وَإِذَا كَانَ الْمَلِكُ يَزُولُ عَنْهُمَا يَزُولُ بِالْقَوْلِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ بِمَنْزِلَةِ الْإِعْتِقَاقِ لِأَنَّهُ إِسْقَاطُ الْمَلِكِ. ۱۴۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيمِ إِلَى الْمُتَوَلَّى لِأَنَّهُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ فِيهِ فِي ضَمَنِ التَّسْلِيمِ إِلَى الْعَبْدِ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مَالِكُ الْأَشْيَاءِ لَا يَتَحَقَّقُ مَقْصُودًا، وَقَدْ يَكُونُ تَبَعًا لِغَيْرِهِ فَيَأْخُذُ حُكْمُهُ فَيَنْزِلُ مَنْزِلَةَ الرِّكَاعَةِ وَالصَّدَقَةِ.

(۳۰۳۱) قَالَ: وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلَى اخْتِلَافِهِمْ [وَفِي بَعْضِ النُّسخ: وَإِذَا أُسْتُحِقَّ مَكَانُ قَوْلِهِ إِذَا صَحَّ] خَرَجَ مِنْ مَلِكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِي مَلِكِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: ۱۳۔ صاحبین کے نزدیک موقوفہ چیز سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے، تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف کہہ دینے سے زائل ہو جائے گی، یہی امام شافعیؒ کا قول بھی ہے، جیسے آزاد کرنے میں صرف کہنے سے آزاد ہو جاتا ہے، کیونکہ یہاں ملکیت کو اپنے سے ساقط کرنا ہے۔

تشریح: صاحبین کے یہاں وقف سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے، تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ صرف کہہ دینے سے ملکیت زائل ہو جائے گی، جیسے آزاد کرنا ہو تو صرف کہہ دینے سے آزاد ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: ۱۴۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس لئے اس میں بندے کو سپرد کرنے کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا حق ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے اس لئے مقصود کر کے اللہ کو مالک نہیں بنایا جاسکتا بلکہ دوسرے کے تابع ہوگی اللہ کی ملکیت ہوگی، اس لئے وقف کرنا زکوٰۃ اور صدقہ کی طرح ہو گیا

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک صرف کہنے سے واقف کی ملکیت زائل نہیں ہوگی اور اللہ کی ملکیت میں نہیں جائے گی، بلکہ وقف کے متولی کو سپرد کرنے سے زائل ہوگی۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ سب چیز اللہ کی ملکیت میں ہے، اس لئے اللہ کو مقصود بنا کر حوالہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ بندوں کو حوالہ کرو اس کے ضمن میں اللہ کی ملکیت ہوگی، اس کی مثال دیتے ہیں کہ زکوٰۃ، اور صدقہ کسی غریب کو دیتے ہیں اس کے ضمن میں اللہ کی ملکیت ہوتی ہے، اسی طرح کسی متولی کو سپرد کرو اس کے ضمن میں اللہ کی ملکیت ہوگی۔

ترجمہ: (۳۰۳۱) جب وقف صحیح ہو جائے ان کے اختلاف کے موافق تو نکل جائے گا واقف کی ملک سے اور نہیں داخل ہوگا موقوف علیہ کی ملکیت میں۔ [بعض نسخے میں صح، کے بجائے استحق ہے]

تشریح: اوپر جو امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف گزر اس اختلاف کے مطابق وقف صحیح ہو جائے تو یہ ہوگا کہ واقف کی ملکیت سے وقف کی چیز نکل جائے گی۔ لیکن جن پر وقف کیا ہے وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ

۱۔ لَأنَّه لَوْ دَخَلَ فِي مِلْكِ الْمُوقُوفِ عَلَيْهِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَيْهِ بَلْ يَنْفُذُ بَيْعُهُ كَسَائِرِ أَمْلاَكِهِ، ۲۔ وَلَأنَّه لَوْ مَلَكَه لَمَا انْتَقَلَ عَنْهُ بِشَرَطِ الْمَالِكِ الْأَوَّلِ كَسَائِرِ أَمْلاَكِهِ.

دونوں میں سے کوئی مال وقف بیچنا یا ہبہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخير فاتي النبي ﷺ يستامره فيها فقال يا رسول الله اني اصب ارضا بخير لم اصب مالا قط انفس عندى منه فمات امرئى به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها قال فتصدق بها عمر انه لا يباع ولا يوهب ولا يورث وتصدق بها فى الفقراء وفى القربى وفى الرقاب وفى سبيل الله وابن السبيل والضيف لا جناح على من وليها ان يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول (بخارى شريف، باب الشروط فى الوقف، كتاب الشروط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷) اس حدیث میں آپؐ نے یوں فرمایا کہ حبست اصلها جس سے اشارہ ملتا ہے کہ اصل کو روک رکھے یعنی موقوف کسی کی ملکیت نہ ہو۔ اور آگے جملہ ہے کہ وقف بیچا بھی نہ جائے، ہبہ بھی نہ کیا جائے اور وارث بھی کوئی نہ ہو تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ نہ وہ واقف کی ملکیت رہی نہ موقوف علیہ کی۔ ورنہ جس کی ملکیت میں ہو وہ اس کو بیچ سکتا، ہبہ کر سکتا اور اس کے وارث اس کو وارثت میں تقسیم بھی کرتے۔ لیکن ایسا نہیں کر سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ موقوف علیہ اس کا مالک نہیں بنا، بلکہ وہ اللہ کی ملکیت میں چلی گئی

ترجمہ: اس لئے کہ موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتا تو اس پر وقف نہیں رہتا بلکہ اس کی اور ملکیت کی طرح اس میں اس کی بیچ نافذ ہو جاتی۔

لغت: وقف: وقف کا مطلب یہ ہے کہ آج یہ زمین موقوف علیہ کے پاس ہے، یہ اس سے فائدہ اٹھائے، بعد میں وہ زمین دوسرے کے پاس چلی جائے گی وہ فائدہ اٹھائے گا، لیکن اس زمین کا کوئی مالک نہیں بنے گا۔

تشریح: وقف کی زمین موقوف علیہ کی ملکیت میں نہیں جائے گی، اس کی یہ پہلی دلیل عقلی ہے۔ اگر زمین موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی تو یہ اس پر وقف نہیں رہتی، بلکہ اس کی مملوکہ چیز کی طرح وہ اس کو بیچ سکتا، لیکن چونکہ وہ اس کو بیچ نہیں سکتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی

ترجمہ: ۲۔ اگر موقوف علیہ وقف کا مالک بن جائے تو پہلے مالک کی شرط کے مطابق وہ دوسروں کی طرف منتقل نہیں ہوگی، جیسے موقوف علیہ کی اور ملکیت میں۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے کہ، وقف کی زمین موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوئی۔ وقف کرنے والے نے شرط

۳ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَوْلُهُ خَرَجَ عَنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ قَوْلُهُمَا عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي سَبَقَ تَقْرِيرُهُ.

(۳۰۳۲) قَالَ وَوَقَفَ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ ۱ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ وَالْقَبْضُ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَكَذَا تَتِمَّتْهُ.

لگائی تھی کہ یہ زمین موقوف علیہ کے پاس جائے، اور اس کے بعد دوسرے کے پاس جائے، اس کے بعد تیسرے کے پاس جائے، لیکن اگر موقوف علیہ اس کا مالک بن جائے تو یہ زمین دوسرے کے پاس اور تیسرے کے پاس نہیں جائے گی، جیسے موقوف علیہ کی اپنی ملکیت دوسرے اور تیسرے کے پاس نہیں جاتی ہے، لیکن واقف کی شرط کے مطابق دوسرے اور تیسرے کے پاس جائے گی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ موقوف علیہ اس زمین کا مالک نہیں بنا۔

ترجمہ: ۳ متن میں یہ کہا کہ واقف کی ملکیت سے نکل گئی تو یہ صاحبین کے قول پر ہوگا۔

تشریح: اوپر گزر گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے یہاں، وقف کرنے سے واقف کی ملکیت سے نہیں نکلتی، اور متن میں جو کہا گیا کہ واقف کی ملکیت سے نکل گئی یہ صاحبین کے مسلک پر ہوگا، کیونکہ ان کے یہاں واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۲) مشترک کا وقف جائز ہے امام ابو یوسف کے نزدیک۔

تشریح: کوئی چیز مشترک ہو اور تقسیم ہو سکتی ہو پھر بھی بغیر تقسیم کئے اس کا وقف جائز ہے۔

وجہ: (۱) امام ابو یوسف کے نزدیک وقف پورا ہونے کے لئے موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری نہیں ہے۔ صرف کہنے سے وقف ہو جاتا ہے۔ اور جب قبضہ دلانا ضروری نہیں تو مشترک چیز کا بھی وقف ہو سکتا ہے (۲) ان کی دلیل اوپر کی حدیث عمر ہے کہ حضرت عمر نے لوگوں کو مشترک طور پر وقف کیا (۳) بنی نجار نے لوگوں کو مشترک طور پر مسجد کی زمین وقف کی۔ حدیث میں ہے۔ عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الی الله (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعة ارضا مشاعا فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۷۱۷۱) اس حدیث میں کئی بنو نجار نے مشترک طور پر لوگوں پر مسجد کی زمین وقف کی۔ جس سے اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

ترجمہ: تقسیم کرنے کے بعد قبضہ مکمل ہوتا ہے، اور امام ابو یوسف کے یہاں متولی کو قبضہ دینا ہی ضروری نہیں اس لئے تقسیم کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

تشریح: یہاں محارہ استعمال کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے یہاں وقف کے لئے متولی کو سپرد کرنا اور اس کو قبضہ دلانا ضروری نہیں ہے اس لئے اس کو تقسیم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مشاع اور مشترک چیز بھی وقف ہو سکتی ہے۔

۲. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَجُوزُ لِأَنَّ أَصْلَ الْقَبْضِ عِنْدَهُ شَرْطُ فَكْدَا مَا يَتِمُّ بِهِ، ۳. وَهَذَا فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ، وَأَمَّا فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَيَجُوزُ مَعَ الشُّيُوعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ أَيْضًا لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ بِالْهَبَةِ وَالصَّدَقَةِ الْمُنْفَذَةِ

ترجمہ: امام محمدؒ نے فرمایا کہ مشاع چیز کا وقف جائز نہیں ہے، اس لئے کہ انکے یہاں وقف پر قبضہ شرط ہے، اور بغیر تقسیم کئے ہوئے قبضہ مکمل نہیں ہوگا، اس لئے وقف بھی جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک مشترک چیز کا وقف جائز نہیں جب تک کہ اس کو تقسیم نہ کر دے۔

وجہ: (۱) ان کے یہاں موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری ہے اور بغیر تقسیم کئے ہوئے پورا قبضہ نہیں ہو سکتا اس لئے تقسیم کرنا ضروری ہے (۲) جس طرح ہبہ اور صدقہ میں تقسیم کر کے قبضہ دینا ضروری ہے (۳) حدیث میں اشارہ ہے۔ حضرت ابو طلحہ نے اپنے باغ کو وقف کیا تھا اس کے لئے ایک لمبی حدیث ہے جس کا لکھنا یہ ہے۔ انہ سمع انس بن مالک یقول کان ابو طلحة اکثر الا نصار بالمدينة مالا من نخل ... قال ابو طلحة افعل ذلك يا رسول الله فقسمها ابو طلحة في اقاربه وبنی عمه. (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضاً ولم یبین الحدود فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۶۹۷۲) اس حدیث میں ہے کہ ابو طلحہ نے اپنے باغ کو اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں کے درمیان تقسیم کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کرنا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۳۔ یہ بحث اس صورت میں ہے جبکہ وہ چیز تقسیم کے قابل ہو اور اگر وہ تقسیم ہی نہیں ہو سکتی ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک مشترک کی حالت میں بھی وقف کے قابل ہے اس لئے کہ وہ ہبہ اور نافذ صدقہ پر قیاس کرتے ہیں۔

لغت: مشترک اور مشاع چیز دو قسم کی ہوتی ہیں۔ [۱] جو چیز تقسیم کے بعد بھی فائدہ اٹھانے کے قابل ہو، جیسے ایک ایکڑ زمین، کہ اس کو تقسیم کے بعد بھی ہر آدمی اپنے حصے میں کاشتکاری کر سکتا ہے، ایسی چیز مشترک ہو تو اس پر قبضہ مکمل نہیں ہوتا، اس کو تقسیم کر کے ہی ہبہ کیا جائے گا یا وقف کیا جائے گا [۲] ایسی چیز جو تقسیم کے بعد استفادے کے قابل نہ رہے، جیسے غسل خانہ [حمام] پن بجلی کہ اس کو ٹکڑا کر دیا جائے تو وہ نہانے کے قابل نہیں رہتا، ایسی چیز کو مشترک رکھیں تب بھی اس پر قبضہ مکمل ہو جاتا، ایسی چیز کو بغیر تقسیم کئے بھی وقف کرنا جائز ہے۔۔۔ مشاع: شائع سے مشتق ہے، مشترک چیز۔

تشریح: جو چیز تقسیم نہیں کی جاسکتی ہو، بلکہ تقسیم ہونے سے فائدے کے قابل نہیں رہتی ہو تو امام محمدؒ کے یہاں بھی اس کا مشترک حالت میں ہی وقف کرنا جائز ہے۔

وجہ: ہبہ اور صدقہ کے باب میں گزر گیا کہ جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی ہے اس کو مشترک حالت میں ہبہ کرنا اور صدقہ کرنا جائز ہے، اور اسی حالت میں اس پر قبضہ مکمل سمجھا جاتا ہے۔ وقف میں بھی یہی ہوگا کہ اسی مشترک حالت میں متولی کا قبضہ شمار کیا جائے گا۔

۴. إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ وَالْمَقْبَرَةِ، فَإِنَّهُ لَا يَتَمَّعُ مَعَ الشُّيُوعِ فِيمَا لَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ أَيْضًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، لِأَنَّ بَقَاءَ الشَّرَكَةِ يَمْنَعُ الْخُلُوصَ لِلَّهِ تَعَالَى. وَلِأَنَّ الْمُهَيَاةَ فِيهِمَا فِي غَايَةِ الْقُبْحِ بَأَنَّ يُقْبَرَ فِيهِ الْمَوْتَى سَنَةً، وَيُزْرَعَ سَنَةً وَيُصَلَّى فِيهِ فِي وَقْتٍ وَيَتَّخَذَ إِصْطِبًا فِي وَقْتٍ، ۵. بِخِلَافِ الْوَقْفِ لِإِمَّاكَانِ الْإِسْتِغْلَالِ وَقِسْمَةِ الْغَلَّةِ. ۶. وَلَوْ وَقَفَهُ الْكُلُّ ثُمَّ أُسْتُحِقَّ جُزْءٌ مِنْهُ بَطَلَ فِي الْبَاقِي عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ الشُّيُوعَ مُقَارَنٌ كَمَا فِي الْهَبَةِ،

ترجمہ: مگر مسجد اور مقبرہ کا حال یہ ہے کہ تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا ہو پھر بھی اس کا وقف کرنا امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں شرکت ہو تو خالص اللہ کے لئے نہیں ہوگا، اور اس لئے کہ ان دونوں میں باری باری کرنا بہت برا ہے، کیونکہ ایک سال اس میں دفن کرے، اور دوسرے سال اسی میں کھیتی کرے، یا ایک وقت میں مسجد میں نماز پڑھے، اور دوسرے وقت میں اس کو اصطبل بنادے یہ اچھا نہیں ہے۔

تشریح: مسجد اور مقبرہ کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ مشترک جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) مشترک کر دیں تو یہ خالص اللہ کے لئے نہیں ہوگا، جبکہ یہ خالص اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔ (۲) اگر مشترک کریں تو مسجد میں ایک دن نماز پڑھے گا اور دوسرا حصہ دار دوسرے دن اصطبل بنائے گا، اور قبرستان میں ایک سال مردہ دفن کرے گا اور دوسرے سال اس میں کھیتی کرے گا، یہ اچھا نہیں ہے اس لئے مسجد اور مقبرہ میں شرکت ہو تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں بھی وقف نہیں ہوگا۔

لغت: مہایات: نفع کو باری باری تقسیم کرنا، کہ ایک دن یہ نفع اٹھائے اور دوسرے دن دوسرا فریق نفع اٹھائے۔ اصطبل: گھوڑے کو رکھنے کی جگہ۔

ترجمہ: ۵. بخلاف اور وقف کے اس لئے کہ اس سے غلہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور غلے کی تقسیم بھی ہو سکتی ہے۔

تشریح: مسجد اور مقبرے کے علاوہ کسی کھیت کو مشترک طور پر وقف کیا ہو تو یہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز ہے، کیونکہ دونوں فریق غلہ لگائیں گے اور دونوں تقسیم کر لیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶. اور اگر کل زمین کو وقف کیا پھر اس کا کچھ حصہ مستحق نکل گیا تو امام محمدؒ کے نزدیک باقی وقف بھی باطل ہو جائے گا، کیونکہ اشتراک وقف کے وقت ہی تھا، جیسے کہ بہہ میں ہوتا ہے۔

اصول: یہاں دو مسئلے اس اصول پر ہیں کہ وقف کرنے سے پہلے، یا وقف کرنے کے ساتھ موقوف شیء میں اشتراک ہو گیا تو امام محمدؒ کے نزدیک وقف باطل ہو جائے گا۔ لیکن وقف کیا اس وقت اشتراک نہیں تھا وقف کے بعد کسی طرح اشتراک ثابت

بِخِلَافِ مَا إِذَا رَجَعَ الْوَاهِبُ فِي الْبَعْضِ أَوْ رَجَعَ الْوَارِثُ فِي الثَّلَاثِينَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَرِيضِ وَقَدْ وَهَبَهُ أَوْ أَوْفَقَهُ فِي مَرَضِهِ وَفِي الْمَالِ ضَيْقٌ، لِأَنَّ الشُّيُوعَ فِي ذَلِكَ طَارِءٌ. ۸ وَلَوْ أُسْتُحِقَّ جُزْءٌ مُمَيَّزٌ بَعْضُهُ لَمْ يَبْطُلْ فِي الْبَاقِي لِعَدَمِ الشُّيُوعِ وَلِهَذَا جَازَ فِي الْإِبْتِدَاءِ، وَعَلَى هَذَا الْهَبَةُ وَالصَّدَقَةُ الْمَمْلُوكَةُ.

ہوئی تو اب وقف باطل نہیں ہوگا، کیونکہ وقف کے وقت اشتراک نہیں تھا۔ یہی حال ہبہ کا بھی ہے۔

تشریح: زید نے اپنی زمین وقف کی، اور اس میں عمر کا حصہ نکل گیا تو امام محمدؒ کے یہاں وقف باطل ہو جائے گا، کیونکہ وقف سے پہلے شرکت ہو گئی، اور پہلے گزر چکا ہے کہ وقف سے پہلے شرکت ہو جائے تو امام محمدؒ کے یہاں وقف باطل ہو جاتا ہے۔

لغت: لان الشیوع مقارن: یہاں شرکت وقف کے ساتھ ہے، اس لئے وقف باطل ہوگا۔

ترجمہ: بخلاف اگر ہبہ کرنے والے نے بعض حصے میں رجوع کیا تو - یا مرض الموت کے بعد وارث نے دو حصوں میں رجوع کیا، اور حال یہ تھا کہ مرض الموت میں ہبہ کیا تھا یا وقف کیا تھا اور مال میں کمی تھی، تو اس شرکت سے وقف باطل نہیں ہوگا، اس لئے یہاں اشتراک بعد میں آیا ہے۔

اصول: اس مسئلے میں یہ بتانا چاہتے ہیں وقف کے بعد شرکت ہوئی ہو تو امام محمدؒ کے یہاں بھی اس سے وقف باطل نہیں ہوگا۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں - [۱] ہبہ کیا یا وقف کیا اس کے بعد خود وقف کرنے والے نے بعض حصے سے رجوع کر لیا تو وقف باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ وقف کے بعد شرکت ہوئی ہے [۲] واقف نے مرض الموت میں زمین وقف کی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ وصیت ہوئی، اور اس کے پاس صرف یہی زمین تھی، جس کی وجہ سے ایک تہائی میں وصیت جاری ہوئی اور دو تہائی زمین وارث کی نکلی، تو وارث کا حصہ نکلنے سے وقف باطل نہیں ہوگا، کیونکہ وقف کے بعد شرکت ہوئی ہے۔

لغت: ضیق: زمین کم تھی، تنگی تھی۔ طاری: بعد میں آئی ہے

ترجمہ: ۸ اور اگر متعین جز کا مستحق نکل گیا تو باقی میں ہبہ باطل نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں اشتراک نہیں ہے، اس لئے شروع میں بھی ایسا ہبہ جائز ہے۔ اور یہی حال ہبہ اور صدقہ مملوکہ کا ہے۔

اصول: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر زمین وقف کی اور اس کا متعین جز کسی کا نکل گیا، یا ہبہ کیا، یا صدقہ کیا اور اس کا متعین جز کسی کا نکل گیا تو چونکہ باقی زمین میں یہ شرکت نہیں ہے، مثلاً نہیں ہے اس لئے وقف، ہبہ، یا صدقہ باطل نہیں ہوگا۔

تشریح: وقف کرنے کے بعد زمین کا متعین جز کسی کا نکل گیا تو وقف باطل نہیں ہوگا، کیونکہ یہاں زمین کی شرکت نہیں ہے، یہی حال ہبہ، اور صدقہ کا بھی ہے۔

(۳۰۳۳) قَالَ: وَلَا يَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ حَتَّى يَجْعَلَ آخِرُهُ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ أَبَدًا. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: إِذَا سَمِيَ فِيهِ جِهَةٌ تَنْقَطِعُ جَارَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ.

ترجمہ: (۳۰۳۳) امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک وقف پورا نہیں ہوگا یہاں تک کہ یہ بھی کہے یہ ہمیشہ کے لئے وقف ہی رہے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ، ہمیشہ کے لئے وقف ہی رہے گا، نہیں بھی کہا تب بھی وقف ہو جائے گا، اور فقراء کا نام نہ بھی لیا ہو تب بھی یہ بعد میں فقراء کے لئے ہو جائے گا۔

اصول: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ، ہمیشہ کے لئے وقف ہے، واقف کو یہ بولنا پڑے گا یا نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں واقف کو یہ بولنا پڑے گا تب وقف ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں اس کے بولے بغیر بھی وقف صحیح ہو جائے گا، اور بعد میں خود ہی ہمیشہ کے لئے غرباء اور مساکین کے لئے وقف ہو جائے گا۔

تشریح: طرفین کے نزدیک وقف اسی وقت پورا ہوگا جبکہ وقف کا مال آخر کار ہمیشہ کے لئے غرباء و مساکین کے لئے ہو جائے۔ اور واقف کو اس کی تصریح کرنی ہوگی کہ یہ مال آخر ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہی ہوگا اور میرے اور میرے ورثاء کے پاس واپس نہیں آئے گا۔

وجہ: حضرت عمرؓ نے مقام شمع کی جائداد وقف کی تھی اس میں لکھا تھا کہ اس کا نگران حضرت حفصہ ہوگی۔ اور اس کے بعد اہل رائے ہوں گے اور اس کا فائدہ غرباء و مساکین کو ہمیشہ کے لئے پہنچتا رہے گا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ اخبرنی لیث عن یحییٰ بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب ... والمائة سهم الذى بخير ورقيقه الذى فيه والمائة التى اطعمه محمد بالوادى تليه حفصة ما عاشت ثم يليه ذو الرأى من اهلها ان لا يباع ولا يشتري ينفعه حيث رأى من السائل والمحروم وذی القربى ولا حرج على من وليه ان اكل او اكل او اشتري رقيقا منه (ابو داؤد شریف، باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹ دار قطنی، کتاب الاحباس ج رابع ص ۱۱۷ نمبر ۴۳۷۹) اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے پہلے حفصہ کو وقف کا نگران بنایا پھر اہل رائے کو بنایا اور اس کی تصریح کر دی کہ یہ ہمیشہ کے لئے فقراء اور مساکین کے استفادے کے لئے رہے گا۔ اور بیچا اور خرید نہیں جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی تصریح

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ واقف کو ہمیشہ کے لئے فقراء کی تصریح کر دینی چاہئے۔ لیکن اس نے فقراء کا نام وقف میں نہیں لیا صرف ایسے لوگوں پر وقف کیا جو کچھ سالوں کے بعد مر جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، پھر بھی وقف صحیح ہو جائے گا۔ البتہ جن لوگوں کا نام لے کر وقف کیا ہے ان کے مرنے کے بعد لوٹ کر واقف کے ورثہ کی طرف نہیں آئے گا بلکہ خود بخود

۱۔ لَهْمَا أَنْ مُوجِبَ الْوَقْفِ زَوَالُ الْمَلِكِ بِدُونِ التَّمْلِيكِ وَأَنَّهُ يَتَأَبَّدُ كَالْعَقْرِ، فَإِذَا كَانَتْ الْجِهَةُ يُتَوَهَّمُ انْقِطَاعُهَا لَا يَتَوَقَّرُ عَلَيْهِ مُقْتَضَاهُ، فَلِهَذَا كَانَ التَّوْقِيتُ مُبْطِلًا لَهُ كَالْتَّوْقِيتِ فِي الْبَيْعِ.

۲۔ وَلِأَبَى يُوسُفَ أَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ التَّقَرُّبُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مُوقَّرٌ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّقَرُّبَ تَارَةً يَكُونُ فِي الصَّرْفِ إِلَى جِهَةٍ تَنْقَطِعُ وَمَرَّةً بِالصَّرْفِ إِلَى جِهَةٍ تَتَأَبَّدُ فَيَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ.

ہمیشہ کے لئے فقراء کے لئے ہو جائے گا۔

وجہ: وقف کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے۔ البتہ یہ قربت کبھی مخصوص لوگوں پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی ہمیشہ کے لئے فقراء اور مساکین پر وقف کرنے سے ہوتی ہے اسلئے دونوں طرح کے وقف کرنے سے وقف ہوگا۔ البتہ وقف کا مقصد ہمیشہ کے لئے قربت حاصل کرنا ہے اسلئے مخصوص لوگوں کے مرنے کے بعد خود بخود ہمیشہ کے لئے فقراء و مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

لغت: جہۃ تنقطع: یہ مجاورہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خاص لوگوں پر وقف کیا جس کے مرنے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ جیسے اولاد پر وقف کرے تو اس کے مرنے کے بعد یہ جہت منقطع ہو جائے گی۔ اور، جہۃ لا تنقطع، کا مطلب یہ ہے کہ ایسے فقراء پر وقف کرے جو ہمیشہ باقی رہے۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا اصل سبب واقف کی ملکیت کا زائل ہونا ہے، اور اب کسی اور کو مالک نہ بنانا ہے اور یہ صورت حال ہمیشہ رہے، جیسے آزادگی ہمیشہ رہتی ہے، پس اگر وقف میں ایسی جہت ہو جو منقطع ہو سکتی ہو تو وقف کا تقاضہ پورا نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ چند دن کے لئے وقف کرے تو یہ باطل ہے، جیسے چند دن کے لئے بیچے تو باطل ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ، وقف کا مطلب یہ ہے کہ واقف کی ملکیت ختم ہو جائے، اور ہمیشہ کے لئے کسی کو مالک نہ بنایا جائے، اور یہ مطلب اسی وقت پورا ہوگا جب ہمیشہ کی تصریح ہو، اس لئے وقف کرنے میں ہمیشہ کی تصریح ضروری ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ چند دنوں کے لئے بیچے تو جائز نہیں اسی طرح کچھ دنوں کے لئے وقف کرے تو یہی جائز نہیں ہوگا، ہمیشہ کے لئے وقف کرنا ہوگا۔

لغت: جہۃ یتوہم انقطاعھا: ایسے لوگوں پر وقف کرے جو منقطع ہو سکتے ہوں، مثلاً اپنی اولاد پر وقف کرے، تو یہ ممکن ہے کہ اس کی اولاد نہ رہے، اس لئے اپنی اولاد پر وقف کیا تو یہ وقف نہیں ہوگا صدقہ ہو جائے گا۔

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے، اور وہ پورا ہو رہا ہے، کیونکہ کبھی ایسی چیز میں قربت ہوتی ہے جو محدود ہو، اور کبھی ہمیشہ کے لئے ہو اس میں قربت ہوتی ہے، اسلئے دونوں صورتوں میں وقف ہو جائے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مقصد ثواب حاصل کرنا اور اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے، اب مختصر مدت

۳ وَقِيلَ إِنَّ التَّائِيدَ شَرُطُ بِالْإِجْمَاعِ، إِلَّا أَنَّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يُشْتَرَطُ ذِكْرُ التَّائِيدِ لِأَنَّ لَفْظَةَ الْوَقْفِ وَالصَّدَقَةَ مُنْبِئَةٌ عَنْهُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ إِزَالَةُ الْمَلِكِ بِدُونِ التَّمْلِيكِ كَالْعِتْقِ، وَلِهَذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ فِي بَيَانِ قَوْلِهِ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ، وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ، ۴ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ ذِكْرُ التَّائِيدِ شَرُطٌ لِأَنَّ هَذَا صَدَقَةٌ بِالْمَنْفَعَةِ أَوْ بِالْغَلَّةِ، وَذَلِكَ قَدْ يَكُونُ مُؤَقَّتًا وَقَدْ يَكُونُ مُؤَبَّدًا فَمُطْلَقُهُ لَا يَنْصَرِفُ إِلَى التَّائِيدِ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّنْصِصِ.

(۳۰۳۴) قَالَ: وَيَجُوزُ وَقْفُ الْعَقَارِ [لِأَنَّ جَمَاعَةً مِنَ الصَّحَابَةِ رَضُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمْ وَقْفُوهُ] وَلَا

کے لئے وقف کریں تب بھی ثواب ہو جائے گا، اور ہمیشہ کے لئے کریں تب بھی قربت حاصل ہو جائے گی، اس لئے دونوں صورتوں میں وقف ہو جائے گا۔ البتہ مختصر مدت کے لئے کرے تب بھی بعد میں فقراء اور مساکین پر وقف ہو جائے گا۔

ترجمہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ، ہمیشہ کے لئے وقف کرنا سب کے یہاں شرط ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں تابید [ہمیشہ] کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ وقف اور صدقہ کا لفظ خود ہی اس کا پتہ دیتا ہے، کیونکہ ہم نے بیان کیا کہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ملکیت زائل کر دے اور کسی کو مالک نہ بنائے، جیسے آزاد کرنے میں ہوتا ہے۔ اسی لئے متن میں کہا تھا کہ، چاہے فقراء کا نام نہ لے وقف کرنے سے وہ فقراء کے لئے ہی ہو جائے گا، یہی صحیح ہے۔

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ تینوں کے یہاں یہ شرط ہے کہ وقف ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے، البتہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ ہے کہ ہمیشہ کی تصریح نہ بھی کرے تب بھی وقف اور صدقہ کا جملہ ایسا ہے کہ اس سے ہیشگی ہو ہی جاتی ہے، اسی لئے تو متن یہ کہہ دیا گیا کہ بعد میں وہ فقراء اور مساکین کے لئے ہو جائے گا۔

ترجمہ: امام محمدؒ کے نزدیک، تابید [ہمیشہ] کا ذکر کرنا شرط ہے، اس لئے کہ وقف میں نفع اور غلے کا صدقہ ہے، اور یہ کبھی متعین دنوں کے لئے ہوتا ہے، اور کبھی ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے، اس لئے جب مطلق وقف کیا تو وہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگا، اس لئے وقف میں ہمیشہ کی صراحت کرنا ضروری ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ، غلے کا بھی وقف ہوتا ہے جو کبھی مختصر مدت کے لئے ہوتا ہے اور کبھی ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے، اس لئے مطلق وقف بولے گا تو ہمیشہ کے لئے نہیں ہوگا، اس لئے ہمیشہ کے وقف کے لئے ہمیشہ کی صراحت کرنی ہوگی، تب زمین کا وقف کامل ہوگا۔

ترجمہ: (۳۰۳۴) صحیح ہے زمین کا وقف کرنا [اس لئے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے وقف کیا ہے] اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا وقف کرنا جو منتقل ہوتی ہو اور بدلتی ہو۔

يَجُوزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ . ۱. قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَهَذَا عَلَى الْإِسْـمَالِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ.

(۳۰۳۵) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: إِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَأَكْرَبَتِهَا وَهُمْ عَبِيدُهُ جَاز

ترجمہ: مصنف کہتے ہیں کہ منقولی چیز کا وقف مطلقاً جائز نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہو سکتا ہے [کیونکہ انکے یہاں ہمیشہ کے لئے وقف کرنے کی شرط ہے]

یہاں پانچ اصول ہیں جن پر مسئلہ متفرع ہے۔

اصول: امام ابوحنیفہ کا اصول یہ ہے کہ جو چیز ہمیشہ رہتی ہو جیسے زمین، مکان، دکان صرف انہیں کا وقف جائز ہے، پہلے گزر چکا ہے کہ وقف کے لئے انکے یہاں ہمیشہ کی قید لگانا ضروری ہے۔ اس لئے وہ چیز ہمیشہ رہے گی تب ہی اس کا وقف جائز ہوگا۔

اصول: امام ابو یوسف کا اصول یہ ہے زمین کا وقف جائز ہے اور اس کے تابع ہو کر بل، بیل، زمین کی خدمت کے لئے غلام کا بھی وقف جائز ہے۔

اصول: امام محمد کے یہاں جن چیزوں کو وقف کرنے کا تعامل ہے، جیسے زمین، ہتھیار، گھوڑا، اونٹ، کدال، ان چیزوں کا وقف کرنا بھی جائز ہے۔

اصول: امام شافعی کا اصول یہ ہے کہ جن چیزوں کو باقی رکھ کر اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو ان سب چیزوں کو وقف کرنا جائز ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین اور غیر منقول چیزوں کا وقف ہوتا ہے۔ اور منقولی چیز وقف کرے تو وقف کے بجائے صدقہ ہو جائے گا۔

وجہ: (۱) اوپر گزرا کہ امام ابوحنیفہ کے یہاں وقف کے لئے ہمیشہ کی قید لگانا ضروری ہے، اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ وہ چیز ہمیشہ رہنے والی ہو، جو چیز منتقل ہونے والی ہو یا ٹوٹ پھوٹ جاتی ہو اس میں ہمیشہ کی قید نہیں لگا سکتے، اس لئے اس کا وقف بھی نہیں ہوگا، اور اگر منقولی چیز کو وقف کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے یہاں اس کو صدقہ کہا جائے گا۔ (۲) اوپر حضرت عمر کی زمین کے بارے میں حدیث گزری کہ انہوں نے خیبر کی زمین کو وقف کیا۔ (۳) حضرت عثمان کی یہ حدیث بھی ہے۔ عن ابی سلمة بشیر بن بشیر قال لما قدم المهاجرون المدينة... فبلغ ذالك عثمان فاشترى اها بخمسة وثلاثين الف درهم ثم اتى النبی ﷺ فقال يا رسول الله اتجعل لی مثل الذی جعلته له عینافی الجنة ان اشتریتها؟ قال نعم قال قد اشتریتها وجعلتها للمسلمین۔ (طبرانی الکبیر، بابشیر الاسلمی ابو بشیر، ج ۲، ص ۴۱، نمبر ۱۲۲۶) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان نے بیرومہ کو وقف کیا۔

ترجمہ: (۳۰۳۵) امام ابو یوسف نے فرمایا اگر وقف کرے زمین اس کے بیلوں کے ساتھ اور بلواہوں کے ساتھ، اور وہ

۱۔ وَكَذَا سَائِرُ آلَاتِ الْحِرَاسَةِ لِأَنَّهُ تَبَعَ لِلْأَرْضِ فِي تَحْصِيلِ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ، وَقَدْ يَثْبُتُ مِنَ الْحُكْمِ تَبَعًا مَا لَا يَثْبُتُ مَقْصُودًا كَالشُّرْبِ فِي الْبَيْعِ وَالْبِنَاءِ فِي الْوَقْفِ، ۲۔ وَمُحَمَّدٌ مَعَهُ فِيهِ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ إِفْرَادُ بَعْضِ الْمَنْقُولِ بِالْوَقْفِ عِنْدَهُ فَلَأَنَّ يَجُوزَ الْوَقْفُ فِيهِ تَبَعًا أَوَّلَى.

(۳۰۳۶) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَجُوزُ حَبْسُ الْكَرَاعِ وَالسَّلَاحِ

ہوا ہے اس کے غلام تھے تو جائز ہے۔

ترجمہ: ایسے ہی کھیتی کے اور آلات، اس لئے کہ مقصود کے حاصل کرنے میں یہ زمین کے تابع ہیں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز مقصود کے اعتبار سے ثابت نہیں ہو سکتی اور تابع کے اعتبار سے ثابت ہو سکتی ہے، جیسے زمین کی بیج میں پانی [تابع ہو کر بیجی جاسکتی ہے، اور زمین کے وقف میں دیوار۔

تشریح: امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ زمین کو وقف کرنا اصل ہے لیکن اس کے لوازمات اور تابع چیزیں جتنی ہیں وہ سب چاہے منقولی ہوں زمین کے ساتھ ان کو بھی وقف کرے تو جائز ہے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ نیل اور ہلواہا مستقل طور پر تو وقف نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ منقولی چیز ہیں۔ لیکن زمین کے تابع ہو کر وقف ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بعض چیز اصل طور پر جائز نہ ہو لیکن تابع کے طور پر جائز ہو سکتی ہے۔ جیسے پانی سیراب کرنے کا حق اصل طور پر بیچنا جائز نہیں لیکن تابع ہو کر بک سکتا ہے۔ یا صرف دیوار کو وقف کر تو جائز نہیں ہے، لیکن زمین کو وقف کرے تو اس کے تابع ہو کر دیوار بھی وقف ہو جائے گی، جس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں اصل اور مقصود ہو کر وقف نہیں ہو سکتی، لیکن تابع ہو کر ہو سکتی ہے، ایسے ہی یہاں کھیتی کے آلات زمین کے تابع ہو کر وقف ہو سکتا ہے

اصول: ان کا اصول یہ ہے کہ تابع ہو کر منقول چیزوں کا وقف جائز ہے۔

لغت: ضیعة: کھیتی کی زمین۔ اکرۃ: کھیت میں کام کرنے والے مزدور، ہلواہا۔ حراستہ: کھیتی کرنا۔

ترجمہ: ۲۔ امام محمد امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں لئے کہ امام محمد کے نزدیک بعض منقولی چیز کو الگ سے وقف کرنا جائز ہے، تو تابع کر کے بدرجہ اولی وقف کرنا جائز ہوگا۔

تشریح: آگے آ رہا ہے کہ جن منقولی چیزوں کو وقف کرنے کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے اس کا وقف کرنا امام محمد کے یہاں جائز ہے، پس جب مستقل طور پر وقف کرنا جائز ہے تو تابع کے طور پر بدرجہ اولی جائز ہوگا، اس اعتبار سے وہ حضرت امام ابو یوسف کے ساتھ ہو گئے۔

ترجمہ: (۳۰۳۶) امام محمد نے فرمایا گھوڑے اور ہتھیار کا وقف جائز ہے۔

۱۔ وَمَعْنَاهُ وَقْفُهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ۲۔ وَأَبُو يُوسُفَ مَعَهُ فِيهِ عَلَى مَا قَالُوا، وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ. ۳۔ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَجُوزَ لِمَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ. ۴۔ وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ الْآثَارُ الْمَشْهُورَةُ فِيهِ: مِنْهَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "وَأَمَّا خَالِدٌ فَقَدْ حَبَسَ أَذْرَعًا وَأَفْرَاسًا لَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى وَطَلْحَةَ حَبَسَ دُرُوعَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى" وَيُرْوَى أَكْرَاعُهُ. وَالْكَرَاعُ: الْخَيْلُ. وَيَدْخُلُ فِي حُكْمِهِ الْإِبِلُ؛ لِأَنَّ الْعَرَبَ يُجَاهِدُونَ عَلَيْهَا، وَكَذَا السَّلَاحُ يُحْمَلُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: ۱۔ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں وقف کر دے۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں منقولی چیز، مثلاً گھوڑا، اونٹ، اور ہتھیار کو وقف کرنا جائز ہے، کیونکہ صحابہ نے ایسا کیا ہے۔

ترجمہ: ۲۔ مشائخؒ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ بھی امام محمدؒ کے ساتھ ہیں، اور یہ استحسان کا تقاضہ ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منقولی چیز کا وقف زمین کے تابع ہو کر جائز تھا، اس لئے ہتھیار اور گھوڑے کا وقف جائز نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ زمین کے تابع نہیں ہے، لیکن احادیث میں گھوڑے اور ہتھیار کے وقف کا تذکرہ ہے اس لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی جائز ہو گیا۔

ترجمہ: ۳۔ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ گھوڑے اور ہتھیار کا وقف جائز نہ ہو، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا، [کہ ہمیشہ والی چیز کا وقف ہوتا ہے، اور یہ ہمیشہ نہیں ہے اس لئے اس کا وقف جائز نہیں ہونا چاہئے۔]

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۴۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس وقف کے بارے میں بہت سی حدیثیں مشہور ہیں، مثلاً حضورؐ کا قول، بہر حال خالِد نے اپنے گھوڑے اور اپنی ذرہ اللہ کے راستے میں وقف کر دیے ہیں، اور حضرت طلحہؓ نے اپنی زرہ اللہ کے راستے میں وقف کیا، اور ایک روایت میں اکراعہ، یعنی گھوڑے اللہ کے راستے میں دیئے۔ اور اس کے حکم میں اونٹ بھی داخل ہوگا اس لئے کہ عرب اونٹ پر جہاد کیا کرتے تھے، ایسے ہی ہتھیار اونٹ پر لادا کرتے تھے۔

تشریح: گھوڑے اور ہتھیار کے وقف کے بارے میں بہت سی مشہور حدیثیں ہیں، جنکی وجہ سے یہ چیزیں ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں پھر بھی استحسان کے طور پر اس کا وقف جائز ہے، اور عرب میں اونٹ پر جہاد کیا کرتے تھے اس لئے اونٹ کا وقف بھی جائز ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال امر رسول اللہ بصدقة فقيل منع ابن جمیل وخالد بن ولید والعباس بن عبد المطلب فقال النبی ما یبقم ابن جمیل الا انه کان فقیرا فاغناه اللہ ورسولہ واما خالدا فانکم تظلمون خالدا قد احتبس ادراعه واعتده فی سبیل اللہ (بخاری شریف، باب قول

۵. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَجُوزُ وَقْفُ مَا فِيهِ تَعَامُلٌ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ كَالْفَأْسِ وَالْمَرِّ وَالْقُدُومِ وَالْمَنْشَارِ وَالْجِنَازَةِ وَثِيَابِهَا وَالْقُدُورِ وَالْمَرَا جِلِ وَالْمَصَاحِفِ.

اللہ و فی الرقاب والغارمین و فی سبیل اللہ، کتاب الزکوۃ، ص ۱۹۸ نمبر ۱۴۶۸ / مسلم شریف، باب تقدیم الزکوۃ و منعها ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۳ / ۲۲۷ (۲۲۷) اس حدیث میں حضرت خالد نے ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہتھیار اللہ کے راستے میں وقف کرنا جائز ہے (۲) حضرت ابو طلحہ نے زرہ نہیں اپنا قیمتی باغ وقف کیا تھا، حدیث یہ ہے۔ یقول کان ابو طلحہ اکثر الانصار بالمدينة مالا من نخل..... انی اری ان تجعلها فی الاقربین قال ابو طلحہ افعل ذالک یا رسول اللہ فقسّمها ابو طلحہ فی اقرارہ و بنی عمہ۔ (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضاً ولم یبن الحد و فهو جائز و کذا الک الصدقة، ص ۴۵۸، نمبر ۲۷۹۶) اس حدیث میں حضرت ابو طلحہ نے اپنا باغ پچا زاد بھائیوں پر وقف کیا ہے۔ (۳) دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے گھوڑا اللہ کے راستے میں وقف کیا۔ ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل اللہ اعطاها رسول اللہ فحمل علیہا رجلاً فاخبر عمر انه وقفها بیعها فسأل رسول اللہ ان یتناعها فقال لا یتناعها ولا ترجعن فی صدقتک (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷) اس حدیث میں گھوڑا وقف کیا گیا ہے

ترجمہ: ۵. اور امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ منقولی چیز میں سے جن چیزوں کو وقف کرنے کا تعامل ہو، جیسے کلباڑا، پھاوڑا، کدال، آرا، تابوت اور اس کے کپڑے، ہانڈی، پتھر کی دیکیں، اور قرآن مجید۔
تشریح: امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ لوگ جن چیزوں کو وقف کیا کرتے ہیں اور اس کے وقف کرنے کا تعامل ہے ان چیزوں کو وقف کرنا جائز ہوگا، چاہے وہ چیز منقولی ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے کلباڑا وغیرہ۔

وجہ: (۱) عن ابن عباس قال اراد رسول الله الحج ... فقلت ما عندي ما احجك عليه قالت احجني على جملك فلا فقلت ذاك حبيس في سبيل الله عز وجل قال اما انك لو احججتها عليه كان في سبيل الله (ابوداؤد شریف، باب العمرۃ ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۹۰) اس حدیث سے اونٹ کے وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا (۲) حضرت زہریؒ کے قول سے دوسری چیزوں کے وقف کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ وقال الزهري فيمن جعل الف دينار في سبيل الله ودفعها الى غلام له تاجر يتجر بها وجعل ربحه صدقة للمساكين والاقربين (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷) اس قول سے معلوم ہوا کہ درہم اور دینار بھی وقف کر سکتا ہے کہ اس سے تجارت کر کے جو نفع آئے وہ مساکین کے لئے وقف ہو۔

۷. وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ الْقِيَاسَ إِنَّمَا يُتْرَكُ بِالنَّصِّ، وَالنَّصُّ وَرَدَ فِي الْكُرَاعِ وَالسَّلَاحِ فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ. ۸. وَمُحَمَّدٌ يَقُولُ: الْقِيَاسُ قَدْ يُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ كَمَا فِي الْإِسْتِصْنَاعِ، وَقَدْ وَجَدَ التَّعَامُلُ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ. ۹. وَعَنْ نَصِيرِ بْنِ يَحْيَى أَنَّهُ وَقَفَ كُتْبُهُ الْخَافَا لَهَا بِالْمَصَاحِفِ، وَهَذَا صَحِيحٌ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ يُمْسِكُ لِلدِّينِ تَعْلِيمًا وَتَعَلُّمًا وَقِرَاءَةً، وَأَكْثَرُ فَقَهَاءِ الْأُمَصَارِ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ، وَمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ لَا يَجُوزُ عِنْدَنَا وَقْفُهُ.

لغت : الفاس: کھاڑی۔ المرو: پھاوڑا۔ القدر: کدال۔ المنشار: آرا۔ الجنازة: تابوت، لکڑی کی وہ چارپائی جس میں مردے کو قبرستان تک لی جاتے ہیں۔ القدر: ہانڈی۔ المراحل: دیگ۔ المصاحف: قرآن کریم۔ کراع: گھوڑے۔ جس : روکنا، وقف کرنا۔

ترجمہ: ۷. اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان سب چیزوں کا وقف جائز نہیں ہے اس لئے کہ قیاس کو حدیث کی وجہ سے چھوڑا جاتا ہے، اور حدیث صرف گھوڑے اور ہتھیار کے بارے میں ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۸. امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے بھی قیاس کو چھوڑا جاتا ہے، جیسے کہ بیٹھ بنوانے میں تعامل کی وجہ سے قیاس چھوڑ دیا گیا، [اور اوپر ان چیزوں کے بارے میں تعامل ہے، کہ لوگ ان چیزوں کو وقف کرتے ہیں اس لئے ان چیزوں کا وقف جائز ہوگا]

تشریح: آپ کہیں کہ میرے پیر کے ناپ کا جوتا بنادو اور اتنا روپیہ دوں گا، اس کو بیٹھ بنوانا کہتے ہیں، اس میں بیع مجہول ہوتا ہے، کیونکہ ابھی جوتا موجود نہیں ہے، لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے یہ جائز ہو گیا، اسی طرح جن چیزوں کے وقف کرنے کا تعامل ہے اس کا وقف کرنا جائز ہوگا۔

لغت: استصناع: صنایع سے مشتق ہے، بیٹھ بنوانا۔

ترجمہ: ۹. نصیر بن یحییٰ نے قرآن کے وقف پر قیاس کرتے ہوئے اپنی کتابوں کو وقف کیا تھا، اور یہ صحیح ہے، کیونکہ بہت سارے لوگ دین کو پڑھنے اور پڑھانے اور قرأت کے لئے کتابیں وقف کرتے ہیں، اور شہروں کے اکثر فقہاء امام محمدؒ کے قول پر عمل کرتے ہیں [کہ وہ کتابیں وقف کرتے ہیں]، اور جن چیزوں کا تعامل نہیں ہے ان کا وقف کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح: حضرت نصیر بن یحییٰ کی طرح آج بھی بہت سے لوگ مسجدوں میں قرآن کریم وقف کرتے ہیں، اور امام محمدؒ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

۹. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: كُلُّ مَا يُمَكِّنُ الْإِنْتِفَاعَ بِهِ مَعَ بَقَاءِ أَصْلِهِ وَيَجُوزُ بَيْعُهُ يَجُوزُ وَقْفُهُ؛ لِأَنَّهُ يُمَكِّنُ الْإِنْتِفَاعَ بِهِ، فَأَشْبَهَ الْعَقَارَ وَالْكِرَاعَ وَالسَّلَاحَ. ۱۰. وَلَنَا أَنَّ الْوَقْفَ فِيهِ لَا يَتَأَبَّدُ، وَلَا بُدُّ مِنْهُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَصَارَ كَالدَّرَاهِمِ وَالذَّنَابِيرِ، بِخِلَافِ الْعَقَارِ، ۱۱. وَلَا مُعَارَضَ مِنْ حَيْثُ السَّمْعُ وَلَا مِنْ حَيْثُ التَّعَامُلُ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ. وَهَذَا لِأَنَّ الْعَقَارَ يَتَأَبَّدُ، وَالْجِهَادُ سَنَامُ الدِّينِ، فَكَانَ مَعْنَى الْقُرْبَةِ

ترجمہ: ۹. اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو چیز باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو، اور اس کا بیچنا بھی جائز ہو اس کا وقف کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے اس لئے وہ زمین، گھوڑے اور ہتھیار کے مشابہ ہو گئے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ [۱] ایک تو وہ چیز ہے جس کو استعمال کرو تو وہ ختم ہو جائے، جیسے کھانا، پانی۔ اس کا صدقہ ہوتا ہے وقف نہیں ہوتا۔ [۲] دوسری وہ چیز ہے جس کے بدلے میں کوئی چیز آتی ہے، جیسے درہم، دینار، اس بھی صدقہ ہوتا ہے، وقف نہیں ہوتا۔ اور [۳] تیسری وہ چیز ہے جو موجود رہے اور اس سے نفع اٹھایا جاسکے، اور اس کو بیچا بھی جاسکے، جیسے ہانڈی، تو اس کو بھی وقف کیا جاسکتا ہے چاہے لوگوں میں اس کا تعامل نہ ہو، اس لئے وہ زمین اور ہتھیار کی طرح ہو گیا۔

ترجمہ: ۱۰. ہماری دلیل یہ ہے کہ ان چیزوں کے وقف کرنے میں بیشکی نہیں ہوتی، جیسا کہ ہم نے پہلے شرط لگائی [کہ وقف میں بیشکی ہونی چاہئے] اس لئے وہ درہم اور دینار کی طرح ہو گیا، بخلاف زمین کے۔

تشریح: ہمارا جواب یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ وقف کے لئے ہمیشہ کی قید لگانا ضروری ہے، اور منقولی چیزیں ہمیشہ نہیں رہتیں اس لئے اس کا وقف نہیں ہوگا، اور جو لوگ کرتے ہیں یہ صدقہ ہے۔ اس کی مثال دیتے ہیں کہ درہم اور دینار کا وقف نہیں ہوتا، صدقہ ہوتا ہے اسی طرح اس کا بھی صدقہ ہوگا۔

وجہ: (۱) ابن ابی عباس ان سعد بن عبادۃؓ توفیت امہ و هو غائب عنها فقال یا رسول اللہ ان امی توفیت و انا غائب عنها أينفعها شیء ان تصدقت به عنها؟ قال نعم قال فانی اشهدک ان حائطی المحراف صدقة علیہا۔ (بخاری شریف، باب اذا قال ارضی و بستانی صدقة للذین امی، ص ۴۵۶، نمبر ۲۷۵۶) اس حدیث میں فرمایا کہ باغ صدقہ ہے، اس لئے منقولی چیز صدقہ ہوگی۔ (۲) وقال الزهري فيمن جعل الف دينار في سبيل الله و دفعها الى غلام له تاجر يتجر بها و جعل ربحه صدقة للمساكين و الاقربين (بخاری شریف، باب وقف الدواب و الكراع و العروض و الصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۷) اس قول تابعی سے پتہ چلتا ہے کہ منقولی چیز صدقہ ہوگی۔

ترجمہ: ۱۱. حدیث میں جن چیزوں کے وقف کا ذکر ہے وہ معارض نہیں ہے، اور جس کا تعامل ہے وہ بھی معارض نہیں ہے، اس لئے باقی چیزیں اصل قیاس پر رہیں گی۔

فِيهِمَا أَقْوَى فَلَا يَكُونُ غَيْرُهُمَا فِي مَعْنَاهُمَا.

(۳۰۳۷) قَالَ: وَإِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجْزُ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِكُهُ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَشَاعًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

فَيَطْلُبُ الشَّرِيكَ الْقِسْمَةَ فَيَصْحُ مُقَاسَمَتُهُ ۱۰ أَمَّا امْتِنَاعُ التَّمْلِكِ فَلِمَا بَيَّنَّا.

تشریح: یہاں عبارت پیچیدہ ہے اور محاورہ استعمال کیا ہے، غور سے سمجھیں۔۔ یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا جس چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو اس کا وقف جائز ہے، اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ جن چیزوں کے وقف کا تذکرہ حدیث میں ہے، یا جن چیزوں کے وقف کرنے کا تعامل ہے، ان کی تو ایک وجہ ہے کہ کسی کا ذکر حدیث میں ہے اور کسی پر لوگوں کا تعامل ہے اس لئے امام محمدؒ نے اس کے وقف کو جائز قرار دیا، لیکن امام شافعیؒ نے جو ذکر کیا اس کی تو کوئی وجہ بھی نہیں ہے اس لئے وہ اصلی قیاس پر ہے گا اور اس کا وقف جائز نہیں ہوگا، تاہم وہ صدقہ ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱۰ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ زمین ہمیشہ رہتی ہے، اور جہاد دین کا کوہان ہے، اور وہ ہمیشہ رہے گا، اس لئے دونوں میں قربت کا معنی قوی ہے، اس لئے ان دونوں کے علاوہ جو چیزیں ہیں وہ ان دونوں کے معنی میں نہیں ہوں گی، اس لئے اس کا وقف جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: متن میں دو چیزوں کے وقف کا تذکرہ ہے [۱] زمین کا [۲] اور ہتھیار کا، اس لئے یہاں زمین اور ہتھیار میں جوڑ پیدا کر رہے ہیں۔ جہاد دین کا بہت بڑا رکن ہے، اور وہ ہمیشہ رہے گا، اس لئے ہتھیار بھی ہمیشہ رہے گی، اس لئے وہ زمین کی طرح ہوگئی جو ہمیشہ رہے گی اس لئے ہتھیار کا بھی وقف جائز ہوگا۔

ترجمہ: (۳۰۳۷) جب وقف صحیح ہو جائے تو اس کا بچنا صحیح نہیں اور نہ کسی کو اس کا مالک بنانا۔ مگر یہ کہ وقف مشترک ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شریک تقسیم کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے، اور تقسیم کرنا صحیح ہوگا۔

ترجمہ: ۱۱ وقف کا مالک بنانا ممنوع ہے اس کو پہلے ہم نے بیان کر دیا ہے۔

تشریح: اس متن میں دو مسئلے ہیں [۱] ایک ہے وقف کی چیز کو کسی کو مالک نہیں بنایا جاسکتا، اور نہ بیچی جاسکتی ہے۔ [۲] اور دوسرا ہے کہ اگر یہ زمین مشترک ہے تو اس کو تقسیم کی جاسکتی ہے۔

پہلی بات کہ اس زمین کا کوئی مالک نہیں بن سکتا، اس کو بیچ نہیں سکتا اس کے لئے حدیث گزر چکی ہے۔

وجہ: اس کے لئے یہ حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ۔ ان عمر تصدق بمال..... فقال النبی ﷺ تصدق باصلہ لا یباع ولا یوہب ولا یورث ولكن ینفق ثمرہ . (بخاری شریف، باب والوصی ان یمثل فی مال الیتیم ومالاً کل منہ بقدر عما لیس ۳۸۸ نمبر ۶۲۷) جس سے معلوم ہوا کہ وقف مال کو نہ بیچا جاسکتا ہے نہ وارث بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے۔

۲. وَأَمَّا جَوَازُ الْقِسْمَةِ فَلِأَنَّهَا تَمَيِّزُ وَإِفْرَازٌ، غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ الْعَالِبَ فِي غَيْرِ الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ، إِلَّا أَنَّ فِي الْوَقْفِ جَعَلْنَا الْعَالِبَ مَعْنَى الْإِفْرَازِ نَظَرَ الْوَقْفِ فَلَمْ تَكُنْ يَبْعَاوُ تَمْلِيكًا. ۳. ثُمَّ إِنَّ وَقْفَ نَصِيبِهِ مِنْ عَقَارٍ مُشْتَرَكٍ فَهُوَ الَّذِي يُقَاسِمُ شَرِيكَهُ؛ لِأَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْوَقْفِ وَبَعْدَ الْمَوْتِ إِلَى وَصِيَّةٍ،

[۲] اور دوسری بات کہ مشترک زمین ہو تو امام محمدؒ کے نزدیک اس کا وقف ہی نہیں ہوگا، جب تک کہ اس کو تقسیم کر کے وقف نہ کرے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کے یہاں مشترک زمین کو بھی وقف کیا جاسکتا ہے، اس لئے امام ابو یوسفؒ کے مسلک پر یہ ہوگا واقف اس زمین کو تقسیم کرائے اور وقف کو مکمل کرے۔

وجہ: (۱) یہ اس کا اپنا حق ہے اور یہ بدلہ نہیں ہے بلکہ اپنے حصے کو الگ کرنا ہے اس لئے جائز ہوگا۔ (۲) یقول کان ابو طلحہ اکثر الانصار بالمدينة مالا من نخل..... انی اری ان تجعلها فی الاقربین قال ابو طلحہ افعل ذالک یا رسول اللہ فقسمها ابو طلحہ فی اقاربه و بنی عمه۔ (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضاً ولم یبن الحد ودفن جاز وکذا الک الصدقة، ص ۴۵۸، نمبر ۶۹۲۷) اس حدیث میں حضرت ابو طلحہؓ نے وقف کی زمین کو تقسیم کی ہے۔

ترجمہ: ۲: بہر حال وقف کا تقسیم کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اس میں اپنے مال سے دوسرے کے مال کو علیحدہ کرنا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کیلی اور وزنی چیز کے علاوہ میں مبادلے کا معنی غالب ہے، لیکن وقف میں ہم نے وقف کو دیکھتے ہوئے علیحدہ کرنے کے معنی کو غالب کیا ہے، اس لئے اس میں بیع اور مالک بنانا نہیں ہوگا۔

لغت: افراز: دوسرے کے مال سے اپنے مال کو الگ کرنا۔ بیع اپنے مال کو دیکر دوسرے کے مال کو لینا۔

تشریح: یہاں ایک قاعدے پر بحث ہے۔ تقسیم کے دو معنی ہیں [۱] ایک یہ ہے کہ اپنی کچھ زمین دیکر شریک کی کچھ زمین لے۔ جس کو بیع کہتے ہیں، وقف میں یہ جائز نہیں ہے [۱] اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اپنی زمین شریک کی زمین سے الگ کر لی، جس کو افراز کہتے ہیں، یہ جائز ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ زمین وغیرہ کو تقسیم کرے تو اس میں بیع کا معنی ہی غالب ہے، اور یہ وقف کی زمین میں جائز نہیں ہے، اس لئے ہم اس کو افراز الگ کرنے کے معنی میں لیں گے، تاکہ جائز ہو جائے۔

ترجمہ: ۳: پھر اگر وقف کرنے والے نے اپنی زمین میں سے اپنے حصے کو وقف کیا تو شریک سے وہی تقسیم کرائے گا، اس لئے کہ واقف کو تقسیم کرانے کا حق ہے، اور واقف کے مرنے کے بعد اس کے وصی کو اس کا حق ہے۔

تشریح: زید اور عمر کا ایک زمین میں حصہ تھا، زید نے اپنا حصہ وقف کر دیا تو زید کو حق ہے کہ اپنا حصہ عمر سے تقسیم کرائے، اور اس کو وقف کر دے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ واقف کو یہ حق ہے کہ اس کو تقسیم کرائے، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وصی کو تقسیم کرانے کا حق ہے۔

۴. وَإِنْ وَقَفَ نِصْفَ عَقَارٍ خَالِصٍ لَهُ فَالَّذِي يُقَاسِمُهُ الْقَاضِي ۵. أَوْ يَبِيعُ نَصِيبَهُ الْبَاقِي مِنْ رَجُلٍ، ثُمَّ يُقَاسِمُهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ يَشْتَرِي ذَلِكَ مِنْهُ لِأَنَّ الْوَاحِدَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُقَاسِمًا وَمُقَاسَمًا، ۶. وَلَوْ كَانَ فِي الْقِسْمَةِ فَضْلٌ دَرَاهِمَ إِنْ أُعْطِيَ الْوَاقِفَ لَا يَجُوزُ لِمَتَنَاعِ بَيْعِ الْوَقْفِ، وَإِنْ أُعْطِيَ الْوَاقِفَ جَازٌ وَيَكُونُ بِقَدْرِ الدَّرَاهِمِ شِرَاءً.

ترجمہ: ۴. اور اگر اپنی خالص زمین میں سے آدمی زمین کو وقف کیا تو قاضی اس کو تقسیم کرائے گا۔

تشریح: یہاں ایک قاعدہ بیان کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ خود ایک آدمی اپنی زمین کو تقسیم نہیں کر سکتا، تقسیم کرنے کے لئے دوسرا آدمی تقسیم کروانے والا چاہئے۔ اب اپنی زمین وقف کیا تو قاضی اس کی زمین کو تقسیم کرائے گا، تاکہ ایک ہی آدمی تقسیم کر کے لینے والا اور تقسیم کر کے دینے والا نہ ہو۔

ترجمہ: ۵. دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے باقی حصے کو کسی آدمی سے بیچ دے، پھر خریدنے والا اس کو تقسیم کرائے، پھر وقف کرنے والا مشتری سے اپنا حصہ خرید لے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی آدمی تقسیم کر کے لینے والا اور تقسیم کر کے دینے والا نہیں ہو سکتا ہے۔

تشریح: چونکہ ایک ہی آدمی تقسیم کرنے والا اور تقسیم کر کے لینے والا نہیں ہو سکتا اس لئے دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے آدھا تو پہلے وقف کر چکا تھا، اور باقی آدھے کو عمر کے ہاتھ میں بیچ دے، اور عمر اپنا حصہ لینے کے لئے تقسیم کرائے، اور بعد میں زید عمر سے خرید لے۔

نوٹ: آج کل کے زمانے میں زید وقف کی زمین تقسیم کر کے دے سکتا ہے، اس لئے یہ حیلہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶. اگر تقسیم میں درہم کے طور پر زیادہ دیا تو اگر وقف کرنے والے نے درہم دیا تو جائز نہیں ہے، کیونکہ وقف کو بیچنا جائز نہیں ہے، اور اگر وقف کرنے والے نے درہم دیا تو جائز ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ درہم سے خرید کر کچھ اور زمین وقف کیا۔

تشریح: اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں۔ وقف کی زمین کو خریدنے کی صورت ہو جائز ہے۔ اور بیچنے کی صورت ہو جائز نہیں ہے۔ زید نے اپنی زمین تقسیم کی جس کے بدلے میں شریک کو زمین زیادہ گئی اور اس کے بدلے میں شریک نے زید کو پیسہ دیا تو یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ گویا کہ زید نے وقف کی کچھ زمین کو بیچا، اور وقف کی زمین کو بیچنا جائز نہیں ہے، اس لئے یہ پیسہ لینا جائز نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے زید کو زیادہ زمین ملی، جس کے بدلے میں زید نے کچھ پیسہ دیا، تو یہ سمجھا جائے گا زید نے پیسہ دیکر کچھ زیادہ زمین خریدا اور وقف کیا، یہ نہیں ہوا کہ وقف کی زمین کو بیچا، اس لئے یہ صورت جائز ہوگی۔ اس عبارت کو نور سے سمجھیں۔

(۳۰۳۸) قَالَ: وَالْوَاجِبُ أَنْ يُبْتَدَأَ مِنْ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ شَرَطَ ذَلِكَ الْوَاقِفُ أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ
 ۱. لِأَنَّ قَصْدَ الْوَاقِفِ صَرْفُ الْعَلَّةِ مُؤَبَّدًا، وَلَا تَبْقَى دَائِمَةً إِلَّا بِالْعِمَارَةِ فَيُثْبِتُ شَرَطَ الْعِمَارَةِ اقْتِضَاءً
 ۲. وَلِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ وَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ، فَإِنَّهَا عَلَى الْمُوصَى لَهُ بِهَا.

ترجمہ: (۳۰۳۸) واجب ہے کہ شروع کرے وقف کے منافع سے اس کی مرمت، واقف نے شرط لگائی ہو اس کی یا نہ لگائی ہو۔

ترجمہ: اس لئے کہ وقف کرنے والے کا مقصد ہے کہ ہمیشہ غلہ ملتا رہے اور مرمت کے بغیر ہمیشہ نہیں ملے گا اس لئے مرمت کی شرط اقتضاء ثابت ہے۔

تشریح: وقف کرنے والے نے چاہے یہ شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو کہ اس کا نداد کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کی جائے گی۔ پھر بھی وقف کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کرنا ضروری ہے۔

وجہ: (۱) واقف کا مقصد ہے کہ وقف کی چیز ہمیشہ رہے۔ اور یہ اسی شکل میں ممکن ہے جب وقف کے ٹوٹ پھوٹ کو مرمت کرتا رہے ورنہ وہ جلدی ختم ہو جائے گا۔ اسلئے وقف کے منافع سے پہلے مرمت کا کام کرنا ضروری ہے (۲) حضرت عمر کے وقف کرنے کی لمبی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ عن ابن عمر ... لا جناح علی من ولیھا ان يأکل منها بالمعروف او یطعم صدیقاً غیر متمول (بخاری شریف، باب الوقف کیف یکتب ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۲) اس حدیث میں ہے کہ نگراں مناسب انداز سے کھا سکتا ہے کیونکہ وہ کام کرتا ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے نفع سے مرمت بھی کرائے گا (۳) حضورؐ کے چھوڑے ہوئے وراثت کے سلسلے میں حدیث یہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ لا تقسم ورثتی دینار او لا درهما ما ترک بعد نفقة نسائی ومؤنة عاملی فهو صدقة (بخاری شریف، باب نفقة التیم للوقف ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۶) اس حدیث میں ہے کہ میرے کام کرنے والے کے خرچ کے بعد صدقہ ہے تو معلوم ہوا کہ وقف پر کام کرنے والے کا خرچ نفع میں سے نکالا جائے گا تو اس پر قیاس کرتے ہوئے مرمت کا خرچ بھی نفع سے نکالا جائے گا ورنہ تو وقف ہمیشہ نہیں رہ سکے گا۔

ترجمہ: ۲ اور اس لئے کہ نفع حاصل کرنے کی وجہ سے مرمت بھی لازم ہوگی، اور غلام کو خدمت کرنے کی وصیت کی تو اس کا نفقہ بھی اس پر ہوگا، جس کی خدمت کی وصیت کی ہے۔

تشریح: مرمت کرنے کے لئے یہاں دو دلیلیں دی ہیں [۱] خراج بالضممان، یہ محاورہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو فائدہ حاصل کرتا ہے اس کا خرچ فائدہ حاصل کرنے والے پر لازم ہوتا ہے۔ [۲] اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مثلاً زید نے یہ وصیت کی میرا غلام عمر کی خدمت کرے گا تو غلام کا نفقہ بھی عمر پر لازم ہوگی، اسی طرح وقف کی مرمت بھی وقف کے مال ہی سے نکالا جائے گا۔

۴ ثُمَّ إِنْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ لَا يَطْفَرُ بِهِمْ، وَأَقْرَبُ أَمْوَالِهِمْ هَذِهِ الْغَلَّةُ فَتَجِبُ فِيهَا. ۴ وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى رَجُلٍ بَعِيْنِهِ وَآخِرُهُ لِلْفُقَرَاءِ فَهُوَ فِي مَالِهِ: أَيِّ مَالٍ شَاءَ فِي حَالِ حَيَاتِهِ. وَلَا يُؤْخَذُ مِنَ الْغَلَّةِ؛ لَأَنَّهُ مُعَيَّنٌ يُمَكِّنُ مُطَالَبَتَهُ، ۵ وَإِنَّمَا يَسْتَحِقُّ الْعِمَارَةَ عَلَيْهِ بِقَدْرِ مَا يَبْقَى الْمَوْقُوفُ عَلَى الصَّفَةِ الَّتِي وَقَفَهُ، ۶ وَإِنْ خَرِبَ يَبْنِي عَلَى ذَلِكَ الْوَصْفِ؛ لِأَنَّهَا بِصِفَتِهَا صَارَتْ غَلَّتُهَا مَصْرُوفَةً إِلَى الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ. فَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلَى ذَلِكَ فَلَيْسَتْ بِمُسْتَحَقَّةٍ عَلَيْهِ وَالْغَلَّةُ مُسْتَحَقَّةٌ فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهَا إِلَى شَيْءٍ آخَرَ إِلَّا بِرِضَاهُ،

ترجمہ: ۴ اگر فقراء پر وقف ہے، اور اس کی تعداد اتنی ہے کہ ان خرچ لینا مشکل ہے، اور ان سے قریب تر غلہ یہی وقف کی آمدنی ہے تو اسی آمدنی میں مرمت کا خرچ ہوگا۔

تشریح: جن فقراء پر وقف کیا ان کی تعداد اتنی ہے کہ ان سے خرچ لینا مشکل ہے، اور وقف کا جو غلہ ہے اس کو مرمت میں خرچ کیا جاسکتا ہے تو اسی غلہ کو خرچ کیا جائے گا۔

وجہ: فقراء سے لینا مشکل ہو تو غلے ہی سے خرچ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۵ اور اگر کسی خاص آدمی پر وقف کیا تھا، کہ اس کے بعد فقراء پر وقف ہوگا تو اس آدمی کی زندگی میں جس مال سے چاہے مرمت میں خرچ کرے، اور غلے سے لینے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ یہاں آدمی متعین ہے اس لئے اس سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

تشریح: اگر متعین آدمی پر وقف کیا تھا تو اس کے مال ہی سے مرمت کا خرچ لیا جائے گا، پھر غلے سے لینے کی ضرورت نہیں ہے۔
ترجمہ: ۶ وقف کی جو حالت پہلے تھی اتنا ہی مرمت کرانے کا مستحق ہوگا۔

تشریح: وقف کرتے وقت عمارت کی جو حالت تھی اسی حالت کے مطابق مرمت کر سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ یوں کر دے خرچ نہیں، لیکن قانونی طور پر وہ اتنے ہی کا مستحق ہے

وجہ: وقف کو اسی حالت پر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے جس حالت پر وقف کیا تھا اس لئے اسی حالت تک برقرار رکھنے کا مستحق ہے۔

ترجمہ: ۷ اگر وقف کی عمارت خراب ہو گئی تو اسی صفت پر بنائی جاسکتی ہے جس پر وہ پہلے تھی، اور اس کا غلہ وقف پر خرچ کیا جائے گا، اس سے زیادہ کا وہ مستحق نہیں ہے، اور غلے کا حقدار وہ ہے جس پر وقف کیا تھا، اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر دوسری چیز پر خرچ نہیں کی جائے گی۔

۱۔ وَلَوْ كَانَ الْوَقْفُ عَلَى الْفُقَرَاءِ فَكَذَلِكَ عِنْدَ الْبَعْضِ، وَعِنْدَ الْآخَرِينَ يَجُوزُ ذَلِكَ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ لِأَنَّ الصَّرْفَ إِلَى الْعِمَارَةِ ضَرُورَةٌ إِبْقَاءِ الْوَقْفِ وَلَا ضَرُورَةٌ فِي الزِّيَادَةِ.

(۳۰۳۹) قَالَ: فَإِنْ وَقَفَ دَارًا عَلَى سُكْنَى وَلَدِهِ فَالْعِمَارَةُ عَلَى مَنْ لَهُ سُكْنَى ۱۔ لِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ عَلَى مَا مَرَّ فَصَارَ كَنَفَقَةِ الْعَبْدِ الْمُوصَلِي بِخِدْمَتِهِ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وقف کرتے وقت عمارت کی جو حالت تھی اسی حالت پر بنانے کا مستحق ہے، اس سے زیادہ جو غلہ ہے وہ فقراء کا ہے، یا اس آدمی کا ہے جس پر وقف کیا گیا ہے اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر زیادہ خرچ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: اگر وقف کی عمارت خراب ہوگئی، تو وقف کرتے وقت اس عمارت کی جو حالت تھی اتنی بنائی جائے گی، اس سے زیادہ جو غلہ ہے وہ فقراء کا ہے، یا اس آدمی کا ہے جس پر وقف ہوا تھا اس لئے اس کی رضامندی کے بغیر زیادہ خرچ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لغت: خراب: عمارت کا خراب ہونا، ویران ہونا۔ موقوف علیہ: جس پر وقف کیا تھا۔

ترجمہ: ۱۔ اور اگر فقراء پر وقف ہو تب بھی بعض علماء کے نزدیک یہی حکم ہے [کہ اس کی رضامندی کے بغیر پہلی حالت سے زیادہ نہیں بنائی جائے گی] اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے زیادہ بنائی جاسکتی ہے، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ وقف کو اپنی حالت پر باقی رکھنے کے لئے مرمت پر خرچ کیا جاتا ہے، اور زیادہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے زیادہ خرچ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: کسی خاص آدمی پر وقف نہ ہو بلکہ عام فقراء پر وقف ہو تو بعض علماء نے فرمایا کہ پہلی حالت سے زیادہ نہیں بنا سکتے، اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ پہلی حالت سے زیادہ بھی وقف کے غلے سے بنا سکتے ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ فقیروں کے کام آسکے، لیکن پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ عمارت کو پہلی حالت پر رکھنے کی ضرورت ہے، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے اس سے زیادہ خرچ کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ البتہ کوئی کر دے تو ثواب ملے گا، اگرچہ اس سے زیادہ کا مستحق نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۳۹) اگر وقف کیا گھر اپنی اولاد کی رہائش کے لئے تو مرمت کرنا اس پر ہے جس کے لئے رہائش ہے۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے ضمان کے مطابق خراج بھی لازم ہوتا ہے، اس لئے جس کے لئے غلام کی خدمت کی وصیت کی اسی پر اس کا نفقہ بھی لازم ہوگا، کی طرح ہو گیا۔

تشریح: کسی مخصوص آدمی کی رہائش کے لئے گھر وقف کیا تو گھر کا کرایہ وغیرہ تو نہیں آئے گا اس لئے اس گھر کی مرمت کی

(۳۰۴۰) فَإِنْ أَمْتَنَعَ مِنْ ذَلِكَ، أَوْ كَانَ فَقِيرًا آجَرَهَا الْحَاكِمُ وَعَمَّرَهَا بِأَجَرَتِهَا، وَإِذَا عَمَّرَهَا رَدَّهَا إِلَى مَنْ لَهُ الشُّكْنَىٰ ۚ لِأَنَّ فِي ذَلِكَ رِعَايَةَ الْحَقِّينِ حَقَّ الْوَاقِفِ وَحَقَّ صَاحِبِ الشُّكْنَىٰ، لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يُعَمَّرْهَا تَفَوُّثُ الشُّكْنَىٰ أَصْلًا، وَالْأَوَّلُ أَوَّلَىٰ،

ذمہ داری رہنے والے کے اوپر ہے۔ وہ اپنی آمدنی سے اس کی مرمت کروائے۔

وجہ: (۱) جب وہ رہ رہا ہے تو اخراج بالضمان کے تحت اس پر ہی مرمت کی ذمہ داری ہوگی (۲) جس طرح خدمت کا غلام ہو تو اس غلام کا کھانا خرچ خدمت کرانے والے پر ہوتا ہے اسی طرح گھر کی مرمت رہنے والے پر ہوگی۔ (۳) اور رشتہ داروں پر گھر وقف کرنے کی حدیث یہ ہے۔ سمع انس بن مالک ... قال ابو طلحة افعل ذلك يا رسول الله ! فقسّمها ابو طلحة في اقاربه وبنی عمه (بخاری شریف، باب اذا وقف ارضاً ولم یبین الحدود فهو جائز وکذا لک الصدقة ص ۳۸۸ نمبر ۲۹۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کے لئے بھی وقف کر سکتا ہے۔

لغت: شکنی : رہائش۔

ترجمہ: (۳۰۴۰) اگر مرمت کرنے سے رک جائے یا فقیر ہو تو اجرت پردے گا اس کو حاکم اور اس کی مرمت کرائے گا اس کی اجرت سے، پس جب مرمت ہوگئی تو اس کو واپس کر دے اس کی طرف جس کی رہائش ہے۔

تشریح: جس کو رہنے کے لئے دیا ہے وہ مرمت نہیں کرارہا ہے۔ یا فقیر ہے جس کی وجہ سے مرمت کرنا مشکل ہے تو اس کی صورت یہ کی جائے گی کہ اس مکان کو دوسرے کو کرائے پر حاکم دے گا اور کرایہ سے اس کی مرمت کرائے گا، پس جب مرمت کرا کر پہلی حالت پر مکان آجائے تو دوبارہ اس مکان کو اس فقیر کو دے دیگا جس پر واقف نے وقف کیا تھا۔

وجہ: (۱) رہنے والا آدمی مرمت نہیں کرارہا ہے اور اس کی مرمت کرنا بھی ضروری ہے تو یہی شکل نکل سکتی ہے کہ دوسروں کو کرایہ پر دیدے اور اس سے جو آمدنی آئے اس سے مرمت کرائے۔ اور مرمت کرانے کے بعد کرایہ پر دینے کی ضرورت نہیں رہی اور موقوف علیہ کا حق مقدم ہے اس لئے دوبارہ اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

لغت: آجر: اجرت پر دینا۔ عمر: تعمیر سے مشتق ہے، عمارت تعمیر کرنا۔

ترجمہ: ۱: اس لئے کہ تعمیر کرنے میں دونوں کے حقوق کی رعایت کرنا ہے، واقف کے حق کا بھی اور جو اس گھر میں رہتا ہے اس کے حق کا بھی، اس لئے کہ اگر تعمیر نہ کرے تو رہائش کے قابل ہی نہیں رہے گا، اس لئے تعمیر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح: گھر کی اجرت سے اس کی تعمیر کرنے میں واقف کا بھی فائدہ ہے کہ چیز محفوظ رہے گی، اور رہنے والے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو دوبارہ رہنے کے لئے ملے گا، اس لئے اجرت سے گھر کی تعمیر کرائی جائے گی۔

۲. وَلَا يُجْبَرُ الْمُتَمَنِّعُ عَلَى الْعِمَارَةِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِتْلَافٍ مَالِهِ فَأَشْبَهَ امْتِنَاعَ صَاحِبِ الْبُذْرِ فِي الْمُزَارَعَةِ فَلَا يَكُونُ امْتِنَاعُهُ رِضًا مِنْهُ بِبُطْلَانِ حَقِّهِ لِأَنَّهُ فِي حَيْزِ التَّرَدُّدِ، ۳. وَلَا تَصِحُّ إِجَارَةُ مَنْ لَهُ الشُّكْنَى لِأَنَّهُ غَيْرُ مَالِكٍ. (۳۰۴۱) قَالَ: وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَآلَتِهِ إِلَّا صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِي عِمَارَةِ الْوَقْفِ إِنْ احتَاجَ إِلَيْهِ، وَإِنْ اسْتَغْنَى عَنْهُ أُمْسَكَهُ حَتَّى يَحْتَاجَ إِلَى عِمَارَتِهِ فَيَصْرِفَهُ فِيهِمَا؛ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْعِمَارَةِ لِيَبْقَى عَلَى التَّأْيِيدِ فَيَحْصُلَ مَقْصُودُ الْوَقْفِ.

ترجمہ: ۲. اور رہنے والا تعمیر نہ کرے اس کو تعمیر کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ظاہری طور پر اپنے مال کو ضائع کرنا ہے، اس لئے بھیتی کرنے میں بیج والا بیج ڈالنے سے رک جائے اس کے مشابہ ہو گیا، اس لئے تعمیر سے رکنا اپنے حق کو باطل کرنے کی رضامندی نہیں ہے، کیونکہ وہ تردد میں ہے۔

اصول: گھر کی تعمیر پر خرچ کرنا ایک قسم کا اپنا ضائع کرنا ہے، اس لئے رہنے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تشریح: رہنے والا خود تعمیر نہیں کراتا تو قانونی اعتبار سے اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

وجہ: اپنا پیسہ دوسرے کے گھر میں لگانا ایک قسم کا مال ضائع کرنا ہے، کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ قاضی خود اس گھر کی تعمیر کرا دے، اس لئے رہنے والے کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں، کہ بٹائی پر کاشتکاری کرنے والا اگر اپنا بیج زمین میں نہ ڈالے تو اس کو مجبور نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ غلہ اس میں اگے یا نہ اگے اس کی کیا گرانٹی ہے؟ اسی طرح یہاں رہنے والے کو تعمیر کرانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لغت: فلا یكون امتناع رضامنه بطلان حقه لانه في حيز التردد۔ یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ، وقف کے گھر میں رہنے والے کو اس بات کا خیال ہے کہ قاضی اس مکان کو بنا کر دے گا اس لئے وہ مکان کی مرمت نہیں کر رہا ہے۔ اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ رہنے والا چونکہ تردد میں ہے اس لئے مرمت نہ کرنے کی وجہ سے گھر میں رہنے کا حق باطل نہیں ہو گا، بلکہ گھر تیار ہونے کے بعد دوبارہ اس کو رہنے دیا جائے گا۔

ترجمہ: ۳. جس کو رہنے کے لئے دیا ہے وہ دوسرے کو اجرت پر نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ اس گھر کا مالک نہیں ہے۔

تشریح: جس کو گھر میں رہنے کے لئے دیا تھا وہ گھر کو اجرت پر رکھنا چاہے تو نہیں رکھ سکتا، کیونکہ وہ گھر کا مالک نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴۱) جو کچھ گرجائے وقف کی عمارت سے اور اسکے آلے سے تو حاکم اس کو صرف کرے گا وقف کی مرمت کرانے میں اگر اسکی ضرورت ہو۔ اور اگر اسکی ضرورت نہ ہو تو رکھ لے یہاں تک کہ اسکی مرمت کی ضرورت ہوتا کہ اس میں اس کو صرف کرے۔

ترجمہ: ۱. مرمت کرنا ضروری ہے تاکہ وقف ہمیشہ باقی رہے، اور واقف کا مقصود حاصل ہو۔

۲. فَإِنْ مَسَّتْ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ فِي الْحَالِ صَرَفَهَا فِيهَا، وَإِلَّا أَمْسَكَهَا حَتَّى لَا يَتَعَذَّرَ عَلَيْهِ ذَلِكَ أَوْ أَنَّ الْحَاجَةَ فَيَبْطُلُ الْمَقْصُودُ، ۳. وَإِنْ تَعَذَّرَ إِعَادَةُ عَيْنِهِ إِلَى مَوْضِعِهِ بَيْعَ وَصَرَفَ ثَمَنَهُ إِلَى الْمَرْمَةِ صَرَفًا لِلْبَدَلِ إِلَى مَصْرِفِ الْمُبْدَلِ.

(۳۰۴۲) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَقْسِمَهُ [يَعْنِي النَّقْضَ] بَيْنَ مُسْتَحَقِّي الْوَقْفِ

تشریح: اگر وقف کی عمارت سے اینٹ، لکڑی وغیرہ گرا لگ ہو جائے تو ان کو اسی وقف کی مرمت میں استعمال کرے۔ اور اگر ابھی استعمال کی ضرورت نہ ہو تو اس کو رکھے رہے تاکہ جب اس کی ضرورت ہو اس وقت یہ گری ہوئی چیزیں استعمال کرے۔
ترجمہ: ۲. اگر ابھی اس گری ہوئی چیز کو لگانے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کو لگائے، ورنہ اس کو رکھ لے تالہ ضرورت کے وقت مشکل نہ ہو اور مقصد باطل نہ ہو جائے۔

تشریح: اگر وقف کی عمارت سے گری ہوئی چیز کو ابھی لگانے کی ضرورت نہ ہو تو اس کو حفاظت سے رکھ دے تاکہ آئندہ اس کی ضرورت ہو تو اس کو لگا سکے۔

ترجمہ: ۳. گرے ہوئے ٹکڑے کو اپنی پہلی جگہ پر لوٹانا مشکل ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا اور اس کی قیمت کو مرمت میں خرچ کیا جائے گا تاکہ گرے ہوئے کے بدلے میں اس کی قیمت خرچ ہو جائے۔

تشریح: وقف کی عمارت سے جو کچھ گری اس کو دوبارہ عمارت میں لگانا مشکل ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا، اور اس کی قیمت مرمت میں لگائی جائے گی، تاکہ گرے ہوئے کے بدلے میں اس کی قیمت خرچ ہو جائے۔

وجہ: (۱) ضرورت نہ ہو تو وقف کا مال بیچ سکتا ہے۔ دخل شيبه بن عثمان الحجبى على عائشة فقال يا ام المؤمنين ان ثياب الكعبة تجتمع علينا فتكثر فنعمد الى ابار فنحتفرها فنعمقها ثم ندفن ثياب الكعبة فيها كيلا يلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثياب الكعبة اذا نزعتم منها لم يضرها ان يلبسها الجنب والحائض ولكن بعها واجعل ثمنها في المساكين وفي سبيل الله قالت فكان شيبه بعد ذلك يرسل بها الى اليمن فتباع هناك ثم يجعل ثمنها في المساكين وفي سبيل الله وابن السبيل (سنن للبيهقي، باب ماجاء في مال الكعبة وكسوتها، ج خامس، ص ۲۶۰، نمبر ۹۷۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴۲) گری ہوئی چیز کو وقف کے مستحقوں کے درمیان تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۔ لَئِنَّهُ جُزْءٌ مِّنَ الْعَيْنِ وَلَا حَقَّ لِّلْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ فِيهِ: وَإِنَّمَا حَقُّهُمْ فِي الْمَنَافِعِ، وَالْعَيْنُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَصْرِفُ إِلَيْهِمْ غَيْرَ حَقِّهِمْ.

(۳۰۴۳) قَالَ وَإِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهِ أَوْ جَعَلَ الْوَلَايَةَ إِلَيْهِ جَاَزَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ یہ عین وقف کا جز ہے اور جن پر وقف کیا اس کا حق عین میں نہیں ہے، صرف اس کے منافع میں ان کا حق ہے، عین تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس لئے موقوف علیہ کو ان کے حق کے علاوہ نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: وقف کی عمارت سے جو چیز فالتو ہو گئی ہیں اس کو ان لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا جن لوگوں کیلئے وہ عمارت وقف کی گئی ہے۔

وجہ: (۱) مستحقوں کا حق نفع میں ہے، عین شیء میں نہیں ہے۔ اور یہ عین شیء ہے اس لئے اس کو ان کے درمیان تقسیم نہ کرے۔ اور گری ہوئی چیز کو بر باد بھی نہیں کر سکتے اس لئے اس کو ضرورت کے موقع کے لئے محفوظ رکھے (۲) احادیث میں ہے کعبہ کے باقی ماندہ چیزوں کو مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کیا بلکہ اس کی مرمت کے لئے محفوظ رکھا۔ عن ابی وائل قال جلست الی شعبة فی هذا المسجد قال جلس الی عمر فی مجلسک هذا فقال هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمتھا بین المسلمین قلت ما انت بفاعل قال لم قلت لم یفعله صاحبک قال هما المرآن یقتدی بهما (بخاری شریف، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ ص ۱۰۸۰ نمبر ۷۲۷، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة) اس حدیث میں کعبہ کا ہدیہ جو وقف میں سے تھا لوگوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ وقف کی عمارت سے گری ہوئی لکڑی وغیرہ بھی مستحقین کے درمیان تقسیم نہیں کرے گا (۳) دخل شعبة بن عثمان الحجبي علی عائشة فقال یا ام المؤمنین ان ثیاب الکعبة تجتمع علینا فتکثر فنعمد الی ابار فنحفرها فنعمقها ثم ندفن ثیاب الکعبة فیها کیلا یلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثیاب الکعبة اذا نزعتم منها لم یضرها ان یلبسها الجنب والحائض ولكن بعها واجعل ثمنها فی المساکین وفي سبیل الله قالت فكان شعبة بعد ذلك یرسل بها الی الیمن فتباع هناك ثم یجعل ثمنها فی المساکین وفي سبیل الله وابن السبیل (سنن للبیہقی، باب ماجاء فی مال الکعبة وکسوتها، ج ۵ ص ۲۶۰، نمبر ۹۷۳۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔

لغت: بنقض؛ ٹوٹی ہوئی چیز۔

ترجمہ: (۳۰۴۳) اگر وقف کرنے والا وقف کی آمدنی اپنے لئے کر لے یا اس کی نگرانی اپنے لئے کر لے تو امام ابو یوسفؒ

کے نزدیک جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں [۱] پہلا مسئلہ۔ واقف نے وقف تو کیا لیکن یہ بھی شرط لگائی کہ اس کی کچھ آمدنی میں بھی استعمال میں لاؤں گا تو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ [۲] دوسرا مسئلہ۔ اسی طرح اس نے یہ شرط لگائی کہ اس کی ولایت میں کروں گا اور میں خود اس کا نگران ہوں گا تو یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ عن انس ان النبی ﷺ رأى رجلا يسوق بدنة فقال له اربكها فقال يا رسول الله انها بدنة فقال في الثالثة او في الرابعة ويلك او ويحك۔ (بخاری شریف، باب هل يتفق الواقف بوقفه ص ۳۸۵ نمبر ۲۷۵) اس حدیث میں وقف کے اونٹ پر مالک کو سوار ہونے کی ترغیب دی جس سے معلوم ہوا کہ وقف کے مال کو خود بھی استعمال کر سکتا ہے (۲) فقال رسول الله ﷺ من يشتريها من خالص ماله فيكون دلوه فيها كدلاء المسلمين وله خير منها في الجنة (دارقطنی، باب وقف المساجد والبقایات ج ۴ ص ۳۳۹ نمبر ۴۳۹) بخاری شریف، باب اذا وقف ارضا او بئر او اشترى لنفسه مثل دلاء المسلمين ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۸) اس حدیث میں کہا کہ کنواں خریدے اور خریدنے والا بھی عام مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ ڈول نکالے جس سے معلوم ہوا کہ وقف کرنے والا وقف کے مال کو استعمال کر سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وقف کی نگرانی اپنے ذمہ لے تو لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ لے سکتا ہے۔

وجہ: (۱) اخبرني ليث عن يحيى بن سعيد عن صدقة عمر بن الخطاب ... والمائة سهم الذي بخير وريقه الذي فيه والمائة التي اطعمه محمد بالوادى تليه حفصة معاشرت ثم يليه ذو الرأي من اهلها ان لا يباع ولا يشتري ينفعه حيث رأى من السائل والمحروم وذو القربى ولا حرج على من وليه ان اكل او اكل او اشتري رقيقا منه (ابوداؤد شریف، باب ما جاء في الرجل يوقف الوقف ج ۲ ص ۲۸۷ نمبر ۲۸۷) دارقطنی، کتاب الاحباس ج ۴ ص ۱۱۷ نمبر ۴۳۷) اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے پہلے حصہ کو وقف کا نگران بنایا پھر اہل رائے کو بنایا اور اس کی تصریح کر دی۔ (۲) ان کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ اخبرني غير واحد من آل عمر وآل علي ان عمر ولي صدقته حتى مات وجعلها بعده الى حفصة وان عليا ولي صدقته حتى مات ووليتها بعده حسن بن علي وان فاطمة بنت رسول الله وليت صدقتها حتى ماتت وبلغني عن غير واحد من الانصار انه ولي

۱۔ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: ذَكَرَ فَضْلَيْنِ شَرَطَ الْغَلَّةَ لِنَفْسِهِ وَجَعَلَ الْوَلَايَةَ إِلَيْهِ. أَمَّا الْأَوَّلُ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَلَا يَجُوزُ عَلَى قِيَاسٍ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ هِلَالٍ الرَّازِيِّ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ. ۲۔ وَقِيلَ إِنَّ الْاِخْتِلَافَ بَيْنَهُمَا بِنَاءً عَلَى الْاِخْتِلَافِ فِي اشْتِرَاطِ الْقَبْضِ وَالْإِفْرَازِ. وَقِيلَ هِيَ مَسْأَلَةٌ مُبْتَدَأَةٌ،

صدقته حتی مات قال فی القديم وولی الزبیر صدقته حتی قبضه الله وولی عمر بن العاص صدقته حتی قبضه الله وولی المسور بن مخرمة صدقته حتی قبضه الله (سنن للبیہقی، باب جواز الصدقة المحرمة وان لم تقبض، ج ۶ ص ۲۶۷، نمبر ۱۱۹۰۲) اس اثر میں اتنے سارے صحابہ نے اپنے وقف کی نگرانی خود کی ہیں۔ اس لئے خود وقف کی نگرانی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف اپنے استعمال کے لئے شرط لگائے تو نہیں لگا سکتا۔

وجہ: (۱) اوپر یہ قاعدہ گزرا کہ امام محمدؒ کے نزدیک متولی کو وقف کا مال سپرد کرنا ضروری ہے، جب سپرد کرنا ضروری ہے تو پھر اپنے پاس اس کو کیسے رکھ سکتا ہے۔ (۲) وقف کے بعد یہ مال اللہ کا ہو گیا اس لئے اب اپنے استعمال کرنے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے (۳) حدیث میں صدقہ کو واپس کرنے سے منع کیا ہے۔ اور وقف کا مال ایک قسم کا صدقہ ہے اس لئے اس کو دوبارہ استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ ان عمر حمل علی فرس له فی سبیل الله اعطاها رسول الله فحمل علیها رجلا فاخبر عمر انه قد وقفها بیعها فسأل رسول الله ان یتباعها فقال لا یتباعها ولا ترجع فی صدقتک (بخاری شریف، باب وقف الدواب والکراع والعروض والصامت ص ۳۸۹ نمبر ۲۷۷۵) اس حدیث میں صدقہ واپس کرنے سے حضورؐ نے منع فرمایا۔ اس لئے وقف کو خود استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو باتیں ذکر کی ہیں [۱] ایک ہے اپنے لئے غلے کی شرط لگانا، اور دوسرا ہے اپنے لئے وقف کی نگرانی لینا۔ بہر حال پہلا [یعنی اپنے لئے غلے کی شرط رکھنا] تو یہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر جائز ہے، اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ امام محمدؒ کے یہاں جائز نہ ہو، اور حضرت ہلال رازیؒ کا قول بھی یہی ہے، اور امام شافعیؒ نے بھی یہی فرمایا۔

تشریح: یہاں دو باتیں ہیں [۱] ایک ہے یہ شرط لگانا کہ وقف کے مال میں سے میں بھی کھاؤں گا، اس بارے میں امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ یہ شرط لگانا جائز ہے۔ اور قیاس تقاضہ یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہ ہو، یہی رائے حضرت ہلال رازیؒ کا ہے، اور امام شافعیؒ کی بھی رائے یہی ہے۔

لغت: ہلال الرازی: یہ ہلال بن یحییٰ بن مسلم البصری، الرائی ہیں۔

ترجمہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ قبضہ دینا، اور الگ کرنے کی شرط پر ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اس سے بالکل الگ ہے۔

۳ وَالْخِلَافَ فِيمَا إِذَا شَرَطَ الْبَعْضَ لِنَفْسِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ، وَفِيمَا إِذَا شَرَطَ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ فِي حَيَاتِهِ وَبَعْدَ مَوْتِهِ لِلْفُقَرَاءِ سِوَاءً؛ ۴ وَلَوْ وَقَفَ وَشَرَطَ الْبَعْضَ أَوْ الْكُلَّ لِلْمَهَاتِ أَوْ لِأَدَمٍ وَمُدَبَّرِيهِ مَا دَامُوا أَحْيَاءً، فَإِذَا مَاتُوا فَهُوَ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ، فَقَدْ قِيلَ يَجُوزُ بِالِاتِّفَاقِ، وَقَدْ قِيلَ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ أَيْضًا وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ اشْتِرَاطَهُ لَهُمْ فِي حَيَاتِهِ كَاشْتِرَاطِهِ لِنَفْسِهِ. ۵ وَجَهٌ قَوْلِ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْوَقْفَ تَبَرُّعٌ عَلَى وَجْهِ التَّمْلِيكِ بِالطَّرِيقِ الَّذِي قَدْ مَنَاهُ، فَاشْتِرَاطُهُ الْبَعْضَ أَوْ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ يُبْطِلُهُ؛ لِأَنَّ

تشریح: بعض حضرات نے فرمایا کہ امام محمدؒ کے یہاں یہ ضروری ہے کہ متولی کو قبضہ دے تب وقف مکمل ہوتا ہے، اس لئے انکے یہاں واقف اپنے لئے نہ نگرانی رکھ سکتا ہے اور نہ اس سے کھانے کی شرط لگا سکتا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ شرط نہیں ہے اس لئے انکے یہاں اپنے لئے نگرانی کی شرط بھی لگا سکتا ہے اور وقف سے کھانے کی بھی شرط لگا سکتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس مسئلے کی بنیاد اوپر کے قاعدے پر نہیں ہے، بلکہ یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

ترجمہ: ۳: اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ واقف نے اپنی زندگی میں اپنے لئے وقف کا کچھ حصہ رکھا، اور مرنے کے بعد فقراء کے لئے کر دیا، یا زندگی میں پورا ہی مال اپنے لئے رکھا اور مرنے کے بعد فقراء کے لئے کر دیا، یہ دونوں صورتیں برابر ہیں۔

تشریح: وقف کا کچھ حصہ اپنے لئے رکھے، یا پورا ہی وقف اپنے لئے رکھے اور موت کے بعد فقراء کے لئے کر دے، دونوں کا حکم ایک ہی ہے، یعنی ان دونوں صورتوں میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔

ترجمہ: ۴: وقف کا بعض حصہ، یا کل حصہ ام ولد کے لئے یا مدبر کے لئے ہو جب تک وہ زندہ رہیں، اور جب وہ مرجائیں تو یہ وقف فقراء کے لئے ہو جائے، تو بعض حضرات نے کہا کہ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے، اور صحیح بات یہی ہے، کیونکہ یہ بھی اپنے لئے ہی شرط لگانے کی طرح ہے۔

تشریح: اوپر تھا واقف کے لئے شرط لگائے، اب ہے کہ اس کے مدبر اور ام ولد غلام کے لئے شرط لگائے کہ جب تک وہ زندہ رہیں تو وہ استعمال کریں گے، اور جب وہ مرجائیں گے تو فقراء کے لئے ہو جائے گا۔ اس بارے میں بعض لوگوں نے کہا کہ یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اختلاف ہے، کیونکہ چاہے اپنے لئے شرط لگائے یا اپنے غلام کے لئے شرط لگائے دونوں باتیں ایک ہی ہیں۔

ترجمہ: ۵: امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وقف کا مطلب تبرع اللہ کے لئے کرنا ہے، اب اس میں اپنے لئے بعض کی یا کل کی شرط لگانا وقف کو باطل کر دے گا، اس لئے اپنے لئے مالک بننے سے تبرع متحقق نہیں ہوگا، اس لئے صدقہ منفذہ کی طرح ہو گیا، یا اس طرح ہوا کہ مسجد کے بعض حصے کو اپنے لئے شرط لگا لے۔

التَّمْلِیکَ مِنْ نَفْسِهِ لَا يَتَحَقَّقُ فَصَارَ كَالصَّدَقَةِ الْمُنْفَذَةِ، وَشَرَطَ بَعْضُ بُقْعَةِ الْمَسْجِدِ لِنَفْسِهِ.
۱- وَلِأَبِي يُوسُفَ مَا رُوِيَ "أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ صَدَقَتِهِ". وَالْمُرَادُ مِنْهَا
صَدَقَتُهُ الْمَوْقُوفَةُ، وَلَا يَحِلُّ الْأَكْلُ مِنْهَا إِلَّا بِالشَّرْطِ، فَدَلَّ عَلَى صِحَّتِهِ،

تشریح: امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ وقف کا مطلب ہے کہ اللہ کے لئے تبرع کر دیا، اب اپنی ملکیت کی شرط لگا دی تو یہ تبرع نہیں رہا اس لئے اس طرح وقف نہیں ہوگا۔ اس کی دو مثالیں دیں ہیں، ایک صدقہ منفذہ کرے، یعنی اس طرح صدقہ کرے کہ اس میں سے کچھ حصہ اپنے لئے ہو تو جس طرح یہ جائز نہیں ہے، وقف بھی جائز نہیں ہوگا، دوسری مثال یہ ہے کہ مسجد کے لئے زمین وقف کرے اور شرط لگائے کہ مسجد کا ایک ٹکڑا میرے لئے بھی ہو تو یہ جائز نہیں ہے، اسی طرح وقف میں یہ شرط لگا دے کہ اس کا کچھ حصہ میرے لئے ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

لغت: صدقہ منفذہ: اس طرح صدقہ کرے کہ اس میں کچھ حصہ میرے لئے بھی ہو، اس کو صدقہ منفذہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۱- امام ابو یوسفؒ کی دلیل۔ روایت ہے کہ حضورؐ اپنے صدقے سے کھاتے تھے، اور اس سے مراد وقف والا صدقہ ہے، اور اس سے کھانا حلال نہیں ہوگا مگر شرط لگا کر اس لئے یہ دلالت کرتا ہے کہ شرط لگانا صحیح ہے۔

تشریح: یہ حدیث نہیں ملی۔ حضورؐ اپنے صدقے سے کھاتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وقف میں شرط لگائی ہوگی اس میں سے کھاتے ہوں گے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وقف میں شرط لگانا جائز ہے۔

نوٹ: وقف کے مال میں سے واقف کھا سکے، یا اس پر نگرانی کر سکے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ اخبرنی لیث عن یحییٰ بن سعید عن صدقة عمر بن الخطاب ... والمائة سهم الذى بخير ورقيقه الذى فيه والمائة التى اطعمه محمد بالوادى تليه حفصة معاشرت ثم يليه ذو الرأى من اهلها ان لا يباع ولا يشتري ينفقه حيث رأى من السائل والمحروم وذى القربى ولا حرج على من وليه ان اكل او اكل او اشتري رقيقا منه (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فى الرجل يوقف الوقف ج ثانی ص ۴۲ نمبر ۲۸۷۹ دار قطنی، کتاب الاحباس ج رابع ص ۱۱۷ نمبر ۴۳۷۹) (۲) اس میں وقف پر حضرت حفصہ نگرانی بھی کرے، اور جو نگرانی کرے وہ اس وقف میں سے کھائے بھی۔ (۲)۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخير لا جناح على من وليها ان يأكل منها بالمعروف ويطعم غير متمول (بخاری شریف، باب الشروط فى الوقف، کتاب الشرط ص ۳۸۲ نمبر ۲۷۳۷ مسلم شریف، باب الوقف، ص ۴۱ نمبر ۴۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ جو نگرانی کرے وہ اس میں سے کھائے بھی۔

۷ وَلِأَنَّ الْوَقْفَ إِزَالَةُ الْمِلْكِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى عَلَى وَجْهِ الْقُرْبَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، فَإِذَا شَرَطَ الْبَعْضُ أَوْ الْكُلَّ لِنَفْسِهِ، فَقَدْ جَعَلَ مَا صَارَ مَمْلُوكًا لِلَّهِ تَعَالَى لِنَفْسِهِ لَا أَنَّهُ يَجْعَلُ مِلْكَ نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ، وَهَذَا جَائِزٌ، كَمَا إِذَا بَنَى خَانًا أَوْ سَقَايَةً أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً، وَشَرَطَ أَنْ يَنْزِلَهُ أَوْ يَشْرَبَ مِنْهُ أَوْ يُدْفَنَ فِيهِ، ۸ وَلِأَنَّ مَقْصُودَهُ الْقُرْبَةَ وَفِي الصَّرْفِ إِلَى نَفْسِهِ ذَلِكَ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ”نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى نَفْسِهِ صَدَقَةٌ“ . ۹ وَلَوْ شَرَطَ الْوَاقِفُ أَنْ يَسْتَبَدَّلَ بِهِ أَرْضًا أُخْرَى إِذَا شَاءَ ذَلِكَ فَهُوَ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْوَقْفُ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ .

ترجمہ: ۷: اور اس دلیل سے کہ وقف کا معنی ہے اپنی ملکیت کو زائل کر کے قربت کے لئے اللہ کی ملکیت میں دینا، پس اگر بعض، یا کل کو اپنے لئے شرط لگائی تو اللہ کی ملکیت کو اپنے لئے کیا، اپنی چیز اپنے لئے نہیں کیا، اور اللہ کی ملکیت کو اپنے لئے کرنا جائز ہے، جیسے سراء خانہ بنائی، یا پانی کی سبیل بنائی، یا زمین کو مقبرہ بنایا اور شرط یہ لگائی کہ سراء خانہ میں ٹھہرے گا، یا سبیل سے پانی پئے گا، یا قبرستان میں اپنے آدمیوں کو دفن کرے گا تو جائز ہے [اسی طرح وقف کو اپنے لئے کرنا جائز ہوگا]

تشریح: وقف کا معنی ہے اپنی ملکیت کو ثواب حاصل کرنے کے لئے اللہ کی ملکیت میں دینا، پھر اس میں اپنا حصہ رکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے مملوک کو اپنے لئے کیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے مملوک کو اپنے لئے کرنا، اور یہ جائز ہے، اس کی تین مثالیں دی ہیں [۱] سراء خانہ بنایا، اور اس میں خود بھی ٹھہرنے کی شرط کی۔ [۲] پانی پلانے کی سبیل بنائی، اور خود بھی اس سے پینے کی شرط لگائی۔ [۳] اپنی زمین کو قبرستان بنایا اور اس میں اپنے لوگوں کو بھی دفن کی شرط لگائی تو یہ جائز ہے، اسی طرح وقف میں بھی اپنے کھانے کی شرط لگائی، یا اپنی نگرانی کی شرط لگائی تو یہ جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۸: اور اس لئے کہ وقف کا مقصد قربت حاصل کرنا ہے اور اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی قربت ہے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ آدمی اپنی ذات پر خرچہ کرے وہ بھی صدقہ۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کو جواب ہے، کہ وقف مطلب قربت حاصل کرنا ہے اور اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے، اس لئے وقف میں اپنے لئے شرط لگائی تو اس سے ثواب بھی ملے گا اور جائز بھی ہوگا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن رسول اللہ ﷺ قال ما كسب الرجل كسبا طيب من عمل يده و ما انفق الرجل على نفسه و اهله و ولده و خادمه فهو صدقة . (ابن ماجہ شریف، باب الحث علی المكاسب، ص ۳۰۷، نمبر ۲۱۳۸) اس حدیث میں ہے کہ اپنی ذات اور اولاد پر خرچ کرے وہ بھی صدقہ ہے۔

ترجمہ: ۹: اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ جب چاہوں گا اپنی دوسری زمین سے اس کو بدلوں گا، تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں

۱۰. وَلَوْ شَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهِ فِي الْوَقْفِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ جَازَ الْوَقْفُ وَالشَّرْطُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْوَقْفُ بَاطِلٌ، وَهَذَا بِنَاءً عَلَى مَا ذَكَرْنَا. ۱۱. وَأَمَّا فَضْلُ الْوِلَايَةِ فَقَدْ نَصَّ فِيهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ، وَهُوَ قَوْلُ هَلَالٍ أَيْضًا وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ. وَذَكَرَ هَلَالٌ فِي وَقْفِهِ ۱۲. وَقَالَ أَقْوَامٌ: إِنَّ شَرَطَ الْوَاقِفِ الْوِلَايَةَ لِنَفْسِهِ كَانَتْ لَهُ وَلَايَةٌ، وَإِنْ لَمْ يَشْطَرِطْ لَمْ تَكُنْ لَهُ وَلَايَةٌ. ۱۳. قَالَ مَشَايِخُنَا: الْأَشْبَهُ أَنْ يَكُونَ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ، لِأَنَّ مِنْ أَصْلِهِ أَنَّ التَّسْلِيمَ إِلَى الْقِيَمِ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْوَقْفِ، فَإِذَا سَلَّمَ لَمْ يَبْقَ لَهُ وَلَايَةٌ فِيهِ.

یہ جائز ہے، اور امام محمدؒ کے یہاں وقف ہو جائے گا، اور شرط بیکار ہو جائے گی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۱۰. وقف میں اپنے لئے تین دن کا اختیار لیا تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے، اور امام محمدؒ کے یہاں وقف بھی باطل ہے، اس کی بنیاد وہ دلیل ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا۔ [وقف میں حصہ لینا امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز تھا اور امام محمدؒ کے یہاں جائز نہیں تھا]

تشریح: اوپر گزرا کہ وقف میں اپنے لئے شرط کی تو امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز ہے، اسی طرح واقف نے یہ شرط کی میں وقف ابھی کرتا ہوں اور اس کا فیصلہ تین دن کے بعد کروں گا، اسلئے تین دن کا اختیار لیتا ہوں تو یہ اختیار بھی جائز ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے یہاں اپنے لئے حصہ کی شرط لگانا جائز نہیں تھا اس لئے تین دن کا اختیار لینا جائز نہیں ہوگا اس سے وقف ہی باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱۱. وقف کے ولی ہونے کے بارے میں متن میں اس بارے میں تصریح کر دی ہے کہ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، یہی قول ہلال رازیؒ کا ہے اور ظاہر مذہب بھی یہی ہے، اس بات کو حضرت ہلالؒ نے کتاب الوقف میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ واقف اپنے لئے ولایت لے تو اس بارے میں متن میں تھا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ واقف کو ولایت ملے گی، اور یہی رائے ہلال رازیؒ کی ہے۔

ترجمہ: ۱۲. کچھ قوم نے کہا کہ وقف کرنے والا اپنے لئے ولایت لے تو اس کے لئے ولایت ہو جائے گی، اور اگر شرط نہ لگائے تو اس کے ولایت نہیں ہوگی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۱۳. مشائخؒ نے فرمایا کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ قول امام محمدؒ کا ہو اس لئے کہ ان کا قاعدہ یہ ہے کہ وقف کے صحیح ہونے کے لئے متولی کو سپرد کرنا شرط ہے، پس جب سپرد کر دیا تو اب واقف کے لئے ولایت نہیں رہے گی۔

۱۴۔ وَلَنَا أَنَّ الْمُتَوَلَّى إِنَّمَا يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْ جِهَتِهِ بِشَرْطِهِ فَيَسْتَحِيلُ أَنْ لَا يَكُونَ لَهُ الْوِلَايَةُ وَغَيْرُهُ يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْهُ، ۱۵۔ وَلِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَى هَذَا الْوَقْفِ فَيَكُونُ أَوْلَى بِوِلَايَتِهِ، كَمَنْ اتَّخَذَ مَسْجِدًا يَكُونُ أَوْلَى بِعِمَارَتِهِ وَنَصَبِ الْمُؤَذِّنِ فِيهِ، وَكَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا كَانَ الْوَلَاءُ لَهُ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ النَّاسِ إِلَيْهِ. ۱۶۔ وَلَوْ أَنَّ الْوَاقِفَ شَرَطَ وَلايَتَهُ لِنَفْسِهِ وَكَانَ الْوَاقِفُ غَيْرَ مَأْمُونٍ عَلَى الْوَقْفِ فَلِلْقَاضِي أَنْ يَنْزِعَهَا مِنْ يَدِهِ نَظَرًا لِلْفُقَرَاءِ، كَمَا لَهُ أَنْ يُخْرِجَ الْوَصِيَّ نَظَرًا لِلصَّغَارِ،

تشریح: اوپر جو کہا کہ اپنے لئے ولایت نہیں لی تو اس کو ولایت نہیں ملے گی۔ یہ قول امام محمدؒ کا ہونا چاہئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وقف صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ متولی کو سپرد کرے، پس جب متولی کو سپرد کر دیا تو اب واقف کی ولایت نہیں رہے گی۔
ترجمہ: ۱۴۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ واقف کی جانب سے متولی ولایت لیتا ہے، اس لئے یہ محال ہے کہ خود واقف کی نگرانی کا حق نہ ہو، اور دوسرا اس سے ولایت حاصل کرے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ متولی وقف کرنے والے سے نگرانی کا حق لیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خود وقف کرنے والے کے پاس بھی ولایت ہو، کیونکہ اس کے پاس ولایت نہ ہو تو دوسرا اس سے ولایت کیسے لیگا۔

ترجمہ: ۱۵۔ اس وقف کے قریب خود واقف ہے اسلئے وہ ولایت کا زیادہ حقدار ہے، جیسے مسجد بنائی تو اس کی تعمیر کرنے کا زیادہ حقدار اور موزن متعین کرنے کا زیادہ حقدار واقف ہوتا ہے، اور غلام آزاد کیا تو اس کی ولاء آزاد کرنے والے کو ملتا ہے، اس لئے کہ وہ لوگوں سے زیادہ قریب ہے، اسی طرح وقف میں وقف کرنے والے کو نگرانی کا زیادہ حق ملے گا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے یہاں وقف کرنے والے کو نگرانی کا حق ملے گا، اس کے لئے تین مثالیں پیش کر رہے ہیں [۱] مسجد بنائی تو مسجد بنانے والے کو مسجد کی تعمیر [۲] اور موزن متعین کرنے کا حق ملتا ہے، کیونکہ وہ زیادہ قریب ہے، [۳] غلام آزاد کرے تو آزاد کرنے والے کو غلام کی ولاء ملتی ہے، کیونکہ وہ غلام کے زیادہ قریب ہے، اسی طرح وقف کرنے والا وقف کے زیادہ قریب ہے اس لئے اگر اس نے نگرانی کی شرط لگائی تو اس کو نگرانی کا حق ملے گا۔

ترجمہ: ۱۶۔ اگر واقف نے اپنی ولایت کی شرط لگائی، اور واقف وقف پر اطمینان بخش کام نہیں کرتا تھا تو فقراء کی رعایت میں قاضی کو یہ حق ہے کہ اس سے وقف کی چیز چھین لے، جیسے کہ یتیم کی مصلحت کے لئے قاضی کو یہ حق ہے کہ وصی کو نکال دے۔

تشریح: جو وقف کرنے والا تھا اور اپنے لئے نگرانی کی بھی شرط لگا رکھی تھی، لیکن وہ وقف کے لئے اطمینان بخش کام نہیں کرتا تھا تو قاضی کو یہ حق ہوگا کہ اس کو وقف سے ہٹا دے، کیونکہ اس میں فقیروں کو فائدہ ہے، جیسے وصی یتیم کے لئے صحیح کام نہیں کرے تو قاضی کو یہ حق ہے کہ وصی کو ہٹا کر دوسرے کو وصی متعین کر دے۔

۷۱ وَكَذَا إِذَا شَرَطَ أَنْ لَيْسَ لِلْإِسْلَامِ وَلَا لِقَاضٍ أَنْ يُخْرِجَهَا مِنْ يَدِهِ وَيُوَلِّيَهَا غَيْرَهُ لِأَنَّهُ شَرَطَ مُخَالَفَ لِحُكْمِ الشَّرْعِ فَبَطَلَ.

وجہ: عن عامر قال الوصى بمنزلة الوالد واذا اتهم الوصى عزل او جعل معه غيره (مصنف ابن ابی شیبہ، ۴۱ من قال وصية العبد حيث جعلها، ج سادس، ص ۲۲۴، نمبر ۳۰۸۶۵، مصنف عبدالرزاق، الوصية حيث يضعها صاحبها ووصية المعتوه ووصية الرجل ثم يقتل والرجل يوصي بعبدہ۔ ج تاسع، ص ۹۵، نمبر ۱۶۴۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وصی متہم ہو تو قاضی اس کو بدل دے گا۔ اسی طرح نگران متہم ہو تو قاضی اس کو بدل دے گا۔

ترجمہ: ۷۱۔ ایسے ہی واقف نے یہ شرط لگائی کہ کسی بادشاہ یا قاضی کو میرے ہاتھ سے نکالنے کا اختیار نہیں ہوگا تب بھی قاضی دوسرے کو نگران بنائے گا، کیونکہ اس کی شرط شریعت کے حکم کے مخالف ہے اس لئے وہ شرط باطل ہو جائے گی۔

تشریح: واقف نے یہ شرط لگائی کہ مجھے کوئی قاضی، یا بادشاہ بھی نہیں نکالے گا، اور وہ اطمینان بخش کام نہیں کر رہا تھا تو قاضی اس کو نکال دے گا، کیونکہ واقف کی شرط شریعت کے خلاف ہے۔

﴿فَصْلٌ﴾

(۳۰۴۴) وَإِذَا بَنَى مَسْجِدَ الْمِ يَزُلْ مَلِكُهُ عَنْهُ حَتَّى يَفِرَّزَهُ عَنْ مَلِكِهِ بِطَرِيقِهِ وَيَأْذَنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِذَا صَلَّى فِيهِ وَاحِدٌ زَالَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَنْ مَلِكِهِ ۚ أَمَّا الْإِفْرَازُ فَلِأَنَّهُ لَا يَخْلُصُ لِلَّهِ تَعَالَى إِلَّا بِهِ. وَأَمَّا الصَّلَاةُ فِيهِ فَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ التَّسْلِيمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ، وَيَشْتَرِطُ تَسْلِيمُ نَوْعِهِ، وَذَلِكَ فِي الْمَسْجِدِ بِالصَّلَاةِ فِيهِ،

﴿فصل فی بناء المسجد﴾

ترجمہ: (۳۰۴۴) اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملک زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ کر دے اس کے راستے کے ساتھ اور لوگوں کو اجازت دے اس میں نماز پڑھنے کی، پس اس میں ایک آدمی نے نماز پڑھی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہوگئی

تشریح: مسجد بنا کر اس کو باضابطہ اپنی ملکیت سے الگ کرے اور اس میں آنے کا راستہ بھی دے اور سپرد کرنے کے لئے کم از کم ایک آدمی اس میں نماز پڑھے تب مسجد کا وقف مکمل ہوگا۔

وجہ: (۱) ان کے یہاں ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے اور یہاں کوئی مخصوص ولی نہیں ہے اس لئے ملکیت سے الگ کر کے ایک آدمی کا نماز پڑھوانا کافی ہوگا۔ (۲) مسجد بنانے کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن انس قال امر النبی ﷺ ببناء المسجد فقال يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الي الله (بخاری شریف، باب اذا وقف جماعة ارضا مشاعا فهو جائز ص ۳۸۸ نمبر ۲۷۷۱)

لغت: یفرزه : ملکیت سے علیحدہ کرنا۔

ترجمہ: اللہ کا حق اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو اپنی ملکیت سے الگ نہ کر دیا جائے، اس لئے اس کو اپنی ملکیت سے الگ کرنا ضروری ہے۔ اور نماز پڑھنا اس لئے ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سپرد کرنے کے لئے نماز پڑھوانا ضروری ہے، اور اسی قسم کی سپردگی کی شرط ہے، اور یہ مسجد میں نماز کے ذریعہ ہوگی۔

تشریح: مسجد کا مالک اللہ ہوتا ہے، اس لئے اس کی ملکیت میں دینے کے لئے یہ طریقہ ہے کہ اس میں کم سے کم ایک آدمی کو نماز پڑھوا دے جائے۔ اس سے مالک کی ملکیت سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں چلی جائے گی۔

۲. اَوْ لِأَنَّهُ لَمَّا تَعَدَّرَ الْقَبْضُ فَقَامَ تَحَقُّقُ الْمَقْصُودِ مَقَامَهُ ۳ ثُمَّ يُكْتَفَى بِصَلَاةِ الْوَاحِدِ فِيهِ فِي رَوَايَةٍ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَكَذَا عَنْ مُحَمَّدٍ؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْجِنْسِ مُتَعَدَّرٌ فَيُشْتَرَطُ أَذْنَاهُ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الصَّلَاةُ بِالْجَمَاعَةِ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ بُنِيَ لِذَلِكَ فِي الْغَالِبِ.

(۳۰۴۵) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَزُولُ مِلْكُهُ بِقَوْلِهِ جَعَلْتَهُ مَسْجِدًا ۱ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرَطٍ؛ لِأَنَّهُ إِسْقَاطُ لِمَلِكِ الْعَبْدِ فَيَصِيرُ خَالِصًا لِلَّهِ تَعَالَى بِسُقُوطِ حَقِّ الْعَبْدِ وَصَارَ كَالِإِعْتَاقِ، وَقَدْ بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ. (۳۰۴۶) قَالَ: وَمَنْ جَعَلَ مَسْجِدًا تَحْتَهُ سِرْدَابٌ أَوْ فَوْقَهُ بَيْتٌ وَجَعَلَ بَابَ الْمَسْجِدِ إِلَى الطَّرِيقِ، وَعَزَلَهُ عَنِ مِلْكِهِ فَلَهُ أَنْ يَبِيعَهُ، وَإِنْ مَاتَ يُورِثُ عَنْهُ؛

ترجمہ: ۲. دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کسی کو قبضہ دینا متعذر رہے تو مقصد کو متحقق کرنا اس کے قائم مقام ہے۔

تشریح: دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کو قبضہ دینا متعذر رہے، اسلئے اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے نماز پڑھوانے کو اسکے قائم مقام کر دی گئی ہے۔

ترجمہ: ۳. پھر امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مسجد میں ایک آدمی کی نماز پڑھنا کافی ہے، اور یہی بات امام محمدؒ سے منقول ہے، اس لئے کہ سب کو نماز پڑھنا متعذر رہے اس لئے ایک آدمی کا پڑھ لینے کی شرط ہوگی۔ اور امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شرط ہے، اس لئے اکثر مرتبہ اسی لئے مسجد بنائی جاتی ہے۔

تشریح: ایک روایت یہ ہے کہ ایک آدمی کی نماز پڑھ لینے سے مسجد وقف ہو جائے گی، اور دوسری روایت یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھے تب مسجد وقف ہوگی، کیونکہ مسجد جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے بنائی جاتی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴۵) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اس کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اس کے کہنے سے کہ میں نے مسجد بنادی۔

ترجمہ: ۱. اس لئے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک متولی کو سپرد کرنا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ بندے کے حق کو ساقط کرنا ہے، تاکہ بندے کا حق ساقط کر کے خالص اللہ کا حق کر دیا جائے، اور یہ غلام آزاد کرنے کی طرح ہو گیا، اس بات کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی ولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد کے لئے وقف کیا، اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ آقا صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے اپنا غلام آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جاتا ہے، اسی طرح صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد کے لئے وقف کیا تو اس سے مسجد وقف ہو جائے گی۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کے یہاں کسی متولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے، صرف کہہ دینے سے مسجد وقف ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۳۰۴۶) کسی نے مسجد بنائی اور اسکے نیچے تہ خانہ بنایا، یا اسکے اوپر گھر بنایا، اور مسجد کا دروازہ بڑے راستے پر کر دیا، اور

۱۔ لَأنَّہُ لَمْ یُخْلِصْ لِلَّہِ تَعَالٰی لِبَقَاءِ حَقِّ الْعَبْدِ مُتَعَلِّقًا بِہٖ، ۲۔ وَلَوْ كَانَ السَّرْدَابُ لِمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ جَارًا كَمَا فِی مَسْجِدِ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ. ۳۔ وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْہُ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا جَعَلَ السُّفْلُ مَسْجِدًا وَعَلٰی ظَہْرِہِ مَسْکَنٌ فَہُوَ مَسْجِدٌ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مِمَّا یَتَابَدُّ، وَذَٰلِکَ یَتَحَقَّقُ فِی السُّفْلِ دُونَ الْعُلُوِّ. ۴۔ وَعَنْ مُحَمَّدٍ عَلٰی عَکْسِ هَٰذَا؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مُعْظَمٌ، وَإِذَا كَانَ فَوْقَہُ مَسْکَنٌ أَوْ مُسْتَعْلٌ یَتَعَدَّرُ تَعْظِیْمُہُ.

مسجد کو اپنی ملکیت سے الگ کر دیا پھر بھی اس مسجد کو بیچ دینے کا حق ہوگا، اور اگر واقف مر جائے تو وہ مسجد وراثت میں تقسیم ہوگی۔

ترجمہ: ۱۔ اس لئے کہ یہ خالص اللہ کے لئے نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مسجد کی زمین کے ساتھ واقف کا حق بھی متعلق ہے تو وہ مسجد وقف ہوگی یا نہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ وقف نہیں ہوگی، اور دوسری روایت ہے کہ وقف ہو جائے گی۔

تشریح: یہاں تین صورتیں ہیں [۱] مسجد کے نیچے تہ خانہ ہے [۲] مسجد کے اوپر رہنے کا گھر ہے، اسکے باوجود مسجد کا راستہ الگ کر دیا، اور واقف نے مسجد کو اپنی ملکیت سے الگ کر دیا پھر بھی وہ وقف نہیں ہوگی۔ واقف کو حق ہے کہ اس کو بیچ دے، اور اسکے مرنے سے وراثت میں تقسیم ہوگی۔ اس عبارت کا مطلب ہے کہ مسجد وقف نہیں ہوگی، وہ واقف کی ملکیت پر برقرار رہے گی۔ جامع صغیر میں عبارت یہ ہے۔ محمد عن یعقوب [ابی حنیفہ] فی رجل جعل بیتہ مسجدًا و تحتہ سرداب اوفوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطريق وعزله فله ان یشیعہ وان مات ورث عنہ۔ (جامع صغیر، باب فی حکم المسجد، ص ۱۲۰)

وجہ: جب مسجد کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے تو وہ خالص اللہ کیلئے نہیں ہوئی اسلئے وہ وقف نہیں ہوگی۔ سرداب: تہ خانہ۔ **ترجمہ:** ۲۔ اور اگر تہ خانہ مسجد کی مصلحت کے لئے ہو تو وقف جائز ہے جیسے بیت المقدس میں ہے۔

تشریح: [۳] یہ تیسری صورت ہے۔ بیت المقدس کے نیچے تہ خانہ ہے جو اصل مقدس بیت المقدس ہے، لیکن وہ اوپر کی بیت المقدس کے مصلحت کے لئے ہے اس لئے اس کا وقف جائز ہے، اسی طرح دنیا کے کسی بھی مسجد کا تہ خانہ مسجد کی مصلحت کے لئے ہو تو اس مسجد کا وقف جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۳۔ حضرت حسن سے امام ابو حنیفہ کی روایت یہ ہے کہ مسجد نیچے ہو اور اوپر رہنے کا ہو تو وہ مسجد ہے، کیونکہ نیچے ہی کی مسجد ہمیشہ رہ سکتی ہے، اوپر کی مسجد ہمیشہ نہیں رہ سکتی [وہ ٹوٹ سکتی ہے]

تشریح: واضح ہے۔۔۔ بتاؤ: ابد سے مشتق ہے، ہمیشہ رہنا۔

ترجمہ: ۴۔ اور امام محمد کی روایت اس کا الٹا ہے [یعنی اوپر مسجد ہو اور نیچے رہنے کا ہو] اس لئے کہ مسجد کی عزت ہوتی ہے، اور اوپر مکان ہو یا کرائے کا گھر ہو تو اس کی تعظیم نہیں ہوگی۔

۵. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ جَوَّزَ فِي الْوُجْهِينِ حِينَ قَدِمَ بَغْدَادَ وَرَأَى ضَيْقَ الْمَنَازِلِ فَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَ الضَّرُورَةَ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ حِينَ دَخَلَ الرَّيَّ أَجَازَ ذَلِكَ كُلَّهُ لِمَا قُلْنَا.

(۳۰۴۷) قَالَ: وَكَذَلِكَ إِنْ اتَّخَذَ وَسَطَ دَارِهِ مَسْجِدًا وَآذَنَ لِلنَّاسِ بِالْدُّخُولِ فِيهِ ۖ يَعْنِي لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَيُورِثَ عَنْهُ؛ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا لَا يَكُونُ لِأَحَدٍ فِيهِ حَقُّ الْمَنْعِ، وَإِذَا كَانَ مِلْكُهُ مُحِيطًا بِجَوَانِبِهِ كَانَ لَهُ حَقُّ الْمَنْعِ فَلَمْ يَصِرْ مَسْجِدًا، وَلِأَنَّهُ أَبْقَى الطَّرِيقَ لِنَفْسِهِ فَلَمْ يَخْلُصْ لِلَّهِ تَعَالَى.

تشریح: مسجد عظمت کی جگہ ہے، اس لئے وہ اوپر ہوا اور نیچے گھرتا ہی اس کی عظمت ہوگی، اس لئے امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اوپر مسجد ہوا اور نیچے گھر تو مسجد وقف ہو جائے گی۔

لغت: مستغل: غلہ سے مشتق ہے، غلہ حاصل کرنے کا آلہ، یعنی ایسا گھر جو اجرت کے لئے بنایا ہو۔

ترجمہ: ۵. امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ، جب وہ بغداد آئے اور گھروں کو تنگ دیکھا تو دونوں صورتوں کو جائز قرار دے دیا، گویا کہ انہوں نے ضرورت کا اعتبار کیا، اور امام محمدؒ سے بھی ایک روایت یہ ہے کہ جب وہ مقام ری آئے تو ضرورت کی وجہ سے دونوں صورتوں کو جائز قرار دے دیا۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ بغداد تشریف لائے، اور امام محمدؒ ری تشریف لائے اور دیکھا کہ تنگ جگہ میں گھر بنے ہوئے ہیں اور مسجد بھی تنگ جگہ میں بنی ہوئی ہے تو مسجد کے اوپر گھر ہو یا نیچے گھر ہو دونوں صورتوں میں مسجد کو وقف کرنے سے وقف ہو جائے گی، کیونکہ اس کی سخت ضرورت ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴۷) ایسے ہی اگر اپنے گھر کے بیچ میں مسجد بنائی اور لوگوں آنے کی اجازت دے دی۔ [تو وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی]

ترجمہ: (۱) تو واقف کو حق ہے کہ اس کو بیچے اور اس کا وارث بنے، اس لئے کہ مسجد کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی کو روکنے کا حق نہ ہو اور جب واقف کی ملکیت چاروں جانب ہے تو اس کو روکنے کا حق ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہوئی، اس لئے کہ اپنے لئے بھی راستہ باقی رکھا، تو خالص اللہ کا حق نہیں ہوا۔

اصول: یہ مسئلہ بھی اسی اصول پر ہے کہ مسجد میں جانے کا راستہ نہ ہو تو مسجد وقف نہیں ہوگی۔

تشریح: واقف کی ملکیت چاروں طرف ہے اور درمیان میں مسجد ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی اور اس کو وقف شمار نہیں کیا جائے گا۔

وجہ: مسجد اس کو کہتے ہیں جس میں کسی بندے کا حق متعلق نہ ہو، اور مسجد میں جانے کے لئے راستہ ہو اور وہ ہے نہیں ہے اس لئے شرعی مسجد نہیں ہوگی۔ لیکن آگے آرہا ہے کہ مسجد دینے کے راضی ہو گیا ہے تو اس کے تحت میں راستہ دینے کے لئے بھی گویا کہ راضی ہو گیا ہے اس لئے مسجد وقف ہو جائے گی۔

(۳۰۴۸) وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا يُبَاعُ وَلَا يُورَثُ وَلَا يُوهَبُ ۚ اِغْتَبَرَهُ مَسْجِدًا، وَهَكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَصِيرُ مَسْجِدًا؛ لِأَنَّهُ لَمَّا رَضِيَ بِكَوْنِهِ مَسْجِدًا وَلَا يَصِيرُ مَسْجِدًا إِلَّا بِالطَّرِيقِ دَخَلَ فِيهِ الطَّرِيقُ وَصَارَ مُسْتَحَقًّا كَمَا يَدْخُلُ فِي الْإِجَارَةِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ.

(۳۰۴۹) قَالَ: وَمَنْ اتَّخَذَ أَرْضَهُ مَسْجِدًا لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيهِ وَلَا يَبِيعَهُ وَلَا يُورَثُ عَنْهُ ۚ لِأَنَّهُ تَجَرَّدَ عَنْ حَقِّ الْعِبَادِ وَصَارَ خَالِصًا لِلَّهِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْأَشْيَاءَ كُلَّهَا لِلَّهِ تَعَالَى، وَإِذَا أَسْقَطَ الْعَبْدُ مَا ثَبَتَ لَهُ مِنَ الْحَقِّ رَجَعَ إِلَى أَصْلِهِ فَانْقَطَعَ تَصَرُّفُهُ عَنْهُ كَمَا فِي الْإِعْتَاقِ.

ترجمہ: (۳۰۴۸) امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ مسجد ہوگی اور اس کو نہ بیچ سکتا ہے، نہ اس کا وارث ہو سکتا ہے، اور نہ اس کو ہبہ کر سکتا ہے۔

ترجمہ: انہوں نے مسجد ہونے کا اعتبار کیا، اور اسی طرح کی روایت حضرت امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے کہ وہ مسجد ہو جائے گی، اس لئے کہ جب مسجد ہونے پر راضی ہوا، اور مسجد بغیر راستے کے نہیں ہوتی تو راستہ خود بخود داخل ہو جائے گا اور راستہ کا حق ہو جائے گا، جیسے اجرت کے مکان میں بغیر ذکر کے بھی راستہ داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ مسجد وقف ہو جائے گی، اس لئے نہ یہ بیچی جائے گی، نہ وارثت میں تقسیم ہوگی اور نہ بیچی جائے گی، اور یہی ایک روایت امام ابو یوسفؒ کی بھی ہے۔

وجہ: جب واقف مسجد دینے پر راضی ہوا تو اس کے تحت میں راستہ دینے پر بھی راضی ہو گیا، اس لئے راستہ خود بخود مل جائے گا، جس کی وجہ سے مسجد وقف ہو جائے گی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اجرت پر گھر دیا اور اس کے راستہ کا تذکرہ نہیں کیا تب بھی اس کو راستہ ملے گا، اسی طرح یہاں بھی مسجد کو راستہ ملے گا۔

ترجمہ: (۳۰۴۹) جس نے اپنی زمین کو مسجد بنائی تو اس کو واپس لینے کا حق نہیں ہے، نہ اس کو بیچ سکتا ہے، اور نہ اس کا وارث بن سکتا ہے۔
ترجمہ: اس لئے کہ بندے کے حق سے نکل چکی ہے اور خالص اللہ کی ہو چکی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری چیزیں اللہ کی ہیں، اور جب بندے نے اپنا حق ساقط کر دیا تو وہ اپنی اصل کی طرف چلی گئی [یعنی اللہ کی طرف چلی گئی] اور اس سے بندے کا تصرف ختم ہو گیا، جیسے آزاد کرنے میں ہوتا ہے کہ آقا کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

تشریح: کسی نے اپنی زمین کو مسجد بنادی تو وہ وقف ہو گئی، اب نہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ کر سکتا ہے اور نہ وارثت میں تقسیم ہو سکتی ہے۔

وجہ: (۱) ہر چیز اصل میں اللہ کی ہے، اور بندے کا حق عارضی ہے، پس بندے نے اپنا حق ختم کر دیا تو یہ چیز اللہ کی ہو گئی۔ (۲)

۲ وَلَوْ خَرِبَ مَا حَوْلَ الْمَسْجِدِ وَاسْتُغْنِيَ عَنْهُ يَبْقَى مَسْجِدًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ مِنْهُ فَلَا يَعُودُ إِلَى مِلْكِهِ. ۳ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ عَادَ إِلَى مَلِكِ الْبَانِي، أَوْ إِلَى وَارِثِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ؛ لِأَنَّهُ عَيْنُهُ لِنَوْعِ قُرْبَةٍ، وَقَدْ انْقَطَعَتْ فَصَارَ كَحَصِيرِ الْمَسْجِدِ وَحَشِيشِهِ إِذَا أُسْتُغْنِيَ عَنْهُ،

حدیث میں یہ ہے۔ عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب اصاب ارضا بخير فاتي النبي ﷺ يستامره فيها فقال يا رسول الله اني اصبت ارضا بخير لم اصب مالا قط انفس عندي منه فمات امرني؟ به قال ان شئت حبست اصلها وتصدق بها قال فتصدق بها عمر انه لا يباع ولا يوهب ولا يورث وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف لا جناح على من وليها ان يأكل منها بالمعروف ويبطعم غير متمول (بخاری شریف، باب الشروط فی الوقف، کتاب الشرط ص ۳۸۲ نمبر ۳۷۲) مسلم شریف، باب الوقف، ص ۴۱ نمبر ۱۶۳۲/۴۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ وقف ہونے کے بعد نہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ میں دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲: اور اگر مسجد کی چاروں طرف مکانات ویران ہو گئے اور اب مسجد کی ضرورت نہیں رہی تب بھی امام ابو یوسفؒ کے یہاں وہ مسجد باقی رہے گی، اس لئے کہ بندے کا حق اس مسجد سے ختم ہوگئی اس لئے دوبارہ اب اس کی ملکیت نہیں ہوگی۔
تشریح: مسجد کے چاروں طرف کے مکانات ویران ہو گئے تب بھی امام ابو یوسفؒ کے یہاں وہ مسجد باقی رہے گی، اور وہ زمین مالک کی طرف واپس نہیں جائے گی۔

وجہ: (۱) اس لئے کہ بندے کی ملکیت سے وہ نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہو چکی تھی اس لئے اب دوبارہ اس واقف کی ملکیت میں واپس نہیں جائے گی۔ (۲) اس قول صحابی میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابی وائل قال جلست الى شيبه في هذا المسجد قال جلس الى عمر في مجلسك هذا فقال هممت ان لا ادع فيها صفراء ولا بيضاء الا قسمتها بين المسلمين قلت ما انت بفاعل قال لم قلت لم يفعله صاحبك قال هما المرآن يقتدى بهما (بخاری شریف، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ ص ۸۰ نمبر ۷۲۵، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة) اس قول صحابی میں ہے کہ بیت اللہ کا وہ سامان جس کی کعبہ کو ضرورت نہیں ہے اس کو بھی مسلمانوں میں تقسیم نہیں کرتے۔ (۳) اس آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ و من اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه و سعى في خرابها اولئك ما كان له يدخلوها الا خائفين۔ (آیت ۱۱۳، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں یہ فرمایا کہ اللہ کی مسجد کو جو خراب کرتا ہے وہ ظالم ہے۔

ترجمہ: ۳: اور امام محمدؒ کے نزدیک مسجد بنانے والے کی ملکیت ہو جائے گی، اور واقف کے مرنے کے بعد اس کے وارث کی ہو جائے گی، اس لئے کہ واقف نے ایک خاص قربت [نماز] کے لئے متعین کی تھی اور وہ اب نہیں ہو رہی ہے [توجیز

۴. إِلَّا أَنْ أَبَا يُوسُفَ يَقُولُ فِي الْحَصِيرِ وَالْحَشِيشِ إِنَّهُ يُنْقَلُ إِلَى مَسْجِدٍ آخٍ. (۳۰۵۰) قَالَ: وَمَنْ بَنَى سَقَايَةَ لِلْمُسْلِمِينَ أَوْ خَانًا يَسْكُنُهُ بَنُو السَّبِيلِ أَوْ رِبَاطًا أَوْ جَعَلَ أَرْضَهُ مَقْبَرَةً لَمْ يَزَلْ مَلِكُهُ عَنْ ذَلِكَ حَتَّى يَحْكُمَ بِهِ الْحَاكِمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ؛

واقف کی طرف چلی جائے گی [جیسے مسجد کی چٹائی اور گھاس کی ضرورت نہ رہے] تو اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اصلی مالک کی طرف چلی جاتی ہے]

تشریح: ۳. امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف نے نماز کے لئے یہ جگہ دی تھی، اور مکانات ویران ہونے کی وجہ سے اب اس میں نماز نہیں ہوگی، اس لئے واقف کا مقصد پورا نہیں ہوا اس لئے یہ جگہ واقف کی طرف لوٹ جائے گی، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ مسجد کی چٹائی کام کی نہ رہے تو اس کو باہر پھینک دیتے ہیں اسی طرح اس مسجد کی ضرورت نہیں رہی تو اس کے مالک کی طرف لوٹا دی جائے۔

وجہ: (۳) دخل شيبه بن عثمان الحجبي على عائشة فقال يا ام المؤمنين ان ثياب الكعبة تجتمع علينا فتكسر فعمد الى ابارف فتحفرها فنعمقها ثم ندفن ثياب الكعبة فيها كيلا يلبسها الجنب والحائض فقالت له عائشة ما احسنت وبئس ما صنعت ان ثياب الكعبة اذا نزعتم منها لم يضرها ان يلبسها الجنب والحائض ولكن بعها واجعل ثمنها في المساكين وفي سبيل الله قالت فكان شيبه بعد ذلك يرسل بها الى اليمن فتباع هناك ثم يجعل ثمنها في المساكين وفي سبيل الله وابن السبيل (سنن للبيهقي، باب ما جاء في مال الكعبة وكسوتها، ج خامس، ص ۲۶۰، نمبر ۳۱۹۷) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ وقف کا وہ مال جو کسی کام کا نہ ہو اس کو بیچ کر مساکین میں تقسیم کر سکتا ہے۔ اسی طرح مسجد کام کی نہ رہے تو وہ مالک کی طرف لوٹ جائے گی۔ یا کم سے کم وہ مسجد باقی نہیں رہے گی۔

نوٹ: یورپ میں بہت سے مکانوں کو خرید کر نماز کے لئے مسجد کے طور پر بنالیتے ہیں، اور مسجد کی طرح اس کا احترام کرتے ہیں، بہت بعد میں بڑی جگہ لیکر وہاں مسجد بناتے ہیں، اور پہلی جگہ کو واپس مکان میں تبدیل کر دیتے ہیں اور بیچ دیتے ہیں، اور بعض مرتبہ اس کو مکتب کے کام میں لاتے ہیں، شاید یہ امام محمدؒ کے مسئلے پر عمل کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

لغت: حَصِير: چٹائی۔ حَشِيش: مسجد کا چھپر بنانے کے لئے گھاس استعمال کرتے ہیں اس کو حَشِيش، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۴. البتہ امام ابو یوسفؒ چٹائی، اور گھاس وغیرہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ دوسری مسجد کی طرف منتقل کر دی جائے گی۔

ترجمہ: (۳۰۵۰) کسی نے پینے کی سبیل بنائی مسلمانوں کے لئے یا سرائے بنائی مسافروں کے لئے یا مسافر خانہ بنایا یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو زائل نہیں ہوگی اس کی ملک امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہاں تک کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے۔

۱۔ لَئِنَّهُ لَمْ يَنْقَطِعْ عَنْ حَقِّ الْعَبْدِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهِ فَيَسْكُنَ فِي الْخَانِ وَيَنْزِلَ فِي الرِّبَاطِ وَيَشْرَبَ مِنَ السَّقَايَةِ، وَيُذْفَنَ فِي الْمَقْبَرَةِ فَيُشْتَرَطُ حُكْمُ الْحَاكِمِ أَوْ الْإِضَافَةُ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ كَمَا فِي الْوُقُوفِ عَلَى الْفُقَرَاءِ، بِخِلَافِ الْمَسْجِدِ؛ لَئِنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ حَقُّ الْإِنْتِفَاعِ بِهِ فَخَلَصَ لِلَّهِ تَعَالَى مِنْ غَيْرِ حُكْمِ الْحَاكِمِ.

اصول: امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہو تب وقف مکمل ہوگا۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ صرف کہہ دینے سے کہ وقف کیا اس سے وقف ہو جائے گا۔

اصول: اور امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ کہنے بعد جس پر وقف کیا وہ قبضہ کرے مثلاً مسافر خانہ میں مسافر رہے یا سبیل سے کوئی پیسا پانی پی لے تب وقف مکمل ہوگا۔

تشریح: یہاں چار چیزوں کا تذکرہ ہے، جس کے لئے لوگ زمین وقف کرتے ہیں اور اس میں پانی کی سبیل، سراء خانہ، فوج کے رہنے کے مکانات، اور مقبرہ بناتے ہیں، اور اس میں کبھی کبھار خود بھی رہتے اور استعمال کرتے ہیں، چونکہ اس کو خود بھی استعمال کرتے ہیں، اس لئے امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ جب تک حاکم وقف ہونے کا فیصلہ نہ کر دے وہ چیز وقف نہیں ہو گی، صرف کہنے سے کہ وقف کر دیا، یا مسافر کو رکھ دیا اس سے وہ وقف نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف کہنے سے وقف ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو کوئی مسافر یا مسکین استعمال کر لے تو وقف مکمل ہوگا۔

لغت: سقاییہ: مسافر کو پانی پلانے کی سبیل۔ خانہ: سراء خانہ، جس میں مسافر ٹھہرتے ہیں۔ بنو السبیل: راستے کے بیٹے، اس سے مراد ہے، مسافر۔ رباط: ربط سے مشتق ہے، باندھنا، یہاں مراد ہے چھاؤنی، فوج کے رہنے کے لئے مکان۔ مقبرہ: قبرستان۔

ترجمہ: اس لئے کہ ان چیزوں میں موقوفہ چیز سے بندے کا حق منقطع نہیں ہوا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ واقف بھی اس سے نفع اٹھاتا ہے، چنانچہ سراء خانہ میں خود بھی ٹھہر جاتا ہے، چھاؤنی میں خود کبھی رہتا ہے، سبیل سے پانی پیتا ہے، اور قبرستان میں اپنے آدمیوں کو دفن کرتا ہے اس لئے وقف ہونے کے لئے حاکم کا فیصلہ ضروری ہے، یا موت کے بعد منسوب کرے، جیسے کہ فقراء پر وقف کے بارے میں ہوتا ہے، بخلاف مسجد کے اس لئے کہ واقف کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق باقی نہیں رہتا، اس لئے حاکم کے فیصلے کے بغیر بھی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو گیا، اس لئے مسجد وقف ہو جائے گی۔

تشریح: یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسجد کو وقف کرنے کے لئے حاکم کے فیصلے کی ضرورت نہیں، اور سرائے خانے وغیرہ کو وقف کرنے کے لئے حاکم کے فیصلے کی ضرورت کیوں ہے، فرماتے ہیں کہ مسجد کو وقف کرنے کے بعد اس میں عام آدمی کی طرح

(۳۰۵۱) وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَزُولُ مِلْكُهُ بِالْقَوْلِ ۱ كَمَا هُوَ أَصْلُهُ، إِذَ التَّسْلِيمِ عِنْدَهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَالْوَقْفُ لَا زَمَ.

(۳۰۵۲) وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ إِذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ السَّقَايَةِ وَسَكَنُوا الْحَانَ وَالرِّبَاطَ وَدَفِنُوا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمَلِكُ؛ ۱ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عِنْدَهُ شَرْطٌ وَالشَّرْطُ تَسْلِيمٌ نَوْعِهِ، وَذَلِكَ بِمَا ذَكَرْنَاهُ. وَيُكْتَفَى بِالْوَاحِدِ لِنَعْدُرِ فِعْلَ الْجِنْسِ كُلِّهِ، وَعَلَى هَذَا الْبَيِّنُ الْمَوْقُوفَةُ وَالْحَوْضُ،

نماز پڑھتا ہے، اس کو اپنی جائیداد کی طرح استعمال نہیں کر پاتا، اس لئے وقف کرتے ہی خالص اللہ کا ہو گیا اس لئے حاکم کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور سرائے خانے وغیرہ میں وقف کرنے کے بعد بھی اس میں اپنی جائیداد کی طرح ٹھہرتا ہے اس لئے وہ ابھی خالص اللہ کا حق نہیں ہوا، البتہ اب حاکم اس کے وقف ہونے کا فیصلہ کرے گا تب وہ خالص اللہ کا حق ہوگا، اور وقف مکمل ہوگا، امام ابوحنیفہؒ کے یہاں دونوں کے درمیان یہ فرق ہے۔

ترجمہ: (۳۰۵۱) اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں صرف کہنے سے واقف کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

ترجمہ: جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ ہے اس لئے کہ سپرد کرنا ان کے یہاں لازم نہیں ہے، اس کے بغیر بھی وقف لازم ہو جاتا ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کا اصول گزر گیا ہے کہ واقف صرف یہ کہہ دے کہ، میں وقف کیا، اسی سے اس کی ملکیت ان چیزوں میں بھی ختم ہو جائے گی اور وقف مکمل ہو جائے گا، ان کے یہاں حاکم کے فیصلے، اور متولی کو سپرد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۵۲) اور امام محمدؒ کے یہاں سبیل سے ایک آدمی نے پانی پی لیا، سرائے خانے میں کچھ آدمی ٹھہر گئے، چھاؤنی میں کچھ آدمی ٹھہر گئے، اور قبرستان میں لوگوں نے دفن کر دیا تو واقف کی ملکیت ختم ہو گئی۔

ترجمہ: اس لئے کہ ان کے یہاں سپرد کرنا شرط ہے، اور ہر چیز کی سپردگی اس کے انداز سے ہوتی ہے، اور یہ اس کی سپردگی کا انداز ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ اور ایک آدمی کا دفن وغیرہ ہو جانا کافی ہے، اس لئے کہ تمام کا کرنا ناممکن ہے، اور اسی اصول پر ہے وقف کیا ہوا کنواں اور حوض۔

تشریح: امام محمدؒ کے یہاں وقف مکمل ہونے کیلئے متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، لیکن ہر چیز کے سپرد کرنے کے الگ الگ طریقے ہیں، اس چیز کو اس طریقے پر سپرد کر دیا تو اس سے وقف مکمل ہو جائے گا، مثلاً سبیل کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے ایک آدمی پانی پی لے، سرائے خانے کو سپرد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں مسافر ٹھہر جائے، چھاؤنی کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں فوج ٹھہر جائے، قبرستان کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں ایک آدمی کو دفن کر دیا جائے، اور کنواں کو سپرد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے آدمی

۲. وَلَوْ سَلَّمَ إِلَى الْمُتَوَلَّى صَحَّ التَّسْلِيمُ فِي هَذِهِ الْوُجُوهِ كُلِّهَا؛ لِأَنَّهُ نَائِبٌ عَنِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِ، وَفَعَلَ النَّائِبُ كَفَعْلِ الْمُتَوَلَّى عَنْهُ. ۳. وَأَمَّا فِي الْمَسْجِدِ فَقَدْ قِيلَ لَا يَكُونُ تَسْلِيمًا؛ لِأَنَّهُ لَا تَذْبِيرَ لِلْمُتَوَلَّى فِيهِ، وَقِيلَ يَكُونُ تَسْلِيمًا؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى مَنْ يَكُنْسُهُ وَيُعْلِقُ بَابَهُ، فَإِذَا سَلَّمَ إِلَيْهِ صَحَّ التَّسْلِيمُ، ۴. وَالْمَقْبَرَةُ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَسْجِدِ عَلَى مَا قِيلَ؛ لِأَنَّهُ لَا مُتَوَلَّى لَهُ عَرَفًا. وَقِيلَ هِيَ بِمَنْزِلَةِ السَّقَايَةِ وَالْخَانَ فَيَصِحُّ التَّسْلِيمُ إِلَى الْمُتَوَلَّى؛ لِأَنَّهُ لَوْ نُصِّبَ الْمُتَوَلَّى يَصَحُّ، وَإِنْ كَانَ بِخِلَافِ الْعَادَةِ.

پانی نکال لے، اور حوض کا طریقہ ہے کہ اس سے ایک آدمی وضو کر لے تو اس سے متولی کو سپرد کرنا سمجھا جائے گا اور اس سے واقف کی ملکیت ختم ہو کر وقف مکمل ہو جائے۔ ایک آدمی کا استعمال کر لینا اسلئے کافی ہے کہ سب کا استعمال کرنا ناممکن ہے، اسلئے ایک ہی آدمی کے استعمال کو کافی سمجھا گیا ہے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان چیزوں کے جو متولی ہیں انکو باضابطہ سپرد کرے۔

ترجمہ: ۲: اور اگر ان چیزوں کے متولی کو سپرد کر دیا تب بھی سپرد کرنا سمجھا جائے گا، اس لئے کہ جن لوگوں پر وقف کیا ہے یہ متولی اس کے نائب ہیں، اور نائب کا فعل اصل کا فعل شمار کیا جاتا ہے۔

تشریح: اوپر چھ چیزوں کا تذکرہ گزرا، اگر ان چیزوں کے جو متولی ہیں انکو سپرد کر دیا تب بھی سپرد سمجھا جائے گا، اور وقف مکمل ہو جائے گا، کیونکہ جن لوگوں پر وقف کرنا ہے، متولی ان کا نائب ہے، اور نائب کا فعل اصل کا فعل شمار کیا جاتا ہے، اس لئے متولی کے قبضہ کرنے سے ان لوگوں کا قبضہ شمار کیا جائے گا اور وقف مکمل ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۳: مسجد میں کسی نے نماز نہیں پڑھی بلکہ ابھی متولی کو سپرد کر دی، تو بعض حضرات نے کہا کہ سپرد نہیں ہوگا، کیونکہ متولی کو کوئی دخل نہیں ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ سپرد ہو جائے گی اس لئے کہ جھاڑودینے اور دروازہ بند کرنے کی ضرورت پڑتی ہے [اس لئے متولی کو کچھ نہ کچھ دخل تو ہوا] اس لئے جب اس کو سپرد کر دیا تو سپرد ہو گیا [اور وقف مکمل ہو گیا]

تشریح: اوپر یہ گزرا کہ مسجد میں ایک آدمی نماز پڑھ لے تو وہ وقف ہو جاتی ہے، لیکن کسی نے نماز نہیں پڑھی اور اس کے متولی کو سپرد کر دیا تو اس سے وقف ہوگا یا نہیں۔ ایک روایت ہے کہ وقف نہیں ہوگی، کیونکہ متولی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ وقف ہو جائے گی، کیونکہ مسجد میں جھاڑودینے کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے دروازے کو بند کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ متولی کو دخل ہے، اس لئے سرائے خانہ کی طرح اس کو بھی سپرد کر دے تو وقف ہو جائے گی۔۔ یکنس: جھاڑودینا۔

ترجمہ: ۴: اور مقبرہ کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ مسجد کی طرح ہے [یعنی متولی کو سپرد کرنے سے سپرد نہیں ہوگا] اس لئے کہ عرف میں اس کا کوئی متولی نہیں ہوتا۔ اور بعض دوسرے حضرات نے کہا کہ وہ سبیل، اور سرائے خانے کی طرح ہے

۵. وَلَوْ جَعَلَ دَارًا لَهُ بِمَكَّةَ سُكْنَى لِحَاجِّ بَيْتِ اللَّهِ وَالْمُعْتَمِرِينَ، أَوْ جَعَلَ دَارَهُ فِي غَيْرِ مَكَّةَ سُكْنَى لِلْمَسَاكِينِ، أَوْ جَعَلَهَا فِي ثَغَرٍ مِنَ الثُّغُورِ سُكْنَى لِلْغَزَاةِ وَالْمُرَابِطِينَ. أَوْ جَعَلَ غَلَّةَ أَرْضِهِ لِلْغَزَاةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَعَالَى وَدَفَعَ ذَلِكَ إِلَى وَالٍ يَقُومُ عَلَيْهِ فَهُوَ جَائِزٌ، وَلَا رُجُوعَ فِيهِ لِمَا بَيْنَا ۶. إِلَّا أَنْ فِي الْغَلَّةِ تَحِلُّ لِلْفُقَرَاءِ دُونَ الْأَغْنِيَاءِ، وَفِيمَا سِوَاهُ مِنْ سُكْنَى الْخَانَ وَالِاسْتِقَاءِ مِنَ الْبُيُوتِ وَالسَّقَايَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ يَسْتَوِي فِيهِ الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ. وَالْفَارِقُ هُوَ الْعُرْفُ فِي الْفُضْلَيْنِ. فَإِنَّ أَهْلَ الْعُرْفِ يُرِيدُونَ بِذَلِكَ فِي

کہ متولی کو سپرد کرنے سے سپرد ہو جائے گا، کیونکہ مقبرہ کا متولی متعین کرے تو صحیح ہے، اگرچہ یہ عادت کے خلاف ہے۔

تشریح: مقبرے میں کسی عام آدمی کو دفن نہیں کیا اور اس کو متولی کو سپرد کر دیا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ مسجد کی طرح وقف نہیں ہوگا، اس لئے کہ عرف میں اس کا کوئی متولی نہیں ہوتا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سرائے خانے کی طرح وقف ہو جائے گا، کیونکہ اگرچہ عام عادت میں اس کا متولی نہیں ہوتا، لیکن اگر اس کا متولی بنانا چاہے تو بن سکتا ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، اس لئے متولی بنا کر اس کے سپرد کر دیا تو وقف ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۵: اگر مکہ مکرمہ میں اپنا گھر حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ٹھہرنے کے لئے وقف کر دیا۔ یا مکہ مکرمہ کے علاوہ میں اپنا گھر مسکینوں کے ٹھہرنے کے لئے وقف کر دیا، یا سرحد پر کوئی چھاؤنی غازیوں کے ٹھہرنے کے لئے کر دیا۔ یا زمین کا غلہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لئے کر دیا، اور ایسے والیوں کو سپرد کر دیا جو اس کی سرپرستی کرتا ہو تو وہ جائز ہے [یعنی وقف ہو گیا] اور اب اس کو واپس نہیں لے سکتا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا کہ وہ اللہ کے لئے ہو گیا ہے۔

تشریح: یہاں چار باتیں بیان کی ہیں [۱] مکہ مکرمہ میں اپنا گھر تھا اس کو حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ٹھہرنے کے لئے وقف کر دیا۔ [۲] مکہ مکرمہ کے علاوہ کہیں اور گھر تھا اس کو مسکینوں کے ٹھہرنے کے لئے وقف کر دیا۔ [۳] سرحد پر کوئی مکان تھا مجاہدین کے ٹھہرنے کے لئے اس کو وقف کر دیا۔ [۴] اپنی زمین کے غلے کو اللہ کے راستے میں دے دیا، اور ان چیزوں کے متولی کو سپرد کر دیا جو اس کی سرپرستی کرتا تھا تو یہ جائز ہے، اور اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔

لغت: سکنی: قیام کرنا۔ ثغر: سرحد۔ مرابط: ربط سے مشتق ہے، وہ لشکر جو سرحد کے پاس رہتا ہو۔

ترجمہ: ۶: البتہ غلے کے بارے میں یہ کہ [اگر غلے کو وقف کیا تو] وہ فقراء کیلئے ہوگا، مالداروں کیلئے نہیں، اور اس کے علاوہ جو ہے سرائے خانے میں ٹھہرنا، کنویں سے پانی نکالنا اور اس کو پینا وغیرہ اس میں مالدار اور فقیر دونوں برابر ہیں، اور دونوں فصلوں میں فرق کی چیز عرف ہے۔ اس لئے کہ غلہ وقف کرو تو عرف میں یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف فقراء کیلئے ہے۔ اور اس کے علاوہ کے وقف میں فقیر اور مالدار دونوں کیلئے برابر حق سمجھتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی پینے میں اور سرائے میں ٹھہرنے میں مالدار اور فقیر دونوں کی ضرورت

الْغَلَّةِ الْفُقَرَاءَ، وَفِي غَيْرِهَا التَّسْوِيَةَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ، وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ تَشْمَلُ الْغَنَى وَالْفَقِيرَ فِي الشُّرْبِ وَالنُّزُولِ. وَالْغَنَى لَا يَحْتَاجُ إِلَى صَرْفِ هَذَا الْغَلَّةِ لِغِنَاهُ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

برابر ہے۔ لیکن غلہ کے خرچ کرنے میں مالدار کو اس کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کے پاس غلہ موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
تشریح: عرف میں یہ ہے کہ غلہ وقف کرو تو وہ صرف فقیروں کے لئے ہوتا ہے، اور سرائے خانہ وقف کرو، سبیل وقف کرو تو وہ غریب اور مالدار دونوں کے لئے سمجھا جاتا ہے، اس لئے زمین کا غلہ وقف کیا تو اس سے صرف فقیر فائدہ اٹھائے، مالدار فائدہ نہ اٹھائے، اور سرائے خانہ وقف کیا تو اس میں مالدار بھی ٹھہر سکتا ہے اور غریب بھی ٹھہر سکتا ہے۔
وجہ: کنواں سے پانی پینے کی ضرورت غریب اور مالدار دونوں کو ہے اسلئے کنواں وقف کیا تو دونوں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور غلہ مالدار کے پاس ہے اور فقیر کے پاس نہیں ہے اسلئے غلہ وقف کیا تو اس کو صرف مالدار کھا سکتا ہے، مالدار نہیں کھا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ کے فضل سے آج ساتویں جلد کی شرح ختم ہوئی۔

تمت بالخیر

آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

احقر ثمیر الدین قاسمی غفرلہ

مانچسٹر، انگلینڈ

۱۲ / ۱ / ۲۰۱۶ء

مؤلف کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi

70 Stamford Street , Old Trafford

Manchester, England -M16 9LL

E samiruddinqasmi@gmail.com

Mobile (00 44) 07459131157

website samiruddinbooks.co.uk